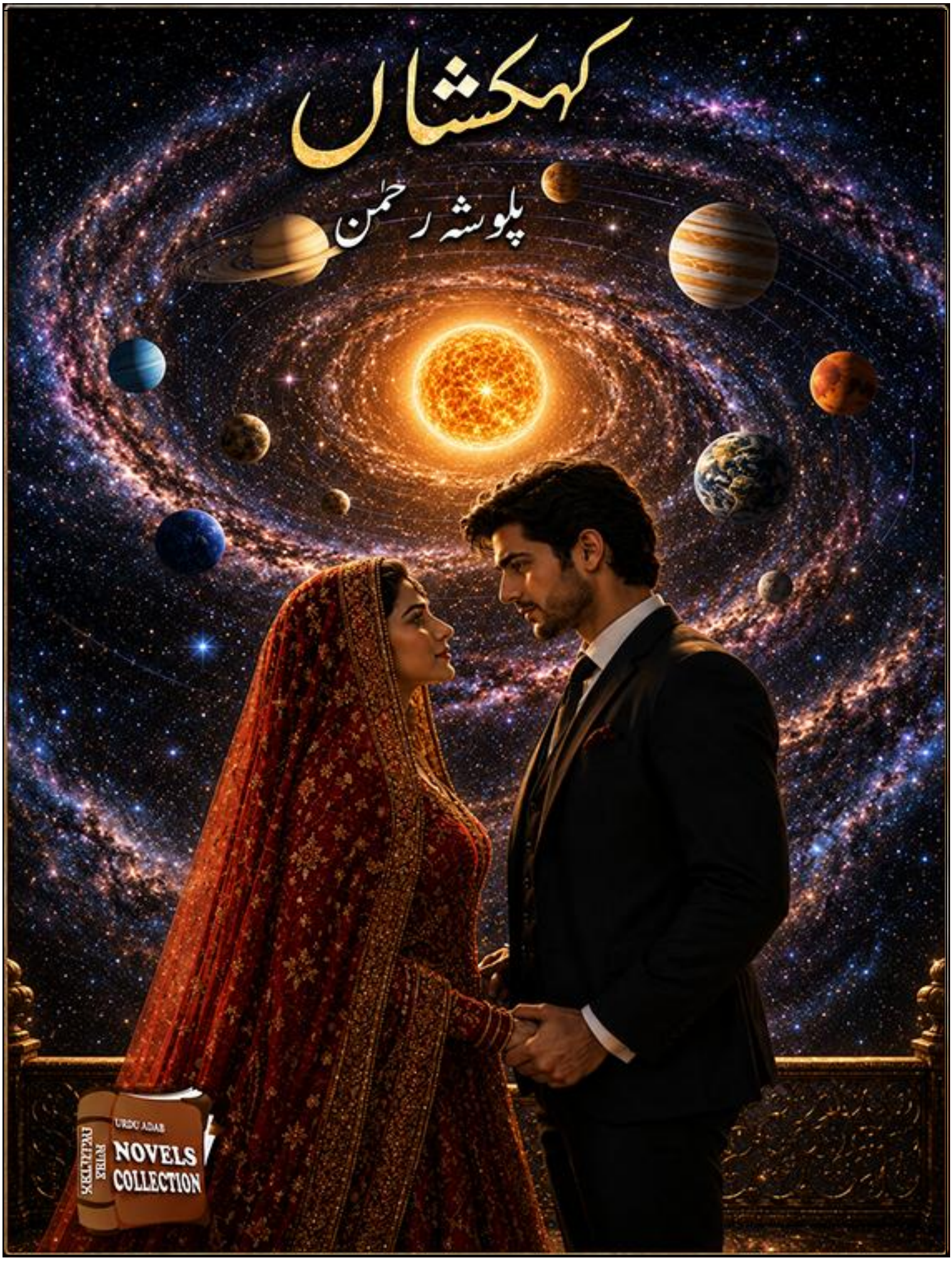
کہکشاں
پلوشہ رحمٰن
URDU ADAB
NOVELS
COLLECTION

کہکشاں

پلوشہ رحمٰن

ایک اہم بات

فریبِ نظر اور قلب و جاں کے بعد یہ میرا تیسرا ناول ہے اور اس ناول میں شامل تمام شاعری میری اپنی تخلیق ہے۔ اسے کہیں بھی شیئر کرتے وقت ناول اور مصنفہ کا نام بطور حوالہ لازمی درج کریں۔

پلوشہ رحمٰن

باب نمبر1

یاور سنگرام

"یک جاں"

محبت ہے کیا آخر؟

اک سفرِ مسلسل!

کبھی قربت

کبھی دوری

کہ ہے ہر سمت ضروری

محض اک کیفیت؟

یا پھر

غفلت سے جگانے کو

اک پکار دلنشیں !

یہ وہ دستک ہے

کہ جس پر

کوئی در بند نہیں رہتا

کہ کچھ بھی ہو

پھر وہ شخص پہلے سا نہیں رہتا

یک جاں، دو قالب ہو کر

جیے جانا

سہل بھی نہیں رہتا

یوں ہر درد سہنا پڑتا ہے

کہ اس سے گزر کر ہی

نئی تصویر بنتی ہے

کچھ تجھ میں، میں

ہے مجھ میں تو

اور جب ہوں ہم

روبرو

ہے آغازِ نو

چہار سو!

نیواڈا کا ریگستان، لاس ویگاس کی رنگین روشنیوں سے میلوں دور۔

جہاں ریت کی تہوں پر رات کا سناٹا طاری تھا، وہیں 'اورین اسپیس سسٹمز' کا گراؤنڈ اسٹیشن ایک مصنوعی جزیرے کی طرح چمک رہا تھا۔

یا وراس وقت زمین پر نہیں، اس کے اوپر تھا—لوہے کے ایک ڈھانچے سے لٹکا ہوا، جیسے خلا میں معلق کوئی وجود۔

وہ اسٹیشن کی سب سے اونچی چھت پر نصب ایک بڑی سیٹلائٹ ڈش کے آہنی ڈھانچے پر ہارنس کے ذریعے کام کر رہا تھا۔

اس کے ہیلمٹ پر لگی ٹارچ کی سفید روشنی صرف ان پیچیدہ تاروں اور سرکٹس پر مرکوز تھی جو اس کے سامنے پھیلے ہوئے تھے۔

نیچے کنٹرول روم میں ہیجان برپا تھا۔ جیکٹ کی جیب میں رکھا وائرلیس مسلسل چیخ رہا تھا۔

ایلکس کی آواز پریشان تھی۔ "یاور! ہیرالڈ-4 کا سگنل مکمل منجمد ہو چکا ہے۔ ہم ریبوٹ کی آخری کوشش کر رہے ہیں مگر سسٹم رسپانس نہیں دے رہا۔ تم وہاں کیا کر رہے ہو؟ ہمیں نیچے تمہاری فوری ضرورت ہے۔"

جیسیکا کی آواز میں فکر تھی۔ "یاور، مارکس لائن پر ہے۔ وہ واشنگٹن سے لائیو مانیٹر کر رہا ہے اور بہت غصے میں ہے۔ پلیز جواب دو۔"

یاور کے چہرے پر کوئی تاثر نہ آیا، اس نے بے دلی سے وائرلیس بند کر دیا۔ جیسے شور اس کے لیے مسئلہ نہیں، غیر ضروری تھا۔

شور تھم گیا تو اسے ریگستانی ہوا کی سائیں سائیں اور ڈش کے اندرونی موٹرز کی دھیمی سی گونج سنائی دینے لگی۔

یاور اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا ہینڈ ہیلڈ اسکینر نکالا اور سگنل کی لہروں کو مینوئلی ٹریک کرنا شروع کیا۔

اس کی انگلیاں اس مہارت سے تاروں کے جال میں حرکت کر رہی تھیں جیسے وہ کوئی سرجری کر رہا ہو۔

چند لمحوں بعد اس کے لبوں پر ایک ہلکی، مطمئن سی مسکراہٹ ابھری۔

یاور نے کہا۔ "مسئلہ سافٹ ویئر میں نہیں تھا؛ ریگستان کی ٹھنڈ اور آلات کی اندرونی گرمی کے فرق سے ایک باریک تانبے کا جوڑ تھرمل ایکسپینشن کے باعث اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا۔"

اس نے بہت احتیاط سے ایک مخصوص تار کو بائی پاس کیا اور عارضی کنکشن جوڑ دیا۔

پھر اس نے وائرلیس آن کیا اور مختصر کہا۔ "کمانڈ بھیجو۔"

نیچے سے جیسیکا نے ہچکچاتے ہوئے انٹر دبایا۔

ایک سیکنڈ کی تاخیر کے بعد ڈش نے بھاری میکانکی آواز کے ساتھ زاویہ بدلا اور آسمان کی سمت اپنا رخ درست کر لیا۔

ایلکس خوش ہو کر چیخا۔ "اوہ مائی گاڈ! سگنل بحال ہو گیا! یاور، تم نے یہ کیسے کیا؟"

یاور نے جواب دینے کی زحمت نہیں کی، وہ نیچے نہیں اترا۔

شیشے کے اپنی طرف ہاتھ بڑھا کر یاور نے وہیں لوہے کی گرم ریلنگ پر ٹیک لگائی اور سیدھا لیٹ گیا۔

اس کے سامنے کائنات کا وہ نظارہ تھا جس کے لیے وہ ترستا تھا۔ ستارے اتنے واضح اور قریب تھے جیسے وہ ہاتھ بڑھا کر ان کہکشاؤں کو چھو لے گا۔

جیسیکا کی آواز اب نرم پڑ چکی تھی۔ "یاور؟ مارکس بات کرنا چاہ رہا ہے۔ وہ پوچھ رہا ہے کہ تم نیچے کب آؤ گے؟"

یاور نے نظر اٹھا کر آسمان میں پھیلے ستاروں کو دیکھا۔ وہی بے شمار روشنیوں کے نقطے، جو فاصلے کے باوجود ایک ترتیب میں بندھے تھے۔

اس نے کہا۔ "جیسیکا، مارکس سے کہو کہ تم لوگ چلے جاؤ۔ مجھے یہاں کی خاموشی نیچے کے شور سے زیادہ سمجھ آتی ہے۔"

یاور نے وائرلیس ایک طرف رکھ دیا اور خاموشی کے اس حصار میں گم ہو گیا جہاں صرف وہ تھا، اور وہ ستارے جو الگ دکھائی دیتے ہیں، مگر کسی نادیدہ کشش سے بندھے رہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

امبر اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو سیدھا وارڈروب کی طرف بڑھی۔

وہ کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔۔۔ جلدی میں، بے ترتیبی سے۔ جیسے اس لمحے اس کے لیے اور کوئی چیز اہم نہ ہو۔

کچھ دیر کی تلاش کے بعد آخر اسے وہ چھوٹا سا لکڑی کا صندوق مل گیا۔

اس نے اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور بیڈ کے پاس لے آئی۔

ڈھکن کھولتے ہی ایک آواز جیسے اندر کہیں سے ابھری۔

"یہ اتنا مضبوط ہے کہ تمہاری سب یادیں سنبھال لے گا۔"

سولہ سالہ یاور۔

امبر کی پلکیں ایک لمحے کو ٹھہر گئیں۔

"یادیں رکھنے کے لیے بھی صندوق چاہیے ہوتا ہے؟"اس نے تب ہنس کر پوچھا تھا۔

یاور نے اسے دیکھا تھا۔۔۔ غور سے۔

"کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں کھلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ورنہ لوگ انہیں بدل دیتے"

ہیں۔

اس نے ساتھ ایک چھوٹا سا تالہ اور چابی بھی دی تھی۔

''اپنے راز سنبھالنا سیکھو۔''

امبر نے گہری سانس لی اور صندوق کے اندر ہاتھ ڈالا۔

انگلیوں کو وہ چیز فوراً پہچان میں آ گئی۔

سبز رنگ کی ربڑ کی گیند۔

اس کی سطح پر ہلکی خراشیں تھیں، مگر رنگ اب بھی ویسا ہی قید تھا۔

گہرا، شفاف، زندہ۔

جیسے ہی اس نے اسے انگلیوں کے بیچ تھاما،

وقت پیچھے کھسک گیا۔

سات سالہ امبر فرش پر الٹی لیٹی رنگ بھر رہی تھی جب دروازہ کھلا۔

فراز اندر آیا۔

اس کے پیچھے ایک لڑکا تھا—ہلکا سا جھجکتا ہوا۔

"امبر، یہ یاور ہے۔ خالہ کا بیٹا۔" ایک نظر اس یاور پر ڈالی اور اضافہ کرتے ہوئے بولا۔ "تم سے پانچ سال بڑا، مجھ سے ایک سال چھوٹا۔"

امبر نے سر اٹھایا۔

لڑکا خاموشی سے کمرے کو دیکھ رہا تھا۔

اس کی سبز آنکھیں عجیب تھیں، جیسے بارش کے بعد گھاس پر روشنی ٹھہر گئی ہو۔

"تمہارے پاس کاریں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

فراز اسے وہاں چھوڑ کر جا چکا تھا۔

"نہیں۔ میرے پاس گڑیاں ہیں۔" امبر معصومیت سے بولی۔

وہ قریب آ گیا۔

فرش پر بکھرے رنگ، گڑیا گھر کی ٹوٹی ہوئی دیوار۔۔۔ سب غور سے دیکھا۔

"یہ ٹوٹا ہوا ہے۔"

"فراز بھائی نے توڑا تھا۔"

یاور نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک سبز گیند نکالی۔

"یہ رکھ لو۔"

امبر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "یہ کیا ہے؟"

یاور نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گڑیا گھر میں وہ گیند وہاں رکھ دی جہاں دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ "اس سے یہ دیوار بہتر لگے گی۔" اس نے دیوار کی دراڑ پر انگلی پھیری۔ "لوگ اسے نہیں، گیند کو دیکھیں گے۔"

وہ صحیح کہہ رہا تھا، وہ جیسے ہی گڑیا گھر کی طرف دیکھتی، نظر سیدھا گیند پر جاتی۔

وہ سبز رنگ،

کچھ خاص تھا۔

یہ ان کی پہلی بات چیت تھی۔

☆☆☆

فلکیاتی حقیقت

ہماری کہکشاں کے عین مرکز کے قریب، ایک ایسے خطے میں جہاں ستاروں کی گنجان آبادی اور بے حد طاقتور کششی اثرات ایک ساتھ موجود ہیں، ایک غیر معمولی ستاروں کا جوڑا دریافت ہوا ہے جسے ڈی نائن کہا جاتا ہے۔ یہ نظام کہکشاں کے مرکزی انتہائی بھاری

سیاہ گڑھے کے قریب واقع ہے، جہاں ماحول عام ستاروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ پیچیدہ اور شدید ہے۔

یہ دونوں ستارے ایک دوسرے کے گرد گردش کرتے ہوئے اس قدر قریب ہیں کہ ان کی کشش وابستگی انہیں ایک نازک مگر مسلسل مداری بندھن میں جکڑے ہوئے رکھتی ہے اس خطے میں موجود شدید کششی اثرات اور گرد و غبار کی دباؤ بھری فضا وقت کے ساتھ ان کے مدار کو بدلتی رہتی ہے، جس کے نتیجے میں ماہرین کے مطابق امکان ہے کہ مستقبل میں یہ دونوں ستارے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے قریب آ کر ایک واحد ستارے کی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

ٹیرس پر حبس تھا اور بادلوں کی بھاری چادر تنی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے فضا بوجھل لگ رہی تھی۔

پندرہ سالہ امبر منڈیر سے لگی ہوا کے کسی ٹھنڈے جھونکے کی منتظر تھی، جب سیڑھیوں پر ہونے والی چاپ نے اسے حال میں واپس کھینچا۔

یا ور اندھیرے میں ایک سایہ بنے اس کی سمت آ رہا تھا۔

وہ امبر کے پاس آ کر رکتے ہی کوئی رسمی بات کیے بغیر براہِ راست سوال کرنے لگا۔

"تمہیں وہ رات یاد ہے؟ جب پچھلے سال ہم نے یہاں آسمان پر کچھ دیکھا تھا؟"

اس کے لہجے میں ایک عجیب سا اصرار تھا، جیسے وہ امبر کے حافظے کا امتحان لے رہا ہو۔

امبر کو فوراً ڈنر کے بعد کا وہ منظر یاد آ گیا جب یاور اس کی کرسی کے پیچھے سے گزرتے ہوئے سرگوشی کر گیا تھا۔ "ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے، ٹیرس پر۔"

وہ جواب دینے کے لیے مڑی ہی تھی لیکن وہ لاؤنج کی طرف بڑھ چکا تھا، جہاں فراز بھائی ویڈیو گیم میں مگن تھے اور باقی سب اپنی باتوں میں مصروف تھے۔

امبر دو کولڈ ڈرنکس کے کین تھامے کھڑی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی جو تپائی پر ایک فلکیاتی ٹیلی اسکوپ فٹ کر رہا تھا۔

یہ تم کیا اٹھا لائے ہو؟" امبر نے اس بھاری آلے کو دیکھ کر تعجب سے پوچھا۔ "اور تم نے" "فراز بھائی کو کیوں نہیں بلایا؟

یاور نے پیچ کستے ہوئے سر اٹھایا۔ "جو بات تمہاری دوستی میں ہے، وہ فراز کی نہیں ہے۔"

"کیوں؟" امبر نے معصومیت سے پوچھا۔

ہم کافی مختلف ہیں۔" اس نے مختصر جواب دے کر بات ٹال دی اور ٹیلی اسکوپ کے لینز"

"کو ایک خاص زاویے پر سیٹ کرنے لگا۔" ادھر آؤ، تمہیں ایک چیز دکھاتا ہوں۔

یاور نے امبر کو لینز کی طرف جھکنے کا اشارہ کیا۔" یہ موقع کبھی کبھار آتا ہے جب زمین اور مشتری کے درمیان فاصلہ نسبتاً کم ہو جائے، اور تم اس کے دھاری دار بادل بھی دیکھ سکو۔ اس کے چار بڑے چاند بھی واضح نظر آ رہے ہیں۔"

امبر نے کین میز پر رکھے اور دھڑکتے دل کے ساتھ لینز میں آنکھ ٹکائی۔

کالی وسعت کے درمیان ایک بڑا سا، سنہری لکیروں والا گیند چمک رہا تھا اور اس کے گرد چار ننھے روشن نقطے ایک ترتیب میں موجود تھے۔

وہ منظر اتنا حقیقی تھا کہ امبر کو اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"واہ، یہ تو بالکل سچا لگ رہا ہے۔" امبر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "لیکن یاور، تمہیں ان سب چیزوں کا اتنا علم کیسے ہے؟ اور ہمیں کیسے پتہ چلا کہ یہ مشتری ہے اور اس کے گرد یہ چار چاند ہی ہیں؟"

یاور کے چہرے پر ایک پُر جوش چمک آئی، جیسے اسے اس کے پسندیدہ موضوع پر چھیڑ دیا گیا ہو۔

تقریباً چار سو سال پہلے گلیلیو نے پہلی بار اپنی دوربین سے جب اسے دیکھا تھا تو وہ بھی تمہاری طرح حیران رہ گیا تھا۔ اسے لگا تھا یہ ستارے ہیں، پر پھر اسے احساس ہوا کہ یہ تو مشتری کے گرد گھوم رہے ہیں۔ ان چاروں کو آج بھی 'گلیلیئن چاند' کہا جاتا ہے۔"

اس نے ٹیلی اسکوپ سے نظریں ہٹائیں اور امبر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "مجھے بچپن سے ہی آسمان کی اس وسعت نے اپنی طرف کھینچا ہے۔ انگلینڈ میں سکول کی لائبریری میں ایسی کئی کتابیں تھیں جو میں نے ختم کر دیں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں آگے چل کر 'ایسٹرو فزکس' میں اپنی تعلیم مکمل کروں تاکہ کائنات کے ان چھپے ہوئے رازوں کو مزید قریب سے سمجھ سکوں۔"

امبر نے اسے تعجب اور تھوڑی ستائش سے دیکھا۔ "یاور، تم بہت ذہین ہو۔"

یاور کے لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ آئی۔ "نہیں امبر، میں ذہین نہیں، بس میں جس چیز میں دلچسپی رکھوں اسے لے کر بہت پُرجوش رہتا ہوں۔ میرے لیے یہ ستارے اور سیارے صرف روشنی کے نقطے نہیں، بلکہ پوری پوری حقیقتیں ہیں۔"

اس نے ایک لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی اور پھر بادلوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "لوگ سمجھتے ہیں کہ کہکشاں بہت دور ہے، لیکن اگر کھوجتی نظر ہو اور زاویہ درست، تو انسان کو اسی زمین پر اپنی کہکشاں مل جاتی ہے۔"

امبر چند لمحوں کے لیے ماضی کی ان یادوں میں کھو گئی، پھر یکدم حال میں لوٹ آئی۔

یاور نے اپنی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور چاندی کا وہ بریسلٹ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔

امبر نے حیرت سے اسے تھام کر دیکھا۔ "یہ۔۔۔ یہ تو ٹوٹ گیا تھا؟"

"ہاں، اور تم اس رات بہت اداس تھی۔" یاور نے اسے یاد دلایا۔

ہاں، کولڈ ڈرنک کے کین سے اٹک کر یہ ٹوٹ گیا تھا۔" امبر نے دھیمے سے کہا اور اسے "اپنی کلائی پر پہننے لگی۔" پر یہ ٹھیک کیسے ہوا؟

یاور، جواب تک اسے ہی غور سے دیکھ رہا تھا، نظریں ٹکرانے پر ذرا سا جھجکا اور پھر گویا ہوا۔" تم نے غصے میں اسے یہیں ٹیرس پر پھینک دیا تھا۔ اس وقت تو میں نے کچھ نہیں کہا، لیکن اگلی صبح میں یہاں آیا، اسے ڈھونڈا اور اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔"

امبر کی حیرت کم نہ ہوئی۔" اور تم یہ ٹوٹا ہوا بریسلٹ اپنے ساتھ لندن لے گئے؟"

یاور کے لبوں پر ایک ہلکی سی ہنسی آئی۔" میں اسے ٹھیک کرنا بھول گیا تھا، یہ بس میری جیکٹ کی جیب میں پڑا رہا۔ پھر ایک دن میرا ایک بہت اہم ٹیسٹ ہوا جو بہت برا رہا۔ اس کا سیدھا اثر میرے گریڈز پر پڑنا تھا۔ میں بہت اداس تھا اور لندن کا وہ مخصوص بوجھل موسم دل کو مزید اداس کر رہا تھا۔ میں چہل قدمی کے لیے قریبی پارک چلا گیا، وہاں بینچ پر بیٹھے بیٹھے جیکٹ کی جیب میں ہاتھ گیا تو یہ بریسلٹ ملا۔"

وہ ایک لمحے کو رکا، پھر سلسلہ کلام جاری رکھا۔ "سوچو، اسی دن میں نے وہی جیکٹ پہنی تھی۔ میں وہیں بینچ پر بیٹھ کر اسے ٹھیک کرنے لگا۔ مجھے تمہاری اس دن کی مایوسی یاد آئی تو میں اپنی اداسی بھول گیا۔"

امبر اتنے انہماک سے اسے سن رہی تھی کہ جب وہ اچانک چپ ہوا، تو وہ اس لمحے کے سحر سے باہر نہ نکل پائی۔

جب اسے احساس ہوا تو وہ چونک اٹھی۔ "تو کیا تم نے اسے اسی دن ٹھیک کر لیا تھا؟"

"ہاں، میں نے سوچ لیا تھا کہ اس بینچ سے تب تک نہیں اٹھوں گا جب تک یہ ٹھیک نہ ہو جائے۔ اسے جوڑنے میں بس چند منٹ لگے، لیکن اس کی تکمیل پر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میری اپنی ساری پریشانی ختم ہو گئی۔ جانتی ہو کیوں؟"

امبر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

مجھے لگا کہ جب میں تمہیں یہ صحیح سلامت واپس دوں گا، تو تم بہت خوش ہو گی۔" وہ رکا" "اور پھر دھیمی آواز میں بولا۔ "تمہاری خوشی کے خیال نے مجھے خوش کر دیا۔

اسی لمحے آسمان سے بارش کا ایک ٹھنڈا، بھاری قطرہ امبر کے ماتھے پر گرا۔

یاور کا ہاتھ بے اختیار آگے بڑھا اور اس نے اپنی انگلی کے پور سے وہ بوند اس کے ماتھے سے ہٹا دی۔

امبر کو اس لمحے ایسا لگا جیسے وہ اسے صرف بارش کے قطرے سے نہیں، بلکہ دنیا کی ہر اس چیز سے بچانا چاہتا ہے جو اسے تکلیف دے سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

لاس ویگاس کی ایک مصروف سڑک پر بنے اس جدید کیفے میں لوگوں کا ہجوم اور باتوں کا شور کسی لہر کی طرح اٹھ رہا تھا، مگر ایک کونے کی میز پر خاموشی کا اپنا ہی ایک حصار تھا۔

چارلس اپنی کافی کے مگ میں چمچ ہلاتے ہوئے سامنے بیٹھے شخص کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

یاور چمچ کانٹے سے براؤنی کے ٹکڑے کرتا، انہیں باری باری منہ میں ڈال تو رہا تھا لیکن اس کا انداز کسی روبوٹ جیسا میکانکی تھا، جیسے وہ محض کوئی بورنگ ڈیوٹی نبھا رہا ہو۔

چارلس کو شک ہوا کہ اسے اس ذائقے کا احساس بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔

آخر کار چارلس سے مزید رہا نہ گیا، وہ بول پڑا۔ "عروہ سے بات ہوئی تھی میری۔"

یاور کے ہاتھ ایک لمحے کو رکے، پھر دوبارہ حرکت میں آ گئے۔ "راوی۔۔ ہم سب اسے "راوی کہتے ہیں۔"

چارلس نے کندھے اچکائے۔ "ہاں، اس وقت سب سے اہم بات یہی تو ہے۔"

یاور اب بھی کچھ نہ بولا تو چارلس کو ہار ماننی پڑی، بات اسے ہی آگے بڑھانی تھی۔ "راوی بتا رہی تھی کہ کل رات تم آدھی رات کے وقت اس کے گھر گئے؟"

یاور نے کافی کا گھونٹ لیا اور بیزاری سے گرد و پیش پر نظر دوڑائی۔ "جواب جانتے ہو تو پوچھ کیوں رہے ہو؟"

"وہ کہہ رہی تھی تم نے اسے رات ایک بجے کال کر کے کہا کہ تم اس کے گھر آ رہے ہو، بس پہنچنے ہی والے ہو، اور جب تم پہنچے تو۔۔۔" چارلس کہتے کہتے رک سا گیا۔ "تمہارا حلیہ

بہت خراب تھا، بال بکھرے ہوئے، آنکھیں وحشت بھری۔ اسے لگ رہا تھا کہ تم جاگنگ کرتے ہوئے وہاں پہنچے ہو۔"

یاور نے بے پروائی سے ہاتھ ہلایا۔ "تو اس میں نیا کیا ہے؟ میں رات میں ہی جاگنگ کرتا ہوں۔"

چارلس نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی ذہنی حالت پر شک ہو۔ "یاور! اس کے گھر تک کا راستہ جانتے ہو کتنا ہے؟"

یاور نے اب کی بار براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "ایک گھنٹہ بیس منٹ۔ اتنا ہی وقت لگا تھا مجھے اپنے فلیٹ سے اس کے گھر تک۔"

"اس کا کہنا تھا کہ تم نے اس کی ہتھیلی پر انگوٹھی رکھی اور کہا کہ تم مزید دھوکا نہیں دے سکتے۔۔۔ نہ اسے، نہ خود کو۔" چارلس کی آواز میں اب گہری سنجیدگی تھی۔

یاور کی نظریں ایک بار پھر ارد گرد کا جائزہ لینے لگیں۔

اس نے دیکھا کہ کچھ ہی فاصلے پر ایک ٹین ایج جوڑا آ کر بیٹھا ہے۔

وہ یہاں سے ان دونوں کے چہروں کے تاثرات تو بخوبی پڑھ سکتا تھا لیکن یہ نہیں جان سکتا تھا کہ ان کے درمیان کیا گفتگو ہو رہی ہے۔

وہ دونوں بہت آہستہ آواز میں بات کر رہے تھے اور انداز سے لگ رہا تھا کہ کسی بات پر بحث ہو رہی ہے۔

"وہ کہہ رہی تھی کہ تم نے ہمیشہ سے ایک دیوار کھڑی کیے رکھی۔ اسے لگا وہ تمہارے" دل تک پہنچ جائے گی لیکن کبھی ایسا ہو ہی نہیں پایا۔ پچھلے دو سال تم اس سے اور اس کی فیملی سے ملتے رہے، تم دونوں کی فیملیاں قریب ہو گئیں۔ لیکن جب کبھی اس نے شادی کی تجویز سامنے رکھی تو تم نے کہا، 'فی الحال میں اپنی تنہائی کسی سے شیئر کرنے کو تیار نہیں'۔"

یاور نے دیکھا، اس لڑکی کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا ہے۔

لڑکے نے میز پر دھرے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر جیسے اسے بہلانے کی کوشش کی، مگر لڑکی نے اپنا ہاتھ تیزی سے اس گرفت سے آزاد کر لیا۔

اب اس کی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہنے لگے تھے۔

یاور کو اپنی دھڑکنیں تھمتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

اس لڑکی نے اچانک کچھ کہتے ہوئے کرسی پیچھے کو کھسکائی اور تیز قدم اٹھاتی وہاں سے چل دی۔

اب وہ لڑکا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے وہیں بیٹھا تھا۔

یاور کی نظریں اس لڑکی کی چھوڑی ہوئی خالی کرسی پر جم گئیں۔

"یاور؟" چارلس کی قدرے بلند آواز نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

اس نے رخ اپنے دوست کی طرف کیا تو وہاں ناراضگی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ "میں تم سے اتنے اہم موضوع پر بات کر رہا ہوں اور تم ہو کہ۔۔۔" اس نے جیسے بے بسی سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

چارلس۔" یاور نے اس کا نام لیتے ہی ایک گہری سانس خارج کی۔ "میں اس رشتے کو جتنا" " گھسیٹنے کی کوشش کرتا، تکلیف راوی کو ہی ہوتی۔

چارلس بولا۔ "تم دونوں منگنی کر چکے تھے، تمہارے والدین بھی اس میں شامل تھے، کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔"

یاور اداسی سے مسکرایا۔ "مسئلہ راوی نہیں تھی، چارلس۔"

اس نے ایک نظر مڑ کر اس لڑکے کو دیکھا، وہ اب سامنے خلا میں گھورتا جانے کیا سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

پر تعیش ہوٹل کا مرکزی ہال روشنیوں، ہلکی موسیقی اور پھولوں سے مہک رہا تھا۔

یہ اوریون اسپیس سسٹمز کے ایک سینیئر مینیجر کی الوداعی پارٹی تھی، مگر محفل کی اصل رونق وہ سرگوشیاں تھیں جو مشروبات کی میز کے قریب کھڑی جیسیکا اور ایلیسا ایک دوسرے کے کان میں کر رہی تھیں۔

وہ ہر آنے والے مرد کے لباس، انداز اور شخصیت پر بے رحمانہ تبصرے کر رہی تھیں کہ اچانک مرکزی دروازہ کھلا۔

اور پھر ایک ایسا شخص اندر داخل ہوا جس کی موجودگی نے لمحہ بھر کے لیے پورے ہال کی آواز جیسے مدھم کر دی۔

یوں لگا جیسے روشنی بھی چند ثانیوں کے لیے اسی پر ٹھہر گئی ہو۔

ایلیسا اور جیسیکا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے دونوں نے ایک ہی وقت میں سوچ لیا ہو کہ یہ شخص صرف افواہوں تک محدود نہیں ہو سکتا۔

وہ دراز قد، صاف رنگت اور گہری سبز آنکھوں کے ساتھ ہجوم میں اس طرح نمایاں تھا جیسے شور کے بیچ کوئی خاموش مگر الگ لہجہ چل رہا ہو۔

جیسیکا نے اپنا گلاس میز پر رکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"چلو، ابتدا میں ہی بتا دیتی ہوں، کیونکہ اس کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ مجھ سے زیادہ شاید ہی کسی کے پاس ہو۔ کاغذوں میں تو سب اسے یاور سنگرام کے نام سے جانتے ہیں، مگر پچھلے کچھ عرصے سے ادارے میں اس کا ایک اور نام بھی چل رہا ہے۔۔۔ 'دی گوسٹ۔"

ایلیسا نے نظریں اس پر جمائے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"اور وجہ بھی سب جانتے ہیں۔ پورے دفتر میں موجود ہو کر بھی کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ اپنے کیبن میں کم، کبھی لیب کی چھت پر ملے گا، کبھی کسی ایسے تنہا گوشے میں جہاں سگنلز کے علاوہ کچھ نہ ہو۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ لوگوں کے درمیان رہتا نہیں، بس ان کے بیچ سے گزر جاتا ہے۔"

"لیکن دوسروں کا خیال رکھتا ہے۔" جیسیکا نے اس کی ایک اچھی بات یاد دلائی۔

ایلیسا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"سنجیدگی سے؟ تم کہنا چاہ رہی ہو کہ یہ بندہ نرم دل بھی ہے؟"

جیسیکا بے اختیار ہنس پڑی اور ایک نظر یاور پر ڈالی، جو اس وقت باری باری سب سے مصافحہ کر رہا تھا۔

"چھ فٹ ایک انچ قد، صبح کی جاگنگ، شام کو لوگوں کے دل توڑنے کی پریکٹس۔۔۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اسے جرم نہیں سمجھتا۔"

ایلیسا پہلے ہنسی، پھر دہرایا۔

"دل توڑنے کی پریکٹس؟"

"بلا توقف مسترد کر دینا۔" جیسیکا نے سر ہلایا۔ "اور اب تو لگتا ہے یہ سب اس کے لیے سوچا سمجھا عمل بھی نہیں رہا، بس فطری ردِ عمل بن چکا ہے۔"

ایلیسا نے غور سے یاور کو دیکھا۔

"شاید وہ واقعی اپنی ہی دنیا میں رہتا ہے۔"

"وہ دنیا جو اسی سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی ہے؟" جیسیکا نے طنزیہ ابرو اٹھائے۔

"برطانیہ میں امپیریل کالج سے ایرو اسپیس انجینئرنگ کی، پھر سیدھا کالٹیک، سگنل انٹیگریٹی میں پی ایچ ڈی کی۔ اب اوریون اسپیس سسٹمز میں بیٹھ کر سیٹلائٹس کو ایسے ٹھیک کرتا ہے جیسے بچوں کے کھلونے ہوں۔"

ایلیسا نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔

"اوہ۔۔۔ تو اسی لیے سب اس سے اتنے مرعوب رہتے ہیں۔"

"مرعوب؟" جیسیکا ہنسی۔ "پچھلے ہفتے سی اے-9 سیٹلائٹ کا رابطہ کٹ گیا تھا۔ پوری ٹیم گھنٹوں سر کھپاتی رہی، مگر کچھ سمجھ نہیں آیا۔ اس نے صرف بیس منٹ میں وہ فریکوئنسی ٹریپ ڈھونڈ نکالا جس کا کسی کو وہم بھی نہیں تھا۔ وہ جینیئس ہے۔۔۔ مگر انتہائی سرد۔"

ایلیسا نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں، بدتمیز تو کبھی نہیں لگا مجھے۔"

"میڈم، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کی ہمت ہی نہیں پڑتی اس سے اتنی بات کرے۔" جیسیکا نے خشک لہجے میں کہا۔

ایلیسا ہلکا سا مسکرائی۔

"اس دن جب وہ باہر لنچ کے لیے گیا تھا تو واپسی پر میرے لیے بھی پیکڈ لنچ لے آیا۔ کہنے لگا، 'دو دن سے تم وہی بورنگ سا سلاد کھا رہی ہو، یہ ٹرائی کرو'۔"

جیسیکا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اچانک یاور مسکراتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔

"امید ہے میری غیر موجودگی میں مجھے مکمل طور پر مجرم تو قرار نہیں دے دیا گیا ہو گا۔"

اس کی آواز دھیمی تھی، مگر لہجے میں شکایت سے زیادہ یقین تھا۔

دونوں بری طرح چونکیں۔

"تمہیں۔۔۔ تمہیں کیسے پتا چلا؟"

یاور نے صرف ایک کندھا اچکایا، جیسے یہ سب اس کے لیے معمول ہو، پھر خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

لاس ویگاس مونوریل کے مرکزی کنٹرول روم میں اس وقت غیر معمولی خاموشی تھی، مگر اس خاموشی کے اندر ایک ہلچل چھپی ہوئی تھی۔ دیواروں پر لگے بڑے اسکرین پینلز پر ٹرینوں کی نقل و حرکت اچانک بے ترتیب ہو گئی تھی، جیسے کسی نے پورے نظام کی سانس روک دی ہو۔

دو ٹرینیں ایک ہی بلاک سیکشن میں داخل ہو گئی تھیں اور خود کار سگنلنگ سسٹم نے ردِ عمل دینا بند کر دیا تھا۔ کنٹرول روم میں موجود عملہ مسلسل الرٹس بند کرنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر ہر کمانڈ واپس 'ناکارہ' ہو کر اسکرین پر لوٹ آتی تھی۔

"یہ ہاتھ سے کنٹرول لینے کا وقت نہیں رہا!" ایک انجینئر کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"سسٹم سیفٹی لاک آؤٹ میں جا چکا ہے۔"

سارہ نے مائیکروفون پر جھک کر بار بار ایمرجنسی پروٹوکول فعال کرنے کی کوشش کی، مگر کمیونیکیشن لائنیں جام تھیں۔

اسی لمحے دروازہ بغیر کسی شور کے کھلا۔

یاور اندر داخل ہوا۔

اس نے ایک نظر اسکرینز پر ڈالی، پھر بغیر کسی تعارف کے سیدھا مرکزی کنسول کے سامنے آ گیا۔ اس کے انداز میں نہ جلدی تھی نہ گھبراہٹ، جیسے یہ سب اس کے لیے کوئی معمولی سا مسئلہ ہو۔ "تم نے ریبوٹ کیوں نہیں کیا؟" ایک ٹیکنیشن نے بے بسی سے کہا۔

یاورنے کی بورڈ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بغیر دیکھے جواب دیا۔ "کیونکہ یہ سسٹم کریش نہیں ہوا، اسے فریز کیا گیا ہے۔ کوئی کرپٹ سگنل لوپ پورے نیٹ ورک کو ہولڈ پر رکھے ہوئے ہے۔"

مارکس کی آواز وائر پر گونجی۔ "یاور، ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ اگر دونوں ٹرینیں ایک ہی ٹریک پر آ گئیں تو نقصان ناقابلِ تلافی ہو گا۔

یاورنے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی انگلیاں انتہائی تیزی سے سسٹم لاگز میں چل رہی تھیں، جیسے وہ کسی مشین کو نہیں بلکہ کسی زندہ چیز کو پڑھ رہا ہو۔

پھر اس نے اچانک ایک روٹنگ سرکٹ الگ کیا اور مین کنٹرول سے ایک سیکنڈری چینل کو کاٹ دیا۔

اسکرین پر سرخ لائٹس جھپکیں۔

ایک لمحے کے لیے پورا کنٹرول روم ساکت ہو گیا۔

پھر ڈیٹا فلو بحال ہونا شروع ہوا۔

"لائنز واپس آ رہی ہیں!" سارہ کی آواز میں حیرت تھی۔

یاور نے آخری کمانڈ انٹر کی اور ہاتھ پیچھے ہٹا لیے۔ "سسٹم میں خرابی نہیں تھی، کسی غلط کنفیگریشن لاک نے پورا نیٹ ورک روک دیا تھا۔ اب دونوں ٹرینیں الگ الگ سگنل پر ہیں۔"

کنٹرول روم میں ایک لمبی سانس جیسے ایک ساتھ نکلی۔

مارکس کی آواز اب قدرے نرم تھی: ''تم نے پھر بغیر اجازت سسٹم میں مداخلت کی ہے...''

یاور نے پہلی بار نظر اسکرین سے ہٹا کر سیدھا سامنے دیکھتے ہوئے کہا: ''میں نے صرف وہ کھولا ہے جو پہلے ہی بند ہو رہا تھا۔''

اور اس کے بعد وہ خاموشی سے باہر نکل گیا، جیسے وہاں آنا صرف ایک ضرورت ہو، کوئی واقعہ نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات سونے سے پہلے یاور وہی پیتل کا قدیم اصطرلاب اٹھا کر دیکھنے لگا جو اسے سولہویں سالگرہ کے کئی دن بعد ملا تھا۔ وہ پلک جھپکتے اس رات میں جا پہنچا جہاں تاریکی میں بھی روشنیاں پھوٹی تھیں۔

اندھیری رات میں اچانک بجلی چلی گئی۔

لاؤنج میں بیٹھے سب لوگ خاموشی کا شکار ہو گئے، ابھی جنریٹر کے آن ہونے میں چند لمحے باقی تھے۔

امبر کو یہی موقع چاہیے تھا۔

وہ دبے پاؤں اپنے کمرے میں گئی اور وہ خاص تحفہ اٹھالائی جسے اس نے سیاہ کاغذ میں لپیٹ کر چاندی کے قلم سے ننھے ننھے ستاروں سے سجا رکھا تھا۔

اس نے کچن میں موجود یاور کو اشارہ کیا، وہ حیرانی میں اس کے پیچھے چلا آیا۔

امبر نے موبائل کی ٹارچ جلائی، جس کی مدھم روشنی میں وہ پیکٹ چمک رہا تھا۔

یاور کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ کی لہر دوڑ گئی۔

امبر نے مسکراتے ہوئے پہلا تحفہ اس کی طرف بڑھایا۔ "یہ تمہارے لیے۔"

یاور نے کاغذ کھولا تو اندر سے 'ستاروں کا قدیم نقشہ 'نکلا۔

یاور اس کی نفاست دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

امبر نے اسے بتایا۔ "یہ سولہویں صدی کے ان جری جہاز رانوں کا نقشہ ہے جو صرف ستاروں کی چال دیکھ کر سمندروں کے سینے پر راستہ بناتے تھے۔ یہ تمہاری کائنات کی پڑھائی میں پہلا قدم ہو گا تاکہ تم ستاروں کے درمیان کبھی راستہ نہ بھولو۔"

یاور ابھی اس نقشے کی لکیروں اور برجوں کو دیکھ ہی رہا تھا کہ امبر نے ایک اور چھوٹا سا ڈبہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

یاور حیران ہو کر بولا۔ "دو تحفے؟"

امبر نے شرارت سے کہا۔ "تم اب سولہ سال کے ہو گئے ہو یاور۔ ایک تحفہ تو تمہیں سب نے دیا ہو گا، میں نے سوچا میں دو دوں گی تاکہ تمہیں ہمیشہ یاد رہے۔"

یاور نے دوسرا ڈبہ کھولا تو اندر 'پیتل کا قدیم اصطرلاب 'چمک رہا تھا۔

یاور کی آنکھیں پھیل گئیں۔

امبر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ وہ قدیم سائنسی آلہ ہے جسے صدیوں پہلے ماہرِ فلکیات ستاروں کی پوزیشن اور وقت معلوم کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ یہ صرف ایک آلہ نہیں، تمہاری سائنسی جستجو کی علامت ہے۔"

اسی لمحے بجلی آ گئی۔

کچن ایک دم روشنی سے بھر گیا اور عین اسی وقت فراز وہاں داخل ہوا۔

اس نے دیکھا کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب کھڑے ہنس رہے ہیں اور ان کے چہروں پر ایک عجیب سی خوشی اور چمک ہے۔

فراز کو ان کی یہ بے فکری اور قربت ایک پل کو اچھی نہ لگی۔

اسے ایسا محسوس ہوا جیسے امبر کو اب اس کے سہارے کے بغیر بھی کھڑا ہونا آ گیا ہے اور وہ اسے شامل کیے بغیر بھی خوش رہنا سیکھ گئی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر2

زمرد شہ پارہ

"دوہرا سحر"

ہم دونوں وقت کے ایک ہی لمحے میں ظاہر ہوئیں،

مگر راستے ہمیشہ دور ہے۔

لوگ ہمیں دیکھتے ہیں

تو قدم بے اختیار تھم جاتے ہیں۔

نظریں ٹھہرنے سے پہلے ہٹ جاتی ہیں،

جیسے دل کو اچانک یاد آ گیا ہو

کہ کچھ مناظر کو

زیادہ دیر تک دیکھنا مناسب نہیں۔

کبھی

بات کرتے کوئی ٹھہر جاتا ہے،

اور پھر رخ بدل لیتا ہے

جیسے کوئی سوال ہونٹوں تک آکر واپس لوٹ گیا ہو۔

ہم مسکرا دیتی ہیں۔

ان کی ہلکی سی وحشت

ہمیں اب اجنبی نہیں لگتی۔

لوگ کہتے ہیں

ہر انسان کے حصے میں

ایک لمحہ آتا ہے جو

اس کی دنیا بدل دیتا ہے،

اور کبھی وہ لمحہ دو مرتبہ آتا ہے

ہماری موجودگی کے ساتھ۔

وہ دونوں سنگی بنچ پر بیٹھے کچھ فاصلے پر اپنی پانچ سالہ بیٹیوں کو کھیل میں مگن دیکھ رہے تھے۔

مجھے "داؤد فیاض نے اپنی نظریں سامنے دوڑتی بچیوں سے ہٹائے بغیر دھیمے لہجے میں کہا۔

"خوشی ہوئی ثمینہ ! تم نے میری خواہش کا احترام کیا۔

میں سمجھ سکتی ہوں داؤد، ایک سے چہرے ہونے کا "ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مطلب یہ ہر گز نہیں کہ دونوں کو اپنا الگ روپ اپنانے کا موقع نہ دیا جائے۔

"محبت ہے ہی کیا، اگر اس میں قبولیت نہ ہو؟" داؤد کے لہجے میں ایک عجیب سی گہرائی آئی۔ "اولاد کو اس کا اپنا رنگ اوڑھنے دینا چاہیے۔ اسی لیے میں نے تمہیں شروع میں ہی ٹوک دیا تھا کہ ان دونوں کو کبھی ایک سے لباس مت پہنانا۔"

یہ کہہ کر داؤد نے مسکراتے ہوئے اپنی بیوی کا ہاتھ تھام لیا۔

پہلی گواہی

محلے کی مسجد کے باہر ایک ضعیف نابینا بزرگ بیٹھتے تھے، جو بچوں کو احادیث سناتے اور ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیتے۔

آٹھ سال کی زمرد کا معمول تھا کہ وہ ہر اتوار، عصر کے بعد گھر سے چائے کا مگ لے کر ان کے پاس جاتی۔ سلام کر کے، خاموشی سے ان کے برابر بیٹھتی اور اپنا ہاتھ ان کی ہتھیلی پر رکھ دیتی۔

تمہارے ہاتھ کی تپش بتاتی ہے کہ تمہارا دل کتنا نرم" بابا جی اس کے سر پر ہاتھ رکھتے۔ "ہے۔

ایک اتوار زمرد کی طبیعت ناساز تھی، شہ پارہ چائے کا مگ لے کر چلی گئی۔ یہ وہی وقت تھا جب روز زمرد وہاں پہنچتی تھی۔

شہ پارہ نے بابا جی کو مگ تھمایا اور برابر میں بیٹھتے، ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی گرفت میں ایک مضبوطی تھی، جیسے وہ ہاتھ چھوٹنے نہیں دینا چاہتی۔

بابا جی کا ہاتھ اس کے سر پر تھم گیا۔ انہوں نے اس کی گرفت کی سختی کو محسوس کیا اور دھیمے سے پوچھا۔ "آج اس چھوٹے سے ہاتھ میں اتنی ضد اور پہرہ داری کیوں محسوس ہو رہی ہے؟"

شہ پارہ نے کوئی جواب نہیں دیا، بس اپنی تیکھی نظروں سے ان کے چہرے کو دیکھتی رہی۔

اعتبار کا سودا

پندرہ سال کی عمر میں وہ دونوں سکول کے باہر کھڑی تھیں، جب ایک فقیرنی نے زمرد کا راستہ روکا اور اپنی میٹھی باتوں میں اسے الجھا لیا۔ وہ اپنی بیٹی کی شادی کا واسطہ دے کر زمرد سے اس کی قیمتی گھڑی مانگ رہی تھی۔

زمرد کا اعتبار کرنے والا دل پگھل گیا، وہ اپنی کلائی سے پسندیدہ گھڑی اتارنے والی تھی۔

شہ پارہ نے فقیرنی کا ہاتھ نہیں جھٹکا، بس زمرد کی کلائی پر اپنی انگلیاں رکھ کر اسے روک دیا اور اس عورت کی آنکھوں میں دیکھا۔

"یہ گھڑی وقت بتاتی ہے، اور میرا وقت بتاتا ہے کہ تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تمہاری بیٹی کی شادی پچھلے سال بھی اسی چوک پر ہو رہی تھی۔"

زمرد شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔

شہ پارہ نے اپنی جیب سے ایک نوٹ نکالا اور اس عورت کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"یہ تمہاری اداکاری کا معاوضہ ہے، میری بہن کی سادگی کی قیمت نہیں۔"

پہلی ڈھال

پندرہ سال کی عمر میں سکول کی چھٹی کے وقت جب اچانک بادل پھٹے، تو سب لڑکیاں برآمدے میں سمٹ گئیں۔ ان دونوں کے پاس صرف ایک چھتری تھی۔

زمرد نے دیکھا کہ اس کی ایک سہیلی بارش میں بھیگ رہی ہے، تو اس نے بنا سوچے اپنی چھتری اس کی طرف بڑھا دی۔

اسے اعتبار تھا کہ کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔

شہ پارہ نے آگے بڑھ کر وہ چھتری اس سہیلی کے ہاتھ سے جھپٹ لی۔اس کے لہجے میں بد تمیزی نہیں،ایک ضدی وقار تھا۔"ہمدردی کی قیمت میری بہن کی صحت نہیں ہونی چاہیے۔"

اس نے زمرد کا ہاتھ پکڑا اور اسے زبردستی چھتری کے سائے میں لے آئی، جبکہ وہ سہیلی حیرت سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

زمرد نے دبی آواز میں احتجاج کیا۔ "وہ بیمار ہو جائے گی شہ پارہ!"

شہ پارہ نے سامنے دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"وہ بیمار ہو گی تو اس کی ماں دیکھ لے گی، تم بیمار ہو گی تو مجھے تکلیف ہو گی۔میں دنیا کی ٹھیکیدار نہیں ہوں، میں صرف تمہاری دیوار ہوں۔"

خاموش پہچان

اکیسویں سال کی اس محفل میں جب فلسفوں کا شور تھا، شہ پارہ نے ایک سفید کاغذ پر وہ سچ لکھوایا جسے زبان ادا نہیں کر پاتی۔

وہ ایک ادبی نشست تھی جہاں ایک اجنبی شخص زمرد کو متاثر کرنے کے لیے لفظوں کے جال بن رہا تھا۔ زمرد اسے پورے اعتبار سے سن رہی تھی، مگر شہ پارہ دور بیٹھی صرف اس شخص کے ہاتھ کی لرزش دیکھ رہی تھی۔

وہ اٹھی، ان کے پاس آئی اور اس شخص کے سامنے ایک بالکل خالی کاغذ رکھ دیا۔

وہ شخص چونک کر رکا۔ "یہ کیا ہے؟"

شہ پارہ کی سرد نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ "اس پر اپنا وہ سچ لکھ دیں جو آپ کی زبان چھپا رہی ہے۔"

وہ شخص گڑبڑا کر اٹھ گیا۔ زمرد نے الجھن سے اسے جاتے دیکھا۔ "وہ تو بہت اچھی باتیں کر رہا تھا شہ پارہ۔"

"باتیں اچھی تھیں، لیکن اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے وہ احترام نہیں تھا جو تمہاری سادگی کا حق ہے۔" شہ پارہ نے وہ خالی کاغذ اٹھایا اور اسے تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ "دوسروں کو موقع دینا اپنی جگہ زمرد، پر اعتبار پرکھنے کے بعد ہی کرنا چاہیے۔"

شہ پارہ محتاط تھی، اور یہ احتیاط ان دونوں کے کام آیا کرتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی میں ان دونوں کا تیسرا سمسٹر چل رہا تھا۔ ایک لڑکی، جو اکثر زمرد سے تعلیمی بحث میں الجھ جایا کرتی، امتحانات کے دنوں میں پہلا پیپر ختم ہونے کے بعد گراؤنڈ کے ایک کونے میں اداس بیٹھی تھی۔

زمرد اور شہ پارہ وہاں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھ گئیں، تو زمرد نے رک کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شہ پارہ نے فوراً اس کی کلائی پکڑ لی۔ "اب تم کسی ہمدردی کے جذبے کے تحت اس کے پاس نہ چل دینا۔"

زمرد نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ "میں نے دیکھا ہے کچھ دنوں سے اس کی دونوں سہیلیاں اسے اچھوت کی طرح ٹریٹ کر رہی ہیں۔ سنا ہے اس کے والد پر غبن کا کیس چل رہا ہے۔"

تو پھر؟ کیا یہ تمہارا دردِ سر ہے؟" شہ پارہ کے لہجے میں سختی تھی۔ "اس نے ہمیشہ تمہیں" "کیسا ٹریٹ کیا، بھول گئی؟

"ہمارا نمبروں میں مقابلہ ضرور رہتا ہے، لیکن اس نے کبھی میری توہین نہیں کی۔" زمرد نے سکون سے جواب دیا۔ "میں کسی کی تنہائی دور کر سکتی ہوں تو ضرور کروں گی۔ ویسے بھی، میں ہمیشہ سے یہ فاصلے مٹانا چاہتی تھی۔"

وہ مڑی اور اس لڑکی کی طرف بڑھ گئی۔

شہ پارہ نے دیکھا کہ کچھ ہی دنوں میں دونوں کی دوستی ہو گئی۔

زمرد کا اپنا ایک انداز تھا، وہ لوگوں کو اپنانا جانتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

خزاں کی زرد رنگت میں لپٹا وہ پرانا گھر اپنی بوسیدہ دیواروں کے ساتھ چپ چاپ کھڑا تھا۔ صحن میں بکھرے خشک پتے قدموں تلے چرچرا رہے تھے۔

"صفائی تو اچھی ہو گئی ہے۔" زمرد نے کمرے کی آخری کھڑکی بند کی اور مڑ کر شہ پارہ کو دیکھا۔ "اب ماموں کو اپنا آخری فیصلہ بتا دیتے ہیں تاکہ وہ پراپرٹی والے سے رابطہ کر کے گھر بیچنے کی بات آگے بڑھائیں۔"

شہ پارہ صحن کی طرف بڑھتے ہوئے رکی۔ "کیا یہی درست فیصلہ ہے، زمرد؟"

دونوں بہنیں صحن میں لگے اس پرانے درخت کے سائے تلے آ کھڑی ہوئیں، جو ان کے بچپن کا گواہ تھا۔

زمرد نے ایک نظر گھر کی بوسیدہ دیواروں پر ڈالی۔

"ایک سال بیت گیا، لیکن یہاں آ کر آج بھی امی ابو کی موجودگی محسوس ہوتی ہے۔"

"ہمیں ماموں کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔"

"انہوں نے اس ایک سال میں ہمارے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ امی ابو کا بینک بیلنس اور زیور بھی، تمہاری ہدایت کے مطابق، ہم نے اپنے پاس رکھا۔ ماموں سے کچھ بھی شیئر نہیں کیا، سوائے اس گھر کے کرائے کے۔" اس نے اپنے مخصوص نرم انداز میں کہا۔ "گھر بیچنے سے انہیں کیا فائدہ ہو گا؟ پیسہ تو ہمارے ہاتھ ہی آئے گا۔"

"مجھے لگتا ہے یہ ہمارا نہیں، ان کا فیصلہ ہے۔" شہ پارہ پر سوچ انداز میں بولی۔ "ہم ابھی ذہنی طور پر اتنا بڑا فیصلہ کرنے کو تیار نہیں۔"

"شاید۔" زمرد نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ "میں ان کے دوسرے فیصلے سے خوش نہیں۔ میں وہاں شادی نہیں کرنا چاہتی، جہاں وہ بات چلا رہے ہیں۔"

شہ پارہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"مجھے نہ اس لڑکے میں دلچسپی ہے، نہ اس کی ماں بہن پسند آئیں۔" زمرد نے صاف کہا۔

"وہ لوگ صرف ایک بار ہی تو آئے ہیں۔"

"دل میں جھانکنے کے لیے ایک بار ہی کافی ہے۔"

"پھر انکار کر دو۔" شہ پارہ نے کہا۔

"کوشش کی تھی، لیکن ماموں اور ممانی نہیں مانے۔۔اور پھر جو پہلے ہو چکا۔" زمرد نے نظریں جھکالی۔

"مجھے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا؟" شہ پارہ کا شکوہ جائز تھا۔

"تمہیں غصہ آتا، تم اس معاملے کو جارحانہ انداز میں نبٹانے کی کوشش کرتی۔"

شہ پارہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "تمہیں خود پر جبر نہیں کرنا چاہیے۔"

"کروں گی بھی نہیں، لیکن پھر کوئی دوسرا راستہ بھی تو نہیں ہے۔"

"دوسرا راستہ ڈھونڈنے والوں کو مل ہی جاتا ہے۔"

"اور میں کئی دنوں سے اللہ سے یہی دعا کر رہی ہوں۔" وہ ٹھہری، ایک نظر اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ "کہ وہ میرے لیے کوئی بہتر راستہ نکال دے۔"

اسی لمحے بیرونی گیٹ پر لگی گھنٹی بجی۔

دونوں کی نظر ایک ساتھ اس سمت اٹھیں۔

"میں دیکھتی ہوں۔" زمرد کہتے ساتھ ہی گیٹ کی جانب بڑھی۔ شہ پارہ کا دھیان اب اس جانب نہیں تھا، وہ اس بوڑھے درخت کے تنے کی چھال اکھیڑ رہی تھی، جیسے نچلی سطح دیکھنا ہی اصل مقصد ہو۔

"جانے کس کا خط ہے۔" زمرد لوٹی تو ہاتھ میں خاکی لفافہ تھا، جسے وہ اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ جیسے کوئی پہیلی بوجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"کیا ریٹرن ایڈریس کے بغیر ہے؟" شہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے لفافہ لیا اور اپنے درست اندازے پر حیرت سے اپنی بہن کو دیکھا۔ گندمی رنگت اور متناسب نقوش کی مالک وہ ہم شکل جڑواں بہنیں، قبول صورت کہلائی جاسکتی تھیں، خوبصورت نہیں۔ زمرد کے بائیں ابرو کے اوپر چھوٹا سا سیاہ تل تھا، جو شہ پارہ کے نزدیک اسے زیادہ جاذبِ نظر بناتا تھا۔ قریبی لوگ ان میں فرق کرنا جانتے تھے، نئے لوگوں کے لیے وہ جیسے خطرے سا تھیں۔ شہ پارہ کو لگتا کہ ان کی مشابہت سے صرف وہی لوگ گھبراتے ہیں جن کے دلوں میں کھوٹ ہو۔ زمرد کے نظر میں شہ پارہ کی یہ سوچ غلط تھی۔ اس کا ماننا تھا کہ لوگوں کو جو

چیز سمجھنے میں مشکل لگے، وہ اس سے گھبراتے ہیں۔ "تم نے ایسا مشکوک خط لیا کیوں آخر؟"

"وہ جلدی میں تھا، پکڑا کر چلتا بنا۔" زمرد کی نگاہیں اس لفافے پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"پتہ نہیں کوریئر والا تھا بھی یا نہیں۔" شہ پارہ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔

زمرد نے تیزی سے جھپٹ کر لفافہ اس کے ہاتھ سے لیا اور اپنے کندھے سے لٹکے بیگ سے چھوٹی قینچی نکالی۔

"ہاں بھئی، سیلف ڈیزائننگ کا ایک فائدہ تو ہے۔" اب شہ پارہ اسے سلیقے سے قینچی سے لفافہ کھولتے دیکھ رہی تھی۔ "سوئی، دھاگہ اور قینچی ہاتھ میں رہتی ہے۔" یہ پیار بھری چوٹ تھی، زمرد کے ہینڈ بیگ میں ہمہ وقت یہ اشیا موجود رہا کرتیں۔ "کبھی مجھے کسی ہتھیار کی ضرورت پڑی تو تمہیں کہوں گی، ارے بہن ذرا قینچی تو پکڑانا۔"

"تمہیں ہتھیار کی کیا ضرورت؟" زمرد نے کاغذ کا ٹکڑا لفافے سے باہر نکالتے ہوئے لقمہ دیا۔ "زبان ہی کافی ہے۔"

"زبان کی وہ بات نہیں جو قینچی کی ہے، قینچی والی بہن!"

زمرد کو خط پڑھتے دیکھ کر وہ بھی خاموشی سے اس کے تاثرات جانچنے لگی، جہاں بیک وقت حیرت اور خوشی دونوں نمودار ہوئے۔ وہ اس کے مزید قریب ہوتے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑی ہو گئی کہ خط پڑھ سکے۔

کسی 'خیر خواہ' نے انہیں افتخار کمال کے گھر کا پتہ اور موبائل نمبر لکھ بھیجا تھا جو اس کے دعوے کے مطابق مرحوم داؤد فیاض کا دور کا رشتہ دار اور رضاعی بھائی بھی تھا۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے، ابو کبھی کبھار ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔" زمرد کھوئے ہوئے انداز میں وہ کاغذ لفافے میں رکھنے لگی۔ "ان کے والد کے خالہ زاد کزن کے بیٹے تھے، یعنی سیکنڈ کزن۔ پسند کی شادی کے بعد والدین سے اختلافات ہونے لگے تو گھر الگ کر لیا۔"

"اچھا تو یہ وہ۔۔۔ والے افتخار انکل ہیں۔" شہ پارہ کو یاد آیا۔ "لیکن ان کی تو وہ شادی ناکام ہو گئی تھی نا؟"

"ہاں، بس دونوں کے مزاج نہ مل سکے۔"

"دوسری شادی کے بعد تو یہ اپنے والدین کے ساتھ اسلام آباد میں سیٹل ہوئے تھے، پھر ابو کی وفات پر آئے کیوں نہیں؟" شہ پارہ کو تجسس ہوا۔

"اطلاع دی گئی تھی۔" زمرد نے ذہن پر زور دے کر یاد کرنے کی کوشش کی۔ "شاید کوئی مجبوری ہو جو آ نہیں پائے۔"

"مجبوری؟" شہ پارہ نے یک لفظی طنز کیا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماموں نے اطلاع ہی نہ دی ہو، بقول ان کے، انہیں مجمع نہیں اکٹھا کرنا تھا۔"

"تم ہر وقت ہر کسی کی نیت پر شک کرتی رہنا، بس۔"

"اور تم میری بہن، اجنبیوں سے خط وصول کیا کرو۔"

زمرد جواب میں بے ساختہ ہنس دی۔ "تو کیا ہوا، ہم کون سا بوریا بستر سمیٹ کر اسلام آباد جانے والے ہیں۔"

اس بات پر شہ پارہ نے اسے قدرے چونک کر دیکھا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم کسی دوسرے راستے کی بات کر رہے تھے۔"

"شہ پارہ، ان کا پچھلے کئی سالوں سے ابو سے رابطہ نہیں تھا۔"

"والدین کی وفات کے بعد سیکنڈ کزنز کے بیچ فاصلہ آجایا کرتا ہے۔"

"ہم یوں کسی کے ہاں نہیں جا سکتے۔" زمرد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "ہم کسی اجنبی کو 'خیر خواہ' کیسے مان لیں۔ کیا معلوم اس کا مقصد ہمیں کسی مشکل میں پھنسانا ہو۔"

"جانے بغیر کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" شہ پارہ کا انداز دوٹوک تھا۔

"تم تو ہمیشہ احتیاط کا درس دیتی ہو۔"

"زمرد، ماموں کے علم میں ہو گا۔ ہم کسی جنگل کو رخصت نہیں ہونے والیں۔" اس نے آہستہ سے ایک گول چکر کاٹا۔ "دیکھو، یہ گھر۔۔۔ ہم کیوں اسے بیچیں؟ تاکہ ماموں کو قرض دیا جا سکے؟"

زمرد کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ "تمہیں کس نے بتایا؟"

"یہ رقم ہمیں کبھی واپس نہیں ملے گی، یہ بات ذہن میں بٹھالو۔"

"وہ تو آسیہ کی شادی۔۔"

"ہم ذمہ دار نہیں۔"

"شہ پارہ۔۔"

"ہمیں اپنی بقاء کا سوچنا ہے دوسروں کے مسائل پر ہم اپنے وسائل کیوں خرچیں؟" اب وہ زمرد کے کندھے تھامے اس کی آنکھوں میں جھانک کر بول رہی تھی، جیسے اسے ہر لفظ ذہن نشین کرانا چاہتی ہو۔ "وہ وقتاً فوقتاً ہم سے رقم لیتے رہے، کبھی کچھ واپس نہیں کیا۔ ابھی تک ابو کی چھوڑی ہوئی سیونگ چل رہی ہے، کل کو کیا ہوگا؟ یہ جو سلائی سنٹر میں تم لڑکیوں کے ساتھ سر کھپاتی ہو کتنا مل جاتا ہے؟"

"یہ انتہائی قدم ہوگا۔ ہم نہیں جانتے وہ کیسے لوگ ہیں، صرف اتنا معلوم ہے ان کے تین بیٹے ہیں اور پیسے کی کمی نہیں۔"

"ہمیں وہاں اپنا کیریئر بنانے کے بہتر مواقع ملیں گے، کیا معلوم ان کی کمپنی میں ہی کوئی اچھی پوسٹ مل جائے۔"

زمرد کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ "اب تم قدرے لالچی لگ رہی ہو۔"

"اتنا لالچی تو ہر لڑکی کو ہونا چاہیے۔" شہ پارہ نے اسے بازوؤں سے تھام کر گھمایا۔ "میں اس معمولی ٹیچنگ سے اکتا گئی ہوں۔"

"خاصا قابلِ احترام پیشہ ہے۔"

"ہاں، بس پیسہ نہیں ہے اس 'قابلِ احترام' پیشے میں۔" شہ پارہ پوری طرح سنجیدہ تھی۔ "اتنی نوکریاں بدل لیں، کہیں بھی ٹِک نہیں پائی۔ اب ایک اینڈ ونچر ہونا چاہیے۔"

"تمہیں یہ ایڈونچر لگ رہا ہے؟" زمرد کو واقعی شاک لگا تھا۔ "ماموں کو ناراض کر کے یوں ابو کے دور۔۔۔ کے رشتہ دار کے ہاں چل دیں۔ وہ بھی نجانے ہمیں اپنانا چاہیں گے یا نہیں۔"

"اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔" شہ پارہ نے چٹکی بجائی۔ "فون کر کے پوچھ لوں گی۔"

اس بات پر زمرد ہنسنے لگی۔

پھر بولی۔ "فون میں کروں گی، تم کہیں کچھ الٹا سیدھا نہ کہہ دو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 3

زوہیب کمال

شام کے ملگجے اندھیرے میں اسلام آباد کی مارگلہ روڈ پر زوہیب کمال نے اپنی نیلی اسپورٹس کار ایک سائیڈ ٹریک پر روک لی۔ اس کی گاڑی کے سامنے والے مانیٹر پر کمپنی کے ایک نئے حفاظتی پروگرام کا آزمائشی تجربہ چل رہا تھا، جسے وہ دفتر سے نکلتے وقت چالو کر آیا تھا۔ اس کے لیے زندگی ایک ریاضیاتی ترتیب کا نام تھی، جہاں ہر چیز کا ایک مخصوص ڈھنگ اور توازن ہونا چاہیے۔

وہ پوری توجہ سے سکرین پر بدلتی لکیروں کا مشاہدہ کر رہا تھا جب اچانک ڈیٹا کے بہاؤ میں ایک لمحاتی رکاوٹ پیدا ہوئی۔ سکرین پر چلتی ترتیب ہلکی سی ڈگمگائی اور چند سیکنڈ کے لیے بے ربط ہو گئی، جیسے کنکشن نے ایک پل کو ساتھ چھوڑا ہو۔ زوہیب کے ماتھے پر تیوری آئی۔ اس کے حساس نظام میں کسی بیرونی دخل کا واضح ثبوت تو نہیں تھا، مگر یہ خلل اس کے معیار کے خلاف تھا۔ اس نے فوراً سسٹم لاگ چیک کیا۔

یہ ایک عارضی نیٹ ورک رکاوٹ تھی، ممکنہ طور پر قریبی کنکشنز کے دباؤ یا سگنل کی کمزوری کا نتیجہ۔ اس نے جھنجھلا کر گاڑی کا شیشہ نیچے کیا تاکہ باہر کا جائزہ لے سکے۔

کچھ ہی فاصلے پر ایک سفید گاڑی کھڑی تھی جس کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ وہاں ایک بائیس تئیس سالہ لڑکی کھڑی اپنے فون پر ویڈیو کال میں مصروف تھی۔

یہ گاڑی غالباً ابھی یہاں آئی تھی۔

وہ زرد رنگ کے ایک نہایت نفیس اور قیمتی لباس میں تھی، جس پر اسٹریٹ لائٹس کی روشنی پڑ کر اسے کسی شاہکار کا حصہ بنا رہی تھی۔ وہ کسی سے ویڈیو کال پر بات کر رہی تھی اور اس کی آواز کی کھنک خاموش سڑک پر موسیقی کی طرح بکھر رہی تھی۔ اس کے گورے چہرے پر پھیلی بے فکری اور لاڈلے قہقہوں میں ایک ایسی کشش تھی کہ زوہیب کا تمام غصہ ایک لمحے میں حیرت میں بدل گیا۔

زوہیب، جو ہر چہرے کو ایک منطقی فریم میں دیکھنے کا عادی تھا، پہلی بار ایک ایسے 'حسین بگاڑ' کے سامنے کھڑا تھا جس کا کوئی توڑ اس کے پاس نہیں تھا۔ اس لڑکی کی خوش لباسی، بالوں سے چھلکتی خوشبو اور اس کا وہ نازک انداز جس سے وہ فون پر بحث کر رہی تھی، یہ

سب زوہیب کی جمالیاتی حس کو بری طرح جھنجھوڑ گیا۔اسے لگا کہ سامنے کھڑی یہ لڑکی اس کی زندگی کا وہ سب سے خوبصورت "نقص" ہے جسے وہ کبھی ٹھیک نہیں کرنا چاہے گا۔

وہ وہیں ساکت کھڑا اسے دیکھتا رہا، جبکہ وہ لڑکی اپنی گفتگو میں مگن اس کی موجودگی سے بالکل بے نیاز تھی۔

وہ فیصلہ کن انداز میں اس کی طرف بڑھا۔

"ایکسکیوزمی۔"

لڑکی نے بے زاری سے اپنی بات ادھوری چھوڑی، سکرین پر انگلی مار کر کال کاٹی، اور اس کی طرف مڑی۔

پھر ذرا ٹھہر کر دوبارہ دیکھا۔

"میں اپنی دوست سے بات کر رہی تھی، آپ نے ڈسٹرب کر دیا۔"

زوہیب ایک لمحے کو رکا، جیسے اس کے لہجے کا وزن ناپ رہا ہو، پھر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی۔ "ڈسٹرب تو میں بھی ہوا ہوں۔ اس لیے سوچا قصوروار کو بتا دوں۔"

لڑکی کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آئی، مگر آنکھوں میں دلچسپی کی ایک باریک لکیر بھی ابھری۔

"اوہ، واقعی؟ میں نے کیا کر دیا؟"

"گاڑی کے پاس کھڑی ہو کر جو یہ۔۔۔" زوہیب نے اس کے ہاتھ میں موجود فون کی طرف اشارہ کیا۔ "ہائی ڈیفی ویڈیو کال میں مگن تھیں، اس کی لہریں میری گاڑی کے سسٹم کے ساتھ ٹکرا رہی تھیں۔"

لڑکی نے ایک نظر اپنے ہاتھ میں موجود فون پر ڈالی، پھر کندھے اچکا دیے۔

"تو آپ کا سسٹم اتنا حساس ہے؟"

زوہیب کی مسکراہٹ ذرا گہری ہوئی۔ "نہیں، نظام خود حساس نہیں۔ بس میں وہ کوڈنگ ماسٹر ہوں جو کسی بھی غیر متوقع سگنل کو فوراً پکڑ لیتا ہے۔ چیزیں ترتیب میں ہوں تو بہتر لگتا ہے۔"

"اور میں نے وہ ترتیب خراب کر دی؟" لڑکی کے لہجے میں اب چنچل دلچسپی شامل ہو چکی تھی۔

کافی حد تک۔" وہ ایک قدم قریب آیا۔ "لیکن۔۔۔ اب شکایت کرنے کا دل بھی نہیں" "کر رہا۔

لڑکی نے اسے بغور دیکھا، اس بار ذرا دیر تک۔ اس کے لباس، انداز اور اعتماد کو ایک نظر میں پرکھا، پھر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"یہ تعریف تھی یا کمپلین؟"

فیصلہ آپ کر لیں۔" زوہیب نے بے تکلفی سے کہا۔ "ویسے عام طور پر میں نام جانے" "بغیر اتنی دیر بات نہیں کرتا۔

لڑکی نے بھنویں ذرا اوپر اٹھائیں۔ "اچھا؟ اور عام طور پر آپ سڑک پر لوگوں کو روک کر ان سے نام پوچھتے ہیں؟"

"نہیں۔" اس نے سادہ لہجے میں کہا۔ "عام طور پر وجہ بھی اتنی خاص نہیں ہوتی۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ دھیمے سے بولی۔ "سحر عالم۔"

زوہیب نے اس نام کو جیسے ذہن میں محفوظ کیا۔ "مناسب ہے۔"

"کیوں؟" اس نے فوراً پوچھا۔

کیونکہ آپ واقعی سڑک کے بیچ کھڑی ہو کر کسی آئی ٹی والے کے تمام الارمز کو جھنجھوڑ" "رہی ہیں۔

سحر ایک لمحے کو چونکی، پھر بے اختیار ہنس دی۔ "آپ ہمیشہ اتنے عجیب ہوتے ہیں؟"

"صرف تب۔۔۔ جب سامنے والا دلچسپ ہو۔"

سحر نے نظر ہٹائی، مگر مسکراہٹ برقرار رہی۔ "اور آپ؟ آپ کا نام بھی کوئی تکنیکی خرابی ہے یا نارمل ہے؟"

زوہیب نے ہلکا سا سر جھکایا۔ "زوہیب۔"

"ہمم۔۔" سحر نے جیسے اس نام کو پرکھا۔ "ٹھیک ہے، کوڈنگ ماسٹر زوہیب۔"

اور آپ۔" وہ ذرا رکا۔ "غیر متوقع سگنل۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ایسا سگنل غائب ہو جائے تو اسے دوبارہ ڈھونڈنا مشکل ہوتا ہے۔ کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ یہ رابطہ بحال رہے گا؟"

سحر نے ایک شوخ نظر اس پر ڈالی اور اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے رکی۔ "میں اجنبیوں کو اپنا نمبر نہیں دیتی زوہیب صاحب۔ البتہ، اگر آپ واقعی اتنے بڑے 'سراغ رساں' ہیں تو اپنے ڈیڈ کا نام بتا سکتی ہوں، عالم قریشی۔ باقی معلومات آپ خود 'ڈی کوڈ' کر لیں۔"

زوہیب کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ آئی۔ "عالم قریشی، یہ تو کافی آسان پزل دے دیا آپ نے۔"

"وہ تو حل ہونے پر ہی پتہ چلے گا۔" سحر نے ایک مختصر نظر اس پر ڈالی اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

زوہیب وہیں کھڑا رہا، جب تک سحر کی گاڑی کی روشنی گم نہیں ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ان کی دوسری ملاقات ایک دوست کے ولیمے کی تقریب میں ہوئی، جہاں بارات کا فنکشن گزرنے کے بعد ماحول کچھ بوجھل سا تھا مگر روشنیاں اب بھی جوان تھیں۔ دوست نے خاص طور پر زوہیب سے کہا تھا کہ آج تمہاری پسندیدہ سویٹ ڈش (میٹھے) کا خاص اہتمام ہے۔

وہ دوستوں کی باتوں میں ایسا مشغول رہا کہ وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔

کافی دیر بعد جب وہ میٹھے کی میز کی جانب آیا، تو وہاں سناٹا تھا۔ اس نے دیکھا کہ سحر ہاتھ میں آخری پلیٹ لیے کھڑی تھی۔ زوہیب کو ایک لمحے کے لیے عجیب سا محسوس ہوا کہ اس کی پسندیدہ ڈش ہاتھ سے چلی گئی، لیکن پھر سحر کے چہرے کی خوبصورتی نے اس کا دل موہ لیا۔ وہ سفید رنگ کے لباس میں تھی، جس پر موتیوں کا باریک اور دیدہ زیب کام کیا گیا

تھا۔ غالباً کسی بڑے ڈیزائنر کا جوڑا تھا؛ سلیقے سے کیا گیا میک اپ، سیدھے کیے گئے چمکیلے بال اور ہر ادا میں ایک خاص ناز تھا۔

اتنا مکمل حسن شاید ہی پہلے کہیں دیکھا ہو۔ زوہیب نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔

آپ نے میری پسندیدہ چیز چرالی" اس نے آنکھ کی جنبش سے پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "۔

سحر نے چمچ بھر کر منہ میں رکھا اور شرارت سے بولی۔ "واہ! چوری کی چیز کا مزہ واقعی" زیادہ آتا ہے۔

آج نمبر نہیں مانگوں گا، بس خود تک پہنچنے کا راستہ دوں گا۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں" "بولا۔" کبھی کوئی خاص موقع ہو تو مجھے بلا لینا، وعدہ ہے وقت پر پہنچوں گا۔

"یعنی موقع کا 'خاص' ہونا ضروری ہے؟" سحر کے قہقہے میں ایک کھنک تھی۔

"چلو، کسی عام سے دن بلا لینا۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً کہیں راستے میں آپ کی گاڑی خراب ہو جائے۔"

"تو کیا آپ ٹائر بدل دیں گے؟" سحر نے جیسے بات کا لطف لیا۔

"خرابی کوئی بھی ہو سکتی ہے، میں ٹھیک کر دوں گا۔" زوہیب کا لہجہ پر اعتماد تھا۔

ایسے فلمی اتفاقات حقیقت "اس کا لہجہ کچھ عجیب تھا، زوہیب نے وہم سمجھ کر جھٹک دیا۔

"کی دنیا میں نہیں ہوا کرتے۔

"اگر حقیقت کی دنیا میں اتنے خوبصورت لوگ ہو سکتے ہیں، تو ایسے اتفاق کیوں نہیں ہو سکتے؟" ساتھ ہی اس نے اپنا بزنس کارڈ سحر کی جانب بڑھایا۔

"اوہ، تو 'کمال سیکیورٹی ایسوسی ایشنز' آپ کی ہے؟" سحر نے کارڈ کو غور سے دیکھا۔

"وہ میرے والد کی ہے، میں وہاں 'چیف ٹیکنالوجی آفیسر' کے طور پر کام کرتا ہوں۔"

"آپ وہاں کیا کرتے ہیں؟" سحر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں سسٹم کی 'کوڈنگ' کرتا ہوں اور ایسے سافٹ ویئر ڈیزائن کرتا ہوں جو کسی بھی قسم کی ہیکنگ کو ناممکن بنا دیں۔" وہ رکا۔ "ہماری کمپنی صرف کیمرے نہیں لگاتی، بلکہ بینکوں

اور بڑے اداروں کو سائبر سیکیورٹی، بائیو میٹرک سسٹمز اور ڈیجیٹل والٹس فراہم کرتی ہے۔ مختصر یہ کہ ہم ٹیکنالوجی کے ذریعے ایک ایسا حفاظتی جال بناتے ہیں، جسے توڑنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ میرا کام ڈیجیٹل حصار بنانا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کچھ ہی دن گزرے تھے کہ زوہیب کو سحر کی طرف سے اس کے بڑے بھائی کی منگنی کی تقریب کا بلاوا ملا۔ زوہیب جب ہوٹل پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سحر خود مرکزی دروازے پر کھڑی اس کا انتظار کر رہی ہے۔ سنہری ہالے میں گھری وہ کسی خواب ناک منظر کا حصہ لگ رہی تھی۔

"بنا کارڈ کے آتے ہوئے ذرا جھجک ہو رہی تھی۔" زوہیب نے اس کے قریب پہنچ کر اعتراف کیا۔

سحر کے لبوں پر ایک پراعتماد مسکراہٹ آئی۔ "مجھ پر یقین ہونا چاہیے تھا زوہیب! میں نے کہا تھا دروازے تک آجاؤں گی۔"

"وہ تو یہاں کا عملہ مجھے جانتا ہے، ورنہ یہاں تک پہنچنا بھی مشکل ہوتا۔" زوہیب نے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

سحر نے شرارت سے ابرو اچکائے۔ "اب تو تمہارے پاس میرا نمبر ہے، ایسی کسی بھی ایمرجنسی میں تم مجھے کال کر کے بات کروا سکتے ہو، خواہ وہ گیٹ پر کھڑے گارڈز ہی کیوں نہ ہوں۔"

زوہیب نے ہنستے ہوئے سر جھٹکا۔ "ہر کام کا ایک صحیح طریقہ ہوا کرتا ہے سحر! اسے اسی طرح کرنا چاہیے۔ ویسے، اب تم مجھے 'تم' کہنے لگی ہو تو میں بھی یونہی کروں گا۔"

"آؤ، تمہیں اپنی فیملی سے ملواؤں۔" سحر نے اس کا بازو تھام کر اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

زوہیب کا سحر کی فیملی سے ملنے کا تجربہ تھوڑا مختلف تھا۔ وہ لوگ اس کے اپنے خاندان کے مزاج سے کافی الگ تھے؛ وہاں بناوٹ اور نمود و نمائش کا رنگ زیادہ گہرا تھا۔ وہ زیادہ دیر نہیں رکا، لیکن جب جانے لگا تو سحر ضد کرنے لگی۔

"مجھے بھی ساتھ لے چلو، میرے گھر ڈراپ کر دینا۔"

زوہیب ذرا جھجکا۔ "تمہارے گھر والوں کو برا نہیں لگے گا؟"

"نہیں، میں بتا آئی ہوں۔" اس نے بے "مجھے واپس جانا ہے، بہت تھکاوٹ ہو گئی۔"
فکری سے جواب دیا۔

"میرے حامی بھرنے سے پہلے ہی؟" زوہیب کو اس کے اعتماد پر حیرت ہوئی۔

ہاں! کیونکہ تم مجھے انکار نہیں کرو گے، میں جانتی تھی۔" سحر نے گاڑی کی طرف بڑھتے "
"ہوئے کہا۔ "ویسے بھی، مجھے گھر چھوڑنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔

زوہیب نے گاڑی کا لاک کھولا اور مسکرا کر پوچھا۔ "اچھا؟ بتاؤ ذرا میرا کیا فائدہ ہے؟"

سحر نے گاڑی میں بیٹھتے ہی اپنی انگلیوں پر گنوانا شروع کیا۔ "پہلا یہ کہ تمہیں میرا
ایڈریس معلوم ہو جائے گا۔۔۔"

زوہیب کو اس کا یہ معصومانہ کھیل پسند آیا۔ "اچھا، اور؟"

"تم کچھ مزید وقت میرے ساتھ گزار لو گے۔" اس نے شوخی سے کہا۔

شوخی کے علاوہ بھی کچھ تھا وہاں۔۔۔ کچھ اکسانے جیسا!

نہیں۔ زوہیب نے دل ہی دل میں خود کو ڈانٹا۔ میں کچھ زیادہ ہی وہم پالنے لگا ہوں۔

"یہ تو بالکل صحیح کہا تم نے۔"

"اور تیسرا یہ کہ ہم ساتھ میں کہیں آئس کریم کھالیں گے۔" سحر نے نیا پلان پیش کیا۔

"اتنا کچھ کھا لینے کے بعد بھی آئس کریم؟" زوہیب نے ہنستے ہوئے اسے دیکھا۔

سحر نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھا اور ناز بھرے انداز میں بولی۔ "کیوں؟ آج میں ذرا ڈائیٹ پلان سے ہٹی ہوئی ہوں، مجھے ہٹا ہی رہنے دو۔"

زوہیب بے اختیار ہنس پڑا۔

اس لڑکی کی ہر ادا زوہیب کے منطقی نظام کو درہم برہم کرنے پر تُلی ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

کمال سیکیورٹی ایسوسی ایشنز کے اس مخصوص 'وار روم' میں جہاں زوہیب کے علاوہ کسی کا داخلہ ممنوع تھا، وہ اس وقت ایک انتہائی اہم پراجیکٹ کے آخری مراحل میں الجھا ہوا تھا۔

سکرین پر بائنری کوڈز کی ایک پیچیدہ لہر چل رہی تھی جو کسی بڑے بینک کے ڈیٹا بیس کی نئ قلعہ بندی کا حصہ تھی۔

میز پر رکھا اس کا موبائل مسلسل وائبریٹ کر رہا تھا، سحر کی کال تھی۔ زوہیب نے کام کے اس نازک موڑ پر بھی کال اٹھالی۔

"ہیلو؟"

"فوراً لنچ کے لیے دو بجے وہاں پہنچو، جس جگہ کی لوکیشن میں نے بھیجی ہے۔" سحر کی آواز میں ایک ایسا حکم تھا جس سے انکار ممکن نہ تھا۔

"لیکن سحر! آج میں ایک بہت اہم۔۔۔" زوہیب نے بات مکمل کرنی چاہی، مگر سحر نے بے دردی سے کاٹ دی۔

کام اتنا اہم ہے؟ میرے ساتھ لنچ کا موقع تمہیں آج ہی ملے گا۔ آ گئے تو ٹھیک، ورنہ"

"دوسری صورت میں دوبارہ کبھی تمہارے فون پر میری کال نہیں آئے گی۔

"سحر! بات تو سنو۔۔۔" زوہیب نے کچھ کہنا چاہا، مگر دوسری طرف سے کال کٹ چکی تھی۔

دو بجے زوہیب اس ہوٹل کی بلند و بالا عمارت کے باہر کھڑا مسلسل سحر کا نمبر ملا رہا تھا، مگر وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی۔

تپتی دوپہر میں چالیس منٹ گزر گئے تو اس نے سحر کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔

وہاں پہنچ کر جب اس نے گارڈ سے اپنی آمد کی اطلاع دینے کو کہا، تو جواب غیر متوقع تھا۔

"بی بی نے کہہ رکھا ہے کہ آپ آئیں تو آپ کو اندر بٹھایا جائے، وہ ابھی تیار ہو رہی ہیں۔"

زوہیب ڈرائنگ روم میں بیٹھا سحر کا انتظار کرنے لگا۔ آدھا گھنٹہ مزید بیت گیا، اس دوران ملازم نے آکر چائے کی آفر کی جسے اس نے مسترد کر دیا۔ وہ لنچ سے پہلے کچھ بھی لینا پسند نہیں کرتا تھا۔

اس نے ایک بار پھر سحر کا نمبر ملایا، اس بار دوسری گھنٹی پر کال اٹھا لی گئی۔

"ہاں! مجھے بتایا گیا ہے کہ تم آ گئے ہو۔ بس ذرا انتظار کرو، میرے جوتے نہیں مل رہے، میں دس پندرہ منٹ میں آتی ہوں۔" سحر نے بہت اطمینان سے کہا۔

آخر پندرہ منٹ بعد جب وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی، تو زوہیب جو پچھلے دو گھنٹوں سے شدید کوفت کا شکار تھا، سحر کے چہرے کی تازگی اور اس کی شوخ مسکراہٹ دیکھ کر سب بھول گیا۔

سحر کے انداز کا جادو ایک بار پھر زوہیب کے تمام شکوؤں پر غالب آ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کمال سیکیورٹی ایسوسی ایشنز کے اس ہائی ٹیک کانفرنس روم میں وہی پر سکون مگر پُر اثر ماحول تھا، جو اس ادارے کی پہچان تھا۔ زوہیب کمال میز کے سرے پر، صدارتی کرسی پر بیٹھا اپنی فائل کا جائزہ لے رہا تھا۔ نیلے رنگ کے اطالوی تھری پیس سوٹ میں اس کا دراز قد اور کسرتی وجود حد درجہ وجیہہ لگ رہا تھا۔ گھنے بال سلیقے سے سجے ہوئے اور شربتی آنکھوں کی مخصوص چمک خاموشی سے سامنے بیٹھے شرکاء کا احاطہ کر رہی تھی۔

سامنے اسلام آباد کے ایک نامور فارماسیوٹیکل انڈسٹریل گروپ کے نمائندے بیٹھے تھے، جو اپنی فیکٹریوں اور ریسرچ لیبز کے لیے سیکیورٹی سسٹم اپ ڈیٹ کروانا چاہتے تھے۔

"مسٹر زوہیب! ہم اپنے موجودہ سسٹم میں کچھ مزید اضافے کرانا چاہتے ہیں۔" گروپ کے آپریشنل ہیڈ نے باقاعدہ گفتگو کا آغاز کیا۔

زوہیب نے سامنے پڑی فائل پر نظر ڈالی۔ "تفصیلات میرے سامنے ہیں، لیکن میں چاہتا ہوں آپ اپنے الفاظ میں بتائیں کہ پہلے سے کیا موجود ہے اور آگے کیا اضافہ درکار ہے؟"

نمائندے نے سر ہلایا۔ "دیکھیے! آپ کی کمپنی نے ہمیں پہلے ہی بائیو میٹرک انٹری، اینڈ ٹو اینڈ انکرپٹڈ سرورز اور تھری ڈی سرویلنس کیمرے فراہم کر رکھے ہیں، جو بہترین کام کر رہے ہیں۔ لیکن اب ہماری نئی لیبز میں کچھ حساس فارمولوں کی حفاظت کے لیے ہمیں مزید 'ایڈوانس لیئرز' درکار ہیں۔"

زوہیب کے لبوں پر ایک پیشہ ورانہ مسکراہٹ آئی۔ اس نے قلم میز پر رکھا اور ایک ایک کر کے اضافی سہولیات گنوانا شروع کیں۔ "اس صورت میں ہم آپ کو 'آئرس سکیننگ'

(آنکھ کی پتلی کا معائنہ) اور 'تھرمل موشن سینسرز' فراہم کر سکتے ہیں۔ یہ سینسرز نا صرف غیر متعلقہ حرکت کو پکڑیں گے بلکہ درجہ حرارت کی معمولی تبدیلی پر بھی الارم بجادیں گے۔ اس کے علاوہ ہم 'ڈیجیٹل والٹس' شامل کریں گے کہ اگر کوئی ہیکر سسٹم تک پہنچ بھی جائے، تو اسے اصل ڈیٹا کے بجائے صرف بے معنی حروف نظر آئیں گے۔"

وہ لوگ زوہیب کی اس گرفت پر ششدر رہ گئے۔ "سنا ہے ان تمام سسٹمز کی کوڈنگ اور سائبر پروٹوکولز آپ خود ڈیزائن کرتے ہیں؟" ایک صاحب نے پوچھا۔

زوہیب نے ہلکا سا مسکرا کر جواب دیا۔ "بالکل! کسی کو تو یہ ذمہ داری اٹھانی ہی ہے۔"

"آپ کسرِ نفسی سے کام لے رہے ہیں مسٹر زوہیب! ہم سب تو ارمغان کمال اور آپ کو اس کمپنی کا انمول اثاثہ مانتے ہیں۔" نمائندے نے اعتراف کیا۔

اسی دوران میز پر رکھا زوہیب کا موبائل وائبریٹ کرنے لگا۔ سکرین پر سحر کا نام چمکا، مگر زوہیب نے ادھر نظر تک نہیں ڈالی۔

اس کا پورا ارتکاز میٹنگ کے پوائنٹس پر تھا۔

کافی دیر بعد جب میٹنگ کامیابی سے ختم ہوئی اور مہمان رخصت ہوئے، تب وہ اپنے پرائیویٹ آفس میں آیا اور کرسی پر ڈھیلا ہوتے ہوئے سحر کو کال بیک کی۔

پہلی تین کالز منقطع کر دی گئیں، جیسے دوسری طرف بیٹھا شخص جتانا چاہ رہا ہو کہ وہ ناراض ہے۔

چوتھی بار جب سحر نے کال اٹھائی تو سلام دعا کے بغیر ہی اس کی کھنکتی ہوئی آواز میں غصہ لہرایا۔

"تم نے میری کال کیوں نہیں اٹھائی زوہیب؟"

زوہیب نے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔ "تمہاری ہدایت کے مطابق میں روز صبح آفس سے اپنا پورا شیڈول تمہیں بھیج دیتا ہوں۔ آج بھی واٹس ایپ کیا تھا، تم جانتی تھی اس وقت میری اہم میٹنگ ہے۔"

"بھلا اتنا کہاں یاد رہتا ہے کہ کتنے بجے کون سی میٹنگ ہے۔" سحر نے بے نیازی سے کہا۔

"تو پھر شیڈول مانگتی ہی کیوں ہو؟" زوہیب کے لہجے میں تھکن تھی۔

"رات نو بجے تمہیں میرے گھر کے باہر ہونا ہے۔" سحر نے وضاحت کے بجائے اگلا حکم جاری کیا۔

"کہیں جانا ہے؟" زوہیب نے پوچھا۔

"بس تم بتائے ہوئے وقت پر پہنچ جانا۔"

"بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ تم پوری بات تو بتاؤ۔" زوہیب نے الجھ کر کہا۔

"یہی سزا ہے تمہاری! تم نے مجھے آدھے گھنٹے بعد کال بیک کی ہے، اس لیے اب پوری بات رات نو بجے ہی معلوم پڑے گی۔" سحر نے دوٹوک انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔

رات کے ٹھیک نو بجے زوہیب اپنی نیلی اسپورٹس کار میں سحر کے گھر کے سامنے موجود تھا۔

اس نے کئی کالز ملائیں مگر سحر نے فون نہیں اٹھایا۔

زوہیب نے جھنجھلا کر اسے واٹس ایپ پر وائس نوٹ بھیجا، پر سکرین پر ڈبل ٹک کے سوا کچھ ظاہر نہ ہوا۔

تنگ آکر اس نے سحر کی والدہ کا نمبر ملایا۔

"السلام علیکم آنٹی! سحر فون نہیں اٹھا رہی، کیا وہ گھر پر ہے؟"

"وعلیکم السلام بیٹا! میں معلوم کرتی ہوں کیا بات ہے، مجھے تو سحر نے کچھ نہیں بتایا۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

کچھ دیر بعد آنٹی نے خود کال کی۔

"بیٹا! سحر کا کہنا ہے کہ تم نے اسے دن میں انتظار کروایا، اب تم بھی کرو۔"

زوہیب کا ضبط جواب دینے لگا۔ "لیکن آنٹی، کوئی وجہ بھی تو ہو؟"

"وہ کہتی ہے گیارہ بجے تک انتظار کرو، پھر بتاؤں گی بات کیا ہے۔" وہ لمحے بھر کو رکیں۔ "اس کا کہنا ہے کہ اگر تم گیارہ سے پہلے چلے گئے تو وہ کبھی تم سے بات نہیں کرے گی۔"

زوہیب نے کال ختم کی اور اسٹیئرنگ پر مکے مارے۔

اسے اپنی انا اور وقت کی توہین محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے واٹس ایپ کھولا اور سحر کے لیے اس رات کا آخری پیغام ٹائپ کیا۔

"سحر! میں نہ مائنڈ گیمز (ذہنی کھیل) کھیلتا ہوں اور نہ ہی ان کا حصہ بننا پسند کرتا ہوں۔"

اس نے فون ایک طرف پٹخا، گاڑی سٹارٹ کی اور ایک زوردار کٹ مارتے ہوئے اپنے گھر کا رخ کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کمال ہاؤس کے وسیع ڈائننگ ہال میں افتخار کمال، ان کی اہلیہ فہمیدہ، بڑا بیٹا ارمغان اور نوعمر سیف کھانے کی میز پر موجود تھے۔

"ابھی کال کی تو اٹھا نہیں رہا تھا، جانے کہاں رہ گیا۔" فہمیدہ نے بے چینی سے موبائل میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

ارمغان نے پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے جواب دیا۔ "امی! اس نے کہا تھا کہ سحر کی طرف جا رہا ہے، شاید دیر ہو جائے۔"

"سیدھا دفتر سے وہیں چلا گیا، آج تو گھر بھی نہیں آیا۔" فہمیدہ کے لہجے میں فکر مندی نمایاں تھی۔

تبھی سیف بولا۔ "مجھے ابھی کال کی تھی۔ کسی پٹرول پمپ پر رکے ہوئے تھے، کہہ رہے تھے کہ گھر پہنچنے والا ہوں، کھانا گھر پر ہی کھاؤں گا۔"

اسی لمحے ہال کا دروازہ کھلا اور تھکا ہارا زوہیب اندر داخل ہوا۔ فہمیدہ نے اسے دیکھا تو دل بھر آیا؛ ٹائی ڈھیلی تھی، کوٹ شاید گاڑی میں ہی چھوڑ آیا تھا اور شرٹ کے اوپر کے دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں تھکن کے ساتھ ایک اداسی براجمان تھی۔

اس نے کسی کی طرف دیکھے بغیر سلام کیا اور سیف کے برابر والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

افتخار صاحب نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری ماں نے آج کھانا دیر سے لگوایا کہ زوہیب کو آنے دو، آج تمہاری پسندیدہ ڈش بھی مینیو میں شامل ہے۔"

"میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے بتایا کہ شاید وہ دیر سے لوٹے۔" ارمغان نے اضافہ کیا۔

افتخار صاحب نے شرارت سے زوہیب کی طرف دیکھا۔ "کہو تو تمہاری بات چلائیں ۔۔تاکہ یہ دیر سے آنا جانا تو بند ہو۔"

فہمیدہ نے شکوہ بھری نگاہوں سے شوہر کو دیکھا۔ "آپ کیوں اس کے ذہن میں الٹی سیدھی باتیں ڈال رہے ہیں؟"

کیوں بھئی؟ پسند کرتا ہے اسے تو شادی کا ارادہ بھی ہو گا۔ "افتخار صاحب نے دوبارہ"

"زوہیب کا رخ کیا۔ "کیا کہتے ہو زوہیب؟

زوہیب نے سر جھکا کر دھیمے لہجے میں کہا۔ "ڈیڈ! مجھے اس وقت سحر پر بہت غصہ ہے، ابھی ایسی کوئی بات نہ کریں۔"

"مجھے تو شروع سے یہی دکھائی دیا۔ "فہمیدہ نے لقمہ توڑتے ہوئے کہا۔

کیا؟ میں سمجھا نہیں۔ "زوہیب نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

"اکثر و بیشتر، تم بے حد خراب موڈ میں گھر لوٹتے ہو اور وجہ ہمیشہ سحر ہی ہوتی ہے۔" فہمیدہ نے بلا جھجک سچائی بیان کی۔

"وہ کم عمر ہے نا، ابھی سمجھدار ہونے میں وقت لگے گا۔ "افتخار صاحب نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا۔

ارمغان نے مسکرا کر لقمہ دیا۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ غلطی ہمارے لاڈلے بھائی کی ہو، سحر کی نہیں۔"

"مجھے لگتا ہے دونوں کے مزاج نہیں ملتے۔" فہمیدہ نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

سیف نے فوراً بڑا بننے کی کوشش کی۔ "امی! بہو آپ لانا، آپ کے پاس زندگی بھر کا تجربہ ہے، اور بھائی کی ابھی عمر ہی کیا ہے؟"

جواب میں زوہیب نے اسے بری طرح گھورا۔

"مجھے اپنی مرضی مسلط کرنے کا شوق نہیں۔" فہمیدہ نے زوہیب کو دیکھا۔ "لیکن بیٹا! جس رشتے میں اتنی بے چینی ہو، اس میں آگے کیا ہو گا؟ شادی کے بعد زندگی ویسے بھی آسان نہیں ہوتی۔"

"ڈیڈ کے ساتھ تو آپ کی اتنی اچھی گزری، آپ دونوں تو آئیڈیل کپل ہیں۔" سیف نے ایک بار پھر لقمہ دیا۔

دیکھا! اس کی زبان کتنی تیز چلتی ہے۔" زوہیب نے سیف کی طرف اشارہ کیا۔

"بھائی! میں اس گھر کا سب سے خوش مزاج شخص "ہنس مکھ اور زندگی سے بھرپور۔"
ہوں۔" سیف نے سینہ تان کر کہا۔

"اردو بھی بہتر ہو چلی ہے۔" ارمغان کے تبصرے پر سب ہنس دیے۔

فہمیدہ دوبارہ سنجیدہ ہوئیں۔ "بتاؤ تو صحیح، کیا ہوا جو اتنا ٹائم بھی لگایا اور موڈ بھی خراب ہے
؟"

زوہیب ذرا جھجکا۔ "عارضی طور پر اختلافات ہو جایا کرتے ہیں، لیکن وہ اچھی لڑکی ہے اور
میری پہلی۔۔۔" وہ ماں باپ کے سامنے محبت کی بات کرتے ہوئے رک گیا۔

"انہیں بھائی کی پہلی محبت ہونے کا اعزاز حاصل ہے، آپ سب کو اس بات کا احترام کرنا
چاہیے۔" سیف کے اس برجستہ فقرے پر سب بے اختیار ہنس پڑے۔

"تمہاری زبان کا کچھ کرنا پڑے گا۔" زوہیب نے آنکھیں سکوڑ کر اسے دھمکایا، مگر
چہرے کی کوفت اب مسکراہٹ میں بدل چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کی پر سکون صبح کمال ہاؤس کے کشادہ پورچ اور لان میں پھیلی ہوئی تھی۔ زوہیب کمال اس وقت لاؤنج سے متصل اس راہداری کے پینل پر جھکا ہوا تھا جو گھر کے اندرونی رہائشی حصے کی طرف جاتی تھی۔

وہ ملازمین کے لیے نصب 'چہرہ شناسی' کے نظام کو مزید بہتر بنا رہا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ گھر کے حساس اور نجی حصوں میں صرف وہی ملازم داخل ہو سکیں جن کی وہاں جانے کی اجازت ہے، تاکہ گھر کی رازداری اور نظم و ضبط برقرار رہے۔

اس نے پینل پر کچھ ہدایات درج کیں تاکہ نظام کی کارکردگی مزید تیز ہو جائے۔

"زوہیب! اندرونی حصے کے اندراجات مکمل کرو۔" اس نے نرم لہجے میں صوتی حکم دیا اور اسکرین پر رجسٹرڈ ملازمین کی فہرست تیزی سے گزرنے لگی۔

وہ اپنے اس ڈیجیٹل نظم و ضبط میں مگن تھا کہ اچانک ایک جانی پہچانی بلند آواز نے اس کے کام میں خلل ڈالا۔

"آئی ہوپ میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا؟"

زوہیب کا ارتکاز جھٹکے سے ٹوٹا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔

سامنے سحر کھڑی تھی، ہلکے بھورے رنگ کا لباس اس کی شخصیت کو مزید نمایاں کر رہا تھا۔

یہ چھیڑ اب پرانی ہو جانی چاہیے "زوہیب کے لبوں پر بے اختیار ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سحر، لیکن تم ہر بار اتنے یقین سے بولتی ہو کہ میں لاجواب ہو جاتا ہوں۔

سحر چند قدم چل کر اس کے قریب آئی اور اپنی آمد کا مدعا بیان کیا۔ "تمہارا کیمرہ اور اس سے بھی اہم تمہاری عکاسی میں جو تکنیکی مہارت ہے۔۔۔ وہی میرے حسن کو صحیح معنوں میں ایک فریم میں قید کر پائے گی۔ اسی لیے تم سے تصویر بنوانے چلی آئی، ورنہ یقین مانو زوہیب، آج تک میں اپنی کسی تصویر سے مطمئن نہیں ہو پائی۔"

سحر آپی! آپ کیسے نان اسٹاپ اپنی "قریب سے گزرتے ہوئے سیف نے تبصرہ کیا۔

"شان میں اتنے قصیدے کہہ لیتی ہیں؟ میں تو سن کر ہی تھک جاتا ہوں۔

سحر کے چہرے پر ایک ناسمجھ آنے والی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

اسے برا لگنا چاہیے تھا۔

لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے۔۔۔اس نے سیف کے تبصرے کو انجوائے کیا ہو۔

زوہیب نے فوراً سیف کو آنکھوں سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، مگر وہ ایک شریر مسکراہٹ اچھالتا ہوا وہاں سے گزر چکا تھا۔

"اس کی باتوں کا برا نہ ماننا سحر، بہت شریر ہے، کبھی بھی کسی کو کچھ بھی کہہ دیتا ہے۔بس مذاق کر رہا تھا۔" زوہیب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ناسمجھ ہے، اٹس اوکے ! تم بس میری ایک دوا چھی سی" سحر نے ایک لمبا سانس لیا۔

"تصویریں لو۔

"ٹھیک ہے، تم یہیں رکو، میں اوپر سے کیمرہ لے کر آتا ہوں۔" زوہیب مڑا۔

"کسی ملازم سے منگوالو زوہیب، خود کیوں جا رہے ہو؟" سحر نے روکا۔

"جتنی دیر میں مجھے کیمرے کی اصل جگہ اور اس کی نزاکت سمجھانے میں لگے گی، اتنی دیر میں تو میں خود لے آؤں گا۔" زوہیب نے سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔ "ویسے بھی مجھے ہر چھوٹے کام کے لیے دوسروں پر انحصار کرنا اچھا نہیں لگتا۔ ایک کیمرے کے لیے کاموں سے تھکے ہوئے کسی ملازم کو اتنی سیڑھیاں کیوں چڑھواؤں؟"

کچھ دیر بعد وہ دونوں ڈرائنگ روم میں تھے، اور زوہیب کیمرے کی آنکھ سے سحر کو دیکھ رہا تھا۔

وہ بار بار اس کا زاویہ اور رخ تبدیل کروا رہا تھا۔

"تم تو بہت نکتہ چیں ہو زوہیب!" مسلسل ہدایات سے اکتا کر سحر بولی۔

"مجھے پرفیکٹ فریم چاہیے۔"

آخر کار سب کچھ زوہیب کی مرضی کے مطابق ہو گیا۔ سحر کا انداز، روشنی اور زاویہ۔۔۔ سب مل کر ایک کامل تصویر کے لیے تیار تھا۔

زوہیب نے جیسے ہی تصویر کھینچنے کے لیے بٹن پر انگلی رکھی، کافی ٹیبل پر رکھے موبائل کی گھنٹی گونجی۔

"زوہیب۔۔۔"سحر نے اسے ٹوکنا چاہا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ کام ادھورا رہے۔

"اوہ، یہ تو ڈیڈ کا موبائل ہے۔"زوہیب نے گردن موڑ کر سنہرے موبائل کو دیکھا۔

افتخار صاحب کا مزاج تھا کہ کال مِس نہیں ہونی چاہیے، اور گھر کے بڑوں کو اسے سننے کی مکمل اجازت تھی۔

اپنی جگہ سے ہٹتے وہ موبائل کی طرف بڑھا۔اسکرین پر ایک انجان نمبر چمک رہا تھا۔اس نے جلدی سے کال اٹھائی۔

"ہیلو؟"زوہیب نے کہا۔

دوسری جانب سے فوراً سلام کیا گیا، جیسے بولنے والی کو پہل کرنے کی جلدی ہو۔

"وعلیکم السلام، آپ کون؟"زوہیب نے پوچھا۔

"کیا یہ افتخار صاحب کا نمبر ہے؟"

جی، آپ نے درست نمبر پر کال کی ہے۔ میں ان کا بیٹا زوہیب بات کر رہا ہوں۔ آپ اپنا"
"نام اور مدعا بتائیں۔

"انہیں بتایئے گا کہ زمرد فیاض نے کال کی تھی۔"

زمرد؟" زوہیب نے دہرایا۔

اس نے اپنی زندگی میں کبھی اس نام کی کسی لڑکی سے بات نہیں کی تھی، نہ ہی یہ نام کبھی اس کی نظروں سے گزرا تھا۔

"جی ہاں، میں ان کے رشتہ دار داؤد فیاض کی بیٹی ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ارمغان اپنے بیڈ روم سے باہر نکلا ہی تھا کہ سامنے سے آتی ملازمہ نے رک کر اطلاع دی۔

"وہ آگئی ہیں جی۔"

"ان کے لیے چائے بنواؤ، میں وہیں آرہا ہوں۔" ارمغان نے گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "ڈرائنگ روم میں ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

ارمغان تیز قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔اس وقت وہ گہری سلیٹی رنگ ٹی شرٹ اور سیاہ آرام دہ ٹراؤزر میں تھا۔آج وہ دفتر سے سرِ شام ہی لوٹ آیا تھا کیونکہ گھر پر اسے جو کام درپیش تھا، وہ اس کے لیے بزنس کی کسی بھی میٹنگ سے زیادہ اہم تھا۔

اس نے ڈرائنگ روم کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور اندر داخل ہوا۔

اس کی نظروں کی سیدھ میں وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھی، کچھ یوں کہ اندر داخل ہوتے ہی ارمغان کی نظر اس پر پڑی اور وہ لمحے بھر کو وہیں رک سا گیا۔

"یہ تو بہت کم عمر ہے!" اس کے ذہن میں ابھرنے والی پہلی سوچ یہی تھی۔خود ارمغان کی عمر پینتیس سال تھی۔

وہ لڑکی سلام کرنے کے ساتھ ہی اپنی جگہ سے اٹھنے لگی تھی کہ ارمغان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا، سلام کا جواب دیا اور اس کے دائیں جانب موجود سنگل صوفے پر بیٹھ گیا۔

اس کے چہرے پر ایک نرم سا تاثر آ ٹھہرا تا کہ سامنے بیٹھی لڑکی خود کو اجنبی ماحول میں سہل محسوس کر سکے۔

"پہلے میں اپنا تعارف کراؤں گا تا کہ آپ ذرا ریلیکس ہو جائیں۔" ارمغان نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"میں ارمغان ہوں، اذان کا والد۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے، عمر ساڑھے چار سال۔ وہ زیادہ بولتا نہیں ہے، لیکن اسے کھیلنا پسند ہے۔ ہم نے اس کے لیے سٹوری بکس جمع کر رکھی ہیں، اسے روز کچھ نیا سننا ہوتا ہے۔ بس، میری خواہش اتنی سی ہے کہ اسے ماں کی زیادہ کمی نہ محسوس ہو۔ اچھی تربیت بھی ہو اور تنہائی کا احساس بھی نہ رہے۔"

سامنے بیٹھی لڑکی، جو غالباً تئیس چوبیس سال کی تھی، دوپٹہ سلیقے سے سر پر جمائے اس کی گفتگو نہایت سنجیدگی سے سن رہی تھی۔ پھر جیسے اسے احساس ہوا کہ اسے بھی کچھ بولنا چاہیے۔

"میرا نام نایاب صدیقی ہے، میں نے اردو ادب میں بی ایس کر رکھا ہے۔"

"برا مت مانیے گا، کیا آپ کو پہلے بھی کسی بچے کو سنبھالنے کا تجربہ ہے؟"

ارمغان کے اچانک سوال پر وہ ذرا سا چونکی، حالانکہ اس طرح کی ملازمت کے لیے یہ سوال بالکل فطری تھا۔

"میں نے محلے کے بچوں کو چند ٹیوشنز پڑھائی تھیں، لیکن اس کے علاوہ کوئی خاص تجربہ نہیں ہے۔"

نایاب نے سچائی سے جواب دیا۔ ارمغان اس کی بات سن کر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔

اسے لگا نایاب بات بنانے کی کوشش کر رہی ہے اور یہ ملازمت اس کی ضرورت ہے۔

اتنے میں ملازمہ اذان کو لے کر اندر داخل ہوئی۔

ارمغان نے اپنے بیٹے کو دیکھتے ہوئے ہاتھ سے نایاب کی طرف اشارہ کیا۔ "اپنی میڈم سے ملو۔"

نایاب نے اپنی پوری توجہ اس ساڑھے چار سالہ بچے کی جانب مبذول کر دی۔

اذان نے خاموشی سے قریب ہوتے مصافحے کی غرض سے ہاتھ نایاب کی جانب بڑھایا تو ارمغان نے نرمی سے تلقین کی۔ "بیٹا! سلام کرنا اہم ہے، اللہ کو پسند ہے۔"

اذان نے اپنی جھجک پر قابو پاتے ہوئے نایاب کو سلام کیا۔ وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

نایاب کو اس معصوم چہرے میں باپ کی جھلک دکھائی دی؛ وہی تیکھے نقوش اور مشاہدہ کرتی فطرت۔ نایاب کے لبوں پر پہلی بار ایک مدھم سی مسکراہٹ آئی۔

اذان تھوڑا اور قریب ہوا۔ "آپ روز آیا کریں گی؟" اب اذان کی آواز میں اعتماد کی جھلک تھی۔

نایاب نے مصافحے کے لیے تھاما ہوا اس کا ننھا ہاتھ اپنی گرفت میں لیے رکھا۔ "اگر آپ کے بابا مانیں تو؟"

نایاب نے نظر اٹھا کر ارمغان کو دیکھا۔ ارمغان کو نایاب کا یہ پر اعتماد اور دوٹوک انداز اچھا لگا۔

آپ کو پک اینڈ ڈراپ کی سہولت میسر ہو گی۔ ورکنگ ڈیز اور ویک اینڈ کے اوقات "
"مختلف ہوں گے، جیسا کہ آپ کو فون پر بتا دیا گیا تھا۔

ارمغان نے حتمی لہجے میں کہا، جس سے نایاب کے تقرر کا فیصلہ واضح ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 4

امبر یاور

ماضی

مارگلہ کی پہاڑیوں پر سورج کی پہلی کرنیں اتری ہی تھیں کہ گھر میں ہائیکنگ کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

فراز صبح سے ہی پورے گھر پر مسلط تھا، ہدایات پر ہدایات جاری ہو رہی تھیں۔

"سب اپنا اپنا انفرادی بیگ خود اٹھائیں گے، جتنا پانی اٹھا سکتے ہو رکھ لو۔" فراز نے ڈائننگ ٹیبل پر سنیکس کے پیکٹ رکھتے ہوئے ایک جتاتی ہوئی نگاہ یاور پر ڈالی۔

"باقی جو بھی اضافی فرمائش ہوئی، وہ اوپر جا کر ہی پوری ہو گی، اس سے پہلے نہیں۔"

امبر، جو اپنا چھوٹا سا بیگ پیک کر رہی تھی، رک کر بولی۔ "وہ کیوں؟"

فراز الجھ گیا۔

امبر عموماً اس سے ایسے سوال نہیں کرتی تھی، وہ تو بس خاموشی سے حکم ماننے کی عادی تھی۔

مگر جب سے یاور آیا تھا، کچھ بدل سا گیا تھا۔

فراز نے ایک نظر یاور کی طرف دیکھا، جو خاموشی سے کھڑا اسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کچھ نوٹ کر رہا ہو۔

یاور کے اس گہرے مشاہدے پر فراز ایک لمحے کو چونکا، پھر فوراً اپنے تاثرات سمیٹ کر بہن کی طرف متوجہ ہوا۔ "کیونکہ اوپر جا کر ہوٹل سے ہی کچھ مل پائے گا، راستے میں کچھ نہیں۔

"اوہ، اچھا!" امبر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

فراز کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ آ ٹھہری۔

امبر پڑھائی میں کبھی نمایاں نہیں رہی تھی۔ گھر میں اس کی پڑھائی کی ذمہ داری فراز پر تھی اور وہ اکثر اسی بہانے اسے سب کے سامنے نیچا دکھا دیتا تھا۔

سب ہنس دیتے، بات آئی گئی ہو جاتی اور امبر نظریں جھکا لیتی۔

امبر کے اس سادہ سوال پر فراز کے لبوں سے بے ساختہ وہی لفظ نکلا۔ ڈمب!

یاور کے سامنے یہ پہلی بار ہوا تھا۔

امبر نے گھبرا کر یاور کی طرف دیکھا۔ شرمندگی کی ایک تیز لہر اس کے وجود میں دوڑی اور اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

اس کا دل چاہا وہ خود سے ہی چھپ جائے۔

یاور نے فراز پر ایک نظر ڈالی۔۔۔ گہری، ناپتی ہوئی۔

پھر ایک گہرا سانس لے کر وہ بس اتنا بولا۔ "یہ ڈمب نہیں، بس بھولی ہے اور یہ عیب نہیں ہوتا۔"

وہ اسی نرمی کے ساتھ امبر کی طرف مڑا۔

اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ امبر کی شرمندگی تھم سی گئی۔

جیسے کسی نے اس کے اوپر لگا ہوا لیبل خاموشی سے ہٹا دیا ہو۔

فراز کے ماتھے پر واضح بل آ گئے۔

یاور نے بات یوں موڑی تھی کہ اعتراض کی گنجائش ہی نہ رہی۔

☆☆☆

مارگلہ کی ڈھلوانوں پر صنوبر اور چیڑ کے درختوں کی سوندھی خوشبو ہوا میں رچی ہوئی تھی۔

ٹریل پر بچھی خشک پتیوں اور چھوٹے پتھروں کی چرچراہٹ سنائی دیتی، اور دور کہیں کسی پہاڑی پرندے کی آواز اس خاموشی میں ہلکی سی لہر ڈال دیتی۔

یاور اور امبر ہائیکنگ میں سب سے آگے تھے، ان کے درمیان ایک ان کہی ہم آہنگی تھی، جو انہیں بے تکان آگے لے جا رہی تھی۔

ان سے فاصلے پر فراز تھا جس کی نظر بار بار ان دونوں پر جا ٹھہرتی، جبکہ والدین کافی پیچھے سست رفتاری سے قدم بڑھا رہے تھے۔

چڑھائی اب مزید کٹھن ہو رہی تھی اور سورج کی تمازت نے پیاس بڑھا دی تھی۔

کافی آگے آنے کے بعد امبر نے اپنی بوتل کا آخری گھونٹ لیا اور پھر اسے ہلایا، جیسے خالی بوتل سے بھی کچھ نکل آنے کی امید ہو۔

پیاس ابھی باقی تھی، مگر پانی ختم ہو چکا تھا۔

برابر چلتے ہوئے یاور کی نظر اس حرکت پر ٹھہر گئی۔

اس نے چلتے ہوئے ہی بیگ کی سائیڈ پاکٹ سے ایک بھری بوتل نکالی اور امبر کی طرف بڑھا دی۔

امبر نے حیرت سے اسے دیکھا: "یہ؟"

یاور نے سامنے دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا: "ایک اضافی رکھی تھی۔۔۔ تمہارے لیے۔"

امبر نے بوتل تھام تو لی لیکن تذبذب سے بولی۔ "لیکن تمہاری اپنی بوتل بھی ختم ہو چکی ہے۔ تمہیں بھی تو پیاس لگی ہو گی، تم۔۔۔"

یاور نے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی۔ "اتنا سوچو گی تو پیاس نہیں بجھے گی ابھی راستہ باقی ہے۔"

امبر نے ایک گہرا سانس لیا اور قریبی پتھر پر بیٹھ کر سکون سے پانی پینے لگی۔

پانی کے چند گھونٹ حلق سے اترے تو اس کی جان میں جان آئی۔

اس نے بوتل ہٹائی اور باقی پانی یاور کی طرف بڑھا دیا، خاموشی سے، جیسے کہہ رہی ہو۔

"اب تم۔"

یاور نے بوتل لی، مگر فوراً نہیں پی، بس ایک لمحہ اسے دیکھتا رہا۔

عین اسی لمحے پیچھے سے آتے ہوئے فراز کی نظر ان دونوں پر پڑی۔۔۔ اور اس کے قدم بے اختیار سست ہو گئے۔

☆☆☆

ڈھلان کے موڑ پر آ کر فراز رک گیا۔

وہ، جو اب تک ان دونوں کے پیچھے آ رہا تھا، تیز قدم بڑھا کر آگے نکل آیا اور ایک طرف جاتی کچی پگڈنڈی کی طرف اشارہ کیا۔

"ادھر سے سیدھا اوپر نکل جاتا ہے۔" اس نے بے نیازی سے کہا، پھر امبر کی طرف دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"لیکن یہ راستہ سب کے بس کا نہیں ہوتا۔" ایک لمحہ ٹھہرا۔

اگر ہمت ہے تو ادھر سے آؤ، ورنہ سب یہی سمجھیں گے کہ تم اب بھی وہی ڈرپوک بچی"

"ہو جو ہمیشہ سہارا ڈھونڈتی ہے۔

الفاظ نرم تھے، مگر چوٹ سیدھی لگی۔

امبر کے قدم رکنے کے بجائے اسی سمت اٹھ گئے۔

یوں پیچھے ہٹنا وہ کبھی برداشت نہیں کرتی تھی۔

اس نے ڈھلان پر پاؤں رکھا،

مٹی ذرا سی سرکی۔

وہ ایک لمحہ ٹھہری، پھر دوسرا قدم رکھا۔

ڈھیلا پتھر پیر کے نیچے سے کھسکا۔

اس کا توازن بگڑا، جسم ایک طرف کو جھک گیا۔

وہ پوری طرح گری نہیں تھی، مگر اگلا لمحہ اسے نیچے لے جا سکتا تھا۔

اسی وقت پیچھے سے آتا ہوا یاور تیزی سے اس تک پہنچا۔

وہ پہلے ہی چند قدم کے فاصلے پر تھا۔

اس نے جھک کر اس کا ہاتھ نہیں، بلکہ کہنی مضبوطی سے تھام لی اور ایک سنبھلے ہوئے زور سے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

امبر کا پھسلتا قدم وہیں رک گیا۔

وہ واپس سیدھے راستے پر آ گئی۔

چند لمحوں تک اس کی سانسیں تیز رہیں،

جبکہ یاور کی گرفت متوازن رہی۔

نہ سخت، نہ ڈھیلی۔

پھر اس نے آہستہ سے ہاتھ چھوڑ دیا۔

وہ امبر کی طرف دیکھے بغیر سیدھا ہوا۔

اس کی نظر اب فراز پر تھی۔

"بہادری اور بیوقوفی میں فرق ہوتا ہے، فراز۔"

لہجہ بلند نہیں تھا،

مگر اس میں ایسی سردی تھی جو محسوس ہوتی۔

فراز ایک لمحے کو خاموش رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

لاؤنج میں رات کی چائے کا دور چل رہا تھا کہ فراز ایک رجسٹر ہاتھ میں تھامے، دبی ہوئی فکر مندی کے ساتھ داخل ہوا۔

اس کے چہرے کی سنجیدگی والدین کو متوجہ کرنے کے لیے کافی تھی۔

اس نے رجسٹر میز پر رکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "ابو، میں امبر کے کمرے میں اپنا چارجر لینے گیا تھا تو بیڈ پر یہ کھلا ہوا رجسٹر پڑا تھا۔ میں نے سوچا شاید کالج کا کوئی کام ہے، پر اس میں جو لکھا ہے۔۔۔ مجھے لگتا ہے یاور اسے پڑھائی سے ہٹا کر کسی اور ہی دنیا میں لے جا رہا ہے۔"

امبر کے والد نے عینک درست کی اور رجسٹر اپنی طرف کھینچ لیا۔

یاور اور امبر بھی وہیں موجود تھے۔

اس صفحے پر ایک عجیب و غریب کہانی لکھی تھی۔

"ایک عظیم الشان 'سنہری بادشاہ' (سورج) اپنی سلطنت کے مرکز میں تخت نشین تھا۔ اس کے جاہ و جلال کا یہ عالم تھا کہ اس کے گرد آٹھ درباری ہمہ وقت گردش میں رہتے۔ سب سے قریب 'پیغام رسان' (عطارد) تھا، جو اتنا چست تھا کہ صرف اٹھاسی دنوں میں

بادشاہ کے گرد اپنا چکر مکمل کر لیتا۔ اس کے پیچھے 'خوبصورت ملکہ '(زہرہ) تھی، جو بظاہر دھیمی چلتی تھی مگر اس کے مزاج کی تپش سب سے زیادہ تھی۔ تیسرے نمبر پر 'نیلی پری' (زمین) تھی، جو بادشاہ سے ٹھیک اتنے فاصلے پر تھی کہ نہ جلتی تھی نہ ٹھٹھرتی، بس زندگی کی لوری سناتی۔

پھر 'سرخ سپاہی '(مریخ) کا نمبر آتا، جو بادشاہ سے ڈیڑھ گنا زیادہ فاصلے پر رہ کر پہرا دیتا۔ اس سلطنت کی سرحدوں پر ایک 'عظیم الجثہ دیو '(مشتری) بیٹھا تھا، جس کی رفتار اتنی بھاری تھی کہ اسے ایک چکر مکمل کرنے میں بارہ سال لگ جاتے۔ اس کے پیچھے 'حلقوں والا جادوگر '(زحل) اپنی خوبصورت مالا پہنے، زمین سے تقریباً ساڑھے نو گنا زیادہ فاصلے پر خاموشی سے رقص کرتا۔ اور سب سے آخر میں 'برفیلے شہزادے '(یورینس اور نیپچون) تھے، جو اتنی دور اور اتنی سست رفتاری سے پہرا دیتے کہ انہیں ایک چکر کاٹنے میں انسانوں کی کئی نسلیں گزر جاتیں۔ یہ سب مل کر ایک عظیم الشان شمسی نظام بناتے تھے، جہاں ہر ایک اپنے مقررہ مدار میں رہ کر اس پورے نظام کے توازن کو قائم رکھتا تھا۔"

یہ کیا بیوقوفی ہے؟" شاہ میر نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "امبر، تم اب ان فیری ٹیلز اور "کہانیوں میں اپنا وقت ضائع کرو گی؟ کہکشاں اور سیاروں کا تمہاری زندگی سے کیا تعلق؟

فراز نے موقع پا کر کہا۔ "وہی تو میں کہہ رہا ہوں، یہ سب ذہنی بھٹکاؤ ہے۔ یاور، تم اسے یہ خیالی قصے کیوں سنا رہے ہو؟"

یاور، جواب تک خاموشی سے یہ سب دیکھ رہا تھا، ایک قدم آگے بڑھا اور بہت تحمل سے بولا۔ "خالو، یہ محض کوئی خیالی قصہ نہیں ہے۔ میں امبر کو 'کہکشاں' سمجھانا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ کائنات کی اس وسعت کو صرف خشک اعداد و شمار میں نہیں، بلکہ ایک احساس کی صورت میں یاد رکھے۔"

اس نے رجسٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہا۔ "اس کہانی میں جو درباری جس ترتیب سے ہیں، وہ ان کا سورج سے اصل فاصلہ ہے، اور ان کی چال کی رفتار ان کے سال کی طوالت کو ظاہر کرتی ہے۔ میں نے اسے صرف یہ سمجھایا ہے کہ اس عظیم کہکشاں میں ہر ستارہ اور ہر سیارہ اپنے مقررہ راستے پر ہے، بالکل ویسے ہی جیسے انسان کی زندگی میں ہر مقصد کا ایک وقت اور راستہ متعین ہوتا ہے۔"

فراز کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔

والدین کی نظروں میں موجود غصہ حیرت اور ایک خاموش تجسس میں بدل گیا۔

یاور نے اتنی خوبصورتی سے ایک 'الزام' کو کائنات کی وسعت سے جوڑ دیا تھا کہ فراز کے پاس مزید کہنے کو کچھ نہ رہا۔

امبر نے ایک گہرا سانس لیا۔

اسے محسوس ہوا کہ یاور نے اس کے رجسٹر میں صرف کہانی نہیں لکھی تھی، بلکہ اسے کائنات کے بڑے نقشے کا حصہ بنا دیا تھا۔

☆☆☆

رات کے سنّاٹے میں گھر کی چھت پر یاور نے دوربین جما رکھی تھی، ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی اور اوپر آسمان غیر معمولی طور پر صاف تھا۔

وہ امبر کو ایک خاص سمت دکھاتے ہوئے بولا، "وہ دیکھ رہی ہو؟"

"ہاں وہ ایک ستارہ۔"

انسانی آنکھ سے ایک ہی ستارہ لگ رہا ہے۔" یاور ذرا سا ایک طرف ہٹا اور بولا۔" دوربین سے دیکھو۔"

"یہ تو واقعی دو ہیں۔" اس کی آواز میں حیرت تھی۔ وہی معصوم سی، جو اسے خود بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

یاور کی نظر ایک لمحے کو اس پر ٹھہری، پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ ستارے ایسے ہوتے ہیں جنہیں بائنری سٹارز کہتے ہیں، یہ دراصل دو ستارے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی کشش میں بندھے رہتے ہیں اور ایک ہی مرکز کے گرد گھومتے ہیں، اس لیے دور سے ایک نظر آتے ہیں مگر ہوتے دو ہیں۔"

امبر نے دوربین سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔" تو پھر الگ کیوں نہیں ہو جاتے؟"

یاور نے ہلکا سا توقف کیا۔" ساتھ بندھے رہنے سے ان کا توازن قائم رہتا ہے، جب تک کوئی تیسرا زیادہ طاقتور جسم ان کے بیچ نہ آ جائے، جیسے بلیک ہول۔۔۔ وہ کشش اتنی بڑھا دیتا ہے کہ یا تو وہ ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں یا ہمیشہ کے لیے الگ ہو جاتے ہیں۔"

امبر نے اب کی بار سر اٹھا کر اسے دیکھا، جیسے وہ بات پوری طرح سمجھ نہ پائی ہو مگر کچھ محسوس ضرور کر گئی ہو۔

اسی لمحے پیچھے سے قدموں کی آہٹ آئی اور فراز قریب آ گیا، اس نے ایک سرسری نظر دوربین پر ڈالی اور یوں ہاتھ لگایا جیسے بس دیکھ رہا ہو، مگر اگلے ہی لمحے پوری ترتیب ہل گئی۔

امبر چونک کر سیدھی ہوئی۔ "بھائی!"

فراز نے بے پروائی سے کہا۔ "میرا ارادہ 'توازن' بگاڑنے کا نہیں تھا، بس یہ بتانا تھا کہ زمین پر ثقلی قوت اتنی زیادہ ہے کہ تمہارے یہ خیالی ستارے یہاں نہیں ٹک سکتے۔ ابو بلا رہے ہیں، امبر تم اندر چلو، یہاں باہر ٹھنڈ میں بیٹھ کر 'کشش' کے نظریے پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔"

پھر اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ یاور کی طرف دیکھا۔ "ویسے بھی زمین پر چیزیں اتنی متوازن نہیں ہوتیں جتنی تم آسمان میں دکھا رہے ہو۔"

دونوں چلے گئے۔

یاور وہیں کھڑا رہا، اس نے چند لمحے دوربین کی بگڑی ہوئی ترتیب کو دیکھا، پھر آہستہ سے اسے دوبارہ درست کیا، مگر اس بار اس نے خود اس میں جھانک کر نہیں دیکھا۔

رات کو سونے سے پہلے فراز اپنے والد کے پاس گیا اور نہایت محتاط لہجے میں بولا۔ "یاور امبر کو 'کشش' اور 'ستاروں کے ملاپ' کے ایسے عجیب فلسفے پڑھا رہا ہے جو اس عمر کے بچوں کے لیے مناسب نہیں۔ سائنس اپنی جگہ، مگر یہ باتیں تو کچھ اور ہی اشارے کر رہی ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 5

کمال فیملی

آدھی رات کے اس پہر، کمال ہاؤس کے اندرونی حصے میں دھیمی روشنی کا ایک پراسرار سا سکوت پھیلا ہوا تھا۔ زوہیب گھر میں داخل ہوا تو اس کے قدموں کی چاپ خود اسے بھی گراں گزر رہی تھی۔

چہرے پر کوفت کے سائے نمایاں تھے۔

وہ ابھی اپنی منگیتر کے ساتھ فلم دیکھ کر لوٹا تھا، مگر اس کے بھنچے ہوئے ہونٹ اور آنکھوں سے چھلکتی بیزاری کوئی اور ہی داستان کہہ رہی تھی۔

کھانا وہ کھا چکا تھا، اس لیے سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ تینوں بھائی اور اذان، سبھی کے کمرے یہیں نچلی منزل پر تھے۔

کپڑے تبدیل کر کے بیڈ پر لیٹا تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

جب کافی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد بھی سکون نہ ملا تو اسے چائے کی شدید طلب محسوس ہونے لگی۔ زوہیب کا یہ پرانا معمول تھا، اگر وہ وقت پر نہ سو پاتا تو پھر چائے ہی اس کی اعصابی تھکن کا آخری حل ہوتی۔

وہ دبے قدموں کچن کی طرف آیا۔ جیسے ہی وہ کچن کے دروازے پر پہنچا، اس کے قدم وہیں جم گئے۔

سامنے چولہے کے پاس کوئی پہلے سے موجود تھا۔ ہلکے نیلے کپڑوں میں ملبوس اس لڑکی کی اس جانب پشت تھی، کمر پر لہراتی لمبی چوٹی نمایاں دکھ رہی تھی۔

زوہیب ایک لمحے کے لیے شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔

یہ کون ہے؟ اس گھر میں تو کوئی لڑکی نہیں رہتی۔

اسے ایک پل کے لیے لگا کہ شاید وہ کسی خواب میں ہے یا ابھی تک سحر کے خیالوں سے باہر نہیں نکل پایا، لیکن چولہے پر ابلتی پتیلی کی آواز اور الائچی کی دھیمی خوشبو بالکل حقیقی تھی۔

ابھی اس کی سوچ مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ لڑکی اچانک پلٹی۔

کچن کے دروازے پر ساکت کھڑے زوہیب کو دیکھ کر وہ لڑکی دھیما سا مسکرائی۔اس کی مسکراہٹ میں ایسی اپنائیت تھی جیسے وہ برسوں سے اسی گھر کا حصہ ہو۔

"آپ زوہیب ہیں نا؟"اس نے نرمی سے پوچھا۔

زوہیب نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔اس کے ذہن کے بند دریچے یک لخت کھلے اور اسے یاد آیا کہ ڈیڈ پچھلے دو دنوں سے جن بہنوں کے بارے میں مسلسل بات کر رہے تھے، جنہیں لینے میانوالی جانا تھا، وہ غالباً اب یہاں آچکی تھیں۔

میں زمرد ہوں، میری آپ سے فون پر بات ہوئی تھی۔"اس نے تعارف کرواتے" "ہوئے چولہے کی آنچ ہلکی کی۔"میں چائے بنا رہی ہوں، آپ لیں گے؟

زوہیب کو لگا یہ مسکراہٹ زمرد کے چہرے کا مستقل حصہ ہے۔اسے حیرت ہوئی کیونکہ اس وقت چائے کی طلب ہی اسے نیچے کھینچ لائی تھی، مگر اس اتفاق کے باوجود اسے اندر ہی اندر ایک کوفت سی محسوس ہوئی۔

اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ ڈیڈ نے ان کے قیام کے بارے میں حتمی فیصلہ کیا کیا تھا۔ وہ تو اپنی الجھنوں میں ایسا گھرا تھا کہ گھر کی باتوں پر دھیان ہی نہیں دے پایا تھا۔ کیا اب یہ بہنیں مستقل یہیں رہیں گی؟

"میں نے شہ پارہ کے لیے بنائی تھی، تھوڑی زیادہ ہے، آپ کے لیے بھی ڈال دیتی"

"ہوں۔

وہ کیبنٹ سے دو مگ نکال کر چائے انڈیلنے لگی۔ اس نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ اپنے حصے کی چائے زوہیب کو دے رہی ہے۔

وہ ایسی ہی تو تھی، اگر اس وقت شہ پارہ وہاں ہوتی تو یقیناً اپنی بہن کی اس قربانی پر اسے غصہ آ جاتا۔

زوہیب مگ تھام کر کچن کے وسط میں رکھی گول میز کی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"شہ پارہ کو آج نیند نہیں آ رہی، نئی جگہ ہے نا۔"

زمرد اسے بہت فرینڈلی لگی، بالکل ان لوگوں جیسی جو ہر ماحول میں جلد گھل مل جاتے ہیں۔

"اس نے کہا کوئی مووی دیکھتے ہیں، کمرے میں ٹی وی بھی ہے تو۔۔۔"

زوہیب کے جی میں آیا کہ پوچھے اگر تمہاری بہن کو نیند نہیں آ رہی تو کیا تمہیں بھی نہیں آ رہی؟ مگر پہلا آمنا سامنا تھا، اسے یہ سوال مناسب نہ لگا۔

وہ بولتی جا رہی تھی۔ "اسے مسٹری پسند ہے، ناول بھی ایسے ہی پڑھتی ہے اور فلمیں بھی۔ انکل آپ سب بھائیوں کی عمریں بتا رہے تھے تو پتہ چلا کہ آپ ہمارے ہم عمر ہیں۔"

زوہیب نے مگ سے اٹھتی بھاپ پر نظریں جمائے ہوئے بے تاثر لہجے میں اس کی بات کاٹی۔

"تمہاری بہن کی چائے ٹھنڈی ہو جائے گی، لے جاؤ۔"

زمرد ایک لمحے کو ٹھٹکی، اسے زوہیب کا اچانک ٹوکنا عجیب سا لگا، مگر اگلے ہی پل وہ برا منائے بغیر مسکرائی، مگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ ابھی کچن سے نکلی ہی تھی کہ پیچھے سے زوہیب کی آواز آئی۔

"میں تمہارا ہم عمر ہوں اور مجھے زیادہ آپ جناب پسند نہیں۔ جب یہیں رہنا ہے تو بہتر ہے مجھے تم کہہ کر مخاطب کرو۔"

زمرد نے پلٹ کر دیکھا۔ زوہیب مگ لبوں سے لگائے چائے پینے میں مگن تھا، جیسے یہ محض ایک جملہ نہیں بلکہ اس گھر میں رہنے کا ضابطہ تھا۔

زمرد نے ایک نظر اس کے سپاٹ چہرے پر ڈالی اور کچن سے نکلتی، چپکے سے سیڑھیوں کی جانب گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کی سیاہی میں ڈوبا وہ صنعتی علاقہ غیر معمولی طور پر خاموش تھا۔ دور دور تک پھیلی گوداموں کی قطاریں کسی سوئے ہوئے دیو کی مانند ساکت کھڑی تھیں۔ یہ وہی مرکزی ویئرہاؤس کمپلیکس تھا جہاں ایاز کارپوریشن اپنے ایک بڑے کلائنٹ کی قیمتی کنسائنمنٹس کی حفاظت کی ذمہ دار تھی—ایک ایسا حصار، جہاں ایاز خاندان کی اجازت کے بغیر پرندہ

بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ یہ محض ہتھیار بند محافظوں کا حصار نہیں تھا، بلکہ ایسے لوگوں کا جال تھا جو خطرہ ہونے سے پہلے اس کی بو سونگھ لیتے۔

اسی مہیب خاموشی کو چیرتی ہوئی دو سیاہ بکتر بند گاڑیاں ذرا فاصلے پر آ کر رُکیں۔ ہیڈ لائٹس مدھم ہوئیں اور دروازے کھلے، مگر کوئی غیر ضروری آہٹ پیدا نہ ہوئی۔ ہر حرکت ایک طے شدہ ترتیب کے مطابق تھی، جیسے کسی تربیت یافتہ دستے کی مشق ہو۔

شاہ ویز ایاز گاڑی سے اترا۔

سیاہ جیکٹ اور بھاری بوٹس میں ملبوس، اس کے سراپے میں وہ ٹھہراؤ تھا جو طویل تجربے اور اختیار سے آتا ہے۔ اس کے ہاتھ خالی تھے، مگر اس کی محض موجودگی ہی کافی تھی کہ ارد گرد کھڑے گارڈز خاموشی سے اپنی پوزیشنز سنبھال لیں۔

پیری میٹر کلیئر رکھو، کوئی" شاہ ویز نے کسی کی طرف دیکھے بغیر، اٹل لہجے میں حکم دیا۔

"حرکت اندر سے باہر نہ جائے۔

وہ سیدھا گودام کے پچھلے حصے کی طرف بڑھا جہاں ایک غیر رجسٹرڈ گاڑی اندھیرے میں روپوش تھی۔ یہ گاڑی اس جگہ کے ریکارڈ میں نہیں تھی—اور شاہ ویز کے لیے یہ ایک

ٹھوس وجہ تھی۔اس کے قدموں میں کوئی جلد بازی نہیں تھی، ہر آہٹ محتاط اور جچی تلی تھی۔

قریب پہنچ کر اس نے گاڑی کے شیشے پر ایک نپی تلی دستک دی۔اندر بیٹھا شخص بری طرح چونکا۔بوکھلاہٹ میں اس نے اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا، مگر اس سے پہلے کہ اس کی انگلیاں کسی ہتھیار کو چھو تیں، گاڑی کا دروازہ کھل چکا تھا اور شاہ ویز کی گرفت اس کی کلائی پر تھی۔ایک ایسی گرفت، جو آہنی تھی مگر جس میں کوئی اضطراب نہیں تھا۔

"ہتھیار نکالنے سے پہلے سوچ لیا کرو کہ سامنے کون کھڑا ہے۔" شاہ ویز کی آواز برف کی طرح سرد تھی، جس نے اس شخص کی رہی سہی ہمت بھی ختم کر دی۔

شاہ ویز نے اس آدمی کو جھٹکے سے باہر نکالا اور دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے ایک ہی نظر میں اس کا مکمل جائزہ لیا۔

وہ نہ تو کوئی پیشہ ور حملہ آور لگ رہا تھا اور نہ ہی کوئی عام چور؛ اس کے چہرے کی زردی کسی گہری سازش کا پتہ دے رہی تھی۔

یہ جگہ تمہاری نہیں ہے۔" شاہ ویز نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔" یہاں کیا کر رہے "

"ہو؟

"میں۔۔۔ میں تو بس دیکھ رہا تھا۔۔۔" اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

"غلط جواب!" شاہ ویز نے سرد مہری سے اس کی بات کاٹ دی۔

اسی لمحے شاہ ویز کی تیز نظر اس کی جیکٹ میں لگی ایک باریک سی ڈیوائس پر پڑی۔ اس نے اس شخص کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر پھرتی سے اسے وہاں سے اُتارا۔ ایک چھوٹا سا آلہ—— بظاہر سادہ، مگر اپنی ساخت میں بے حد پیچیدہ۔ نہ کوئی نشان، نہ کسی کمپنی کا نام۔

اس نے وہ آلہ اس شخص کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"یہ کیا ہے؟" شاہ ویز کی آنکھوں میں ایک لمحے کو گہری سنجیدگی ابھری۔

مجھے نہیں معلوم۔۔۔ مجھے بس کہا گیا تھا کہ اسے" اس آدمی نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

"یہاں نصب کر دوں۔

"کس نے کہا؟" شاہ ویز کے لہجے کی ٹھنڈک برقرار تھی۔

جواب میں صرف خاموشی ملی۔

"نام بولو۔" شاہ ویز نے اس کی کلائی پر اپنی آہنی گرفت ذرا اور سخت کی۔

میں۔۔۔ میں نہیں جانتا۔۔۔ وہ لوگ کبھی سامنے نہیں آتے۔" اس کی آواز لرز رہی"

" تھی۔ "بس ہدایات دیتے ہیں اور رقم پہنچا دیتے ہیں۔

شاہ ویز کی نظریں اس کے تاثرات کے اتار چڑھاؤ کا باریک بینی سے مشاہدہ کر رہی تھیں۔

پھر جیسے اس شخص کو کچھ یاد آیا ہو، وہ جلدی سے بولا۔

"ایک بار۔۔۔ ایک نام سنا تھا۔"

شاہ ویز چونکا ہوا۔ "کون سا نام؟"

وہ آدمی ہچکچایا، پھر بمشکل لب کھولے۔ "زوہیب۔۔۔"

خاموشی ایک بار پھر گہری ہو گئی، مگر اب اس میں ایک تیکھا پن تھا۔

شاہ ویز نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں اور اپنے ہاتھ میں پکڑی اس چھوٹی سی ڈیوائس کو دیکھا۔ اس کے لیے یہ صرف ایک مداخلت نہیں تھی—یہ ایک پیغام تھا، اور وہ پیغام کسی ایسے شخص کی طرف اشارہ کر رہا تھا جو سکرین کے پیچھے بیٹھ کر کھیل کھیلتا ہے۔

اس کے چہرے پر کوئی واضح تاثر تو نہ ابھرا، مگر اس کی شاطر آنکھوں میں ایک سرد سی لکیر نمایاں ہو گئی۔

اسے لے جاؤ۔" اس نے پیچھے کھڑے گارڈز کو مختصر اشارہ کیا۔ "اور پوری سائٹ دوبارہ چیک کرو۔ کوئی بھی چیز نظر سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے۔"

گارڈز خاموشی سے حرکت میں آئے اور اس شخص کو اندھیرے میں لے گئے۔

شاہ ویز وہیں ساکت کھڑا رہا۔

ہوا میں اب بھی وہی رات کا سکوت تھا، مگر اب اس میں ایک نیا اور زہریلا عنصر شامل ہو چکا تھا—شک۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ کوئی عام جاگر نہیں تھا جو محض ورزش کی خاطر نکلتا، وہ اپنی برداشت کا امتحان لینے والا ایک جنگجو تھا۔

اس نے سیاہ ٹریک سوٹ پہنا، چہرے پر اسی رنگ کا ماسک چڑھایا اور کندھے پر وہ بھاری بیگ لٹکا لیا جس کا وزن کسی عام انسان کے قدم اکھاڑنے کے لیے کافی تھا۔

وہ جم کی مصنوعی مشینوں کے بجائے قدرت کے سخت گیر راستوں پر اپنے جسم کو تھکانے کا قائل تھا۔

رات کی سیاہی جب اسلام آباد کے مضافات کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی، تب مارگلہ کے دشوار گزار راستوں پر ایک پراسرار ارتعاش بیدار ہوتا۔ مارگلہ کی ڈھلوانوں پر ہائیکنگ کے بعد واپسی پر، جب شہر سو چکا تھا، وہ اپنی مخصوص رفتار میں جاگنگ کرتا ہوا کمال ہاؤس کے سامنے پہنچا۔

وہ کاغذ پر بنے نقشوں اور عمارتوں کی ساخت کو سمجھنے کا جنون رکھتا تھا۔

سڑک کے دوسری جانب سائے میں کھڑے ہو کر وہ خاموشی سے اس گھر کی دیواروں، روشندانوں کے زاویوں اور اندھیرے گوشوں کا جائزہ لینے لگا۔ یہ اس کی پیشہ ورانہ جبلت تھی جو اسے سیکیورٹی کے زمینی تضادات دکھاتی۔

اس کی پارکھ نظر نے نوٹ کیا کہ گھر کا فرنٹ ایلیویشن (سامنے کا رخ) تو جدید ترین بائیو میٹرک لاکس اور کیمروں کی بدولت ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ لگتا تھا، مگر عقبی جانب پھیلا ہوا باغیچہ اور وہاں موجود پرانے پیپل کے درخت کی جھکتی ہوئی شاخیں اس دیوار کے لیے ایک کمزور کڑی تھیں۔

وہ دیکھ سکتا تھا کہ ڈیجیٹل پہرہ جتنا بھی سخت ہو، عمارت کے بائیں کونے کا 'بلائنڈ اسپاٹ' (اندھیرا گوشہ) کسی بھی ماہر دراندازکو اندر پہنچانے کے لیے کافی تھا۔

اس کی نظر میں کمال ہاؤس کی اصل مضبوطی اس کا مضبوط ڈھانچہ اور چھت پر لگی اونچی منڈیریں تھیں، مگر سڑک کی طرف کھلنے والا وہ چھوٹا سا وینٹی لیٹر اس کے نزدیک ایک زمینی نقص تھا جسے زوہیب کی کوڈنگ کبھی نہیں ڈھانپ سکتی تھی۔

وہ اس گھر کو نقصان کی نیت سے نہیں بلکہ ایک چیلنج کے طور پر دیکھ رہا تھا—ایک ایسا قلعہ جس کی ڈیجیٹل دیواریں تو بلند تھیں مگر زمینی بنیادوں میں دراڑیں موجود تھیں۔

اسی وقت، دوسری منزل پر شہ پارہ زمرد کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آئی تھی۔

سونے سے پہلے جب اس نے اپنے کھنچتے ہوئے اعصاب کو سکون دینے کے لیے کھڑکی کے پردے درست کرنے چاہے، تو اس کی نظر باہر کی مدھم روشنی میں اس سیاہ سائے پر پڑی۔

شہ پارہ کے ہاتھ وہیں جم گئے۔

وہ کوئی عام چور نہیں لگ رہا تھا؛ اس کے قد و قامت، کندھے پر لٹکا وہ بیگ اور کھڑے ہونے کا وہ بے خوف انداز ایک ایسی طاقت کا پتہ دے رہا تھا جو کمالز کی ڈیجیٹل دنیا سے بالکل مختلف تھی۔

وہ شخص ان کے گھر کو مختلف زاویوں سے دیکھ رہا تھا، جیسے وہ اس کی ساخت کا حساب کتاب لگا رہا ہو۔

شہ پارہ کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔

اس 'سیاہ سائے' کا چہرہ ماسک کی وجہ سے غیر واضح تھا، مگر اس کی متحرک شخصیت کا دباؤ شہ پارہ نے شیشے کے اس پار بھی محسوس کیا۔

شاہ ویز نے ایک آخری نظر اس کھڑکی پر ڈالی جہاں پردہ ہلکا سا لرزا تھا۔

اسے احساس ہو گیا تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے، مگر اس نے کوئی بوکھلاہٹ نہیں دکھائی۔

وہ ایک پر اعتماد رفتار سے اندھیرے میں غائب ہو گیا، پیچھے شہ پارہ کو ایک نامعلوم الجھن اور تجسس کے بھنور میں چھوڑ کر۔

☆☆☆☆☆☆☆

ناشتے کی میز پر قہقہوں اور باتوں کا شور تھا، جہاں باقی گھر والوں کے ساتھ دونوں بہنیں، شہ پارہ اور زمرد بھی موجود تھیں۔ اسی دوران زوہیب کمال ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتاتے تھے کہ رات کی بے سکونی اب ایک بھاری تھکن میں

بدل چکی ہے، مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ کسی نے بھی اس کی آمد کا خاص نوٹس نہیں لیا۔ سب اپنی باتوں میں مگن تھے۔

وہ خاموشی سے اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گیا۔

صاحب!" ملازم نے قریب آکر تازہ چائے کا مگ سامنے رکھا اور دھیمے لہجے میں پوچھا۔ "ناشتے میں کیا لیں گے؟

"وہی جو روز لیتا ہوں۔" زوہیب نے مختصر جواب دیا اور نظریں جھکا لیں۔

"میں ابھی شہ پارہ اور زمرد سے تمہاری ہی بات کر رہا تھا۔" افتخار صاحب نے لقمہ توڑتے ہوئے زوہیب کی طرف دیکھا اور پھر ان دونوں بہنوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ "اگر یہ کچھ وقت پہلے ہماری فیملی کا حصہ بنتیں تو یقیناً تمہاری منگنی کی خوشیوں میں بھی شامل ہو پاتیں۔"

زوہیب نے ایک پل کے لیے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ نیلے لباس میں ملبوس زمرد اسے دیکھتے ہی ہلکا سا مسکرائی۔ یہ وہی تھی جس نے رات اسے کچن میں چائے دی تھی۔ اگرچہ

افتخار صاحب نے بتایا تھا کہ دونوں ہم شکل ہیں، مگر زوہیب کو یقین تھا کہ اگر زمر دنے شہ پارہ جیسا لباس بھی پہنا ہوتا، تب بھی وہ اسے پہچان لیتا۔

"آنٹی! ہمیں منگنی کی تصویریں دکھایئے گا۔" زمر دنے پر جوش لہجے میں فہمیدہ سے کہا۔

"تصویریں تو زوہیب نے اپنے پاس سنبھال کر رکھی ہیں، وہی دکھائے گا۔" فہمیدہ نے جواب دیا۔

سیف فوراً بول اٹھا۔ "بھائی نے منگنی کی ہر چیز بہت سنبھال کر رکھی ہے، یہاں تک کہ سحر آپی کی ریجیکٹ کی ہوئی چوڑیاں بھی۔"

"سیف!" زوہیب نے اسے سخت نظروں سے ٹوکا، مگر سیف کہاں رکنے والا تھا۔

وہ ہنس کر بولا۔ "صرف اس لیے کہ سحر آپی نے وہ چوڑیاں تھوڑی دیر کو پہنی تھیں اور پھر وہیں ہال میں اتار دیں، کیونکہ وہ انہوں نے خود سلیکٹ نہیں کی تھیں، بھائی لائے تھے۔"

زوہیب کا چہرہ غصے سے تپنے لگا، اس کی ناگواری اب عروج پر تھی۔

اسی لمحے ارمغان ڈائننگ روم میں داخل ہوااور صورتحال بھانپتے ہوئے سنجیدگی سے " بولا۔ "سیف،اب چپ کر جاؤورنہ زوہیب تمہیں آنکھوں سے ہی کچاچبالے گا۔

میز پر ایک لمحے کے لیے خاموشی چھاگئی، مگر زوہیب کی نظریں اب بھی اپنی چائے کے مگ پر جمی تھیں، جیسے وہ اس سب سے کہیں دور بھاگ جاناچاہتاہو۔

اچانک فہمیدہ نے زوہیب کو مخاطب کیا۔ "زوہیب بیٹا! یہ بچیاں میانوالی سے آئی ہیں، وہاں کا موسم اسلام آباد سے کافی مختلف ہے۔اب ان دونوں کو نئے کپڑے لینے ہوں گے، انہیں ذراشاپنگ کرادینا۔ میری طبیعت کچھ ناساز ہے ورنہ میں ڈرائیور کے ساتھ خود چلی جاتی۔"

زوہیب نے ایک نظر زمرد پر ڈالی، جو ایک بار پھر اپنی مخصوص گرمجوشی سے بولناشروع ہو چکی تھی۔ "آنٹی! میں اپنے کپڑے خود سیتی ہوں اور شہ پارہ کے بھی۔"

شہ پارہ نے، جو اب تک خاموش تھی، چائے کا کپ رکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ "مجھے تو کپڑوں جوتوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں، لیکن یہ مانتی ہوں کہ زمرد کے ہاتھ میں جادو ہے۔ یہ بہت خوبصورت اور منفرد ڈیزائن تیار کرتی ہے۔"

"کچھ خاص نہیں، بس شوق ہے میرا۔" زمرد نے منکسر المزاجی سے کہا۔

"جب بازار سے" زوہیب، جسے ہر چیز تیار اور ترتیب میں دیکھنے کی عادت تھی، بول پڑا۔ بنے بنائے برانڈڈ کپڑے آسانی سے مل جاتے ہیں تو انسان اتنی مشقت میں کیوں پڑے؟

زمرد کے چہرے پر ایک چمک سی آئی۔ "میرے لیے کچھ بھی تخلیق کرنا اور پھر اسے پہننا محض ضرورت نہیں، ایک مکمل جذباتی تجربہ ہے۔ میں جب تھری پیس یا ٹو پیس لیتی ہوں، تو پہلے اپنے ذہن میں موجود ڈیزائن کا سکیچ بناتی ہوں، پھر بازار جا کر اس کے لیے دھاگے، لیسیں، بٹن اور کناری ڈھونڈتی ہوں۔ یہ سب میرے لیے ایک ایڈونچر کی طرح ہے۔"

زوہیب نے نوٹ کیا کہ میز پر موجود سب لوگ، حتیٰ کہ ارمغان بھی، اس کی بات دھیان سے سن رہے تھے۔

"جیسے جیسے قمیض سیتی ہوں، اس کی لمبائی چوڑائی چیک کرنا، کبھی گلے کی گولائی دیکھنا۔۔۔ یہ سب مجھے ایک عجیب سی خوشی دیتا ہے۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

افتخار صاحب نے ایک جتاتی ہوئی نگاہ اپنے بیٹوں پر ڈالی۔ پھر زوہیب کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔ "دیکھا! یہ ہوتی ہیں بیٹیاں، ان کے ہونے سے کیسی رونق آجاتی ہے گھر "بیٹا! جو چیز کسی کو دلی خوشی دے، اسے کبھی کمتر ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔"

"نہیں ڈیڈ! مجھے تو صرف لگا کہ اتنی محنت۔۔۔" زوہیب نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور دوبارہ ناشتے میں مشغول ہو گیا۔

"پھر ہمیں کس وقت شاپنگ پر لے کر جائیں گے؟" زمرد نے اچانک پوچھا تو زوہیب نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اتنی لمبی چوڑی بحث کے بعد وہ اب بھی اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو گی۔

"آج شام سات بجے آپ دونوں تیار رہیے گا۔ میں آفس سے لوٹوں گا تو سیدھا مارکیٹ چلیں گے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں وقت مقرر کیا۔

"بھائی! وہاں سے واپسی پر تصویریں ضرور دکھانا اور وہ چوڑیاں بھی۔۔۔" سیف نے ایک بار پھر موقع پاتے ہی شرارت کی۔

سیف!" ارمغان نے اسے ڈانٹا، مگر میز پر ایک بار پھر دبی دبی مسکراہٹیں پھیل گئیں۔

زوہیب نے صرف ایک گہرا سانس لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

باب نمبر 6

شاہ ویز ایاز

ایاز کارپوریشن کا ہیڈ آفس کسی کارپوریٹ عمارت سے زیادہ ایک فوجی چھاؤنی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ بلند و بالا دیواروں پر خاردار تاریں اور ہر چند گز کے فاصلے پر ایستادہ تربیت یافتہ کمانڈوز کی موجودگی یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ یہاں غلطی کی گنجائش صفر ہے۔

شاہ ویز کی گاڑی جیسے ہی پہلے آہنی گیٹ پر رکی، بائیو میٹرک اسکینرز نے لمحوں میں شناخت مکمل کی اور تیسری حفاظتی تہہ عبور کرنے کے بعد وہ مرکزی عمارت کے سامنے تھا۔

اندر کا ماحول کسی وار روم جیسا تھا۔ شاہ ویز جیسے ہی 'آپریشنز ہال' میں داخل ہوا، دیوار پر لگی دیو قامت سکرینوں نے اسے پورے ملک میں پھیلے ہوئے ایاز کارپوریشن کے نیٹ ورک کا نقشہ دکھا دیا۔

"رپورٹ؟" شاہ ویز نے اپنی جیکٹ اتار کر کرسی کی پشت پر ڈالی۔

"سر! پشاور سے آنے والی آرمرڈ ٹرانسپورٹ (بکتر بند قافلہ) خیبر پاس عبور کر چکا ہے۔ چاروں گاڑیاں ہمارے لائیو جی پی ایس پر ہیں، سونا اور نقدی محفوظ ہے۔" ایک آپریٹر نے تیزی سے بریفنگ دی۔ "راستے میں ایک مشکوک گاڑی نے پیچھا کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن ہمارے پروٹوکولز کے مطابق 'اسکاٹ گارڈز' نے اسے وہیں بلاک کر دیا جہاں سے وہ مڑی تھی۔ اصل قافلہ اور ڈمی کنوائے مختلف راستوں پر روانہ کیے جا چکے تھے۔" فیصلہ آخری لمحے میں بدلنا ایز کارپوریشن کا معمول تھا۔

شاہ ویز نے سر ہلایا اور دوسری سکرین کی طرف دیکھا جہاں ایک زیرِ تعمیر ڈیم کا منظر تھا۔

"اور اس رسک زون کی کیا صورتحال ہے؟"

"وہاں حالات کشیدہ ہیں سر، مقامی آبادی کا احتجاج جاری ہے لیکن ہمارا سیکیورٹی کوارڈن (حفاظتی حصار) مکمل ہے۔ ہر شخص کی نقل و حرکت ریکارڈ ہو رہی ہے، حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو خود کو مظاہرین سمجھ رہے ہیں۔ کسی بھی غیر متعلقہ شخص کو اس دیوار کے اندر قدم

رکھنے کی اجازت نہیں دی جارہی۔ جہاں قانون پیچھے ہٹ جاتا ہے، وہاں ایازکارپوریشن کی دیوار آج بھی قائم ہے۔"

اسی دوران ایک سینیئر کمانڈو، جو اپنی مخصوص سرمئی وردی میں حد درجہ مستعد لگ رہا تھا، شاہ ویز کے پاس آیا۔ "سر! کلائنٹ (سفارت خانہ) کی وی آئی پی موومنٹ کے لیے ایلیٹ پروٹیکشن ٹیم تیار ہے۔ روٹ کلیئرنس ہو چکی ہے اور ڈمی کنوائے بھی مقرر کیا گیا ہے۔ آن موو فیصلے اور راستے کی سوئچنگ معمول کے مطابق ہو رہی ہے۔"

شاہ ویز نے ایک گہری نظر ان تمام سکرینوں پر ڈالی۔ یہ ایازکارپوریشن کی طاقت تھی—— ایساڈ سپلن اور مہارت کہ ایک ہی وقت میں بینکوں کا سونا منتقل ہو رہا تھا، بین الاقوامی سفارت کاروں کو تحفظ بھی مل رہا تھا اور خطرناک علاقوں میں پہرہ بھی دیا جارہا تھا۔ یہ محض ہتھیار بند محافظ نہیں تھے، بلکہ ایسے لوگ تھے جنہیں خطرہ ہونے سے پہلے اس کی بو آجاتی تھی۔

مگر شاہ ویز کا ذہن اب بھی اس چھوٹے سے آلے پر اٹکا تھا جو اس نے رات کو قبضے میں لیا تھا۔ اس کے لیے یہ ساری طاقت ادھوری تھی جب تک وہ اس 'ڈیجیٹل حملے' کا جواب

نہیں دے دیتا۔اس کے لیے یہ سب معمول تھا،اصل دلچسپی اسے صرف ان خطرات میں ہوتی تھی جو نظر نہیں آتے تھے۔

اب وقت آگیا"کمال سیکیورٹی کے دفتر کی لوکیشن نکالو،اس نے سرد لہجے میں حکم دیا۔

"ہے کہ ان کے 'سافٹ ویئر' کو بتایا جائے۔زمین پر کھیل کیسے کھیلا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

زوہیب اپنے مقرر کردہ وقت کے مطابق ٹھیک سات بجے گھر کے آہنی گیٹ سے اپنی نیلی اسپورٹس کار اندر داخل کر چکا تھا۔

جب وہ لاؤنج میں پہنچا تو پندرہ سالہ سیف صوفے پر نیم دراز کسی گیم میں مگن تھا، مگر بھائی کی آہٹ پاتے ہی وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"بھائی! میں بھی ساتھ جاؤں گا۔"سیف نے جوش سے اعلان کیا۔

زوہیب نے اپنی سمارٹ واچ پر وقت دیکھا اور ایک نظر چھوٹے بھائی کے پر جوش چہرے پر ڈالی۔

"تمہیں کیوں جانا ہے؟ کچھ خریدنا ہے کیا؟"

زوہیب کے لہجے میں تکان نمایاں تھی، جس سے سیف نے فوراً اندازہ لگایا کہ بھائی کا موڈ آج کچھ خاص اچھا نہیں ہے۔

"نہیں بھائی، کچھ لینا نہیں ہے۔ بس بات یہ ہے کہ دونوں اب میری 'سہیلیاں' بن چکی ہیں، اس لیے میرا ساتھ جانا بنتا ہے۔" سیف نے شرارت سے سینہ تان کر کہا۔

زوہیب کے لبوں پر ایک ہلکی سی ہنسی آگئی۔

"سہیلیاں؟ کہیں یہ دوستی یک طرفہ تو نہیں؟"

"میری اور زمرد آپی کی دوستی تو پکی ہے۔" سیف نے فخریہ بتایا۔ "شہ پارہ آپی کا کچھ پتہ نہیں، لگتا ہے ان پر ابھی تھوڑی 'محنت' کرنی پڑے گی۔"

زوہیب نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "تمہاری زمرد آپی کا تو مزاج ہی ایسا ہے، لگتا ہے پورے شہر کو دوست بنانے آئی ہے۔"

سیف نے فوراً مصنوعی غصے سے بھائی کو گھورا۔ "دیکھیں بھائی! میری وفاداری بدل چکی ہے، آئندہ زمرد آپی کے بارے میں ذرا محتاط ہو کر بات کیجیے گا۔" پھر جیسے خیال آیا۔ "میں ذرا اوپر جا کر انہیں بتا دوں کہ آپ آ گئے ہیں۔"

اتنے میں زمرد سیڑھیوں سے اترتی دکھائی دی اور زوہیب کو سلام کر کے باورچی خانے کی جانب بڑھ گئی۔

سیف فوراً اس کے پیچھے لپکا۔

"آپی! اپنی بہن کو بھی بتا دیں، تاکہ ہم وقت پر نکل سکیں۔ مال میں کافی وقت لگ جاتا ہے۔"

زمرد نے پتی اور چینی کا ڈبہ اٹھاتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔ "پہلے زوہیب کو ذرا سستا لینے دو، میں اس کے لیے چائے بنا دوں۔ ہم نے تو شام میں پی لی تھی، وہ تو دفتر سے سیدھا گھر آیا ہے۔"

زوہیب کو یہ سن کر تھوڑی سی حیرت ہوئی۔ صوفے کی پشت سے سر ٹِکاتے ہوئے اسے لگا کہ واقعی تھکاوٹ تو ہے، اور زمرد کا یہ احساس اسے اچھا لگا۔

اتنے میں شہ پارہ بھی نیچے آگئی۔

زوہیب چائے پینے لگااور دونوں بہنیں سیف کے ساتھ بالائی منزل پر تیاری کے لیے چلی گئیں۔

مال میں داخل ہو کر جب وہ پہلی دکان میں پہنچے تو زمرد نے زوہیب سے کہا۔"اگر آپ نے کہیں اور وقت گزارنا ہو تو گزار لیں، ہم مقررہ وقت پر پارکنگ میں آجائیں گے۔"

"نہیں، جب بور ہونے لگا تو بتادوں گا، بلکہ سیف کو بھی ریسکیو (بچا) کرلوں گا۔"زوہیب نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں بھائی! میں نے زمرد آپی سے کہا تھا کہ رنگ چننے میں میرا مشورہ بھی چلے گا۔" سیف نے جوش سے کہا۔"شاہ ویز بھائی کی خالہ کی شادی ہونے والی ہے، اس تقریب میں بھی تو جانا ہے۔"

زوہیب نے سیف کے سر پر ایک ہلکی سی چپت لگائی۔

"دانشور، عقیلہ جی ہماری والدہ کی بھی سیکنڈ کزن ہیں۔"

اسی لمحے زوہیب کا موبائل بول اٹھا۔

سحر کا میسج تھا۔ "آج شام کہیں باہر چلیں؟"

زوہیب نے ٹائپ کیا۔ "نہیں، میں فیملی کے ساتھ شاپنگ پر نکلا ہوا ہوں۔"

سحر کا جواب فوراً آیا۔ "پھر تو بہت بور ہو رہے ہو گے۔"

زوہیب نے نظر اٹھا کر دیکھا، شہ پارہ اور زمرد کے بیچ کھڑا سیف رنگوں کے انتخاب پر مسلسل تبصرے کر رہا تھا اور دونوں بہنیں اس کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھیں۔

زوہیب کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے فون پر ٹائپ کیا۔ "نو، اٹس فیملی ٹائم۔"

کچھ دیر بعد سحر کا دوبارہ میسج آیا۔ "کہو تو میں بھی وہیں آ جاؤں؟ بور ہو رہی ہوں، ڈنر بھی ساتھ ہی کر لیں گے۔"

زوہیب نے یہ پیغام پڑھا اور نظریں اٹھا کر ان تینوں کی طرف دیکھا۔

زمرد نے دو فینسی غیر سلے جوڑے دونوں بازوؤں پر لٹکا رکھے تھے۔انتخاب میں دشواری ہو رہی تھی۔

ایک ہلکا گلابی تھا اور دوسرا گہرا سبز۔

سیف اسے سبز جوڑا خریدنے کا مشورہ دے رہا تھا، جبکہ شہ پارہ، جو اپنے لیے لباس چن چکی تھی، زمرد کو ہلکا گلابی رنگ لینے کا کہہ رہی تھی۔

زوہیب نے اس منظر سے نگاہیں ہٹائے بغیر موبائل فون پینٹ کی جیب میں اڑسا اور ان کی طرف بڑھا۔

"دونوں لے لو۔"

اس کے اس بے ساختہ جملے پر تینوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔

وہ مسکرایا۔"دونوں میں کچھ خاص ہے، اگر ایک لو گی تو دوسرے کا سوچ کر پچھتاؤ گی۔"

"لیکن ضرورت سے زیادہ میں لیا نہیں کرتی۔"زمرد نے سادگی سے کہا۔

زوہیب نے سر ہلایا۔"ٹھیک ہے، تم چن لو، کون سا لینا ہے۔"

زمرد نے آنکھ کے اشارے سے سبز جوڑے کی طرف اشارہ کیا تو زوہیب نے خاموشی سے گلابی جوڑا اس کے بازو سے لیا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ابھی ادائیگی کر رہا تھا کہ زمرد نے پیچھے سے آکر ٹوکا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟"

"یہ مجھے اچھا لگا ہے۔" زوہیب نے مختصر جواب دیا۔

سیف کو شرارت سوجھی۔ "بھائی خود تو پہننے سے رہے، کہیں سحر آپی کے لیے تو نہیں لے رہے؟"

کچھ دیر بعد جب زمرد کاؤنٹر پر اپنے اور شہ پارہ کے جوڑوں کی ادائیگی کر رہی تھی، تو زوہیب نے گلابی جوڑے والا شاپر شہ پارہ کی طرف بڑھا دیا۔

"میں دیکھنا چاہتا ہوں زمرد اسے کیسا ڈیزائن کرتی ہے۔" زوہیب نے دھیمے لہجے میں کہا تو شہ پارہ کے لبوں پر ایک ممنون سی مسکراہٹ آگئی۔

زوہیب نہیں جانتا تھا کہ اسے شہ پارہ کی جانب سے قبولیت کا کتنا بڑا اشارہ ملا ہے۔

وہ لڑکی، جو ہر کسی کو اپنی بہن کے قریب پھٹکنے بھی نہیں دیتی، اسے زوہیب قابلِ اعتبار لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 7

میر اسٹریٹجک کنسلٹنسی - حقائق کا مرکز

اسلام آباد کے ایک جدید ٹاور کے ٹاپ فلور پر واقع یہ دفتر اپنی خاموش نفاست اور جدیدیت کی وجہ سے ممتاز تھا۔

یہاں گہری سوچ اور منظم ڈیٹا کا راج تھا۔

فراز میر اپنے کشادہ آفس میں بیٹھا ایک ضخیم ڈیجیٹل رپورٹ کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کی پی اے روبینہ اندر داخل ہوئی اور کافی کا مگ میز پر رکھ کر اپنا ٹیبلٹ آن کیا۔ اس کا لہجہ حد درجہ باوقار اور نپا تلا تھا۔

"سر! آج کا شیڈول کافی اہم ہے۔ گیارہ بجے سینیٹر بختیار کے سیکریٹری کے ساتھ میٹنگ ہے۔ وہ اپنی نئی ہاؤسنگ اسکیم کے لیے مکمل رسک اسیسمنٹ رپورٹ چاہتے ہیں۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس زمین اور مستقبل کے ماحولیاتی اثرات میں کوئی ایسی باریک خامی تو نہیں جو آگے چل کر ان کے پراجیکٹ کے لیے رکاوٹ بنے۔"

فراز نے کافی کا ایک گھونٹ لیا اور سر ہلایا۔ "ہماری ٹیم نے تمام قانونی پہلوؤں کی چھان بین کر لی ہے؟"

"جی سر، رپورٹ تیار ہے۔ اس کے بعد ایک بجے 'نیشنل بینک' کے بورڈ ممبرز آ رہے ہیں۔ وہ اپنے نئے غیر ملکی پارٹنر کی ڈیوڈیلی جنس کی فائنل رپورٹ طلب کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس پارٹنر کی عالمی مارکیٹ میں اصل مالیاتی ساکھ اور پچھلے پانچ سالوں کے کاروباری ریکارڈ کا شفاف تجزیہ ان کے سامنے ہو تاکہ ان کی سرمایہ کاری محفوظ رہے۔"

پی اے نے سکرین اسکرول کی اور اگلے پوائنٹ پر آئی۔ "تین بجے اداکار حارث کی ٹیم کے ساتھ سیشن ہے۔ وہ اپنے بین الاقوامی برانڈ لانچ سے پہلے اپنی ڈیجیٹل ساکھ کا آڈٹ کروانا چاہتے ہیں۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ انٹرنیٹ پر ان کے بارے میں موجود معلومات کتنی درست ہیں اور کیا کوئی ایسی غلط فہمی تو نہیں پھیلائی جا رہی جو ان کے برانڈ کے وقار کو ٹھیس پہنچائے۔"

فراز میر کے چہرے پر ایک اطمینان بخش مسکراہٹ آئی۔ "بہت اچھا! ہمارا کام ان لوگوں کو وہ سچائی دکھانا ہے جو اعداد و شمار کی تہوں میں چھپی ہوتی ہے۔ لوگ ہم پر اس لیے

بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ ہم انہیں اندھیرے میں تیر چلانے کے بجائے ٹھوس معلومات کی روشنی فراہم کرتے ہیں۔"

اس نے کافی کا کپ میز کی سطح پر رکھا اور کھڑکی سے باہر پھیلے شہر کو دیکھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح کی پہلی کرنوں کے ساتھ ہی چوہدری حشمت کا موبائل فون تھرتھرا اٹھا، جس نے ان کی کچی نیند میں خلل ڈالا۔

ابھی ان کے جاگنے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا، مگر اصرار کرتی گھنٹی نے انہیں ہاتھ بڑھا کر فون اٹھانے پر مجبور کر دیا۔

ادھ کھلی آنکھوں سے سکرین پر چمکتا انجان نمبر دیکھا اور کال وصول کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس کے غنودگی بھرے ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے ایک سنسناتی ہوئی رعب دار آواز آئی۔ "کچھ ہی دیر میں ایک بندہ ڈاک دے کر جائے گا۔ آنکھیں اور دماغ دونوں کھول کر دیکھنا، تمہارے کام کی بات ہے۔"

تمہاری کال کاٹتے ہی میں اس نمبر کا سارا کچا چھٹا" چوہدری حشمت غصے سے پھنکارے۔

" نکلوا کر تمہارے پیچھے اپنے بندے بھیجتا ہوں، جانتے ہو کس سے بات کر رہے ہو؟

دوسری طرف موجود شخص نے ایک جاندار قہقہہ لگایا۔ "تم نے مجھے کوئی عام سا بلیک میلر سمجھ رکھا ہے؟ میرا پیر تمہاری گردن پر ہے۔ ڈاک ضرور دیکھنا اور میری دی ہوئی ہدایات پر فوری عمل کرنا، ورنہ نا صرف یہ کہ تم کسی کو منہ دکھانے لائق نہیں رہو گے بلکہ تمہارے خاندان کا ایک بھی جوان زندہ نہیں بچے گا۔ ہاں، تم جیسے عمر رسیدہ لوگوں کو چھوڑ دیا جائے گا تاکہ پیچھے کوئی سوگ منانے والا تو ہو!"

کال کٹتے ہی چوہدری حشمت نے موبائل بستر پر پٹخا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکلے۔

سامنے سے آتے ملازم کو دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا خاکی ڈبہ تھا۔

صاحب! یہ کوریئر والا خاص ہدایت دے کر گیا ہے کہ آپ کو دینا ہے۔ چھوٹے صاحب" "نے اسے وصول کر کے مجھے سیدھا آپ کی طرف بھیج دیا۔

ملازم نے ڈبہ پیش کیا۔

حشمت نے جھپٹ کر وہ ڈبہ لیا اور واپس بیڈ روم میں آ کر دروازہ مقفل کر دیا۔

لرزتے ہاتھوں سے اس فتنے کو کھولا تو اندر موجود باریک بینی سے جمع کیے گئے حقائق نے ان کے پیروں تلے سے زمین کھینچ نکالی۔

اس میں اس مشہور ماڈل کے لیے خریدے گئے بنگلے کی ادائیگیوں کی رسیدیں، ان کے نجی بینک اکاؤنٹ سے ماڈل کے اکاؤنٹ میں منتقل کی گئی خطیر رقوم کا مکمل ریکارڈ اور ہوٹل میں قیام کی تفصیلات موجود تھیں۔

یہاں تک کہ مہینوں پرانی وہ چیٹس بھی پرنٹ شدہ شکل میں موجود تھیں جنہیں وہ اپنی یادداشت سے بھی مٹا چکے تھے۔

دستاویزات کے نیچے ایک کاغذ پر چھپے ہوئے الفاظ کسی زہریلے ناگ کی طرح ان کے سامنے تھے۔

"اس بار الیکشن سے دستبردار ہو جاؤ۔ یہ صرف ٹریلر ہے، تمہارے ماضی سے جڑی کئی" حقیقتیں میرے پاس محفوظ ہیں جنہیں میں عوام کے سامنے لانے کی طاقت رکھتا ہوں۔

انہوں نے فوراً ڈبہ پلٹ کر دیکھا، ریٹرن ایڈریس کسی کریانے کی دکان کا پتہ تھا۔ نمبر بھی غالباً اس دکاندار کا ہو گا جو اس پورے معاملے سے لاعلمی ظاہر کرے گا۔ ان کے شاطر ذہن کے لیے معاملے کی تہہ تک پہنچنا مشکل نہ تھا۔

چوہدری حشمت کے ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا۔

یہ محض دھمکی نہیں تھی، یہ ان کے سیاسی اور نجی مستقبل کا مکمل خاتمہ تھا۔

یہ ان کے کسی سیاسی حریف کی کارستانی تھی، جبکہ پر تشویش بات یہ تھی کہ ایسی معلومات حاصل کیسے کی گئیں؟

☆☆☆☆☆☆☆

ایاز ہاؤس کے وسیع و عریض لان میں شہر کی مقتدر شخصیات کے لیے ایک پُر تعیش دعوت کا اہتمام تھا۔ شاہ ویز پورچ کے قریب سے گزر رہا تھا جب اس کی نظر ایک کم عمر ملازمہ پر پڑی جو بدحواس سی وہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"رکو!" شاہ ویز کی سپاٹ آواز نے اسے وہیں منجمد کر دیا۔

وہ لڑکی اس کے سامنے کھڑے ہونے کی تاب نہ لا سکی اور نظریں جھکا لیں۔ شاہ ویز نے نوٹ کیا کہ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور ہاتھوں میں ایک کپکپاہٹ تھی۔

"ڈرو نہیں، بتاؤ کیا ہوا؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟" اس کا لہجہ دھیما تھا مگر اس میں ایک ہمدردانہ سختی تھی۔

لڑکی نے چونک کر اسے دیکھا، پھر لرزتی آواز میں بولی۔ "اگر میں سچ کہوں گی تو آپ۔۔۔" اس نے گھبرا کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

شاہ ویز کی آنکھوں میں شعلوں کی سی لپک آئی، اس نے فوراً بھانپ لیا۔ "کسی نے بدتمیزی کی ہے؟"

اس لڑکی نے ہونٹ بھینچ لیے۔

اسی لمحے قریبی گیسٹ روم کا دروازہ کھلا اور وہاں سے ایک چالیس سالہ خوبرو شخص باہر نکلا۔ شاہ ویز نے اسے فوراً پہچان لیا، وہ ایک بااثر سیاسی شخصیت کا مالک تھا جو اکثر ٹی وی سکرین پر اخلاقیات کا درس دیتا نظر آتا۔ مگر اس وقت اس کا حلیہ کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا؛ بکھرے ہوئے بال اور قمیض کا ٹوٹا ہوا بٹن۔

ان دونوں کو ساتھ کھڑا دیکھ کر وہ س بوکھلا گیا اور تیزی سے قریب آیا۔ "دیکھو شاہ ویز! میں نے اسے کچھ نہیں کہا، یہ تو خود ہی۔۔۔"

بات ابھی اس کے حلق میں ہی تھی کہ شاہ ویز نے ایک ہی جست میں اس کا گریبان دبوچ لیا۔ شاہ ویز نے اسے گھسیٹتے ہوئے دیوار کے ساتھ جا مارا۔

"اپنی صفائیاں میرے سامنے مت دو۔" شاہ ویز پھنکارا۔

اس شخص نے دفاع میں اپنے مضبوط ہاتھ سے شاہ ویز پر حملہ کرنا چاہا، مگر شاہ ویز، جو برسوں سے ہائیکنگ اور فینسنگ (تلوار بازی) کے ذریعے اپنے اعصاب اور جسم کو فولاد بنا چکا تھا، اس کے وار سے بے نیاز رہا۔ اس نے بڑی مہارت سے اس کا ہاتھ ایک خاص زاویے سے مروڑا اور دوسرے ہاتھ کی ضرب اس کے جبڑے پر لگائی کہ وہ شخص توازن کھو بیٹھا۔

شاہ ویز نے اسے دوبارہ گریبان سے اٹھایا اور اس کے کان کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

"تم میرے مہمان ہو سکتے ہو، مگر میرے گھر کی حرمت سے بڑھ کر نہیں۔"

اس نے اسے ایک حقارت بھرے جھٹکے سے دور پھینکا۔ وہ بااثر شخص، جو کچھ دیر پہلے تک خود کو ناقابلِ تسخیر سمجھ رہا تھا، اب زمین پر گرا اپنے اکھڑے ہوئے سانس بحال کر رہا تھا۔ شاہ ویز نے مڑ کر اس لڑکی کی طرف دیکھا جو سہم کر یہ سب دیکھ رہی تھی۔

"جاؤ، اب تمہیں کوئی تنگ نہیں کرے گا۔" اس نے پر سکون انداز میں کہا اور اپنے کوٹ کی آستینیں درست کرتے ہوئے دوبارہ محفل کی طرف بڑھ گیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات گئے شاہ ویز اپنے کمرے میں بستر کے کنارے بیٹھا تھا، جب اس کے والد اکرام ایاز اور بڑا بھائی فرحان اندر داخل ہوئے۔ اکرام نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ اچھا نہیں ہوا شاہ ویز! تم جانتے بھی ہو وہ کون ہے؟"

شاہ ویز نے نظریں اٹھائیں، لہجہ سپاٹ تھا۔ "زیادہ اہم یہ ہے کہ اس نے کیا کیا۔ اس کا مرتبہ میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

"تم کسی اور طرح بھی یہ معاملہ ہینڈل کر سکتے تھے۔" اکرام صاحب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

شاہ ویز نے ایک چبھتی ہوئی نگاہ اپنے باپ پر ڈالی۔

"اگر اس لڑکی کی جگہ میری اپنی بہن ہوتی، تو کیا تب بھی آپ مجھے یہی مشورہ دیتے؟"

فرحان، جواب تک خاموش تھا، طیش میں آ کر بول اٹھا۔

"صد شکر، ہماری کوئی بہن نہیں اور اگر ہوتی تو یہ بہت غیر مناسب موازنہ تھا۔" فرحان لمحہ بھر کو رکا، جیسے اشتعال پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔ "ایک معمولی ملازمہ کی خاطر تم نے اتنا تماشہ کیا؟"

شاہ ویز کی آنکھوں میں غصے کی چمک ابھری۔

"معمولی؟ صرف اس لیے کہ وہ یہاں کام کرتی ہے اور ہم اس کام کا اسے معاوضہ دیتے ہیں؟ ہمیں اس کے کام کی ضرورت ہے اور اسے پیسوں کی، میرے نزدیک یہ سیدھا سادھا لین دین کا معاملہ ہے۔ اس سے وہ معمولی اور ہم خاص کیسے ہو گئے؟"

اب اس نے دوبارہ باپ کی طرف رخ کیا۔

"بابا! میرے نزدیک 'معمولی' وہ ہے جس نے یہ گھٹیا حرکت کی ہے۔"

پھر اس نے بھائی پر ایک جتاتی ہوئی نظر ڈالی۔

"عورت کی عزت کرنے کا دعویٰ وہی شخص کر سکتا ہے جو اپنے گھر کی اور باہر کی عورت میں فرق نہ رکھے۔"

فرحان غصے سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ شاہ ویز نے ہاتھ بلند کر کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"اسے تو ہم باہر کی عورت بھی نہیں کہہ سکتے۔ جو یہاں کام کرنے آئی، اس کے تحفظ کی ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہے۔ ہماری چھت کے نیچے کوئی ایسی گری ہوئی کوشش کرے اور میں کھڑا ہو کر سوچوں کہ معاملہ کچھ یوں ہینڈل کرنا چاہیے کہ میرے کسی 'اہم شخصیت' سے تعلقات خراب نہ ہوں؟"

اگلا سوال اس نے براہِ راست باپ سے کیا۔

بابا! ہم کیا صرف انہیں تحفظ بیچتے ہیں جو اسے خریدنے کے اہل ہوں؟ کیا تحفظ صرف "ایلیٹ کلاس کا حق ہے؟"

فرحان نے زچ ہو کر باپ کی طرف دیکھا۔

"یہ بہت زیادہ کتابی باتیں کرتا ہے، ہم اس سے بحث میں نہیں جیت سکتے۔"

"ہاں!" شاہ ویز نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "میں آپ کی نظروں سے دنیا کو نہیں دیکھتا۔ میرے نزدیک طبقاتی فرق سے زیادہ انسانیت اہمیت رکھتی ہے اور میں اس لڑکی سے شرمندہ ہوں کہ ہمارے گھر میں اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔"

"اسے کس نے کہا تھا کہ اس وقت یہاں اکیلی۔۔۔" فرحان نے جملہ شروع ہی کیا تھا کہ شاہ ویز غصے سے دھاڑا۔

"کام سے آئی تھی وہ!"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ اکرام صاحب نے آنکھ کے اشارے سے فرحان کو مزید بولنے سے منع کیا۔ شاہ ویز تلملا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"پلیز! آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں، ورنہ میں کوئی گستاخی کر بیٹھوں گا۔"

اکرام صاحب نے جاتے ہوئے خاموشی سے شاہ ویز کے کندھے پر ہاتھ رکھا، جس میں شاید ایک تسلیم شدہ ہار تھی یا بیٹے کے اصولوں پر فخر کا کوئی مبہم سا احساس۔ وہ دونوں باہر نکل گئے اور شاہ ویز وہاں اپنے اصولوں کے ساتھ تنہا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ماضی

بارش کے بعد کی دھلی دھلی سی دوپہر تھی۔

صحن میں جا بجا پانی کے چھوٹے چھوٹے تالاب بن گئے تھے اور فرحان ان میں سے ہر ایک کو پھلانگتا، چھلانگیں لگاتا، اپنے جوتے اور آدھی پتلون بھگوتا ہوا گھوم رہا تھا۔

دس سال کی عمر میں وہ ہر وہ کام کرنا اپنا حق سمجھتا تھا جس سے شور مچتا ہو۔

"فرحان! کم از کم جوتے اتار کر تو کھیلو!" رعنا نے کمرے کے اندر سے بلند آواز میں ہدایت دی۔

فرحان نے سنا، مسکرایا، اور اگلے تالاب میں مزید زور سے پاؤں مار کر چھینٹیں اڑائیں۔

دوسری طرف، دروازے کی چوکھٹ پر آٹھ سالہ شاہ ویز خاموش کھڑا تھا۔

وہ باہر نہیں گیا تھا۔

اس کے ننھے ہاتھوں میں ابو کی وہ قدیم کتاب تھی جو شیلف کی سب سے اوپر والی قطار میں رکھی رہتی تھی اور جس کے بارے میں ابو نے کبھی کچھ نہیں کہا تھا۔۔۔ شاید اس لیے کہ کسی کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ چھ سال کا بچہ وہاں تک پہنچ بھی سکتا ہے۔

کتاب اس کے لحاظ سے بہت بڑی تھی اور الفاظ مشکل، لیکن اس میں تصویریں تھیں۔ پرانے قلعوں کی، قدیم تلواروں کی اور ان جری لوگوں کی جو کبھی میدانِ کارزار میں لڑے تھے اور جن کے نام تاریخ نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیے تھے۔

وہ ان تصویروں کو دیکھتا اور سوچتا کیا سچ میں لوگ کبھی ایسے بھی تھے؟

شام کو جب اکرام ایاز دفتر سے لوٹے تو فرحان انہیں دروازے پر ہی مل گیا۔

پانی سے بھیگا ہوا، مٹی میں لت پت، مگر چہرے پر وہی بے پرواخوشی جو صرف بچپن کا خاصہ ہوتی ہے۔

"ابو!" فرحان نے لپک کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آج میں نے صحن میں پانچ لمبی چھلانگیں لگائیں اور ایک بار بھی نہیں گرا۔"

اکرام ایاز نے محبت سے ہنستے ہوئے اس کے بال بکھیر دیے۔

"شاباش میرے پہلوان!"

شاہ ویز ڈرائنگ روم میں فرش پر بیٹھا تھا۔

کتاب سامنے کھلی تھی اور پاس ہی ایک کاپی رکھی تھی جس میں وہ کچھ لکھ رہا تھا۔ حروف اگرچہ ٹیڑھے میڑھے تھے، مگر وہ پوری توجہ سے مگن تھا۔

اکرام ایاز اندر آئے، ان کی نظر پڑی تو وہیں ٹھہر گئے۔

"یہ کیا لکھ رہے ہو؟"

شاہ ویز نے سر اٹھا کر دیکھا۔

ابو، وہ جو قلعے والی تصویر ہے نا۔ میں نے لکھا ہے کہ اس میں رہنے والے لوگ کیسے ہوں"
"گے۔

اکرام ایاز نے کاپی اٹھائی، اسے پڑھا اور چند لمحے خاموش رہے۔

"کیا یہ سب تم نے خود سوچا ہے؟"

"جی۔" شاہ ویز نے سادگی سے جواب دیا۔

انہوں نے کاپی واپس میز پر رکھ دی۔

زبان سے کچھ نہ کہا، لیکن جاتے ہوئے ایک لمحے کے لیے رک کر مڑ کر دیکھا۔

شاہ ویز نے نوٹ کیا کہ ان کے چہرے پر ایک عجیب سے تاثرات تھے، جو نہ تو تعریف تھی اور نہ ہی ناپسندیدگی۔ بس ایک طرح کی بے چینی تھی، جیسے انسان کے سامنے کوئی ایسی گتھی آجائے جسے سلجھانا اسے نہ آتا ہو۔

رات کے کھانے پر اکرام ایاز فرحان سے اس کے کرکٹ میچ کے بارے میں پوچھتے رہے اور فرحان پندرہ منٹ تک جوش و خروش سے تفصیلات سناتا رہا۔

شاہ ویز نے خاموشی سے اپنا کھانا ختم کیا۔

سونے سے پہلے رعنا نے شاہ ویز کے کمرے میں جھانکا تو وہ اب بھی لکھنے میں مصروف تھا۔

"سو جاؤ بیٹا، بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"بس تھوڑا سا رہ گیا ہے ممی۔"

رَعنا چوکھٹ پر ہی رک گئیں۔

"آخر کیا لکھ رہے ہو؟"

وہ سپاہی جو تصویر میں تھا، میں نے سوچا کہ وہ باقی سب سے الگ تھلگ اور اکیلا کیوں کھڑا"

"ہے؟ بس وہی لکھ رہا ہوں۔

رَعنا نے کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھا۔

ان کی آنکھوں میں وہ تڑپ تھی جو صرف ماؤں کو محسوس ہوتی ہے اور باپ اکثر اسے نہیں دیکھ پاتے کہ یہ بچہ اپنے اندر کسی اور ہی دنیا میں بستا ہے۔

وہ دروازہ ادھورا چھوڑ کر باہر نکل آئیں۔

شاہ ویز کا قلم چلتا رہا۔

باہر فرحان کے کمرے سے ابو کی آواز آ رہی تھی، وہ اسے کل کے میچ کے لیے قیمتی مشورے دے رہے تھے۔

دونوں ہنس رہے تھے اور ایک ایسی زبان میں گفتگو کر رہے تھے جو ان دونوں کو ہی آتی تھی۔

شاہ ویز نے ان کی آوازیں سنیں، مگر اپنا قلم نہیں روکا۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 8

امبر یاور

امبر اٹھارہ کی ہو چکی تھی اور یہ عمر اپنے ساتھ ایک نیا اعتماد لے کر آئی تھی۔

یاور جو اس سے پانچ سال بڑا تھا، اس بار جب امبر نے اسے دیکھا تو وہ اسے پرانا خاموش اور سنبھلا ہوا لڑکا نہیں لگا، بلکہ کچھ زیادہ تیز اور غیر متوقع محسوس ہوا۔

شام کے وقت وہ کچن میں مگ رکھنے آئی ہی تھی کہ پورچ سے موٹر سائیکل کے انجن کی بھاری آواز سنائی دی۔ وہ فوراً باہر نکلی۔

یاور ایک نئی بائیک سے اتر رہا تھا، ہیلمٹ اتار کر بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔

امبر نے حیرت سے پوچھا، "یہ کب لی؟"

یاور نے بائیک پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آج ہی ڈیڈ نے دلوائی۔ یہاں تمہارے گھر ہی رہے گی جب بھی چھٹیوں میں آؤں گا، کچھ اپنی مرضی کر لوں گا۔"

امبر نے فوراً پوچھا۔ "چھٹیاں اس کے بغیر نہیں گزر سکتی تھیں؟"

یاور اس کی طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔ "تمہیں آخر برا کیا لگ رہا ہے؟"

امبر نے چہرہ موڑ لیا اور چل پڑی۔

یاور چند قدم پیچھے آیا۔ "اچھا ٹھیک ہے، بس یہ بتا دو اصل مسئلہ کیا ہے؟"

وہ گیلری کے پاس جا کر رکی، پھر مڑ کر کہا۔ "مجھے ڈر لگتا ہے۔"

یاور نے نرمی سے کہا۔ "آہستہ چلاؤں گا۔"

امبر نے ایک نظر اسے دیکھا اور آگے بڑھنے لگی۔ "تم خود کو جتنا بھی سنبھال لو، میں تمہیں جانتی ہوں، تم ہمیشہ حد سے آگے جاتے ہو۔"

اس بار یاور ہنسا تو قہقہہ کافی جاندار تھا۔

امبر ایک لمحے کو رک گئی۔ "تمہاری ہنسی بھی بدل گئی ہے۔ پہلے ایسی نہیں تھی۔"

یاور اس کے قریب آیا، مگر اس بار فاصلے کا خیال رکھتے ہوئے۔ "شاید اس لیے بدل گئی ہے کہ اب سب کچھ پہلے جیسا نہیں رہا۔"

خاموشی پھیل گئی۔

یاور نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ "اور ایک بات۔۔۔مجھے اب بھی سب سے زیادہ تمہارا ہی خیال رہتا ہے۔"

امبر نے نظریں چرا لیں، جیسے اس بات کا جواب اس کے پاس نہ ہو۔۔۔یا شاید وہ دینا نہ چاہتی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

سرگوشی

رنگ و بو کی اس بھیڑ میں

وہ ہجوم سے ذرا ہٹ کر،

ایک خاموش کنارے پہ ٹھہری تھی۔

جانِ محفل تو نہ تھی،

نہ ہی ایسی کہ

سب کی نظریں صرف اسی کا طواف کریں،

مگر دل پر ایک دھیمی دستک تھی،

نظر انداز کرنا ممکن نہ رہا۔

وہ جہاں بھی گئی،

نظر اس کے تعاقب میں رہی،

ہر قدم، ہر جنبش،

جیسے کوئی خاموش بندھن

میرے وجود کو

اس کے اثر میں جکڑ رہا ہو۔

وہ اک سرگوشی تھی،

جس کے دھیمے سُروں میں

ایسی کشش چھپی تھی،

جو محفل کے شور سے

کہیں زیادہ گہری تھی۔

شادی ہال کی فضا متحرک روشنیوں اور گلاب کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہی تھی۔

سفید اور سنہری رنگ کے امتزاج سے سجا شاندار اسٹیج، کرسٹل کے فانوس اور مدھم موسیقی ایک پُر تعیش ماحول کا پتہ دے رہے تھے۔

ارمغان کمال اور فہمیدہ کے ساتھ شہ پارہ، زمرد اور سیف جب اس محفل کا حصہ بنے، تو ہر نگاہ ایک پل کو ان پر ٹھہر سی گئی۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ شہ پارہ نے ہال کے ایک کونے میں سیف کو اپنی ہم عمر ایک باتونی لڑکی کے ساتھ گفتگو میں مگن پایا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے تجسس سے ارمغان سے پوچھا۔

شاہ ویز ایاز کی چچازاد کزن، سیف کی ہم عمر" ارمغان نے ایک سرسری نظر ان پر ڈالی۔

"ہے، نام اریبہ ہے۔

"اریبہ اور سیف دونوں کا اسکول قریب ہی ہے، اس لیے جب کبھی کسی تقریب میں سامنا ہو تو کسی کونے کھدرے میں کھڑے ہو کر 'خاندان بھر کی رپورٹ' ٹرانسفر ہوتی ہے۔"

"اب میرا بھی تعارف کروادو۔"

ایک دراز قد، حسین عورت ان کے قریب یوں اچانک نمودار ہوئی جیسے صحیح وقت پر انٹری دینے کی منتظر ہو۔

تانبے کے سے رنگ کا ڈیزائنر جوڑا پہنے وہ سراپا دلکشی تھی۔ شہ پارہ لمحے بھر کو اسے دیکھتی رہی، مگر اس کے اگلے جملے نے اسے چونکا دیا۔

"امبر میر، ارمغان کی سابقہ بیوی۔" اس نے مصافحے کی غرض سے ہاتھ شہ پارہ کی جانب بڑھایا۔

"اذان ہر ویک اینڈ اپنی ماں کے ہاں گزارتا ہے۔" ارمغان کا لہجہ طنز سے پاک تھا۔

"اسی لیے ارمغان کمال نے بیٹے کی تربیت کا بندوبست باہر سے کر لیا۔" امبر نے شہ پارہ سے مخاطب ہوتے ہوئے طنز کیا، پھر دوبارہ ارمغان کی طرف مڑی۔ "سنا ہے خاصی خوبصورت لڑکی ہے؟"

"نایاب صدیقی نام ہے اس کا۔ ایک جیتی جاگتی انسان ہے وہ، جس کے بارے میں تم یوں بات کر رہی ہو۔" ارمغان کے لہجے میں اچانک سختی در آئی۔ "تمہاری سوچ میں تب نہ بدل سکا جب تمہارا شوہر ہونے کا اعزاز حاصل تھا، اب تو۔۔۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا، مگر امبر نے مسکرا کر اسے مکمل کیا۔

"ہاں! اب تو میں صرف ایک رشتہ دار ہوں۔"

اس جملے میں کچھ ایسا تھا کہ ارمغان کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔ "چلو شہ پارہ! کسی اچھی کمپنی میں چلتے ہیں۔"

وہ دونوں تیزی سے وہاں سے چل دیے۔

"یہ شاہ ویز کون ہے؟" شہ پارہ نے ارمغان کی تلخی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "اب تک کافی بار یہ نام سن چکی ہوں۔ سنا ہے امبر کا کلاس فیلو بھی رہ چکا ہے؟"

یونیورسٹی میں دونوں ساتھ پڑھتے تھے، دونوں ہم عمر ہیں۔ مجھ سے پانچ سال"

"چھوٹے۔

ابھی بمشکل یہ جملہ ادا ہوا تھا کہ کسی نے ارمغان کو نام لے کر پکارا۔

ارمغان کے پلٹنے پر شہ پارہ نے بھی اس سمت دیکھا اور اسے اپنے ارد گرد سب کچھ ساکت ہوتا محسوس ہوا۔

سامنے والے کی شخصیت توجہ سمیٹ لینے والی تھی۔

وہ گہرے سرمئی ٹو پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ لمبا چوڑا قد، پر کشش نقوش اور وجیہہ شخصیت کا مالک وہ شخص غالباً بتیس تینتیس برس کا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا جو کسی کو بھی مرعوب کر سکتا تھا۔

لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ سجائے وہ ارمغان سے مصافحہ کرتا ہوا شہ پارہ کی طرف مڑا، شاہ ویز کے لبوں پر سجی وہ رسمی مسکراہٹ اچانک منجمد ہو گئی۔

اب وہ گہری سیاہ آنکھیں شہ پارہ کا بہت گہرائی سے جائزہ لے رہی تھیں۔

"لگتا ہے، میں نے انہیں کچھ دیر پہلے کہیں دیکھا ہے۔"

شاہ ویز کا لہجہ دھیما تھا، مگر شہ پارہ کو لگا وہ اسے اکسانے کی کوشش کر رہا ہے۔

یہی چہرہ، یہی آنکھیں۔۔۔"وہ اب دانتوں تلے ایک شرارتی مسکراہٹ دبانے کی" "کوشش کر رہا تھا۔"لیکن وہاں چہرے پر مسکراہٹ بھی تھی اور ایک نرم سا تاثر بھی۔

شہ پارہ اچھی طرح جانتی تھی کہ لوگ اکثر اس کے بے تاثر چہرے سے خائف ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے سامنے ہمیشہ زمرد کا مسکراتا ہوا چہرہ رہتا ہے، لیکن وہ زمرد نہیں تھی اور اسے اس بات پر کوئی پشیمانی بھی نہیں تھی۔

"پھر تو مجھ سے مل کر آپ کو یقیناً مایوسی ہوئی ہو گی۔"

وہ بولی تو لہجہ خاصا سخت تھا۔

کاش میں اس دنیا میں آپ کو متاثر کرنے کے مقصد سے آئی ہوتی، آپ کی مایوسی پر مجھے "
"کچھ پچھتاوا تو ہوتا۔

شاہ ویز، جو بہت غور سے اس کی بات سن رہا تھا، ارمغان کو مخاطب کر کے بولا۔ "تمہاری فیملی میں ایک دلچسپ اضافہ ہوا ہے۔" پھر شہ پارہ مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "میں شاہ ویز ایاز اور آپ؟"

"شہ پارہ۔"

"شہ پارہ۔" شاہ ویز نے نام کو دھیرے سے دہرایا، جیسے کسی مانوس مگر بھولی ہوئی آواز کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

شہ۔ "وہ ہلکا سا رکا۔ "اور پارہ۔۔ یعنی ایک ایسا ٹکڑا جو اپنی اصل سے جدا ہو کر بھی اس کی شان اپنے اندر سمیٹے رکھے۔ ادب میں اسے اس تخلیق کے لیے بھی کہتے ہیں جو عام نہ ہو۔ جو اپنے ہنر، اپنے انداز میں ایسی ہو کہ باقی سب اس کے سامنے دھندلا جائیں۔ ایک مکمل شاہکار کا چنیدہ حصہ، مگر خود بھی اپنی جگہ مکمل۔"

اندر کہیں ہلکی سی بے ترتیبی سر اٹھا چکی تھی۔۔۔ایسی جو وہ خود بھی فوراً پہچان نہ سکا۔

"دلچسپ نام ہے۔"اس نے بات سمیٹتے ہوئے کہا، مگر اس بار لہجے میں ایک انجانی سی احتیاط شامل تھی، جیسے وہ غیر محسوس طور پر ایک قدم پیچھے ہٹ رہا ہو۔

اس نے دل ہی دل میں جیسے کوئی خاموش سا فیصلہ کر لیا۔

کچھ فاصلے شروع ہی میں رکھ لینا بہتر ہوتا ہے۔

یہ شاہ ویز ایاز ہے۔کچھ "ارمغان نے ہاتھ کے اشارے سے شاہ ویز کی طرف اشارہ کیا۔

"پرانی رشتہ داری ہے اور کچھ خاندانی عداوت۔

"اور کچھ کاروباری رقابت۔"شاہ ویز نے بیچ میں لقمہ دیا۔

"رقابت تو نہیں کہہ سکتے، بس کچھ کلیش ہے۔"ارمغان کا لہجہ ہلکا پھلکا سا تھا۔

"کیسا کلیش؟"

شہ پارہ نے یہ سوال ارمغان سے کیا، جیسے وہ جان بوجھ کر شاہ ویز کو نظر انداز کرنا چاہتی ہو اور اسے یہ احساس دلانا چاہتی ہو کہ وہ اس کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہے۔

لیکن شاہ ویز پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا اور وہ اسے چھپا بھی نہیں رہا تھا۔

وہ شاہ ویز کی ان نظروں کی تپش کو محسوس کر رہی تھی جو اس کی ہر حرکت کا پیچھا کر رہی تھیں اور ہر بار گھوم کر اس کی آنکھوں پر آ ٹھہرتیں۔

شاید وہ اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، جتنا غور کر رہا تھا الجھتا جا رہا تھا۔

وہ کیا تھی؟

کوئی معمہ،

یا پیچیدہ پہیلی۔

یہ آئی ٹی کے کچھ خاص فین نہیں ہیں۔ ہم آئی ٹی والے ہیں اور یہ جناب 'زورِ بازو' پر "یقین رکھنے والے۔"

ارمغان کی اس بات پر شہ پارہ نے ایک جتاتی ہوئی نگاہ سامنے کھڑے شاہ ویز پر ڈالی۔

"طاقت کی تو کئی اقسام ہیں، اور سبھی اپنی جگہ اہم۔" شہ پارہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

شاہ ویز کا کوئی دوست اسے اپنی طرف بلانے آیا تو وہ ایک گہری نظر شہ پارہ پر ڈال کر رخصت ہو گیا۔ ارمغان، شہ پارہ اور زمرد کو لے کر ہال کے ایک پر سکون حصے کی طرف بڑھنے لگا جہاں فہمیدہ پہلے سے موجود تھیں۔

"تم نے پوچھا تھا کہ شاہ ویز کون ہے۔" ارمغان نے چلتے چلتے گفتگو کا آغاز کیا۔

"در حقیقت وہ 'ایاز کارپوریشن' کا آپریشنل دماغ ہے۔ یہ لوگ محض گارڈز فراہم نہیں کرتے، بلکہ ان کا پورا ڈھانچہ کسی چھاؤنی کی طرح کام کرتا ہے۔ سفارت کاروں اور عالمی شخصیات کے تحفظ کے لیے ان کے پاس تربیت یافتہ کمانڈوز کا پورا نیٹ ورک ہے۔ ان کی بکتر بند گاڑیاں ملک بھر میں بینکوں کی نقدی اور سونا منتقل کرتی ہیں، جن پر گولی کا اثر نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ کشیدہ علاقوں میں جہاں قانون کے قدم لڑکھڑا جائیں، وہاں ایاز کارپوریشن کا حفاظتی حصار ہی آخری دیوار ثابت ہوتا ہے۔"

باتیں کرتے کرتے وہ فہمیدہ کے قریب آ پہنچے۔ شہ پارہ نے فہمیدہ سے پوچھا۔

"ممانی! یہ خاندانی عداوت آخر ہے کیا؟ آپ لوگوں کے درمیان یہ تلخی کس بات پر چلی آ رہی ہے؟"

فہمیدہ نے ایک گہرا سانس لیا اور سنجیدگی سے جواب دیا۔ "بیٹا، ہم تین خاندانوں کی تاریخ بہت پیچیدہ ہے۔ اس کی بنیاد دہائیوں پہلے ایک جذباتی مثلث نے ہلائی تھی۔"

"تیسری فیملی کون سی ہے؟" زمرد نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"میر فیملی۔" فہمیدہ نے بتایا۔ "شاہ میر کی کمپنی کا کام بظاہر بہت علمی اور مشاورتی نوعیت کا ہے۔ وہ کارپوریٹ سیکٹر کو خفیہ معلومات، خطرات کا تخمینہ اور اسٹریٹجک مشورے دیتے ہیں۔ بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں اور بینک کسی بھی سینئر ملازم کو رکھنے سے پہلے ان کی خدمات حاصل کرتے ہیں تاکہ اس کی ماضی کی زندگی، تعلیم اور مجرمانہ ریکارڈ کی مکمل چھان بین کی جاسکے، جسے یہ 'بیک گراؤنڈ چیک' کہتے ہیں۔ یہی نہیں، جب دو بڑی کمپنیاں آپس میں سرمایہ کاری کرتی ہیں، تو وہ ایسی انٹیلی جنس فرمز سے ایک دوسرے کی اصل مالی حالت اور ساکھ معلوم کرواتی ہیں تاکہ دھوکا دہی سے بچ سکیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے کلائنٹس کے سسٹم کو ہیک ہونے سے بچاتے ہیں اور ان کے حریفوں کی ڈیجیٹل سرگرمیوں پر نظر رکھتے ہیں۔"

شہ پارہ نے فہمیدہ کی بات مکمل ہوتے ہی تبصرہ کیا۔

"لیکن آنٹی، ایسی کمپنیوں کا ایک بہت تاریک پہلو بھی رہا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ نجی کمپنیاں اپنے کلائنٹس کی جاسوسی کرنے، حریفوں کا ڈیٹا ہیک کرنے اور بااثر لوگوں کی نجی زندگی کے راز اکٹھے کر کے انہیں بلیک میل کرنے کا ہنر خوب جانتی ہیں۔"

ارمغان اور فہمیدہ، دونوں نے شہ پارہ کو غور سے دیکھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"ان کمپنیوں میں اکثر سابق فوجی افسران اور انٹیلی جنس اہلکار کام کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے پاس معلومات تک رسائی کے وہ ذرائع ہوتے ہیں جو عام شہریوں کے پاس نہیں ہوتے۔ حقیقت میں یہ لوگ اس لیے خطرناک ہیں کیونکہ یہ قانون اور جرائم کے درمیان اس 'دھندلے علاقے' میں کام کرتے ہیں جہاں ان کا کام دکھنے میں قانونی مشورہ ہوتا ہے، لیکن پسِ پردہ یہ معلومات کا ایسا جال بنتے ہیں جو بڑے بڑے خاندانوں اور کاروباروں کو تباہ کر دیتا ہے۔"

"اور وہ رومانوی تکون؟" زمرد نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہمارے دادا اور میر فیملی کے دادا کو ایک ہی دادی پسند آ گئی تھیں۔" اچانک سیف کہیں سے نمودار ہوا۔

"یہ بچوں کے کرنے کی باتیں ہیں؟" فہمیدہ نے خفگی سے اپنے چھوٹے بیٹے کو دیکھا۔

"میں اب ٹین ایج میں داخل ہو چکا ہوں، ٹوین نہیں رہا۔" سیف نے ٹوین کہتے ہوئے برا سا منہ بنایا۔ دونوں بہنیں ہنس دیں۔

"بتانے دیں امی، یہ زیادہ اچھے سے بتائے گا۔ ساری تفصیلات ازبر ہیں اسے۔" ارمغان یہ کہتا وہاں سے چل دیا۔

ہمارے دادا فیض کمال اور فراز میر کے دادا عادل میر دونوں دور کے رشتہ دار تھے اور" "یونیورسٹی فیلو بھی۔

سیف نے ایک قصہ گو کے انداز میں اپنی بات شروع کی۔

"ان کے درمیان نہ دوستی تھی، نہ دشمنی۔ مگر پھر ایک تقریب میں عادل میر کی منگیتر زرقون اور فیض کمال کا آمنا سامنا ہوا، اور وہیں سے عادل میر کی مشکل شروع ہو گئی۔ زرقون نے منگنی توڑنے کا اعلان کیا، ان کے بھائیوں نے بھی ساتھ دیا کیونکہ انہیں بھی عادل پسند نہیں تھا۔ انجام یہ ہوا کہ فیض کمال سے رشتہ طے ہو گیا۔ عادل میر کے لیے یہ دل سے زیادہ انا کا مسئلہ بن گیا، اوپر سے دوستوں کے طعنے کہ کوئی تمہاری منگیتر اڑا

لے گیااور تم بیٹھے رہے۔بس پھر کیا تھا،عادل صاحب پستول لے کر سیدھا شادی کی محفل میں پہنچ گئے۔"

سیف نے ڈرامائی وقفہ لیا تو زمرد،جو اس تاریخ میں کھو سی گئی تھی،فوراً بولی۔

"پھر کیا ہوا؟"

"فائرنگ ہوئی بہن،خوب ہنگامہ ہوا۔"

سیف نے آنکھیں گھمائیں تو شہ پارہ نے ٹوکا۔

"اتنے لمبے ٹیک مت لو،انجام بتاؤ۔"

قصہ مختصر یہ کہ دادا فیض کمال بری طرح زخمی ہوئے اور کیس چلا۔گواہی دی گئی کہ یہ "سب عادل میر کی کارستانی تھی۔"

سیف نے ایک بار پھر رک کر تجسس بڑھایا۔

"جانتی ہیں وہ گواہ کون تھا جس کی وجہ سے عادل میر کو جیل کاٹنی پڑی؟"

زمرد کی آنکھیں پھیل گئیں۔"کون؟"

سیف نے دور کھڑے شاہ ویز کی طرف دیکھا جو اسی سمت دیکھ رہا تھا۔

"لیاقت ایاز۔۔۔ شاہ ویز ایاز کے دادا۔" سیف نے انکشاف کیا۔

"پھر یہ دشمنی کیوں؟" زمر دنے حیرت سے پوچھا۔

اس بار جواب فہمیدہ نے دیا۔

"میر خاندان کو ایاز فیملی پر غصہ تھا کہ انہوں نے گواہی کیوں دی۔ خیر، جب بڑوں میں صلح ہوئی تو ان کا بھی راضی نامہ کرادیا گیا۔ تینوں خاندان کئی رشتوں میں بندھ کر ایک ہو گئے اور کمال و ایاز مل کر کاروبار کرنے لگے۔"

گفتگو کی ڈور دوبارہ سیف نے تھام لی۔ "مگر یہ اتحاد راس نہیں آیا۔ کلائنٹس نے شکایتیں شروع کر دیں کہ ان کی خفیہ معلومات لیک ہو رہی ہیں۔ کبھی آئی ٹی پر شک جاتا، کبھی گارڈز پر۔ آخر کار معاملہ بوائلنگ پوائنٹ پر پہنچا اور راستے الگ ہو گئے۔"

"لیکن اب بھی تقاریب میں شرکت کی جاتی ہے۔" زمر دنے ہال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

سیف نے نفی میں سر ہلایا۔ "بظاہر سب ٹھیک ہے، مگر کوئی کسی کو قابلِ اعتماد نہیں گردانتا۔ موقع ملے تو ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے سے باز نہیں آتے، خواہ وہ ایاز ہو یا کمال۔"

شہ پارہ کو یہ سن کر ایک عجیب سی خلش محسوس ہوئی۔ "اور وہ میر فیملی؟ اصل مسئلہ تو وہیں سے شروع ہوا تھا نا۔"

فہمیدہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا، مگر جواب سیف نے دیا۔

"ان سے تو دونوں خاندانوں کے تعلقات بالکل صحیح چل رہے ہیں۔"

شہ پارہ نے ایک سوچتی ہوئی نگاہ دور کھڑے شاہ ویز پر ڈالی، جو نہایت خوشگوار انداز میں امبر سے گفتگو میں مصروف تھا۔

اس الجھی ہوئی مثلث میں کس پر اعتبار کیا جائے؟

شاید کسی پر بھی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح کی پہلی کرنوں کے ساتھ ہی صادق خان اپنے دفتر میں ایک فائل کے مطالعے میں مصروف تھے۔

اسی دوران ان کا پرسنل اسسٹنٹ خلافِ معمول بغیر دستک دیے اندر داخل ہوا۔اس کے چہرے کی رنگت اڑی ہوئی تھی اور ہاتھوں میں پکڑا لیپ ٹاپ لرز رہا تھا۔

"سر!ایک انتہائی تشویش ناک ای میل موصول ہوئی ہے،اور اس کے فوراً بعد ایک گمنام کال بھی آئی۔"اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"کیا بکواس ہے؟کیسی ای میل؟"صادق خان نے تیزی سے سر اٹھایا۔

پی اے نے کچھ کہنے کے بجائے لیپ ٹاپ کا رخ ان کی طرف کر دیا۔

سکرین پر ایک ای میل کھلی تھی جس کا عنوان ہی کسی تازیانے سے کم نہ تھا۔

صادق خان نے جیسے جیسے پڑھا،ان کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔

سکرین پر صادق خان کی ان بے نامی زمینوں کا کچا چٹھا موجود تھا جو انہوں نے برسوں پہلے اپنے ملازمین اور دور کے غریب رشتہ داروں کے نام پر خریدی تھیں۔

سرکاری کاغذات میں تو یہ جائیدادیں 'صاف' تھیں، مگر اس ای میل میں ان زمینوں کی اصل ادائیگیوں کے بینک ٹرانسفر کا ریکارڈ اور وہ تمام خفیہ اقرار نامے، اسکین شدہ صورت میں، موجود تھے جو صادق نے اپنی زندگی کی سب سے محفوظ ڈیجیٹل جگہ پر چھپا کر رکھے تھے۔

ای میل میں درج تحریر کسی موت کے پروانے جیسی تھی۔

"اگلے چوبیس گھنٹوں میں اس نئے کاروباری معاہدے سے دستبردار ہونے کا اعلان کر دو، ورنہ یہ تمام دستاویزی ثبوت براہِ راست ایف آئی اے کے ہیڈ کوارٹر پہنچا دیے جائیں گے۔ فیصلہ تمہارا ہے، جائیداد اور ساکھ بچانی ہے یا نئی ڈیل۔"

وہ ساکت و جامد سکرین کو گھورتے رہے۔

انہیں یہ تو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ ان کے کس کاروباری حریف کی چال ہے، مگر اصل معمہ جس نے ان کے اعصاب مفلوج کر دیے تھے، وہ یہ تھا کہ یہ ساری معلومات اس تک پہنچیں کیسے؟

وہ ان دستاویزات کو اپنا سب سے بڑا راز سمجھتے تھے، ایک ایسا سچ جو ان کے نجی ڈیجیٹل ریکارڈ میں دفن تھا۔

صادق امین نے کانپتے ہاتھوں سے فون اٹھایا۔

ان کی تمام تر طاقت اور پیسہ اس ایک ای میل کے سامنے ڈھیر ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کمرے میں مکمل خاموشی تھی، صرف بلاکس کے ایک دوسرے سے ٹکرانے کی ہلکی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔ نایاب اور اذان فرش پر بیٹھے "بلاک ٹاور" بنانے میں مگن تھے، جہاں نایاب بڑی مہارت سے اذان کو توازن اور ترتیب کا سبق دے رہی تھی۔ اسی لمحے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ارمغان اندر داخل ہوا۔

اذان نے اپنے بابا کو دیکھتے ہی بلاکس چھوڑے اور دوڑ کر ان کے گلے لگ گیا۔

"بابا! دیکھیں ہم نے کتنا اونچا ٹاور بنایا ہے۔"

ارمغان نے بیٹے کو پیار کیا اور مسکرا کر پوچھا۔ "بہت زبردست! اور کیا کر رہے تھے آپ دونوں؟"

"میں نایاب آنٹی کے ساتھ پلازہ بلڈ کر رہا تھا، اب ہم اس کا گیراج بنائیں گے۔" اذان نے جوش سے بتایا۔

ارمغان نے اپنی سنجیدہ نظریں نایاب کی طرف اٹھائیں، جیسے خاموشی سے پوچھ رہا ہو کہ سب ٹھیک ہے؟ نایاب نے سر کے ہلکے سے اشارے سے اطمینان دلایا کہ سب قابو میں ہے۔

"ٹھیک ہے، آپ لوگ اپنا کام جاری رکھیں، میں ذرا نیچے جا کر چائے پی لوں۔" ارمغان یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

چائے پینے کے بعد ارمغان واپس اپنے کمرے کی جانب جا رہا تھا جب راہداری میں نایاب اور اذان اس کے سامنے آ گئے۔

"بابا! میں نے اب آپ کے کمرے میں ٹی وی پر کارٹون دیکھنے ہیں۔" اذان نے ضد بھرے لہجے میں کہا۔

ارمغان نے ایک نظر نایاب پر ڈالی، گویا اس سے اجازت مانگ رہا ہو۔ نایاب کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ "اسکول کا کام مکمل ہو چکا ہے، اذان اگلے گھنٹے کے لیے فارغ ہے۔"

"ٹھیک ہے، پھر آپ کو میرے کمرے میں کارٹون دیکھنے کی اجازت ہے۔" ارمغان نے راستہ دیتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں اندر چلے گئے تو ارمغان بھی وہیں رک گیا۔ اسے اپنی ایک اہم کاروباری رپورٹ دیکھنی تھی، وہ اسٹڈی ٹیبل پر لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ اپنے کام کے اعداد و شمار میں اتنا مگن ہو گیا کہ اسے گرد و پیش کی خبر نہ رہی۔

اچانک ارمغان کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ اسے لگا جیسے کوئی اسے بہت غور سے دیکھ رہا ہے—ایک ایسا ارتکاز جسے نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا۔ اس نے چونک کر اس طرف دیکھا جہاں سے ٹی وی کی ہلکی آواز آ رہی تھی، مگر وہاں نایاب اور اذان پوری توجہ سے سکرین پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔

ارمغان نے سر جھٹکا اور دوبارہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا، مگر چند منٹ بعد اسے اپنی گردن کی پشت پر بال کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ وہ ایک غیر مرئی دباؤ تھا جسے وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر تیزی سے پیچھے مڑ کر دیکھا، مگر اس بار بھی وہ دونوں کارٹون میں مگن پائے گئے۔

جب تیسری بار اسے چھٹی حس نے خبردار کیا، تو وہ بے چین ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کھڑکی کے پاس گیا اور پردہ ہٹا کر باہر لان کی طرف جھانکا، مگر وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ سیکیورٹی گارڈز اپنی پوزیشن پر تھے اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

ارمغان کے اندر ایک عجیب سی بے چینی سر اٹھا رہی تھی۔ اسے اپنی حسِ ادراک پر پورا بھروسہ تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ محض اس کا وہم ہے یا اس گھر میں موجود کوئی تیسری نظر اسے مسلسل ٹریس کر رہی ہے۔

وہ کچھ غیر آرام دہ سا ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شہ پارہ دستک دے کر بلا جھجک زمرد کے کمرے میں داخل ہوئی۔ زمرد، جو موبائل فون میز پر رکھ رہی تھی، اسے دیکھتے ہی بولی۔

"ابھی ماموں سے بات ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ پراپرٹی ڈیلر سے بات کر کے گھر فروخت کے لیے پیش کر دیں، تو انہیں غصہ آ گیا۔ کہنے لگے کہ تم دونوں نے مجھے چوکیدار سمجھ رکھا ہے، خود تالے ڈال کر چلی گئیں اور اب بیچنے کا دردِ سر میرے حوالے کرنا چاہتی ہو۔"

"مجھے سمجھ نہیں آتا کہ ماموں آخر ہم سے چاہتے کیا ہیں؟" شہ پارہ نے چڑ کر کہا۔ "ان کے کہنے پر والدین کے انتقال کے فوراً بعد ہم نے گھر کرائے پر چڑھا دیا، پھر ماموں کے جھگڑوں کی وجہ سے آٹھ ماہ بعد ہی کرایہ داروں کو نکالنا پڑا۔ اس کے بعد ان کی ہی خواہش پر گھر کو خالی رکھا گیا۔" وہ کہتے کہتے اچانک رکی۔ "اوہ! یہ بات مجھے پہلے کیوں سمجھ نہیں آئی؟"

"کیا ہوا؟" زمرد نے بغور اسے دیکھا، جو کسی گہری سوچ میں ڈوب چکی تھی۔

"یہ سب ماموں کی چال تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ گھر خالی رہے تاکہ ہمیں اسے بیچنے پر مائل کیا جاسکے، جس میں وہ آسانی سے کامیاب ہو گئے۔ کرایہ تو ہم آدھا انہیں ہی دیتے تھے، مگر فروخت سے حاصل ہونے والی رقم وہ اپنی بیٹی کی شادی کے بہانے ہتھیا لیتے۔"

"وہ سب اپنی جگہ۔" زمرد کے لیے جیسے یہ بحث اہم نہیں تھی۔ "اصل بات یہ ہے کہ اب جبکہ ہم یہاں رہ رہے ہیں، ہمیں اپنا کیریئر بنانے میں کچھ وقت لگے گا۔ تب تک کیا ہم انکل اور آنٹی کے 'بن بلائے مہمان' بن کر رہیں گے؟"

"بن بلائے کیوں؟" شہ پارہ کی طبیعت پر یہ بات گراں گزری۔ "تم نے جب فون پر زوہیب سے بات کی تھی تو صرف اپنا نام بتایا تھا، مگر اسی شام انکل نے خود فون کر کے ہمیں یہاں آنے کی دعوت دی۔"

"مجھے تو ابھی تک اس بات پر حیرت ہے کہ ماموں نے ہم سے جھوٹ بولا۔ انہوں نے افتخار انکل سے ہمارے والدین کی موت کا ذکر تک نہیں کیا، یہاں تک کہ ددھیال میں کسی کو نہیں بتایا کہ ابو۔۔۔" وہ خود ہی جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

"اس سب کی وجہ وہ گھر ہے جس کی رقم وہ بٹورنا چاہتے ہیں۔" شہ پارہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "دادا دادی رہے نہیں اور ابو کا کوئی بہن بھائی بھی نہیں تھا۔ اب اگر وہ کسی دور کے رشتہ دار کو بتاتے تو وہ ہم سے ملنے آتے اور صرف تعزیت ہی نہیں بلکہ گھر پر قبضہ جمانے کی بھی کوشش کرتے۔"

"یہ محض ماموں کی سوچ تھی، میں نے تو یہاں کسی کو ایسا نہیں پایا۔" زمرد نے افسردگی سے سر ہلایا۔

"انہیں دوسرے بھی اپنے جیسے ہی دکھائی دیں گے نا۔"

"لیکن شہ پارہ۔" زمرد نے فکرمندی سے بہن کی طرف دیکھا۔ "ہمارے پاس اب یہی ایک راستہ بچا ہے کہ وہ گھر بیچ دیں تاکہ ہم ان لوگوں پر بوجھ بننے کے بجائے اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکیں۔ ہمیں پیسوں کی ضرورت ہے۔"

"ماموں اب شاید ہماری مدد نہ کریں، وہ گھر بیچنے میں ہمارا ساتھ کیوں دیں گے جب انہیں اس میں سے کچھ ملنے کی امید نہیں؟ دوسری طرف یہ بھی سوچو کہ کتنی بدمزگی ہوئی تھی جب افتخار انکل اچانک ہمیں لینے پہنچ گئے تھے۔"

"انکل رشتے میں ہمارے تایا بھی لگتے ہیں۔" زمرد نے لفظ 'تایا' پر زور دیا۔ "وہ تو چاہتے ہیں کہ ہم نوکریوں کے چکر میں پڑنے کے بجائے آرام سے یہاں رہیں، وہ ہماری شادیوں کے اخراجات بھی خود اٹھانے کو تیار ہیں۔"

"گھر بیچنے کے لیے بھی ہمیں انکل کی ہی مدد درکار ہو گی، شاید ہمیں ان کے ساتھ وہاں جانا بھی پڑے۔" پھر انگلی اٹھاتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں بولی۔ "مگر ایک بات طے ہے، مجھے ماموں کے ہاں نہیں ٹھہرنا۔"

زمرد اس کی بات اور انداز پر بے اختیار ہنس دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

نایاب صدیقی کو گاڑی نے اسے گلی کے نکڑ سے کچھ فاصلے پر اتارا، ان کی تنگ گلی میں گاڑی کا داخلہ ممکن نہ تھا۔ اس کے قدموں کی آہٹ سے دن بھر کی تھکاوٹ کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا تھا، لیکن یہ کسی ہارے ہوئے انسان کے قدموں کی چاپ نہیں تھی۔

گیٹ کے پاس لگی گھنٹی بجائی تو پتہ چلا کہ خراب ہے۔ اس نے گیٹ پر دستک دی تو اندر سے چھوٹے بھائی حمزہ کی آواز آئی۔

"کون ہے؟"

وہ شرارت سے بولی۔ "وہی جس کا تم انتظار کر رہے ہو۔"

دروازہ جھٹ سے کھلا۔

حمزہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی نایاب نے اپنا بیگ تھپتھپایا۔ "آج کچھ خاص لائی ہوں۔"

حمزہ نے اس کے اندر داخل ہوتے ہی گیٹ بند کر کے کنڈا چڑھایا۔ "میں صرف تبھی خوش ہوں گا جو کوئی میری پسندیدہ کھانے کی چیز ہو۔"

"چھوٹے بھائی ہوتے ہی لالچی ہیں۔"

حمزہ مسکرایا۔ "کوئی نئی بات کرو، مجھے تو یہ طعنہ برا نہیں لگتا۔"

اندر سے امی کی آواز آئی۔

بہن سے کہو آرام سے پہلے کپڑے بدل لے، قصے کہانیاں بعد میں بھی سنائے جا سکتے "ہیں۔"

نایاب تیزی سے اس چھوٹے سے کچن کی جانب آئی جس میں اس کی ماں اس کے لیے کھانا گرم کر رہی تھی۔ وہ کمال ہاؤس سے نکلتے ہوئے ایک پیغام بھیج دیا کرتی تھی تاکہ اس کی ماں تیاری شروع کر دے، کیونکہ انہیں ویسے بھی باخبر رہنا پسند تھا۔ سلام کرتے ہوئے وہ ماں کی پشت سے لپٹ گئی۔

"ایک تو مجھے یہ نہیں سمجھ آتی کہ باہر سے آتے ہی کون سی باتیں شروع ہو جاتی ہیں تم دونوں بہن بھائی میں ؟" ماں نے شفقت سے کہا۔

نایاب کچن سے نکلتے ہی نایاب نے حمزہ کو اشارہ کیا اور دونوں برآمدے کے دوسرے کونے کی طرف بڑھے۔

"امی کو نہ بتانا، جانتے ہو نا انہیں ایسی چیزوں کے ذکر سے بھی چڑ ہے۔"

اس نے دو بڑے سائز کی چاکلیٹس نکال کر حمزہ کو تھمائیں۔

یہ تو کافی مہنگی ہوتی ہیں !" حمزہ نے انہیں الٹ پلٹ کر دیکھا۔ "اس کمپنی کی تو چھوٹی سی" "چاکلیٹ بھی میں نہیں خرید پاتا۔

بھائی کے چہرے کی خوشی دیکھتے ہوئے اس کے اندر کچھ دھیرے سے ٹوٹا۔

"سر اپنے بیٹے کے لیے لائے تھے، دو مجھے بھی تھما دیں۔"

"اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت اچھے انسان ہیں۔"

ساتویں کے طالب علم کی اس بات پر نایاب نے چونک کر اسے دیکھا۔

"صرف دو چاکلیٹس سے تمہیں اتنی بڑی بات پتہ چل گئی؟"

وہ جواب میں بولا۔ "ایسی ہی باتوں سے تو پتہ چلتا ہے کہ کوئی دوسروں کا کتنا احساس کرتا ہے۔"

نایاب نے اس کے ماتھے پر بکھرے بال ہلکے سے کھینچے۔

"بیوقوف! تمہیں ہر کسی میں اچھائی ہی دکھتی ہے۔"

حمزہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا آپ کو وہ برے لگے؟"

نایاب جو کمرے کی طرف بڑھنے لگی تھی، رک کر بولی۔

جب تک کوئی خود کو ثابت نہ کر دے، میں اسے شک کے دائرے میں ہی رکھتی ہوں۔"

"تم بھی یہ گر سیکھ لو، زندگی آسان ہو جائے گی۔

کچھ دیر بعد جب وہ کھانا کھا رہی تھی، اس کی امی بولیں۔

بہت اچھے لوگ ہیں جنہوں نے پیشگی ہی ایک ماہ کی تنخواہ دے دی، ورنہ آج کل کون ایسا"

"کرتا ہے؟

نایاب نے بمشکل نوالہ نگلا۔

امی! مہینے کی تنخواہ تو آخر میں ملے گی، یہ تو رمضان کا بونس ہے، روزے جو شروع ہونے"

"والے ہیں۔

"ابھی تو بمشکل نوکری شروع ہوئی ہے، اتنی جلدی بونس؟"

خالدہ نے عجیب سی نظروں سے دیکھا تو وہ گھبرا کر تیز تیز بولنے لگی۔

وہ دراصل انہیں مجھ جیسی پڑھی لکھی لڑکی چاہیے تھی، اس لیے یہ اضافی رقم دی ہے"

"تاکہ میں حامی بھر لوں۔

اس جواب سے خالدہ مطمئن نہ ہوئیں اور گہری نظروں سے اس کے تاثرات ٹٹولنے لگیں۔

"کیا بات ہے نایاب؟ اصل بات بتا۔ یوں تو کوئی بھی اتنی رقم نہیں دیتا۔"

اس پر نایاب نے نوالہ واپس پلیٹ میں پٹخا اور تنک کر بولی۔ "عائشہ سے پوچھ لینا، اسی کی سہیلی نے مجھے یہاں لگوایا ہے، وہ بتادے گی کہ یہ رقم ملی ہے یا میں کہیں سے چوری کر کے لائی ہوں۔"

کچھ دیر کو خاموشی چھا گئی، پھر نایاب نرمی سے بولی۔ "امی! کیا مجھ پر یقین نہیں؟ آپ کو لگتا ہے میں کچھ غلط کر سکتی ہوں؟"

خالدہ نے پُر سوچ نظریں اس کے صبیح چہرے پر ٹکائیں۔ "اکثر لوگ غلط کام صحیح سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔"

پھر کچھ دیر بعد بولیں۔ "مجھے یقین ہے تم پیسوں کی خاطر کچھ غلط نہیں کرو گی۔"

نایاب نے بات کا رخ بدلا۔ "ابو کی طبیعت کیسی ہے؟"

خالدہ نے آہ بھری۔ "اب بہتر ہے، تم کل دوائیاں جو لے آئی تھی۔" وہ برتن سمیٹنے لگیں۔ "مہینے کی پینشن کے پیسے بھی ختم ہونے والے تھے، شکر ہے کہ تمہیں بروقت نوکری مل گئی۔"

امی کی اس بات پر وہ تلخی سے مسکرائی۔

ایک ریٹائرڈ جونئیر کلرک کی تنخواہ کیا اور پینشن کیا امی! امیروں کو دیکھیں، عیش کرتے "ہیں۔"

یہ ہماری غلط فہمی ہے کہ صرف وسائل کی کمی ہی آزمائش ہے، اللہ دے کر بھی آزماتا" خالدہ تنبیہی انداز میں بولیں۔" ہے۔ جسے زیادہ دیا، اس کے لیے وہی زیادتی آزمائش ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 9

کاشان

ماضی

صحن کے بیچوں بیچ پھیلے ہوئے پرانے درخت کے نیچے شہ پارہ کرسی ڈالے بیٹھی تھی اور اس کی ٹانگیں سامنے میز پر ٹکی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی دھن میں مگن تھی کہ اچانک گیٹ کھلا اور کاشان اندر داخل ہوا۔ شہ پارہ نے ہاتھ میں پکڑی کتاب گود میں رکھی اور اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"کوئی تہذیب بھی ہے یا نہیں؟ بلا اجازت اور بغیر دستک دیے اندر چلے آئے۔"

کاشان کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ آ ٹھہری۔ "ذرا محتاط ہو کر بات کرو، اس بار میرے نمبر تم سے کافی بہتر آئے ہیں۔"

دونوں کا حال ہی میں میٹرک کا نتیجہ آیا تھا اور حسبِ معمول کاشان نمبروں کی اس دوڑ میں شہ پارہ سے آگے نکل گیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" شہ پارہ نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے اس کے ہاتھ میں تھامے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور جتاتی ہوئی ایک نظر شہ پارہ کی ٹانگوں پر ڈالی جو اب بھی میز پر قبضہ جمائے ہوئے تھیں۔

"میں نے پوچھا ڈبے میں کیا ہے؟" وہ اس بار ذرا زور دے کر بولی، ساتھ ہی ٹانگیں میز سے ہٹالیں۔

کاشان رازدارانہ انداز میں اس کی طرف جھکا اور بولا۔ "تمہاری پسندیدہ مٹھائی ہے، مگر صرف ان کے لیے لایا ہوں جو واقعی میری اس برتری سے خوش ہیں۔"

شہ پارہ بے اختیار ہنس دی۔ "برتری؟"

"دیکھو! آئی کیو (ذہانت) سب کا مختلف ہوتا ہے۔" اس نے شہ پارہ کو چھیڑا اور ساتھ ہی "اس کی نظر سامنے سے آتی زمرد پر پڑی۔" اور اخلاق بھی۔

اس تیکھے تبصرے پر شہ پارہ کھل کر مسکرائی۔ "تو پھر زمرد کو دوست بناؤنا، میرے آگے پیچھے گھومنے کی کیا ضرورت ہے؟"

زمرد نے قریب آکر نرمی سے کاشان کے ہاتھ سے ڈبہ لے کر کھولا۔

مبارک ہو بھئی!" زمرد نے مٹھائی کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "ہمم۔۔۔ مبارکباد" "کا مزہ بھی میٹھے کے ساتھ ہی آتا ہے۔

کاشان نے شرارت سے شہ پارہ کی طرف دیکھا جو ابھی تک بے نیازی برت رہی تھی۔

"ذرا مہارانی کو بھی چکھا دو، ورنہ ان کی انا اجازت نہیں دے گی کہ میری موجودگی میں یہ مٹھائی چکھ بھی لیں۔"

زمرد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم جانتے ہو اسے اچھی طرح۔"

"ہاں، بچپن سے ایک ہی تو دوست ہے میری۔" کاشان نے اپنائیت سے کہا۔

شہ پارہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ "ایک؟ وہ جو تم نے دوستوں کا اتنا ڈھیر سنبھال رکھا ہے، اس کا کیا؟"

کاشان نے ہنس کر جواب دیا۔ "لڑکیوں میں تو صرف تم ہی ہو نا۔"

"آگے کا کیا ارادہ ہے؟" شہ پارہ نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

کاشان نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔ "سول انجینئرنگ سے آگے تو میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"بہت محدود سوچ ہے تمہاری۔" شہ پارہ نے فوراً تبصرہ کیا۔

"کیا بات ہے! آج تو ہر بات ٹیڑھی نکل رہی ہے۔ کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟" کاشان نے بغور اسے دیکھا۔

"اتنی مجال بھلا کس کی!" شہ پارہ نے فخریہ انداز میں جواب دیا۔

کاشان نے اب کی بار زمرد کو مخاطب کیا۔ "تم نے کیا سوچا ہے؟"

میں کامرس میں دلچسپی رکھتی ہوں، اور حیرت انگیز طور پر اس معاملے میں شہ پارہ بھی"

"میری ہم خیال ہے۔" زمرد نے بتایا۔ "ویسے، ماموں اور ممانی کیسے ہیں؟

کاشان بے اختیار ہنس دیا۔ "تمہاری فیملی سے خائف۔"

شہ پارہ نے منہ بنا کر کہا۔ "کوئی نئی بات کہو۔"

شام کا وقت تھا اور شہ پارہ اکیلی چھت پر کھڑی دور افق کی لالی دیکھ رہی تھی۔ اسی لمحے کاشان تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر آیا۔ شہ پارہ نے مڑ کر اسے دیکھا، لبوں پر ایک سوالیہ تاثر تھا، مگر کاشان نے کچھ کہنے کے بجائے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو گولہ بنا کر اس کی طرف اچھال دیا۔

"کیچ کرو!" اس نے جوش سے کہا۔

شہ پارہ نے ہاتھ بڑھایا مگر کاغذ کا گولا اس کی انگلیوں کو چھوتا ہوا نیچے جا گرا۔ وہ ناگواری سے بولی۔ "ہاتھ میں پکڑانا نہیں آتا کیا؟" اور جھک کر کاغذ اٹھا لیا۔

کاشان دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا، چہرے پر پراسرار مسکراہٹ تھی۔ "کل عصر کی آخری اذان ہوتے ہی ہمیں چوہدریوں کی اس پرانی کھنڈر حویلی جانا ہے۔"

شہ پارہ نے چونک کر کاغذ کھولا۔ اس پر ٹیڑھی میڑھی لکھائی میں ایک فہرست درج تھی۔ ٹارچیں، مضبوط لاٹھیاں، اور کچھ کھانے پینے کا سامان۔

اس نے فہرست پڑھ کر سر اٹھایا اور کاشان کو گھورا۔ "وہاں کیا ڈیرے ڈالنے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں، صرف اس ویرانی کا لطف اٹھانا ہے۔" کاشان نے آنکھ دبا کر جواب دیا۔

شہ پارہ کے لہجے میں اب تشویش تھی۔ "ہم ہمیشہ سے اس بھوت حویلی کو اندر سے دیکھنا چاہتے تھے، مگر کاشان۔۔۔ اس کے صدر دروازے پر تو برسوں سے بھاری تالہ لٹک رہا ہے۔"

کاشان کے چہرے پر شرارت کے رنگ گہرے ہوئے۔ "میرا ایک دوست کل دوپہر میں اسے توڑ دے گا۔"

شہ پارہ کے چہرے پر یکدم حیرت ابھری۔ اس نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ "نا بابا نا! یہ تو بالکل غیر قانونی کام ہے۔ پکڑے گئے تو سیدھی بدنامی ہو گی۔"

کاشان نے سیدھا ہو کر اس کی طرف قدم بڑھایا، آنکھوں میں وہی جانی پہچانی ضد چمک رہی تھی۔ "ڈر رہی ہو؟"

شہ پارہ نے فوراً نظر ہٹالی۔ "میں بے وقوف نہیں ہوں۔"

"بے وقوف نہیں ہو بس تھوڑا سا بہادر بننے کی ضرورت ہے۔" وہ آہستہ سے بولا، جیسے اسے چیلنج کر رہا ہو۔

شہ پارہ نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا۔ اس کے اندر کہیں ہلکی سی جھنجھلاہٹ اور عجیب سی کشش ایک ساتھ ابھری۔ "اور اگر میں نہ آؤں تو؟"

کاشان نے کندھے اچکائے، مگر لہجہ پُر یقین تھا۔ "تو میں اکیلا چلا جاؤں گا مگر پھر تم ساری زندگی یہی سوچتی رہو گی کہ اندر کیا تھا۔"

شہ پارہ نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو ایک بار پھر سے دیکھا، جیسے خود سے لڑ رہی ہو۔

"کتنے بجے؟" اس نے آخر کار دھیمے لہجے میں پوچھا۔

کاشان کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ آ گئی۔ "میں جانتا تھا تم منع نہیں کرو گی۔ تم جاؤ گی تو زمرد اور فرہاد بھی مان جائیں گے۔"

شہ پارہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "میں صرف دیکھنے جا رہی ہوں، کوئی بے وقوفی نہیں کروں گی۔"

"باقی بے وقوفی میرے ذمہ۔" کاشان نے ہلکے سے کہا۔

وہ مڑ کر جانے لگا تو ایک لمحے کے لیے رکا، پھر پلٹ کر بولا۔ "اور ہاں۔۔۔ یہ ہمارا ایڈونچر ہے۔"

شہ پارہ نے کچھ نہیں کہا، بس اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اس کے ہاتھ میں وہ مڑا تڑا کاغذ اب بھی موجود تھا—اور دل میں ایک انجانی سی ہلچل بھی۔

کاشان کی ضد کے آگے شہ پارہ کا انکار ہمیشہ کی طرح ریت کی دیوار ثابت ہوا۔ اگلے دن عصر کے سائے ڈھلتے ہی وہ چاروں اس حویلی کے سامنے کھڑے تھے؛ کاشان، شہ پارہ، اور ان کے ساتھ زمرد اور کاشان کا دو سال چھوٹا بھائی فرہاد۔

حویلی کا بھاری لکڑی کا دروازہ ایک کراہٹ کے ساتھ کھلا تو اندر حبس اور برسوں پرانی مٹی کی بو نے ان کا استقبال کیا۔ باہر ابھی روشنی باقی تھی، مگر اندر میلی چھتوں اور کھڑکیوں پر پڑے دبیز پردوں کی وجہ سے گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سب نے اپنی ٹارچیں آن کر لیں۔

روشنی کے دائرے جب دیواروں پر پڑے تو بوسیدہ قالینوں اور لکڑی کے قدیم فرنیچر پر جمی گرد کی تہیں واضح ہو گئیں۔

وہ دبے قدموں ایک بڑی سی بیٹھک میں داخل ہوئے جہاں درمیان میں ایک قدیم نقش و نگار والا لکڑی کا ڈبہ رکھا تھا۔ کاشان نے جھک کر اسے کھولا تو اندر مخمل کے کپڑے میں لپٹا ایک زنگ آلود خنجر اور پیتل کی ایک ایسی گھڑی برآمد ہوئی جس کی سوئیاں بارہ بج کر بارہ منٹ پر منجمد تھیں۔

"عجیب ہے۔" شہ پارہ نے سرگوشی کی۔

وہ مزید آگے بڑھے اور حویلی کے بڑے بیڈ روم میں پہنچے، جہاں دیوار پر ایک بڑا سا پورٹریٹ ترچھا لٹکا ہوا تھا۔ یہ کسی میاں بیوی کی تصویر تھی، مگر منظر دیکھ کر شہ پارہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کسی نے بڑی بے دردی سے بیوی کی آنکھوں اور میاں کے ہونٹوں پر سیاہ کالک مل کر انہیں مٹا دیا تھا۔ اس پراسرار تصویر نے سنسنی کے ساتھ ایک انجانا سا خوف فضا میں بھر دیا۔

شہ پارہ نے فرہاد کا کندھا ہلایا۔ "بتاؤ فرہاد! تمہارا دوست اس حویلی کے بارے میں کیا کہا کرتا ہے؟"

آٹھویں جماعت کے طالب علم فرہاد نے اپنی ٹارچ کی روشنی قریب پڑی میز پر ٹکائی اور رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "کہتے ہیں کہ یہ پوری فیملی ایک رات اچانک غائب ہو گئی تھی۔ انہوں نے تمام ملازموں کو ایک دن قبل تنخواہیں دے کر فارغ کر دیا تھا، اور اگلی صبح یہاں کوئی نہیں تھا۔ تب سے اس حویلی کو تالہ لگا ہے۔"

"ہم سب نے تو ہمیشہ اسے بند ہی پایا ہے، پہلی بار اسے اندر سے دیکھ رہے ہیں۔" زمرد نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

شہ پارہ نے کاشان کی طرف رخ کیا۔ "کاشان! تم نے ہمیں یہاں تصویریں لینے سے کیوں منع کیا؟"

کاشان نے اپنی ٹارچ بجھائی اور گھمبیر آواز میں بولا۔ "کیونکہ میرے دوست نے یہی شرط رکھی تھی۔ یہ اس کے پردادا کی حویلی ہے، اور وہ نہیں چاہتا کہ اس کا اندرونی منظر کسی کے موبائل میں قید ہو۔"

شہ پارہ کا دل تیز دھڑکنے لگا۔ "واقعی کاشان؟ کیا یہ تمہارے دوست کا خاندان تھا؟"

"تو اور کیا؟ تم نے باہر کوئی ٹوٹا ہوا تالہ دیکھا؟" کاشان نے ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

شہ پارہ نے لپک کر اس کا بازو جھنجھوڑا۔ "بتاؤ پھر اصل واقعہ کیا ہے؟ یہ سب کیا ڈرامہ ہے؟"

کاشان نے شہ پارہ کی آنکھوں میں گہرائی سے دیکھا اور دھیمے لہجے میں کہا۔ "راز کھل گیا تو کشش ختم ہو جائے گی، شہ پارہ۔"

وہ چاروں خاموشی سے واپسی کے لیے مڑ گئے، مگر شہ پارہ کے ذہن میں گہری بھوری آنکھیں اور پراسرار لہجہ ایک ادھوری کہانی کی طرح نقش ہو گئے تھے۔

☆☆☆

پرندے جھنڈ در جھنڈ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ گھر کی چھت پر خاموشی کا راج تھا، سوائے دور کہیں سے آتی ٹریفک کی مدھم آواز کے۔ شہ پارہ منڈیر سے ٹیک

لگائے کھڑی تھی، جبکہ کاشان اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا ایک پرانا سکہ انگلیوں میں گھما رہا تھا۔

"تمہیں یاد ہے، ہم نے دادی اماں کے اس پرانے صندوق کے پیچھے وہ خط چھپایا تھا؟" کاشان نے اچانک خاموشی توڑتے ہوئے مدھم آواز میں پوچھا۔

شہ پارہ کے لبوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ آئی۔ "وہ خط جس میں ہم نے لکھا تھا کہ بڑے ہو کر ہم دنیا کے نقشے سے ایک نیا جزیرہ ڈھونڈیں گے؟" اس نے مڑ کر کاشان کو دیکھا۔ "ماموں نے اگر وہ پڑھ لیا ہوتا تو ہمارا وہ 'خفیہ منصوبہ' وہیں دم توڑ دیتا۔"

کاشان نے سکہ مٹھی میں دبا لیا اور ایک گہری سانس لی۔ "وہ جزیرہ ڈھونڈنے کی خواہش آج بھی ہے شہ پارہ، وہ خط آج بھی وہیں موجود ہے۔ میں نے کل ہی صندوق ہٹا کر دیکھا تھا، اس کا رنگ پیلا پڑ چکا ہے مگر تمہاری لکھائی اب بھی ویسی ہی ضدی ہے۔"

شہ پارہ نے نظریں جھکا لیں، اس کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کو بے ترتیب ہوئی۔ "تم نے اسے وہاں سے نکالا کیوں نہیں؟ اب تو ہم بچے نہیں رہے۔"

"کچھ چیزوں کا اپنی جگہ پر رہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔" کاشان کا لہجہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔ "اگر" "وہ باہر آ گیا تو اس کا جادو ختم ہو جائے گا۔ وہ ہمارا ایک 'خفیہ سچ' ہے۔

وہ دھیرے سے اٹھا اور شہ پارہ کے قریب آ کر منڈیر پر ہاتھ رکھ دیے۔ ان کے ہاتھوں کے درمیان صرف چند انچ کا فاصلہ تھا۔

شہ پارہ نے منڈیر پر جمے اپنے ہاتھوں کو ہلکا سا سکیڑا، مگر وہاں سے ہٹی نہیں۔

کاشان نے اس کی طرف دیکھے بغیر آہستہ سے پوچھا۔ "کبھی سوچا ہے، اگر وہ صندوق کسی نے کباڑ میں بیچ دیا تو ہمارا وہ اقرار نامہ بھی چلا جائے گا جس پر ہم دونوں نے دستخط کیے تھے؟"

شہ پارہ نے ایک جتاتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکا۔ "تم بہت فکر مند رہتے ہو کاشان! جو چیزیں ایک بار لکھ دی جائیں، وہ کاغذ سے مٹ بھی جائیں تو یادداشت سے نہیں نکلتیں۔ تمہیں لگتا ہے میں اتنی آسانی سے اپنا راستہ بھول جاؤں گی؟"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر10

کمال فیملی

مغرب کے کچھ دیر بعد کا وقت تھا جب زوہیب دفتر سے واپس لوٹا۔ ابھی رات کے کھانے میں وقت باقی تھا۔ وہ تھکن اتارنے کے لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ باورچی خانے سے آتی سیف اور زمرد کی قہقہہ بار آوازوں نے اس کے قدم روک لیے۔ اس نے اپنی ٹائی ڈھیلی کی اور تجسس کے مارے کچن کی جانب بڑھ گیا۔

اندر کا منظر کافی دلچسپ تھا۔ زمرد اور سیف مل کر کسی مہم میں مصروف تھے۔ میز پر شامی کباب کا پسا ہوا مسالہ دھرا تھا اور وہ دونوں مل کر اس سے گول گول کباب بنا رہے تھے۔ زمرد سیف سے کہنے لگی۔ "سینڈوچز صبح بنا دوں گی، ابھی بس یہ کباب بن جائیں۔"

"آپی! صبح تو مجھے وقت پر نکلنا ہو گا۔" سیف نے فکر مندی سے یاد دلایا۔

زمرد نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں فجر کے بعد کون سا سویا کرتی ہوں؟ بنا دوں گی۔"

زوہیب نے اندر قدم رکھتے ہی شرارت سے لقمہ دیا۔ "سیف کے ہاتھوں کے بنے کباب اسے ہی دے کر رخصت کرنا۔"

سیف نے فوراً احتجاج کیا۔ "آپی کے سامنے اچھی طرح ہاتھ دھو کر کام شروع کیا تھا ،بھائی۔"

زوہیب نے ناک چڑھائی۔ "چھی! تمہارے ہاتھوں سے بنے کباب؟ بس دل نہیں مانتا کہ میرے معدے میں جائیں۔"

سیف نے بھائی کو گھورا، لیکن اگلے ہی لمحے جوش سے بتایا۔ "بھائی! آپی کل میرے اسکول ٹرپ کے لیے یہ سب تیار کر رہی ہیں، اور اوون میں آپ سب کے لیے کپ کیکس بھی بیک ہو رہے ہیں۔"

زوہیب نے مسکرا کر زمرد کی طرف دیکھا۔ "کیا مجھے بھی کپ کیک ملے گا؟"

زمرد نے کباب کو شکل دیتے ہوئے جواب دیا۔ "جس پر جس کا نام لکھا ہو گا، اسے وہی ملے گا۔"

"میں سمجھا نہیں؟" زوہیب نے حیرت سے پوچھا۔

سیف پھر بول پڑا۔ "آپی نے ہر کپ کیک پر آپ سب کے نام لکھے ہیں۔ جب آپ کے کپ کیک پر 'زوہیب' لکھا جا رہا تھا تو میں نے مشورہ دیا کہ ساتھ 'سحر کا' بھی لکھ دیں۔"

ساتھ ہی زوہیب کی تیز نظروں پر سیف نے شکوہ کیا۔ "جب سے منگنی ہوئی ہے، بھائی مجھے بس زیادہ تر گھورتے ہی ہیں۔ پیار سے دیکھنا تو جیسے چھوڑ ہی دیا ہے۔"

وہ اس لیے کہ تمہاری چھیڑ چھاڑ بھی منگنی کے بعد ہی شروع ہوئی ہے۔" زوہیب نے" "اگلا سوال زمرد سے کیا۔ "نام انگریزی میں لکھے ہیں یا اردو میں؟

"اردو میں لکھنا آسان تھا، کپ کیکس کا سائز اتنا بڑا نہیں ہوتا۔"

زوہیب کچن میں موجود میز کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک گھسیٹ کر بیٹھ گیا ۔ "مجھے تو آجکل واپسی کی اس چائے کی عادت ہو گئی ہے جو مجھے گھر آتے ہی مل جایا کرتی ہے۔"

زمرد نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "میں بھولی نہیں، بس ساتھ میں دو کباب بھی فرائی کرنے ہیں۔ ذرا چکھ کر بتانا، نمک اور مسالہ ٹھیک ہے یا نہیں۔"

زوہیب نے ایک بار پھر شرارت سے سیف کی طرف دیکھا اور کہا۔ "بس وہ کباب فرائی کرنا جو تم نے اپنے 'صاف' ہاتھوں سے بنائے ہوں۔"

سیف نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے ایک شکایتی نظر زمرد پر ڈالی۔ زمرد نے تنبیہی نگاہوں سے زوہیب کو دیکھا۔ "ان کبابوں میں ہم دونوں کی محنت اور لگن شامل ہے، اس لیے کوئی امتیازی سلوک نہ برتا جائے۔"

زوہیب ہنس دیا، مگر اچانک اس کی نظر میز کے وسط میں پڑی دو انگوٹھیوں پر پڑی۔ اس نے فوراً زمرد کے ہاتھوں کی طرف دیکھا جو مہارت سے کباب گول کرنے میں مصروف تھے۔ سادہ اور شفاف ہاتھ، جن میں اس وقت کوئی انگوٹھی نہیں تھی۔ غالباً اس نے کام شروع کرنے سے پہلے اپنی انگوٹھیاں اتار کر وہیں رکھ دی تھیں۔

اس نے باری باری ان انگوٹھیوں کو اٹھا کر بغور دیکھنا شروع کیا۔

پہلی انگوٹھی کی بناوٹ بہت منفرد اور نفیس تھی۔اس کے مرکز میں ایک کھلا ہوا کنول بنا تھا جس کی پنکھڑیوں کو بہت باریک بینی سے تراشا گیا تھا۔

"اس ڈیزائن کا کوئی خاص مطلب ہے؟"زوہیب نے انگوٹھی کی انوکھی ساخت سے متاثر ہو کر پوچھا۔

زمرد نے اس کے ہاتھ میں پکڑی انگوٹھی کو دیکھا۔"یہ مجھے شہ پارہ نے میرے بی ایس کے اچھے رزلٹ پر دی تھی۔اس کھلے ہوئے کنول کا مطلب 'نشوونما اور استقامت' ہے۔ شہ پارہ کہتی ہے کہ جس طرح کنول کیچڑ میں رہ کر بھی اپنی پاکیزگی اور خوبصورتی برقرار رکھتا ہے،اسی طرح مجھے بھی حالات کی سختیوں میں اپنی شخصیت کی مٹھاس کو کھونا نہیں چاہیے۔یہ انگوٹھی میرے لیے اس کے اس یقین کی علامت ہے کہ میں ہر مشکل میں کھلنا جانتی ہوں۔"

زمرد کے لہجے میں اپنی بہن کے لیے جو مان تھا،اس نے زوہیب کو ایک لمحے کے لیے سوچ میں ڈال دیا

پھر اس نے دوسری انگوٹھی اٹھائی۔ یہ پہلی والی سے مختلف اور کافی نازک تھی، جس پر دو لہریں آپس میں لپٹی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔

"اور یہ؟" زوہیب نے دریافت کیا۔

"یہ میری بہترین سہیلی ماہرہ نے اپنی شادی کے موقع پر بنوا کر دی تھی۔" زمرد نے چائے کے چولہے کو دھیما کرتے ہوئے بتایا۔ "ان لہروں کا مطلب 'رفاقت' ہے۔ ماہرہ کی نیت یہ تھی کہ جیسے یہ لہریں ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑتیں، ویسے ہی مجھے بھی جلد ایک ایسا جیون ساتھی ملے جو زندگی کے ہر اتار چڑھاؤ میں میرا ہم سفر رہے۔"

اتنے میں سیف، جو کب سے ان کی باتیں سن رہا تھا، بول پڑا۔ "ویسے آپی! آپ کو کیسا جیون ساتھی چاہیے؟"

"سیف!" زوہیب نے اسے ٹوکا، مگر زمرد نے نرمی سے کہا، "کوئی بات نہیں۔"

زمرد نے بہت یقین سے کہا۔ "میں اللہ سے ہمیشہ یہی دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے اس شخص سے نوازے جو اس کی نظر میں میرے لیے بہترین ہو۔ میری عقل محدود ہے اور اس کی حکمت نے کل کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے، اس سے کچھ بھی

پوشیدہ نہیں۔ کل اختیارات بھی اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس سے بہتر انتخاب کس کا ہو سکتا ہے، بھلا۔"

زوہیب اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اب کباب فرائی کر رہی تھی اور ساتھ والے چولہے پر چائے دم ہو رہی تھی، مگر زوہیب کی نظریں اس کے پر سکون چہرے پر جمی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی اسے ہر موڑ پر، اپنی سادگی اور غیر متوقع گفتگو سے چونکا دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

فہمیدہ اپنے کمرے کی الماری سے کچھ نفیس ریشمی اور سوتی ان سلے جوڑے نکال کر شہ پارہ کو تھما رہی تھیں تاکہ وہ اور زمرد اپنی پسند کے مطابق انہیں سلوا سکیں۔ ارمغان وہیں صوفے پر نیم دراز، فائل سنبھالتے ہوئے خاموشی سے یہ گھریلو منظر دیکھ رہا تھا۔ شہ پارہ نے وہ کپڑے تھامے، مگر اس کی نظریں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"آنٹی! مجھے ارمغان بھائی سے ایک بات کہنی تھی۔" شہ پارہ نے کپڑوں کو بستر پر رکھتے ہوئے اپنا رخ ارمغان کی طرف کیا۔ "میں محض وقت گزاری کے لیے کوئی روایتی

ملازمت نہیں کرنا چاہتی۔ میرا ارادہ کسی دفتر میں بیٹھ کر صرف اعداد و شمار کا گورکھ دھندا سنبھالنا نہیں ہے۔"

ارمغان نے اپنی فائل ایک طرف رکھی اور دلچسپی سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "تو پھر تمہارے ذہن میں کیا ہے؟"

شہ پارہ کے لہجے میں ایک خاص قسم کا عزم در آیا۔ "میں ایک عام اکاؤنٹنٹ بننے کے بجائے 'فارنزک آڈٹ' اور 'کارپوریٹ انویسٹی گیشن' کے میدان میں قدم رکھنا چاہتی ہوں۔ میرے نزدیک حساب کتاب کی یہ فائلیں صرف کاغذ کے پرزے نہیں، بلکہ یہ بولتی ہیں۔ میں ان فائلوں میں چھپی اس خاموشی کو پکڑنا چاہتی ہوں جسے لوگ دھوکہ دہی یا بدعنوانی کہہ کر چھپا دیتے ہیں۔"

ارمغان نے شہ پارہ کے عزم کو سراہتے ہوئے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ "تمہاری سوچ متاثر کن ہے۔ واقعی، نوکری صرف روپیہ کمانے کا ذریعہ ہی نہیں ہوتی، اس سے کچھ بامقصد بھی کیا جا سکتا ہے۔ بدعنوانی کی تہیں اتنی گہری ہوتی ہیں کہ انہیں عام نظر سے دیکھنا ممکن نہیں ہوتا۔"

وہ ایک لمحے کو رکا، پھر بولا۔ "میرا ایک قریبی دوست ایک فرانزک ادارے میں کام کرتا ہے۔ ان کا کام ہی بڑے کارپوریٹ اداروں کے اندرونی گھپلوں کا سراغ لگانا ہے۔ وہاں ایک سینیئر فرانزک انویسٹی گیٹر ہیں، اگر تم ان کے ساتھ بطور اسسٹنٹ کام شروع کرو تو کچھ ہی عرصے میں پیشہ ورانہ باریکیاں سیکھ جاؤ گی۔ ظاہر ہے، یہ کوئی سفارش نہیں ہو گی، تمہیں پہلے سیکھنے کے مرحلے سے گزرنا ہو گا۔"

یہ سنتے ہی شہ پارہ کی آنکھوں میں ایک چمک ابھری، جو ارمغان سے اوجھل نہ رہی۔ ارمغان نے مسکراتے ہوئے بات ختم کی۔ "میں آج ہی اس سے فون پر بات کرتا ہوں، پھر اس کے دیے ہوئے وقت پر تمہیں خود وہاں لے جاؤں گا۔"

اتنے میں زمرد بھی چہکتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی۔ فہمیدہ نے اسے دیکھتے ہی پیار سے کہا۔ "دیکھو ناذرا! اس دن مجھے دھیان ہی نہیں رہا اور میں نے تم لوگوں کو مال کی طرف دوڑایا، جبکہ یہاں الماری میں اتنے ان سلے سوٹ پڑے تھے۔"

اس کے بعد وہ تینوں خواتین کپڑوں کے رنگوں اور ڈیزائن کی باتوں میں مگن ہو گئیں۔ ارمغان کچھ دیر خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا، پھر اس کے لبوں پر ایک پُرسکون مسکراہٹ آ

گئی۔اسے محسوس ہوا کہ اس کی زندگی میں جو بہنوں کی کمی تھی، وہ ان دونوں کی صورت اب پوری ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ وہ اطمینان سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

لان کی ہریالی پر شہ پارہ اور سیف ریکٹ تھامے ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔ درمیان میں کوئی نیٹ تو نہ تھا، مگر ان کے شاٹس کی تیزی اور توازن سے لگ رہا تھا کہ یہ محض وقت گزاری نہیں بلکہ ایک بھرپور مقابلہ ہے۔ شہ پارہ کی ہر ہٹ میں ایک خاص مہارت اور ٹھہراؤ تھا؛ وہ گیند کو جس زاویے سے کاٹتی، سیف کو اسے واپس کرنے کے لیے اچھی خاصی تگ و دو کرنی پڑتی۔

"واہ! آپ تو اچھا خاصا کھیل لیتی ہیں۔" سیف نے ایک مشکل شاٹ کو بمشکل واپس کرتے ہوئے داد دی۔

شہ پارہ نے ریکٹ گھمایا اور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کبھی کھیلا کرتی تھی، اپنی سہیلیوں کے ساتھ۔"

"اب آپ کی کوئی سہیلی نہیں؟" سیف نے حیرت سے پوچھا۔

"آج کل کوئی نہیں۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

سیف نے رننگ شاٹ مارتے ہوئے سوال کیا۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟"

"ان کی شادیاں ہو گئیں، ان کے راستے اور تھے، اب ہمارے بیچ کرنے کو باتیں نہیں رہیں۔" شہ پارہ نے گیند کو ہوا میں اچھال کر ایک زوردار ہٹ لگائی۔

سیف نے سمجھداری سے سر ہلایا۔ "اتنا تو میں بھی سمجھتا ہوں، لانگ ڈسٹنس فرینڈشپ (طویل فاصلے کی دوستیاں) چلانا ذرا مشکل ہوا کرتی ہیں۔"

"دوستیاں تب بدلتی ہیں، جب دونوں کا طرزِ زندگی مختلف ہو جائے۔ پھر وہ پہلی سی بات نہیں رہتی۔" شہ پارہ نے حقیقت پسندی سے جواب دیا۔

سیف نے ایک لمحے کو کھیل روکا اور پوچھا۔ "کیا آپ ان پرانے دنوں کو یاد کرتی ہیں؟"

شہ پارہ نے ریکٹ نیچے کیا اور گہرا سانس لیا۔ "پرانے دنوں کو کبھی کبھار چائے کی چسکیوں کے ساتھ کچھ دیر کو یاد کرنا ٹھیک ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ زندگی آگے بڑھنے کا نام ہے سیف! پیچھے مڑ کر دیکھنے والے کو اکثر سامنے سے ٹھوکر لگتی ہے۔"

سیف نے اسے غور سے دیکھا۔ "تو کیا اب آپ اس شہر میں نئے دوست بنائیں گی؟"

شہ پارہ کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ "فی الحال مجھے کسی کی کمی محسوس نہیں ہو رہی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر11

وہ لڑکی

“You’re so dark, I just can’t see”

Have you ever loved a thing so dark,

so alluring, you lost yourself?

in fragments,

in pieces,

and also all at once.

Getting closer was like falling into a pit,

obsidian and unknown

but then, don't we all love

a good mystery?

"تم اتنے تاریک ہو کہ مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا"

کیا تم نے کبھی کسی ایسی سیاہ تاب چیز سے محبت کی ہے؟

اتنی دلکش۔۔۔کہ تم خود کو کھونے لگے،

ریزہ ریزہ

ٹکڑوں میں

اور یکلخت بھی۔

اس کے قریب جانا گویا کسی ایسی گہری کھائی میں گرنا تھا،

جو سنگِ سیاہ کی طرح تیرہ اور نامعلوم ہو

مگر پھر،

کیا ہم سبھی کو پُراسرار چیزوں سے عشق نہیں ہوتا؟

☆☆☆☆☆☆☆

عمر بارہ سال

اس دن نئی ملازمہ اپنی بیٹی کو ساتھ لے آئی تھی۔ وہ بچی تقریباً اسی کی ہم عمر تھی اور لان کے کونے میں کھڑی ہچکچاتے ہوئے ارد گرد دیکھ رہی تھی۔

وہ اوپر والی کھڑکی کے پاس کھڑی دیکھ رہی تھی جب اس کی نظر اپنے بھائی پر پڑی۔

وہ اب اس بچی کے پاس کھڑ کسی بات پر ہنس رہا تھا۔

اپنا بیٹ بال اسے دکھا رہا تھا۔

پھر کچھ ایسا کہا کہ وہ بچی بھی ہنس دی۔

اس کے بھائی نے گیند ہوا میں کافی اونچا اچھالا۔۔۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ زمین پر گرتا ،دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ یہ سب اس بچی نے بہت حیرت سے دیکھا۔

وہ کھڑکی سے کافی دیر بغیر پلک جھپکائے یہ منظر دیکھتی رہی۔

پھر اس نے دیکھا کہ اس کا بھائی بیٹ اس بچی کی طرف بڑھا رہا ہے اور خود گیند ہاتھ میں لے رہا ہے۔

وہ فوراً بھاگتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی۔

سیڑھیاں پھلانگتے اس کا رخ لان کی طرف تھا۔

"مجھے بھی کھیلنا ہے۔"

اس کے بھائی نے چونک کر اسے دیکھا۔ "لیکن تمہیں تو کرکٹ نہیں پسند۔" پھر بڑے بھائی کا حوالہ دے کر ہلکا سا مسکرایا۔ "آج بھائی یہاں ہوتا تو تمہاری اس بات پر خوب ہنستا۔" ان کا بڑا بھائی دوسرے شہر کے کالج میں داخلہ لے چکا تھا اور اب وہیں ہاسٹل میں رہتا تھا۔

پھر بولا۔ "اچھا، تم فیلڈنگ کر لو۔"

اس کی نظر پہلے اس بچی پر گئی، پھر اس کے ہاتھ میں پکڑے بیٹ پر ٹھہر گئی۔ "مجھے بیٹنگ کرنی ہے۔"

"اس کے بھائی نے اس بار صاف کہا۔ "وہ تمہیں نہیں مل سکتی۔"

وہ جواباً خاموش رہی۔

وہ بولا۔ "تمہیں کتنی بار کھیلنے کو کہا، تم نے کبھی میری بات نہیں مانی۔ آج کوئی اور کھیل رہا ہے تو تم سے برداشت نہیں ہو رہا۔"

اس نے کچھ نہیں کہا۔

صرف مڑی اور وہاں سے چلی گئی۔

کھیل شروع ہو گیا۔

اسی شام سب چائے پی رہے تھے اور لان میں وہ بچی ماں کے انتظار میں کھڑی تھی کہ وہ آئے تو دونوں ساتھ میں گھر لوٹیں۔

وہ کھڑکی سے یہ منظر ہونٹ بھینچے دیکھ رہی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی گڑیا کی گردن اس کی انگلیوں کے دباؤ سے ٹیڑھی ہو رہی تھی۔

اچانک وہ بھاگتے ہوئے باہر نکلی اور اپنی اسی رفتار کو قائم رکھتے ہوئے اس بچی کے پاس سے گزرتی کچھ یوں ٹکرائی کہ وہ بچی بری طرح منہ کے بل نیچے گر پڑی۔ رونے کی آواز پر اس کی ماں کے علاوہ گھر کے دوسرے افراد بھی آ پہنچے۔

اگلے دن بھی وہ بچی آئی اور اس کے بھائی نے ایک بار پھر اسے کھیل میں شامل کیا۔ لیکن اس شام کچھ نیا ہوا۔

وہ اپنی ممی کا بریسلیٹ ملازمہ کے بیگ میں چھپا چکی تھی۔ اس کی ممی نہانے سے پہلے وہ اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا کرتیں اور جیسے ہی باہر نکلتی پہن لیتیں۔ یہ اس کے ڈیڈ نے کچھ ہی دن پہلے ممی کو گفٹ کیا تھا۔

اس کی ماں کا بریسلیٹ غائب ہو گیا تھا۔

پورا گھر اسے ڈھونڈنے لگا۔

کمرے دیکھے گئے۔

درازیں کھولی گئیں۔

صوفوں کے نیچے جھانکا گیا۔

پھر کسی نے ملازمہ کا بیگ کھولا۔

بریسلیٹ اندر پڑا تھا۔

کمرے میں ایسی خاموشی پھیلی جیسے ہر شخص نے ایک ہی لمحے میں اپنا فیصلہ کر لیا ہو۔

ملازمہ کے چہرہ زرد پڑ گیا۔

وہ بار بار قسمیں کھاتی رہی کہ اس نے کچھ نہیں لیا۔

مگر کسی نے اس کی بات نہیں مانی۔

وہ نوکری چھوڑ کر چلی گئی۔

اور اس کی بیٹی پھر کبھی اس گھر میں نظر نہیں آئی۔

اسی رات اس کا بھائی اس کے کمرے کے دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ بستر پر ٹانگیں موڑے، بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔

"تمہیں اچھا نہیں لگا تھا نا کہ وہ میرے ساتھ کھیل رہی تھی؟"

اس نے آہستہ سے ایک صفحہ پلٹا۔

پھر کتاب بند کر دی۔

اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"شاید۔"

☆☆☆☆☆☆☆

عمر تیرہ سال

دوپہر کا وقت تھا اور گھر کے اندر معمول کی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دوسری منزل پر دوڑتی پھر رہی تھی جبکہ اس کا بھائی اس کے پیچھے ہنستے ہوئے اسے پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ سیڑھیوں کی طرف لپکی لیکن پھر تیزی سے دوسری جانب مڑ گئی۔

اس کا بھائی جو بہت قریب تھا اور اسے پکڑنے ہی والا تھا۔۔۔ سیڑھی کے کنارے پر توازن برقرار نہ رکھ پایا۔

اس کا پاؤں سیڑھی کے کنارے سے پھسلا۔

ایک چیخ نما آواز ابھری اور اس کا جسم لڑھکتا ہوا نیچے جا گرا۔

گھر کے اندر جیسے ہلچل مچ گئی۔

اس کی ممی فوراً لاؤنج سے باہر نکلیں۔

ملازمہ گھبراہٹ میں کچن سے دوڑتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف آئی۔

ان کا بڑا بھائی بھی فوراً پہنچا اور اسے سہارا دے کر اٹھانے لگا۔

پیشانی سے خون بہہ رہا تھا اور وہ درد سے بری طرح رو رہا تھا۔

وہ چند قدم کے فاصلے پر خاموش کھڑی یہ سب دیکھتی رہی۔

اس کے چہرے پر گھبراہٹ تھی، نہ خوف۔

صرف ایک ساکت، گہری نظر۔ جیسے وہ کسی حادثے کو نہیں بلکہ ایک ردِ عمل کو دیکھ رہی ہو۔

"پانی لاؤ، جلدی!" اس کی ممی کی آواز گونجی۔

مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔

بڑا بھائی اسے سنبھالتے ہوئے ایک لمحے کو پلٹا اور اسے وہیں کھڑا دیکھ کر جھنجھلا گیا۔

"کھڑی کیا دیکھ رہی ہو؟"

بعد میں پٹی ہو چکی، ڈاکٹر چلا گیا، تو اس کی ماں نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "تم وہیں کھڑی دیکھتی رہیں؟ کچھ کیا کیوں نہیں؟"

اس نے چند لمحے ماں کو دیکھا، جیسے سوال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

پھر بالکل سنجیدہ لہجے میں بولی۔ "آپ سب پہلے ہی اس کے پاس تھے۔ میرے جانے سے کیا فرق پڑتا؟"

کمرے میں ایک لمحے کی خاموشی اتر آئی۔

اس کی ماں نے اسے تعجب سے دیکھا، جیسے پہلی بار انہیں اپنی بیٹی کے لہجے میں کسی ایسی ٹھنڈک کا احساس ہوا ہو جو عمر سے میل نہیں کھاتی تھی۔

رات کو وہ اپنے بھائی کے کمرے کے دروازے پر آ کر رک گئی۔

وہ بیٹھا ہوم ورک کر رہا تھا۔ چوٹ سطحی تھی لیکن پیشانی پر لگی پٹی اب بھی نمایاں دکھائی دے رہی تھی۔

وہ اس سے عمر میں دو سال چھوٹا تھا۔

"جب تم گرے تھے نا، سب بہت گھبرا گئے تھے۔"

اس کے بھائی نے چونک کر سر اٹھایا۔ "تو؟"

وہ چند قدم اندر آئی۔ "تمہیں اچھا لگا؟"

"کیا؟"

"یہ کہ سب تمہارے پاس بھاگ کر آئے۔ ممی بھی، سب۔"

اس کے بھائی کے چہرے پر الجھن ابھری۔ "آپی، آپ کی باتیں سمجھ نہیں آتیں۔"

"میں بس جاننا چاہ رہی تھی۔۔۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ "لوگوں کو اپنے لیے یوں فکر مند دیکھ کر کیسا محسوس ہوتا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

یہاں سے اس کا روز ہی گزر ہوتا تھا۔ یہ لڑکیوں کا کالج اس کے راستے میں واقع تھا۔

اس کا کالج کچھ ہی فاصلے پر سڑک پار تھا۔

وہ چھتری تانے تیز قدموں سے چل رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی۔ وہ بارش میں بری طرح بھیگ رہی تھی، آس پاس موجود لڑکیاں چھتریاں لیے گھروں کی طرف رواں دواں تھیں۔ کچھ پیدل اور باقی اپنی گاڑیوں کی سمت۔ ایسے میں وہ لڑکی جس کے چہرے کی بے چارگی اسے صاف دکھائی دی، تحمل سے اپنی جگہ کھڑی شاید گاڑی کا انتظار کر رہی تھی۔

اچانک اس کی نظر دانیال پر پڑی۔

دوسری اس نے دانیال کی چھتری پر ڈالی۔

قدم اس جانب بڑھتے چلے گئے۔

"یہ لو۔" اپنی چھتری اس کی طرف بڑھائی تو اس نے قدرے خوف زدہ نظروں سے ارد گرد چلتی لڑکیوں کو دیکھا، جیسے ان کے رد عمل سے بچنا چاہتی ہو۔

"میں نہیں لے سکتی۔"

"پلیز لے لو، بارش بہت تیز ہے۔" اس کا حوصلہ بڑھانے کو وہ مسکرایا۔ "کل لوٹا دینا۔"

اس نے تشکر بھری نگاہ دانیال پر ڈالی اور چھتری لے لی۔

اگلے دن اس کی سہیلی نے وہ گہرے نیلے رنگ کی چھتری دیکھی تو حیران ہوئی۔"یہ کس کی ہے؟"

"اسی کی، جسے تم سب ہیرو کہتے نہیں تھکتی۔"

"کس کی بات کر رہی ہو؟"

"وہی جو لڑکیوں سے دور بھاگتا ہے۔"وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔"اب بھی بھاگے گا ۔۔۔لیکن میری سمت!"

"دانیال جاسم!"سامنے والی کی چیخ سی نکلی۔

"کل تم جلدی چلی گئی تھی، ورنہ اپنی آنکھوں سے دیکھتی۔"

"اس نے تمہیں اپنی چھتری دی؟"

"یقین نہیں آرہا؟"

"ٹاپر ہے، لڑکیوں کے سائے سے بھی دور رہتا ہے۔"

"میرے علاوہ!"

"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟"

"تم میں سے کسی کے پاس میرے سا دماغ تھوڑی نا ہے۔"

"مان گئی۔" پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "لیکن ایک چھتری ہی تو دی ہے، وہ بھی ادھار۔ ہو سکتا ہے یہ صرف انسانی ہمدردی ہو۔"

"جان مانگ لوں؟ وہ دے تو تمہیں یقین آ جائے گا؟" بات سے زیادہ اس کا انداز عجیب تھا، سامنے والی کو جسم میں پھریری سی دوڑتی محسوس ہوئی۔

اس نے چھتری کے نیلے کپڑے پر اپنی انگلیاں بہت آہستگی سے پھیریں، جیسے وہ اس کپڑے کو نہیں بلکہ دانیال کے اعصاب کو ٹٹول رہی ہو۔

"ہمدردی ایک ایسا کچا دھاگا ہے جسے اگر طریقے سے الجھایا جائے تو وہ زنجیر بن جاتا ہے۔" اس کا لہجہ بھی ریشم سا نرم تھا۔ "دانیال جیسے لڑکے، جو خود کو بہت سمجھدار اور پڑھا کو سمجھتے ہیں، وہ اخلاقیات کے قیدی ہوتے ہیں۔ اسے لگے گا کہ اس نے ایک ضرورت مند کی مدد

کی ہے، اور میں اسے یہ باور کراؤں گی کہ اس ایک چھوٹی سی مدد نے میری دنیا بدل دی ہے۔"

اگلے دن وہ اسے چھتری واپس کرنے اس کے راستے میں کھڑی تھی۔ اس نے صرف ایک چھوٹا سا، سادہ اور ہاتھ سے لکھا ہوا شکریے کا کارڈ اسے دیا۔ جس پر صرف اتنا لکھا تھا:

"تمہاری چھتری نے صرف بارش سے نہیں بچایا، بلکہ اس خوف سے بھی بچایا کہ اس شہر میں کوئی کسی کا مددگار نہیں ہوتا۔"

اس جملے نے دانیال کے دل پر ایک عجیب ہی انداز میں اثر چھوڑا۔

کچھ دن بعد، وہ دانیال کو شہر کی لائبریری میں ملی، مگر اس بار وہ اس کے پاس نہیں گئی۔ وہ کرسی پر بیٹھی کسی کتاب میں اس قدر مگن تھی جیسے ارد گرد کی دنیا اس کے لیے موجود ہی نہ ہو۔ دانیال نے پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیا تھا، پھر اسے وہی شکریے کا کارڈ یاد آیا۔

جب وہ اس کے قریب سے گزرا تو اس نے سر اٹھا کر دانیال کو دیکھا، ایک مختصر سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی، پھر نظریں دوبارہ کتاب پر جھکا لیں۔

یہ مختصر سی نظر دانیال کو بیقرار کر گئی۔

وہ سمجھ نہیں پایا کہ جو لڑکی چند روز پہلے ایک معمولی مہربانی کو یادگار بنا رہی تھی، یوں لاتعلق کیسے ہو گئی۔

اور یہی الجھن آہستہ آہستہ اس کے ذہن میں جگہ بنانے لگی۔

اب جب بھی وہ پڑھنے بیٹھتا، اس خوبصورت چہرے پر ٹھہری وہ مبہم مسکراہٹ اس کی کتاب کے لفظوں کے بیچ آ کر ٹھہر جاتی۔

☆☆☆☆☆☆☆

چھٹی ہو چکی تھی۔ دانیال اپنے کالج سے نکل کر حسبِ معمول لڑکیوں کے کالج کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ کوئی ڈرائیور کو ہاتھ سے اشارہ کر رہی تھی، کسی نے سہیلی کے ساتھ چلتے ہوئے آخری بات مکمل کی، اور کوئی گیٹ کے قریب کھڑی موبائل پر گھر اطلاع دیتی دکھائی دی۔

وہ ہمیشہ کی طرح اس ہجوم سے لاتعلق، اپنی راہ پر چل رہا تھا کہ اس کے آگے چلتی ایک لڑکی کے ہاتھ سے ایک کتاب پھسل کر نیچے جا گری۔

دانیال کے قدم غیر ارادی طور پر رک گئے۔

یہ عام درسی کتاب نہیں تھی۔

گہرے رنگ کے سرورق پر سفید حروف میں ایک نام نمایاں تھا۔

The Talented Mr. Ripley by Patricia Highsmith

دانیال نے جھک کر کتاب اٹھائی اور ایک لمحے کے لیے ان الفاظ پر نظریں ٹھہر گئیں۔

"سنیں۔"

اس کی آواز پر وہ رک گئی۔

پھر آہستہ سے مڑی۔

چند لمحے اسے یوں دیکھا جیسے ذہن میں اس کا چہرہ کسی پرانی یاد سے ملانے کی کوشش کر رہی ہو۔

دانیال نے کتاب اس کی طرف بڑھائی۔ "آپ کی کتاب گر گئی تھی۔"

وہ اس اتفاق پر جتنا حیران ہوتا کم تھا، یہ وہی لڑکی تھی جس نے کارڈ کے ذریعے اسے پہلی بار اپنا نام بتایا تھا۔

اس نے کتاب لینے سے پہلے ایک سرسری نظر دانیال کے چہرے پر ڈالی، پھر اس کی انگلیوں کے درمیان دبی کتاب پر۔

"تم نے نام پڑھا؟"

دانیال نے ہلکی سی الجھن سے کتاب کی طرف دیکھا۔ "ہاں، بس نظر پڑ گئی۔"

"میرا پسندیدہ ناول ہے۔"

نام سنا ہے۔ کسی نے بتایا تھا اس میں ایک آدمی دوسروں کی زندگیوں میں گھس جاتا"

"ہے۔

"لوگ ہمیشہ یہی حصہ یاد رکھتے ہیں۔"

"اور اصل بات؟"

اس نے چند لمحے کتاب کو دیکھا، پھر بولی۔ "یہ کہ زیادہ تر انسان صرف اتنا دیکھتے ہیں جتنا انہیں دکھایا جائے۔"

دانیال اسے دیکھے گیا۔

وہ بولی۔ "اگر کوئی شخص پُر سکون رہے، صحیح باتیں کرے اور لوگوں کو وہی احساس دے جس کی انہیں توقع ہو، تو لوگ کبھی زیادہ سوال نہیں کرتے۔"

دانیال کے چہرے پر ہلکی سی الجھن ابھری۔ "تم کافی عجیب انداز میں کتابیں پڑھتی ہو۔"

اس نے پہلی بار براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "ہر انسان کہانیوں میں وہی چیز ڈھونڈتا ہے جو اسے دنیا میں سب سے زیادہ سچ لگتی ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ اس جملے کا مطلب پوچھتا، وہ کتاب سینے سے لگائے پلٹ چکی تھی۔

چند ہی لمحوں میں وہ باقی لڑکیوں کے ہجوم میں گم ہو گئی، مگر اس کے لہجے کا وہ عجیب سا ٹھہراؤ دانیال کے ذہن میں رہ گیا۔

اگلے چند دن وہ اسی راستے سے گزرا، مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی۔

پہلے دن اس نے خود کو سمجھایا کہ وہ سب محض اتفاق تھا، اسے ذہن میں جگہ نہیں دینی چاہیے۔

دوسرے دن اس نے غیر ارادی طور پر قدم آہستہ کر لیے۔

تیسرے دن اسے پہلی بار احساس ہوا کہ وہ اسے ڈھونڈ رہا ہے۔

اور یہی احساس اسے سب سے زیادہ ناگوار گزرا۔

پھر ایک دن وہ اچانک دوبارہ اسی جگہ دکھائی دی۔

مگر اس بار وہ اکیلی نہیں تھی۔

وہ اپنی چند سہیلیوں کے درمیان کھڑی بے ساختہ ہنس رہی تھی۔

دانیال کے قدم سست پڑ گئے۔

اسی لمحے اس کی نظر دانیال پر پڑی۔

اس کی ہنسی ہونٹوں کے کناروں میں سمٹ گئی۔

سہیلیوں کی باتیں سنتے ہوئے بھی اس نے دانیال کو یوں دیکھا جیسے ان کے بیچ کوئی ایسا پوشیدہ ربط ہو جسے باقی دنیا نہیں جانتی۔

اس رات دانیال دیر تک اپنی میز پر کھلی ہوئی نوٹ بک سامنے رکھے بیٹھا رہا۔

الفاظ آنکھوں کے سامنے تھے، مگر ذہن کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔

اسے پہلی بار یہ سچ لگا کہ کسی اجنبی کی چند مختصر ملاقاتیں بھی انسان کے معمول میں دراڑ ڈال سکتی ہیں۔

پریشانی یہ تھی کہ وہ خود تذبذب کا شکار تھا کہ وہ زیادہ کیا چاہتا ہے؟

اس لڑکی کو سمجھنا، یا ایک بار پھر دیکھنا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلے چند دن اسے وہ کالج کے باہر نظر نہیں آئی۔

وہ روز وہاں سے گزرتے ہوئے پل بھر کو ٹھہر سا جاتا۔ جب پانچ دن یونہی گزر گئے تو وہ چھٹے دن اس لڑکی کے پاس گیا جس کے ساتھ وہ اکثر دکھائی دیتی تھی۔

"میرا نام دانیال ہے۔" اس پر وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ "میں اس کے۔۔۔آپ کی سہیلی کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

لڑکی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ در آئی۔ "اس نے اپنا نام بتایا تھا؟"

اس سوال پر دانیال پہلے تو چونکا پھر بولا۔ "ہاں، بالکل۔"

"بس، اگر نام بتایا ہے تو پھر وہ آپ کو قابل اعتماد جانتی ہے۔اب میں آپ کو بتا سکتی ہوں کہ اس کی غیر حاضری کی وجہ کیا ہے۔" اس کے بعد وہ خاموش ہو گئی۔

"پلیز بتایئے، یہی جاننے کے لیے میں نے آپ کو زحمت دی۔"

"دراصل وہ بیمار ہے۔"

دانیال فوراً بولا۔ "آپ میری اس سے بات کروا سکتی ہیں؟"

اس لڑکی نے سر ترچھا کر کے اسے غور سے دیکھا پھر مسکرا دی۔ "ویسے مجھے عائزہ کہتے ہیں ۔" پھر ٹھہر کر بولی۔ "فون پر تو بات نہیں کروا سکتی، لیکن کل شام اس کے گھر جاؤں گی۔ میری بھیجی ہوئی لوکیشن پر پہنچ جانا، دونوں ساتھ ہی چلے جائیں گے۔"

وہ ذرا سا ہکلایا۔ "اس کے گھر والے میرے یوں جانے پر برا تو نہیں منائیں گے ؟"

"اب اسے آپ کی خوش نصیبی کہوں یا بد نصیبی۔۔۔ لیکن آپ نا اسے جانتے ہیں نا اس کے گھر والوں کو۔"

اسے کچھ سمجھ نہ آیا۔ "آپ کہنا کیا چاہتی ہیں ؟"

"یہی کہ اس سے دور رہیں !" کہتے ساتھ ہی وہ ہنسنے لگی۔

دانیال نے فوراً آس پاس دیکھا، کوئی اور بھی اس عجیب و غریب گفتگو کا شاہد تھا یا نہیں ؟

"یہ مذاق تھا۔" پھر وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ کو نہیں لگتا کہ کسی بھی لڑکی کی بیسٹ فرینڈ سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہے گی ؟"

"کیا پوچھا جائے ؟" وہ الجھ کر رہ گیا۔

"یہی کہ۔۔۔" وہ لطف لیتے ہوئے بولی۔ "تمہاری سہیلی کے قریب ہونا چاہتا ہوں، اس سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتا ہوں، اسے کیا پسند ناپسند ہے، سب جاننا چاہتا ہوں۔ کیا تم وہ دروازہ بنو گی ؟" اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔

دانیال نا سمجھی میں اسے دیکھے گیا۔

"جواب سب کا یہی ہو گا، جو میں نے کہا۔ بچ کر رہنا!"

اس بار وہ ہنسی نہیں۔

"اس کے والد کیا کرتے ہیں؟" وہ اسی کی باتیں کرنا چاہتا تھا۔

"آئی جی ہیں لیکن۔۔۔ کچھ کارِ خیر وہ پسِ پردہ بھی کر لیتے ہیں۔" اس نے چٹخارہ لیا۔

"مثلاً؟" اسے تجسس ہوا۔

"طاقتور مجرموں کی سرپرستی!" اس بار عائزہ کا قہقہہ کافی بلند تھا، دانیال نے ایک بار پھر اطراف میں نظر دوڑائی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ملازمہ انہیں سیدھا اوپر اس کے کمرے تک چھوڑ گئی، دانیال چند لمحے دروازے کے پاس کھڑا رہا۔ عائزہ ساتھ نہ ہوتی تو شاید اندر جانے کا حوصلہ نہ کر پاتا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے غیر ارادی طور پر گرد و پیش پر نظر دوڑائی۔

دیواروں پر گہرے میرن اور سیاہ رنگ کا امتزاج تھا۔ کھڑکیوں پر بھاری پردے گرے ہوئے تھے، جنہوں نے کھڑکیوں سے آتی شام کی نرم دھوپ کا راستہ روک رکھا تھا۔

ایک دیوار کے ساتھ کتابوں کی لمبی شیلف تھی۔ایک کونے میں پرانا ریکارڈ پلیئر رکھا تھا، اس کے ساتھ خشک سفید گلاب ایک لمبے شیشے کے گلدان میں رکھے تھے۔ میز پر سفید موم بتیوں کے دو اسٹینڈ تھے جو بجھے ہونے کے باوجود کمرے میں کسی ان کہی رسم کا احساس پیدا کر رہے تھے۔

وہ جو بیڈ پر نیم دراز تھی، انہیں دیکھتے ہی بیڈ سے اتر کر ان کے پاس آئی۔

دانیال قدرے جھجکتے ہوئے بولا۔ "تمہارے گھر والوں کو برا نہیں لگے گا؟ ملازمہ ہمیں سیدھا تمہارے کمرے تک لے آئی۔"

"انہوں نے میری ترجیحات پر حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔"

"یہ تمہاری عیادت کو آیا ہے۔" عائزہ کے لہجے میں کچھ تھا جو دانیال سمجھ نہیں پایا۔

دانیال کی نظر ایک شیشے کے جار پر جا ٹھہری۔

اس نے آگے بڑھ کر اسے ہاتھ میں اٹھایا۔

جار میں مختلف رنگوں کی مردہ تتلیاں محفوظ تھیں۔ نیلی، زرد، سنہری اور سیاہ کناروں والی۔ ان کے نازک پر شیشے کے اندر ساکت پڑے تھے جیسے کسی نے خوبصورتی کو سانس لینے سے روک دیا ہو۔

"یہ کیا ہے؟" دانیال کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

اس نے فوراً بڑھ کر جار اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ایک تجربہ تھا۔"

دانیال نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیسا تجربہ؟"

وہ چند لمحے جار کے اندر تتلیوں کو دیکھتی رہی، پھر بولی۔ "یہی کہ وجود سے زندگی ختم ہونے میں کتنا وقت لگتا ہے۔" ایک مختصر وقفے کے بعد اس نے نظریں اٹھائیں۔ "اور پھر وجود کو ختم ہونے میں۔"

دانیال نے الجھن زدہ انداز میں اسے دیکھا۔ "تم نے زندہ تتلیوں کو قید کیا تھا؟"

اس نے فوراً جواب نہیں دیا۔

بس دیر تک اسے دیکھے گئی۔

اتنی دیر کہ دانیال کو پہلی بار اپنا سوال غیر ضروری محسوس ہونے لگا۔

پھر اس نے بہت پر سکون انداز میں کہا۔ "کچھ کام بہت محنت طلب ہوتے ہیں، بس ان کو سراہنے والا کوئی نہیں ہوتا۔"

اسی لمحے اس نے تیز نظروں سے عائزہ کی طرف دیکھا۔ "تم جا کر ملازمہ سے کہو کولڈ ڈرنکس اور کچھ سنیکس بھجوادے۔"

عائزہ نے ایک لمحہ دانیال کو دیکھا، پھر بنا کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"دنیا کو ایک الگ کھڑکی سے دیکھنے والے پیچیدہ ذہنوں میں اکثر عجیب سوال اٹھتے ہیں۔"

دانیال نے بے اختیار پوچھا۔ "کیسے سوال؟"

اس نے جار واپس میز پر رکھا اور کھڑکی پر گرے پردوں کی طرف دیکھنے لگی۔ "کسی انسان سے اس کی ہر پسندیدہ چیز چھین لی جائے تو آخر میں اس کے اندر کیا بچتا ہے۔"

وہ پل بھر کو رکی، پھر بولی۔ "یا یہ کہ کچھ لوگ ٹوٹنے کے بعد خاموش کیوں ہو جاتے ہیں وہ خوشی کو دوسروں کی مانند محسوس کیوں نہیں کر پاتے۔"

دانیال اس بار کچھ نہ کہہ سکا۔

"تم ہر اس چیز کے پیچھے چلے جاتے ہو جو تمہیں سمجھ نہ آئے؟"

دانیال نے پہلی بار محسوس کیا کہ اس سوال کا جواب دینا اتنا آسان نہیں تھا۔

"شاید۔"

وہ مسکرائی۔ "اچھا ہے۔"

دانیال نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"""ورنہ تم آج یہاں نہ ہوتے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی شام دانیال کے موبائل پر صرف لوکیشن اور ایک مختصر سا پیغام آیا۔

مغرب کے بعد آنا۔

جب روشنی چیزوں کو چھپانا چھوڑ دیتی ہے۔

آنے سے پہلے کوئی خبر نہ دینا۔

اس دنیا میں بہت کم چیزیں ایسی ہیں جو مجھے چونکانے کی صلاحیت رکھتی ہوں، زیادہ تر وقت تو بوریت میں گزرتا ہے۔

پیغام پڑھ کر کچھ دیر وہ یونہی بیٹھا رہا۔

مقررہ وقت پر وہ شہر کے پرانے قبرستان کے سامنے کھڑا تھا۔

سوکھے پتوں سے ڈھکی تنگ روش پر ہلکی ہوا سرسراتی گزر رہی تھی۔

شام کی آخری روشنی مٹی میں اتر رہی تھی اور قبروں کے درمیان پھیلا نیم اندھیرا ہر چیز کو پہلے سے زیادہ گہرا بنا رہا تھا۔

دور کہیں درختوں کی سوکھی شاخیں آپس میں رگڑ کھا رہی تھیں۔

چند قدم اندر آتے ہی وہ رک گیا۔

وہ ایک پرانی قبر کے سرہانے کھڑی تھی۔

سرخ اور سیاہ کے امتزاج والا لباس، سیاہ دوپٹہ، ہوا میں ہلتے بال، اور ہاتھ میں وہی شیشے کا جار۔

اس منظر نے دانیال کو چند لمحوں کے لیے وہیں ساکت کر دیا۔

پھر وہ قریب آیا۔ "تم نے یہاں بلایا ہے؟"

وہ قبر سے نظریں ہٹائے بغیر بولی۔ "زندہ لوگ شور بہت کرتے ہیں، مردے بہتر سامع ہوتے ہیں۔"

"تم یہاں اکیلی آئی ہو؟"

"بھائی چھوڑ کر گیا ہے، وہ جانتا ہے مجھے یہاں اکیلے وقت گزارنا پسند ہے۔"

پھر پہلی بار اس نے دانیال کی طرف دیکھا۔ "ہم قبرستان میں خود کو محفوظ کیوں سمجھتے ہیں، دانیال؟"

اس سوال پر وہ کیا کہتا۔

وہ خود ہی بولی۔ "شاید اس لیے کہ دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دشمن پر بھی قبرستان میں حملہ کریں۔ یہاں آکر زندہ لوگ بھی کچھ دیر کے لیے تہذیب اوڑھ لیتے ہیں۔"

دانیال کے جسم میں ایک ہلکی سی سنسنی دوڑ گئی مگر نظریں اس کے چہرے سے نہ ہٹ سکیں۔

وہ آہستگی سے قبر کے قریب جھکی۔ "یہ میری پھپھو کی قبر ہے۔"

دانیال نے قبر کی طرف دیکھا پھر اسے۔

"تم اکثر آتی ہو یہاں؟"

"کبھی کبھی۔ جب زندہ لوگوں سے دل بھر جائے۔"

اس نے جار کا ڈھکن کھولا۔

اندر مردہ رنگین تتلیاں تھیں۔

اس نے ایک ایک کر کے وہ تتلیاں قبر پر رکھنا شروع کر دیں۔

دانیال حیرت سے بولا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟"

"انہیں خوبصورت چیزیں پسند تھیں۔"

"کسے؟"

"میری پھپھو کو۔"

وہ قبر کے کتبے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ "بہت خوبصورت تھیں۔ لوگ کہتے تھے جب تک زندہ رہیں، اداس رہیں۔"

دانیال خاموشی سے سنتا رہا۔

"ایک شخص سے محبت کی تھی، مگر گھر والے نہیں مانے۔ اس کی شادی کہیں اور ہو گئی۔"

ہوا ذرا تیز ہوئی تو اس کے دوپٹے کا کنارا قبر سے چھو کر گزرا۔

وہ مدھم آواز میں بولی۔ "ہر شام آئینے کے سامنے تیار ہوا کرتیں، مگر کہیں جاتی نہیں تھیں۔"

کچھ پل بنا کچھ کہے بیت گئے۔

"پھر ایک دن سوئیں اور اداسی سے چھٹکارا پایا۔"

دانیال کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ "تم یہ بات ایسے کیسے کہہ سکتی ہو؟"

اس نے سیدھا دانیال کی آنکھوں میں دیکھا۔ "سب کہتے تھے وہ دل ٹوٹنے سے مریں۔ مجھے لگا وہ زندگی سے بور ہو گئی تھیں۔"

دانیال کو سمجھ نہ آئی جواب میں کیا کہے۔

اس نے بات "کیونکہ کچھ لوگ مرتے نہیں۔۔۔ وہ صرف یہاں رہنا چھوڑ دیتے ہیں۔" جاری رکھی۔

پھر وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گئی، دانیال کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں کچھ دیر یونہی بیٹھے رہے پھر اس نے اچانک دانیال کا ہاتھ پکڑ کر قبر پر رکھ دیا۔

"محسوس کرو۔ کچھ جگہیں خالی نہیں ہوتیں۔"

دانیال نے قبر کی ٹھنڈی مٹی کے نیچے عجیب سی نمی محسوس کی۔

وہ بالآخر پوچھ بیٹھا۔ "تمہیں موت سے ڈر نہیں لگتا؟"

"نہیں، مجھے صرف عام زندگی کی یکسانیت سے خوف آتا ہے۔"

پھر اس نے جار دوبارہ ہاتھ میں لیا اور قبرستان کی مختلف قبروں کے پاس جا کر ہر قبر سے ذرا سی مٹی اٹھا کر جار میں ڈالنے لگی۔

دانیال بمشکل بول پایا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟ کہیں گورکن نے دیکھ لیا تو؟"

وہ بغیر گھبرائے اگلی قبر سے مٹی اٹھاتے ہوئے بولی۔ "جتنی تتلیاں تھیں اتنی ہی قبروں سے مٹی لینی ہے۔"

"کیوں؟"

"ہر قبر کی مٹی الگ ہوتی ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں ان میں فرق واقعی ہوتا ہے یا لوگ بس کہانیاں بناتے ہیں۔"

وہ رک کر اس کی طرف مڑی۔

"تم جانتے ہو کبھی انسان کی کھال سے بھی کتابوں کی جلد بنائی جاتی تھی۔ اسے انتھروپوڈرمک بائبلوپیجی کہتے ہیں۔" وہ قریب آئی۔ "شاید مسئلہ یہ نہیں کہ کیا محفوظ رکھا گیا۔۔۔ مسئلہ یہ ہے کہ کس قیمت پر رکھا گیا۔"

پھر اس نے جار بند کیا۔

میں صرف یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ یادیں کس چیز میں زیادہ دیر زندہ رہتی ہیں۔ کاغذ، مٹی،"

"یا کسی دوسرے کے ذہن میں۔

ہوا پھر سے چلی۔

سوکھے پتے قبروں کے درمیان سرسرائے۔

دانیال پہلی بار محسوس کر رہا تھا کہ آج اس لڑکی کی کشش میں عجیب طور پر کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلے دن چھٹی کے وقت جب دانیال حسبِ معمول کالج کے باہر نکلا تو وہ گیٹ سے ذرا ہٹ کر کھڑی دکھائی دی۔

چہرے پر ایسی چمک تھی جیسے آج اس کے ذہن میں کوئی نئی بات ہو۔

اسے دیکھتے ہی وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

"میں تمہیں ایک خاص جگہ لے جانا چاہتی ہوں۔"

دانیال نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کہاں؟"

وہ مسکرائی۔ "اگر ابھی بتا دیا تو تم آنے سے پہلے ہی انکار کر دو گے۔"

"اتنی خطرناک جگہ ہے؟"

"خطرناک نہیں۔" وہ ذرا قریب آ کر بولی۔ "دلچسپ۔"

دانیال نے بے اختیار پوچھا۔ "کب؟"

"آج شام۔"

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "اپنے بھائی کی بائیک لے کر آنا۔"

دانیال نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ "وہ مجھے آسانی سے بائیک نہیں دیتا۔"

"تو کسی ضروری کام کا کہہ دینا۔"

"تم مجھے جھوٹ بولنے کو کہہ رہی ہو؟"

اس کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک ابھری۔ "جھوٹ بولنا اکثر بہت فائدہ دیتا ہے۔"

"مثلاً؟"

وہ انگلیوں پر گنوانے لگی۔

"لوگ سچ سن کر تم سے محتاط ہو جاتے ہیں۔" پھر دوسری انگلی اٹھائی۔ "جھوٹ انسان کو وہاں پہنچا دیتا ہے جہاں وہ سچ کے ساتھ کبھی نہیں پہنچ سکتا۔" تیسری انگلی اٹھاتے ہوئے وہ مدھم آواز میں بولی۔ "اور بعض اوقات ایک چھوٹا سا جھوٹ کسی بہت خوبصورت لمحے کو ضائع ہونے سے بچا لیتا ہے۔"

دانیال چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ "تمہاری باتیں اسقدر انوکھی کیوں ہوتی ہیں؟"

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ "میری ہر بات میں ایک ٹیڑھ پن ہے۔"

شام کو وہ واقعی اپنے بھائی کی بائیک لے آیا۔

"اب بتاؤ کہاں جانا ہے؟"

وہ پیچھے بیٹھتے ہوئے اس کے کان کے قریب جھکی۔ "ہسپتال کے مردہ خانے۔"

دانیال کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ "کیا؟"

وہ بالکل سنجیدہ تھی۔ "بائیک موڑو۔"

"ہم وہاں کیوں جا رہے ہیں؟"

"کیونکہ زندہ لوگوں کے چہرے اکثر جھوٹ بولتے ہیں، مردوں کے نہیں۔"

ہسپتال کے احاطے میں داخل ہوتے وقت دانیال نے محسوس کیا کہ وہ معمول سے زیادہ پر اعتماد تھی۔

مردہ خانے کے پچھلے حصے کے قریب ایک درمیانی عمر کا وارڈ اسسٹنٹ پہلے سے کھڑا تھا۔

اس نے انہیں دیکھتے ہی سر ہلایا۔ "میڈم، ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا آپ آئیں گی۔"

دانیال نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تم نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا؟"

ابو میرے سوالوں سے بچنے کے لیے لوگوں کو ہدایت دے دیتے ہیں کہ مجھے اندر آنے "

"دیا جائے۔

وہ آدمی انہیں اندر لے گیا۔

ٹھنڈی راہداری میں تیز جراثیم کش دوا کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

سفید دیواریں، بند دروازے، اور اندر پھیلی غیر معمولی خاموشی جگہ کو اور سرد بنا رہی تھی۔

اسسٹنٹ نے ایک دروازے کے سامنے رک کر کہا۔ "صرف پانچ منٹ۔ اور کسی چیز کو چھیڑنا نہیں۔"

وہ پہلی بار مسکرائی۔ "میں وعدہ نہیں کرتی، مگر کوشش کروں گی۔"

اسسٹنٹ نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا مگر دروازہ کھول دیا۔

اندر دھات کی میزوں والا ٹھنڈا کمرہ تھا۔

ایک میز پر سفید چادر میں ڈھکا جسم رکھا تھا۔

وہ آہستگی سے آگے بڑھی۔

دانیال وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

اس نے چادر کے کنارے سے صرف ہاتھ کا حصہ کھولا۔

پھر اپنی انگلیاں مردہ کلائی پر رکھ دیں۔

دانیال بے اختیار بولا۔ "کیا کر رہی ہو؟"

وہ پوری توجہ سے بولی۔ "موت کے بعد جسم فوراً ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ حرارت آہستہ آہستہ ختم ہوتی ہے۔۔۔ جیسے جسم کچھ دیر تک زندگی کا اثر چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو۔"

پھر اس نے دانیال کی انگلیاں کلائی پر رکھ دیں۔

"محسوس کرو۔"

دانیال کے ہاتھ میں برف جیسی ٹھنڈک اتر گئی۔

وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "انیسویں صدی میں بڑے شہروں میں مردہ خانے الگ عمارتوں کی صورت اختیار کرنے لگے۔ اس سے پہلے بہت سے لوگ اپنے مردوں کو گھروں میں رکھتے تھے، شاید اس لیے کہ زندہ لوگ اپنی کمزوری کم دیکھ سکیں۔"

دانیال نظریں اس کے چہرے پر جمائے بولا۔ "تمہیں اتنا سب کیسے معلوم ہوتا ہے؟"

اس نے بغیر پلک جھپکائے اسے دیکھا۔ "بس جن چیزوں میں دلچسپی ہو، ان کے بارے میں جان لیتی ہوں۔"

دانیال نے آہستہ سے پوچھا۔ "اور تمہیں کیا بات تجسس میں مبتلا کرتی ہے؟"

وہ مردہ ہاتھ کو دوبارہ چادر کے اندر رکھتے ہوئے مدھم سا مسکرائی۔ "وہ لمحہ۔۔۔ جب کوئی شے زندہ سے بے جان بن جاتی ہے، لیکن پھر بھی دیکھنے والے کو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔"

دانیال خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

اور اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ کچھ لوگ واقعی خوف پیدا نہیں کرتے، صرف انسان کو اپنی طرف دیکھتے رہنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

میں تمہارے گھر "شام کے وقت اچانک دانیال کے موبائل پر ایک مختصر سا پیغام آیا۔

"کے باہر انتظار کر رہی ہوں۔

وہ پیغام پڑھتے ہی تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ راستے میں سامنے آتی چھوٹی بہن کو بس اتنا کہا۔ "دوست آیا ہے، اس کے ساتھ جا رہا ہوں۔"

والٹ اور موبائل وہ پہلے ہی جیب میں رکھ چکا تھا کیونکہ آج چھٹی کے وقت وہ اسے صرف اتنا کہہ گئی تھی۔ "شام کو تم مجھے نہیں، میں تمہیں لینے آؤں گی۔"

اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی وہ وہاں سے پلٹ گئی تھی۔

باہر نکلتے ہی اس کی پہلی نظر بائیک پر پڑی، دوسری اس لڑکی پر۔

وہ ہیلمٹ ہاتھوں میں تھامے اسی کی منتظر کھڑی تھی۔

"تم۔۔۔ یہ۔۔۔" وہ بے اختیار ہکلایا۔

وہ فوراً بولی۔ "چلو پیچھے بیٹھو، حیران راستے میں ہو لینا۔"

"لیکن۔۔۔ تمہارے گھر والے؟"

ڈیڈ نے ہی دلوائی ہے، وہ شروع سے جانتے تھے مجھے گاڑیاں نہیں پسند، عجیب قید کا" "احساس دیتی ہیں۔

راستے میں وہ پوچھے بغیر نہ رہ پایا۔

"تمہیں یہ چلانی کیسے آئی؟"

وہ ہنس دی۔ "بھائی کو رشوت دیتی تھی، وہ ڈیڈ کی غیر موجودگی میں مجھے اپنی بائیک پر سکھاتا تھا۔" ہیلمٹ کے بیچ میں سے بھی اس کی آواز واضح آ رہی تھی۔ "کبھی کبھار اپنی بائیک چلانے کو بھی دے دیا کرتا تھا۔"

"لیکن تم اسے رشوت دیتی کیا تھی؟"

"روپے اور کیا!"

"اتنے روپے تمہارے پاس آتے کہاں سے تھے؟"

"ممی کے بیگ سے نکال لیتی تھی۔"

"سچ کہہ رہی ہو؟" دانیال بے یقینی سے بولا۔

"دانیال ڈیئر، جو غلطی کوئی پکڑ ہی نہ پائے اس پر کیسی شرمندگی؟"

دن میں بارش ہوئی تھی مگر اب مطلع صاف تھا۔

چند لمحوں تک صرف ہوا کی آواز تھی اور ٹائروں کے نیچے گیلی سڑک کی سرسراہٹ۔

وہ غیر معمولی اعتماد سے بائیک چلا رہی تھی جیسے رفتار بھی اس کے قابو میں ہو اور راستہ بھی۔

اچانک اگلے موڑ کے قریب زوردار دھماکے کی آواز آئی۔

سامنے ایک گاڑی نے موٹر سائیکل کو ٹکر ماری تھی۔

اس تصادم کے نتیجے میں موٹر سائیکل والا سڑک پر گرا تھا۔

چند قدم دور اس کا جسم بے ترتیب انداز میں پڑا تھا۔

کسی عورت کی چیخ فضا میں بلند ہوئی۔

دو بندے بھاگتے ہوئے اس طرف لپکے۔

گیلی سیاہ سڑک پر خون کی ایک پتلی لکیر بہتی دکھائی دی۔

"یا اللہ!" دانیال کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "روکو۔"

اس نے ایک لمحے کو بائیک آہستہ کی۔

دانیال فوراً اترنے لگا مگر اس نے بازو پکڑ لیا۔ "رکو۔"

"وہ زخمی ہے۔"

وہ چند لمحے سڑک پر پڑے آدمی کو دیکھتی رہی پھر بالکل ہموار لہجے میں بولی۔ "ابھی زندہ ہے۔"

"تو مدد کرنی چاہیے!"

وہ اسی پر سکون انداز میں بولی۔ "دو منٹ میں دس لوگ کر دیں گے۔"

دانیال نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

وہ ذرا سا آگے جھکی اور دور پڑے زخمی آدمی کو غور سے دیکھنے لگی، اب وہ دو اجنبی اسے سنبھال رہے تھے۔ ایک بندہ گاڑی والے سے بات کر رہا تھا۔ "انسان کو مرتے ہوئے دیکھو تو سب سے پہلے چہرہ بدلتا ہے۔"

دانیال نے الجھ کر پوچھا۔ "کیا؟"

"درد سے نہیں۔۔۔"

نظریں اسی آدمی پر رکھتے ہوئے کہا۔ "حیرت سے۔"

دانیال کے لب ہلے۔ "حیرت؟"

"جیسے آخری لمحے میں اسے یقین ہی نہ آرہا ہو کہ اس بار واقعی اس کے ساتھ ہوا ہے۔"

دانیال خاموش رہ گیا۔

اسے شدت سے محسوس ہوا کہ وہ غمزدہ تھی، خوفزدہ، نہ پریشان۔

وہ صرف دیکھ رہی تھی۔

جیسے کسی انسان کو نہیں، ایک لمحے کو دیکھ رہی ہو۔

اسی لڑکی کی خوبصورتی میں پہلی بار اسے کچھ ایسا محسوس ہوا جو خوبصورت کم اور غیر معمولی زیادہ تھا۔

دور کہیں سے ایمبولینس کی آواز ابھری۔

"چلو، اب سب لوگ زندہ ہونے کا ڈرامہ شروع کر دیں گے۔" اس نے بائیک کی رفتار بڑھائی، وہی بائیک جس کا انجن بھی اس دوران بند نہیں کیا گیا تھا۔

دانیال جواب میں کچھ نہ بولا۔

جانے اسے کس بات کا زیادہ صدمہ لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

فجر کے بعد کا پہر تھا جب شہر کی زیادہ تر سڑکیں ابھی نیند اور خاموشی کے درمیان معلق دکھائی دیتی تھیں۔

دانیال اس کی بائیک کے پیچھے بیٹھا تھا اور ٹھنڈی ہوا کے باوجود اس کے کانوں میں پچھلی رات کی گفتگو اب تک گونج رہی تھی۔

اب اسے خود سے یہ جھوٹ بولنا بھی ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ صرف متجسس ہے۔

وہ جان چکا تھا کہ وہ اس لڑکی کی محبت میں مبتلا ہو چکا ہے۔

حالانکہ وہ کبھی دن میں یا رات گئے اسے فون نہیں کرتی تھی۔

مگر گزشتہ رات نا صرف اس نے خود کال کی تھی بلکہ غیر معمولی دیر تک بات بھی کرتی رہی تھی۔اس کے لہجے میں ایک عجیب سا جوش نمایاں تھا۔

تمہیں ایسی عمارتوں کی خاموشی سننے میں دلچسپی ہے جنہیں لوگوں کی موجودگی ناقابل"

"برداشت بنادیتی ہو؟

دانیال ہمیشہ کی طرح کچھ دیر چپ رہا کیونکہ اکثر اسے محسوس ہوتا تھا یہ لڑکی کوئی دوسری زبان بولتی ہے جسے وہ بروقت سمجھ نہیں پاتا۔

"تم کن مقامات کی بات کر رہی ہو؟"

وہ ہلکے سے ہنسی۔ "جیسے تمہارا کالج۔۔۔ یا میرا۔"

دانیال نے الجھ کر پوچھا۔ "تم کرنا کیا چاہتی ہو؟"

"پہلے بتادیا تو کہیں انکار نہ کردو۔"

وہ اب اسے کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا۔ "وہاں چوبیس گھنٹے گارڈ ہوتے ہیں، دن اور رات کے الگ۔"

وہ یوں بولی جیسے یہ کوئی معمولی بات ہو۔ "بس؟"

دانیال کے دل کی دھڑکن معمول سے تیز ہو گئی تھی کیونکہ وہ اسے کھونا بھی نہیں چاہتا تھا۔

آخر کار اس نے ہار مانتے ہوئے پوچھا۔ "اچھا بتاؤ، پلان کیا ہے؟"

وہ آہستہ سے بولی۔ "جگہ خاص ہو تو وقت بھی عام نہیں ہونا چاہیے۔ سورج طلوع ہونے سے بہت پہلے جائیں گے۔"

دانیال نے فوراً کہا۔ "لیکن وہاں جو پہرہ رہتا ہے اس کا کیا کریں گے؟"

اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے سب پہلے سے سوچ رکھا ہو۔ "پچھلی دیوار سے جائیں گے، وہی جہاں جھاڑیاں ہیں۔"

دانیال چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "یعنی تمہارا کالج؟" لڑکیوں کے کالج کا خیال آتے ہی اس کے لہجے میں ہچکچاہٹ آ گئی۔ "وہاں پکڑے گئے تو سزا زیادہ سخت ہو سکتی ہے اور۔۔۔"

وہ اکتا کر بولی۔ "جانا ہے یا نہیں؟"

وہ بھلا انکار کیسے کرتا۔

فجر کا اندھیرا ابھی نہیں چھٹا تھا کہ وہ دونوں لڑکیوں کے کالج کی پچھلی سڑک پر پہنچ گئے، جہاں سنسانی کچھ زیادہ ہی گہری محسوس ہو رہی تھی۔

اونچی دیوار کے ساتھ اگے جنگلی پودے ہوا کے ساتھ ہل رہے تھے۔

دانیال نے بائیک بند کی اور سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ "سنا تھا پچھلے سال انہی جھاڑیوں میں کسی لڑکی نے سانپ دیکھا تھا۔"

وہ صرف کندھے اچکا کر رہ گئی۔

بعض اوقات وہ سوالوں کے جواب یونہی ادھورے دیا کرتی تھی۔

دانیال نے بائیک کو دیوار کے ساتھ سہارا دے کر کھڑا کیا اور دیوار کے ساتھ جھک گیا تاکہ وہ اس کے کندھوں پر چڑھ سکے۔

وہ بے جھجھک اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر اوپر چڑھی۔

چند لمحوں بعد وہ دیوار کے دوسری طرف تھی۔

دانیال نیچے کھڑا اندھیرے میں اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔

چند لمحوں بعد دیوار کے اوپر سے ایک ٹوٹی ہوئی کرسی نمودار ہوئی۔

"پکڑو۔"

دانیال نے کرسی سنبھالی اور جیسے تیسے اسے دیوار کے ساتھ جما دیا۔

پھر احتیاط سے اس پر چڑھا اور اگلے ہی لمحے دیوار کے دوسرے پار اتر گیا۔

جب وہ اس پار اترا تو وہ سامنے منتظر ملی۔ "تمہیں یہاں دیکھنا کیا ہے؟"

وہ اس سے دو قدم آگے چل رہی تھی۔ "ویرانگی۔"

"اس کے لیے قبرستان کم لگا تمہیں؟"

اس نے مڑ کر دانیال کو دیکھا۔ "ہر جگہ اپنے اندر ویرانگی کے لمحات رکھتی ہے، کچھ بھی مکمل آباد نہیں رہتا۔"

وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ "ایسی باتوں سے ڈرنا چاہیے، لیکن تمہارے منہ سے نکلتی ہیں تو بری نہیں لگتیں۔"

دانیال نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو اس نے عجیب نظروں سے دونوں کے ہاتھوں کو

دیکھا، پھر اس کی طرف نظریں اٹھا کر بولی۔ "وہاں چلتے ہیں جہاں کیمرے نہیں، اور جہاں ہیں ان کا بلائنڈ اسپاٹ بھی مجھے پتہ ہے، بس میرے پیچھے چلو۔"

"لیکن ہم کریں گے کیا؟"

کچھ توڑ پھوڑ۔۔۔ کچھ ایسا جسے لے کر کل سب پریشان ہوں اور صرف ہم دونوں جانتے "ہوں کہ سچ کیا ہے۔"

عقبی گراؤنڈ ختم ہوتے ہی چند لیبارٹریاں شروع ہو گئیں۔

وہاں واقعی کوئی کیمرہ نہیں تھا، مگر جیسے ہی وہ دونوں وہاں سے گزرتے ہوئے مرکزی عمارت کی طرف بڑھے، اچانک بھاگتے قدموں کی بازگشت سنائی دی۔

چند آوازیں اب واضح ہو کر ان کے کانوں تک پہنچیں۔

"ابھی یہیں ہوں گے، بچنے نہ پائیں۔"

اس نے تیزی سے مڑ کر دانیال کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں پہلی بار خطرے کی چمک ابھری۔ "انہیں پتہ چل گیا ہے، بھاگو۔"

وہ دونوں اسی سمت دوڑے جدھر سے آئے تھے۔

جب تک دیوار کے قریب پہنچے، دور سے گارڈز اس طرف بڑھتے دکھائی دینے لگے۔

وہ دیوار کے پاس رک کر سپاٹ لہجے میں بولی۔ "ہمیں اتنی دور سے پہچان نہیں پائیں گے، لیکن جان تو گئے۔"

دانیال کو حیرت ہوئی کہ اس لڑکی کی آواز میں اب بھی گھبراہٹ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

نہ سانس بکھری ہوئی تھی، نہ چہرے پر خوف تھا۔

دیوار کے دوسری طرف رکھی ہوئی کرسی پھر ان کے کام آئی۔

پہلے وہ پھرتی سے اتری، پھر دانیال بھی کسی نہ کسی طرح نیچے آ گیا۔

بائیک تک پہنچتے ہی دونوں نے ہیلمٹ پہنے۔

اس نے انجن سٹارٹ کرتے ہوئے سر موڑا۔ "خاصی فلمی صورتحال ہے، آر یو ایکسائٹڈ؟"

آخری لفظ اس نے تقریباً نعرہ لگا کر کہا اور اگلے ہی لمحے بائیک ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

رفتار اتنی تیزی سے بڑھی کہ سوئی آخری ہندسوں کو چھونے لگی۔

دانیال نے گھبرا کر اسے مضبوطی سے تھام لیا، مگر وہ کسی اور ہی دنیا میں تھی۔
ہوا میں اس کی آواز تحلیل ہو رہی تھی اور وہ ہلکے سرور میں گنگنا رہی تھی۔

آگے ایک خطرناک موڑ آیا جہاں اتنی رفتار میں مڑنا تقریباً ناممکن لگ رہا تھا۔
دانیال کی آواز بے اختیار بلند ہوئی۔ "روکو، ہم سلپ ہو جائیں گے۔۔۔ بریک لگاؤ!"

اس نے دانیال کی چیخوں پر ذرا بھی ردعمل نہ دیا۔
اس کی نظریں سڑک پر جمی تھیں، پلکیں تک نہیں جھپکیں۔

اگلے ہی لمحے اس نے نہایت مہارت سے ہینڈل موڑا۔
ٹائروں کے سڑک سے رگڑ کھانے کی خوفناک آواز ابھری اور بائیک کنارے سے بال برابر فاصلے سے بچتی ہوئی موڑ کاٹ گئی۔

رفتار کم کیے بغیر اس نے ذرا سا چہرہ اس کی طرف موڑا۔ "تم اتنا شور کیوں مچاتے ہو دانیال؟ موت تو ایک سیکنڈ کا فیصلہ ہے، اس میں اتنی چیخ و پکار کی گنجائش کہاں ہوتی ہے۔"

دانیال ہانپتے ہوئے بولا۔ "تم پاگل ہو، ہم ابھی مر سکتے تھے۔۔۔ تمہاری دھڑکن نہیں بڑھی کیا؟"

اس نے ایک لمبی سانس خارج کی، پھر نظریں سامنے سڑک پر رکھتے ہوئے اپنی ایک کلائی اس کے قریب کر دی۔ "محسوس کرو، سب نارمل ہے۔ سب لوگ ایسے وقت میں گھبرا کیوں جاتے ہیں؟، مجھے صرف تجسس ہوتا ہے کہ اگلے لمحے کیا ہو گا۔"

پھر ایک لمحہ رک کر وہ بولی۔ "اور سچ تو یہ ہے۔۔۔ خوف انسان کے چہرے بدل دیتا ہے، تمہارا بھی بدل گیا۔"

دانیال کو لگا وہ کسی ایسی لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہے جو خطرے سے بچنے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔

خطرے کو جیتی تھی۔

اور شاید اس لمحے وہ خود بھی اس کے کسی خاموش تجربے کا حصہ بن چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

مارگلہ کی چوٹی پر رات کی ہوا غیر معمولی حد تک صاف تھی اور نیچے شہر کی روشنیاں یوں پھیلی تھیں جیسے زمین پر کسی نے ٹوٹے ہوئے ستارے بکھیر دیے ہوں۔

دانیال دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ٹکائے نیچے جگمگاتے شہر کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں اپنے ہی گھر میں اضافی تھا۔"

وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ "اضافی؟"

دانیال مسکرایا مگر اس مسکراہٹ میں تھکن تھی۔ "میرا بڑا بھائی پہلی اولاد تھا، سب کی توجہ ہمیشہ اس پر رہی، پھر میری بہن آئی تو دو بیٹوں کے بعد پہلی بیٹی ہونے کی وجہ سے وہ سب کی جان بن گئی۔"

وہ نظریں اس کے چہرے پر جمائے دھیمے لہجے میں بولی۔ "اور تم درمیان میں رہ گئے۔"

"ہاں، بالکل درمیان میں، جیسے گھر میں میری جگہ تھی مگر اہمیت نہیں۔"

وہ نرمی سے بولی۔ "منجھلے بچوں کے ساتھ اکثر یہی ہوتا ہے، دکھائی نہ دینے کا احساس نمایاں رہتا ہے۔ میری ایک کزن ہے اس نے بھی ایک بار ایسا ہی کچھ کہا تھا۔"

"حیرت ہے میرا دوست میری یہ بات نہیں سمجھ پایا لیکن تم اس کی گہرائی میں اتریں۔"

"اس کا ردعمل کیا تھا؟"

"والدین کے بارے میں اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔۔۔وہ تو سبھی بچوں سے پیار کرتے ہیں۔بس،ایسی باتیں۔"

"اب کیاانسان منفی سوچوں کو کہیں دور چھوڑ آئے؟"وہ اس کی جانب رخ کیے بولی۔"یا پھر یوں ظاہر کرے کہ وہ صرف مثبت کا مجموعہ ہے؟"

دانیال پہلی بار اس لڑکی کو صرف پر کشش نہیں بلکہ خطرناک حد تک قریب محسوس کرنے لگا۔

وہ نیچے شہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔"سب کہتے ہیں اندھیرے میں ٹمٹماتی روشنیاں بھلی لگتی ہیں،کوئی اندھیرے کی بات کیوں نہیں کرتا۔"

دانیال نے اسے تعجب سے دیکھا۔"کیا مطلب ہے تمہارا؟تمہیں اندھیرا پسند ہے؟"

وہ سر ہلا کر بولی۔"اندھیرے کے بغیر روشنی کہاں جاتی؟"

دانیال کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا جیسے اس کے لفظ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔"تم عجیب باتیں کرتی ہو۔"

"تمہیں معلوم ہے تمہارا مسئلہ کیا ہے؟"

دانیال نے بے اختیار پوچھا۔ "کیا؟"

"تم اس شخص سے بندھ جاتے ہو جو تمہیں تھوڑا سا بھی سمجھ لے۔"

دانیال کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ "اور تمہیں کیا لگتا ہے؟"

"تمہیں شاید ابھی تک یہ احساس بھی نہیں کہ تم مجھ سے کیوں ملتے ہو۔"

دانیال نے دھیمی آواز میں پوچھا، جیسے جواب سننے سے ڈرتا ہو۔ "کیوں؟"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔ "کیونکہ میں پہلی ہوں جس کے سامنے تم اچھا بننے کی کوشش نہیں کرتے۔"

دانیال کچھ دیر خاموش رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "تم ہر انسان کو ایسے ہی پڑھ لیتی ہو؟"

وہ نظریں ہٹا کر بولی۔ "نہیں، ہر انسان پڑھنے کے قابل نہیں ہوتا۔"

وہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور کپڑوں سے گرد جھاڑتے ہوئے بولی۔ "تمہیں گھر جانا چاہیے، بہت دیر ہو رہی ہے۔"

دانیال نے چونک کر اوپر دیکھا۔ "ابھی؟"

"ہر اچھی چیز کو تھوڑا ادھورا چھوڑ دینا چاہیے۔۔۔ ورنہ لطف نہیں رہتا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

"شام ڈھلے اسے اس کا مختصر سا پیغام ملا۔ "آج تمہیں اپنی پسندیدہ جگہ دکھاؤں گی۔"

دانیال جب ملازمہ کے ساتھ گھر کے پچھلے حصے میں پہنچا تو سامنے پرانی لکڑی کا ایک الگ سا آؤٹ ہاؤس تھا جس کی کھڑکیوں سے تیز سفید روشنی باہر گر رہی تھی۔

دروازے پر دی گئی دستک کے جواب میں اندر سے اس کی آواز آئی۔

ملازمہ وہیں سے لوٹ گئی۔

دانیال اندر داخل ہوا تو ایک لمحے کو وہیں رک گیا۔

کمرے میں پرانی لکڑی، بند ہوا اور کیمیکل کی ملی جلی بو پھیلی ہوئی تھی۔

دیواروں پر مختلف پرندوں کے پھیلے ہوئے پر، باریک ہڈیوں کے ڈھانچے اور شیشے کے فریم آویزاں تھے۔

کمرے کے عین درمیان رکھی میز پر ایک شاہین رکھا تھا جو پہلی نظر میں زندہ محسوس ہوتا

تھا مگر اس کی آنکھوں میں نصب شفاف شیشے کی چمک اس کے بے جان ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔

وہ میز پر جھکی ہوئی تھی، ہاتھوں میں باریک جراحی دستانے پہنے، اور ایک نہایت چھوٹی چمٹی سے شاہین کے پروں کو ترتیب دے رہی تھی۔ شاید اس پر ابھی کام مکمل نہیں ہوا تھا۔

اس کی توجہ ایسی تھی جیسے دنیا میں اس وقت اس کے اور اس بے جان پرندے کے سوا کچھ موجود ہی نہ ہو۔

دانیال نے دھیرے سے کہا۔ "یہ کتنا خوبصورت ہے، بالکل ایسا لگ رہا ہے جیسے ابھی اڑ جائے گا۔"

اس نے سر اٹھائے بغیر بہت ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ "خوبصورتی تب تک مکمل نہیں ہوتی دانیال، جب تک اسے ساکت نہ کر دیا جائے۔"

دانیال خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

وہ شاہین کے گرد انگلی گھماتے ہوئے بولی۔ "زندہ چیزیں بدل جاتی ہیں، دھوکہ دیتی ہیں، چھوٹ جاتی ہیں لیکن یہاں یہ ہمیشہ ویسے ہی رہتے ہیں جیسے میں چاہوں۔"

"تم یہ سب خود کرتی ہو؟"

وہ پہلی بار اس کی طرف دیکھ کر بولی۔ "ہاں، اور سب سے مشکل جسم کو محفوظ کرنا نہیں ، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی آخری موجودگی باقی رکھی جائے۔"

دانیال نے بے اختیار پوچھا۔ "آخری موجودگی؟"

"روح نہیں، وہ آخری کیفیت جو مرنے سے ذرا پہلے آنکھوں میں ٹھہرتی ہے۔"

دانیال کے جسم میں ایک ہلکی سی سنسنی دوڑ گئی مگر نظریں اس سے نہ ہٹ سکیں۔

وہ شاہین کے پروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "میں اس کے اندر سے وہ سب نکال دیتی ہوں جو اسے مٹا سکتا ہے، اور صرف وہ رہنے دیتی ہوں جو اسے لازوال بنا دے۔

دانیال نے ارد گرد بکھرے پروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ شوق ہے یا کچھ اور؟"

شوق وہ ہوتا ہے جسے وقت گزارنے کے لیے کیا جائے، میں وقت کو بہترین انداز میں استعمال کرنے پر یقین رکھتی ہوں۔"

پھر اس نے چمٹی میز پر رکھی اور ایک ایک قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی۔

وہ اس کے اتنے قریب آ کر رکی کہ اس کی سانس دانیال کی گردن سے ٹکرانے لگیں۔

"کبھی کبھار میں سوچتی ہوں انسانوں کے ساتھ بھی ایسا ہونا چاہیے۔"

دانیال بمشکل بول پایا۔ "کیسا؟"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "ان کے اندر سے بے یقینی، جھوٹ اور شور نکال دیا جائے اور انہیں ایک ایسے لمحے میں روک دیا جائے جہاں وہ سب سے زیادہ سچے ہوں۔"

دانیال کے لب ہلے۔ "میں تمہیں کبھی سمجھ نہیں پاؤں گا۔"

"ایسے ہی لوگوں کو بھلانا مشکل ہوتا ہے۔"

پھر اس نے میز پر بکھرے پروں میں سے ایک چھوٹا سا سیاہ پر اٹھایا اور اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"یہ اپنے پاس رکھو۔"

"دانیال نے اس پر کو دیکھا پھر اسے۔ "کیوں؟"

وہ پلٹ کر دوبارہ میز کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ "میرے مشاہدے نے ثابت کیا، محبت اور فن میں ایک چیز مشترک ہے۔"

"کیا؟"

وہ شاہین کے پر درست کرتے ہوئے بولی۔ "دونوں میں انسان کسی چیز کو جیسا ہے ویسا "قبول نہیں کرتا، اسے اپنے مطلب کے مطابق محفوظ کرنا چاہتا ہے۔"

دانیال دیر تک کھڑا اس سیاہ پر کو دیکھتا رہا۔

اسے یہ صرف ایک تحفہ لگا تھا۔

اور وہ یہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ وہ اسے اپنے مجموعے کا حصہ قرار دے چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

شکر پڑیاں کے نسبتاً سنسان گوشے میں شام اس وقت شام اتر رہی تھی۔

وہ بینچ کے ایک کنارے پر بیٹھی تھی اور کھلی ہوئی کتاب پر یوں جھکی تھی جیسے واقعی پڑھ رہی ہو۔

دانیال چند لمحے خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر آخر کار اس کے سامنے آکر رک گیا۔

اس نے دبے ہوئے اضطراب سے کہا۔ "تم نے اس دن اس بے زبان جانور کے ساتھ جو کیا تھا وہ ٹھیک نہیں تھا، مجھے اب بھی وہ منظر پریشان کرتا ہے۔"

اس نے بہت آہستگی سے کتاب بند کی اور چہرہ اوپر اٹھا کر اسے ایسے دیکھا جیسے بات پوری طرح سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"دانیال، تم کس بارے میں بات کر رہے ہو؟"

"وہی کتا جو اچانک ہمارے قریب آیا تھا، تم نے اسے ٹھوکر ماری تھی۔"

اس کے ہونٹوں پر افسوس بھری مسکراہٹ آئی۔

وہ نرمی سے بولی۔ "تم تھے جس نے اسے ہٹایا تھا کیونکہ وہ میری طرف لپک رہا تھا، میں تو ڈر کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔"

دانیال کا چہرہ یکدم تن گیا۔

اس نے بے اختیار کہا۔ "کیا؟ نہیں، میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔"

وہ چند لمحے خاموش اسے دیکھتی رہی جیسے کچھ پرکھ رہی ہو۔

وہ آہستہ سے اٹھی اور اس کے قریب آ کر رک گئی۔

پھر بولی۔ "تم شاید اس وقت اتنے غصے میں تھے کہ تمہیں خود بھی یاد نہیں رہا۔"

دانیال نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ "میں ایسا کر ہی نہیں سکتا۔"

اس نے بہت پر سکون انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "تم شروع سے مجھے محفوظ رکھنا چاہتے تھے، لیکن بعض دفعہ حفاظت اور تشدد کے درمیان فرق صرف ایک لمحے کا ہوتا ہے۔"

دانیال نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "تم بات بدل رہی ہو، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔"

وہ مسکرائی جیسے اسے تسلی دینا چاہتی ہو مگر آنکھیں سنجیدہ رہیں۔

"انسان اکثر اپنی نیت یاد رکھتا ہے، عمل نہیں۔"

دانیال نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

پھر اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ "تم جھوٹ بول رہی ہو۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔"

وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھتی رہی جیسے اس کے اندر اترنا چاہتی ہو۔

تم خود کو بہت اچھا سمجھتے ہو دانیال، اسی لیے یہ ماننا تمہارے لیے مشکل ہے کہ تمہارے

"اندر بھی ایک تاریک جگہ ہے۔"

دانیال نے تلخی سے کہا۔ "اور تمہیں سب کچھ اتنے یقین سے کیسے معلوم ہوتا ہے؟"

"کیونکہ میں لوگوں کو وہیں سے دیکھتی ہوں جہاں سے وہ خود کو دیکھنے سے ڈرتے ہیں۔"

اس نے ہاتھ بڑھا کر دانیال کے ماتھے پر بکھرا ہوا بال پیچھے کیا۔

وہ سرگوشی میں بولی۔ "پریشان مت ہو، میں کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ تم اصل میں کیا ہو۔"

دانیال نے بے آواز لب ہلائے مگر کوئی لفظ نہ نکل سکا۔

"تمہارا یہ سیاہ پہلو صرف میرے پاس محفوظ ہے۔" پھر وہ بہت نرمی سے بولی۔ "یوں سمجھو جیسے ہاں۔۔۔اس کتے کو ٹھوکر میں نے ہی ماری تھی۔"

دانیال کے لیے اس لمحے سب سے زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ وہ خود اپنے اوپر یقین کھونے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام ڈھلنے کے بعد وہ اپنے پسندیدہ کیفے کے باہر رکی تو اندر سے نکلتی گرم روشنی ہمیشہ کی طرح شیشوں پر پھیل رہی تھی۔

عائزہ نے خود اسے وہاں آنے کو کہا تھا، مگر اندر قدم رکھتے ہی اسے احساس ہوا کہ آج فضا معمول سے مختلف ہے۔

وہ چند لمحے داخلی دروازے کے قریب کھڑی نظریں دوڑاتی رہی۔

نہ عائزہ سامنے تھی، نہ اپنی مخصوص میز پر کوئی جانا پہچانا چہرہ دکھائی دیا۔

اس نے پرس سے فون نکالا اور عائزہ کا نمبر ملایا۔

عائزہ نے پہلی ہی گھنٹی پر فون اٹھایا۔ اس کا لہجہ پرجوش تھا۔ "تم آ گئی؟"

اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں اندر ہوں، تم کہاں ہو؟"

"کافی شاپ کے عقبی حصے میں آؤ، جہاں نجی تقریبات ہوتی ہیں۔"

اس نے مختصر توقف کے بعد پوچھا۔ "وہاں کیوں؟"

عائزہ ہنس کر بولی۔ "آؤ، پھر بتاتی ہوں۔"

اس نے فون بند کیا اور کیفے کے پچھلے حصے کی طرف بڑھ گئی۔

جیسے ہی اس نے لکڑی کا دروازہ دھکیلا، سامنے سفید، سنہرے اور سرخ غبارے چھت سے ٹکراتے دکھائی دیے۔ دیوار کے ساتھ نرم روشنیوں میں سالگرہ مبارک کے حروف

سجے تھے۔

درمیان میں میز پر کیک رکھا تھا۔

اور اس کے قریب کھڑا دانیال اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

ایک لمحے کے لیے اس کے قدم وہیں رک گئے۔

چہرے پر کوئی واضح تاثر نہ آیا مگر انگلیاں پرس کے گرد سخت ہو گئیں۔

دانیال مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ "سالگرہ مبارک۔"

وہ بولی تو صرف اتنا۔ "تم یہاں کیسے آئے؟"

عائزہ خوش دلی سے مسکراتی ہوئی اس کے پاس آ گئی۔ "یہ سب ہم نے مل کر ترتیب دیا ہے۔"

اس کی نظریں آہستہ سے عائزہ کی طرف اٹھیں۔

پھر دانیال پر واپس آئیں۔

چند سیکنڈ کے لیے خاموشی نے تینوں کو گھیر لیا۔

دانیال نے اس خاموشی کو خوشگوار حیرت سمجھا۔

عائزہ ناسمجھی کے سے انداز میں بولی۔ "مجھے لگا تمہیں اچھا لگے گا۔"

اس نے چہرے پر مسکراہٹ لائی۔ "لوگ اکثر وہی دے دیتے ہیں جو انہیں خود خوبصورت لگتا ہے۔"

عائزہ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ "اور تمہیں؟"

اس نے ایک نظر سجی ہوئی جگہ پر ڈالی۔ "مجھے اکثر سادہ چیزیں زیادہ پسند آتی ہیں۔"

دانیال کے چہرے کی مسکراہٹ مدھم پڑ گئی۔

عائزہ نے فوراً ماحول کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"تم پہلے بیٹھو تو سہی، ہم نے اتنی محنت کی ہے۔"

وہ چند قدم اندر آئی اور میز کے قریب رک گئی۔ "محنت ہمیشہ خوبصورت نہیں لگتی، کبھی تو صرف محسوس ہوتی ہے۔"

دانیال نے اس کی طرف دیکھا جیسے وہ اس کے جملے کا مطلب تلاش کر رہا ہو۔

عائزہ کے تاثرات سے لگا جیسے وہ اس کے رد عمل کو پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

اور وہ۔۔۔

وہ سمجھ گئی تھی کہ اس شام کی سب سے دلچسپ چیز سالگرہ نہیں بلکہ یہ تھی کہ دو الگ لوگ ایک ہی خوشی کے ذریعے اس کے قریب آنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اگلے دن کالج کے راہداری میں عائزہ اس کے ساتھ چل رہی تھی جبکہ آس پاس لڑکیوں کا شور اب کم ہونے لگا تھا۔

عائزہ نے محتاط لہجے میں پوچھا۔"کل تم اچانک خاموش کیوں ہو گئی تھی؟"

اس نے بنا رکے کہا۔"میں بول رہی تھی۔"

عائزہ نے ہلکی سی الجھن سے کہا۔"کچھ تو تھا۔"

"مجھے بس یہ توقع نہیں تھی کہ تم میری کچھ باتیں کسی اور کے ساتھ بھی بانٹو گی۔"

عائزہ فوراً رک گئی۔"کون سی بات؟"

وہ اس کی طرف مڑی۔ "میرا پسندیدہ کیفے۔ سفید پھولوں سے نفرت۔ سرخ رنگ کا مطلب۔"

عائزہ نے بے یقینی سے کہا۔ "وہ سب تو دانیال نے اس لیے پوچھا کہ اس دن کو مل کر خاص بنایا جا سکے۔"

"میں نے ایک بار اسے بہت یقین سے کہا تھا کہ عائزہ کبھی کسی کو میری ذاتی پسند ناپسند نہیں بتاتی، شاید یہ اس نے چیلنج کے طور پر لیا۔" وہ وہیں رک گئی۔ "ورنہ سوچو، وہ یہ سب پوچھے بغیر بھی سالگرہ منا سکتا تھا۔"

عائزہ کے چہرے پر پہلی بار ہلکی سی بے آرامی ابھری۔

"اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"تم اسے جانتی ہی کتنا ہو؟"

اور یہی ایک جملہ عائزہ کے ذہن میں سارا دن گونجتا رہا۔

اسی شام جب وہ بائیک پر دانیال کو اس کے گھر چھوڑنے گئی تو وہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا، پھر آخر پوچھ بیٹھا۔ "تم آج عجیب تھی، کیا میں نے کچھ غلط کیا؟"

اس نے دانیال کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "غلطیاں ہمیشہ نیت سے نہیں ہوتیں۔"

دانیال نے بے چینی سے پوچھا۔ "صاف کہو۔"

"عائزہ نے کہا تم دونوں نے کافی پہلے سے یہ سب طے کیا ہوا تھا۔"

"ہاں، کیونکہ میں چاہتا تھا تم خوش ہو۔"

"اور وہ سمجھتی ہے کہ تم صرف اس لیے اتنی محنت کر رہے تھے کیونکہ اس نے کہا تھا۔"

دانیال کی پیشانی پر بل آ گئے۔ "اس نے ایسا کہا؟"

اس نے کندھے ہلائے۔ "چھوڑو، شاید میں نے ہی غلط سمجھا ہو۔"

"لیکن وہ ایسا کیوں کہے گی؟"

"میں نہیں چاہتی اس بات کو لے کر تم اس سے بدگمان ہو، رہنے دو۔"

چند دنوں بعد دونوں بدل چکے تھے۔

عائزہ اس کے سامنے دانیال کے ذکر پر محتاط ہو جاتی۔

دانیال عائزہ کی بات کرنے سے کتراتا۔

عائزہ زیادہ دیر اس کے ساتھ رکنے لگی۔

دانیال زیادہ جلدی اس تک پہنچنے لگا۔

دونوں کو لگ رہا تھا وہ اس کے قریب آ رہے ہیں۔

اور اسے معلوم تھا کہ وہ دونوں دھیرے دھیرے ایک دوسرے سے دور جا رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

دانیال نے میز کے پار گلابوں کا گلدستہ اور چھوٹا سا تحفہ اس کی طرف بڑھایا۔

وہ خاموشی سے چیزیں اس کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف میز پر رکھتی گئی اور پھر سامنے رکھی کافی کا کپ اٹھا کر گھونٹ بھرنے لگی۔

دانیال کے چہرے کی روشنی مدھم پڑ گئی۔ "تمہیں اچھا نہیں لگا؟"

وہ کپ رکھتے ہوئے بے تاثر لہجے میں بولی۔ "نہیں، اچھا ہے، مگر یہ تو سبھی ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔"

دانیال بے چین ہوا۔ "اسے خاص کیسے بنایا جا سکتا ہے؟"

اس کی نظریں ایک لمحے کے لیے بند تحفے پر ٹھہریں۔ "آج تم یہ واپس لے جاؤ۔"

دانیال چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ "واپس؟"

وہ آہستہ سے سر ہلا کر بولی۔ "میں ایک ماہ بعد تم سے لوں گی۔۔۔ جو تم نے ٹیسٹ پاس کر لیا۔"

دانیال نے بے یقینی سے پوچھا۔ "کیسا ٹیسٹ؟"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "پہلے ایک بہت سیدھے سوال کا جواب دو۔"

دانیال نے بے اختیار اپنی انگلیاں آپس میں پھنسا لیں۔ "کیا؟"

"تم نے یہ سب کیوں کیا؟"

دانیال کے چہرے پر حرارت دوڑ گئی اور اس نے نظریں جھکا لیں۔

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولی۔ "گلاب، تحفہ، اور کیفے کی ملاقات، وہ بھی اس دن جب لوگ محبت کو لفظوں سے اعمال میں بدل لیتے ہیں۔"

دانیال کے لب خشک ہو گئے۔ "وہ۔۔۔ میں۔۔۔"

وہ نرم مگر قطعی لہجے میں بولی۔ "پلیز دانیال، آج صرف سچ چلے گا۔"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

پھر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "اس دن سے۔۔۔ جب میں نے تمہیں بارش میں بھیگتے ہوئے، اکیلے کھڑے دیکھا تھا۔"

دانیال نے یہ محسوس نہیں کیا کہ اس کے سامنے موجود چہرے پر کوئی واضح تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"تم کل سے روز میرے کالج کے باہر کھڑے ہو کر میرا انتظار کرو گے۔"

دانیال کو دھچکا لگا۔ "روز؟ لیکن گارڈز مجھے وہاں رکنے نہیں دیں گے۔" دانیال نے جیسے اسے یاد دلایا۔ "ہم تو ویسے بھی مشکل سے چند سیکنڈ کو وہاں ملتے ہیں۔"

"میں کہہ دوں گی تم میرے کزن ہو۔"

"لیکن۔۔۔"

وہ میز پر رکھے گلدستے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔"صرف ایک ماہ کی بات ہے۔ پھر تم یہی گلدستہ اور تحفہ دوبارہ لاؤ گے، تب شاید یہ سب معنی رکھے گا۔۔"

دانیال اسے دیکھتا رہ گیا۔

"بس یہی تھی تمہاری محبت؟"

☆☆☆☆☆☆☆

کچھ ہی دیر میں چھٹی ہونے والی تھی۔

عائزہ نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے پوچھا۔"آج بھی وہ آئے گا؟"

وہ میز سے ٹیک لگائے ہلکا سا مسکرائی۔"بھئی آج مہینے کا آخری دن ہے، تم اتنا کیوں ڈر رہی ہو؟"

عائزہ نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔ "تمہاری جیت سے بھلا میں کیوں خوفزدہ ہوں گی؟" عائزہ نے مصنوعی اعتماد سے کہا۔ "میں پوری طرح تیار ہوں، آج بھی وہ اسی طرح موجود ہوا تو جو کہو گی ملے گا۔"

وہ آہستہ سے "ہمم" کہہ کر خاموش ہو گئی۔

عائزہ نے قدرے الجھ کر کہا۔ "تم روپے بھی مانگ سکتی ہو۔"

"شرط جیتنے پر ایسی چیز مانگی جاتی ہے جس کی کمی ہو۔"

"تمہیں کیا چاہیے؟"

"ابھی نہیں، جب تمہارے پاس کچھ ایسا ہوا جو مانگنے کے لائق ہو، مانگ لوں گی۔"

دونوں ساتھ گیٹ سے باہر نکلیں تو دانیال ہمیشہ کی طرح اسی جگہ کھڑا تھا۔

"میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گی، تمہارا راز میرے پاس محفوظ ہے۔" عائزہ نے تسلی دی۔

وہ ہلکے سے ہنس دی۔ "اس کا اب میں نے کیا کرنا؟"

"اچھا لڑکا ہے، دیوانہ ہے تمہارا۔"

اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔ "میرے کسی کام کا نہیں۔"

دانیال ان دونوں کے قریب آ کر رک گیا۔

"تم سے بات کرنی تھی۔"

"رات کو کر لینا۔"

دانیال نے جیسے کچھ اور کہنا چاہا مگر وہ عائزہ کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

اسی رات دانیال نے اسے کال کی۔

"میں تمہیں کل وہ تحفہ دینا چاہتا ہوں۔"

"دانیال، تمہارے جذبات یک طرفہ ہیں، مجھے اس سب میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا، تم بھی مجھے اتنی ہی۔۔۔"

وہ اس کی بات کاٹ کر بہت پر سکون لہجے میں بولی۔"تمہیں لگتا ہے مجھے کسی سے محبت ہو سکتی ہے؟"

دانیال کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلے کئی دن دانیال اسے اپنے آس پاس دکھائی دیا۔

کالج کے باہر۔

کبھی گھر کے۔

اسے کوفت ہونے لگی۔

ایک دن شام میں ملازمہ اس کے پاس آئی۔ "دانیال صاحب آئے ہیں، نیچے ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"کہہ دو، مجھے نہیں ملنا۔"

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی اس کا کروں تو کیا!" اگلے دن بریک میں اس نے عائزہ کے سامنے اپنا مسئلہ رکھا۔

"سنا ہے اس کی تعلیم بھی متاثر ہونے لگی ہے۔"

"لوگ اپنے جذبات کے ہاتھوں ہی ذلیل ہوا کرتے ہیں۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

"تم جس سے عاری ہو، اسے نہیں سمجھ سکتی۔" عائزہ نے افسردگی سے سر ہلایا تھا۔

"اب یہ ہمارے گھر آیا تو اچھا نہیں ہو گا۔"

پھر واقعی برا ہوا۔

"بیٹا، یہ دانیال کا کیا چکر ہے۔" اگلی شام ڈیڈ اس کے بیڈ کے کونے پر بیٹھے پوچھ رہے تھے۔ "ملازمہ کہتی ہے تم اس سے ملنا نہیں چاہتی، آج بھی وہ آیا ہوا ہے۔"

"ڈیڈ۔" وہ کھسکتی ہوئی ان کے قریب ہوئی۔ "میری اس سے دوستی ہوئی تھی، معصوم ، بے ضرر۔" اس نے آنکھوں میں دنیا جہان کی مظلومیت بھرتے ہوئے کہا۔ "شاید میں نے ہی غلط امید لگائی، ایک لڑکے سے بنا کسی غرض کے رشتہ جوڑنا چاہا۔"

انہوں نے آنکھیں سکوڑیں۔ "کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"ابھی ہماری عمر ہی کیا ہے۔" اس نے باپ کے ماتھے پر چڑھتے بل دیکھ کر بات آگے بڑھائی۔ "وہ رومانوی باتیں کرنے لگا ہے اور میں اسے وہ نہیں دے سکتی جو وہ چاہتا ہے۔"

وہ غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ڈیڈ۔"اس نے سر اٹھا کر باپ کو دیکھا۔"آپ جانتے ہیں نا میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں؟اس سے زیادہ کھل کر نہیں کہہ سکتی۔"

یہ جملہ ادا ہونے کی دیر تھی کہ وہ آندھی طوفان کی طرح کمرے سے باہر نکلے۔

اب وہ مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"سنا ہے دانیال کے گھر والے اسے انگلینڈ بھیج رہے ہیں۔"

عائزہ سے ملی اس خبر نے اسے بری طرح چونکایا۔

"ایسا کیوں؟"

"اب ہم جو کالج سے فارغ ہو گئے،اس کا بھی رزلٹ آنے والا ہے۔اکثر لوگ انٹر کے بعد بیرون ملک جاتے ہیں۔"

اسے یہ سب ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

"کافی جلدی آگے بڑھ گیا۔" عائزہ نے ترچھی نظروں سے اس کے تاثرات جانچنے کی کوشش کی۔

"آٹھ ماہ تمہیں کم لگتے ہوں گے، ہوتے نہیں۔"

عائزہ مسکرائی۔ "سچ کہوں تو وہ ہے ہی ایسا، کوئی بھی اسے پسند کیے بنا نہیں رہ سکتا۔" اس نے سامنے دو سہیلیوں کو رسی ٹاپتے دیکھا۔ "مجھے خوشی ہے کہ اس کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہونے جا رہا ہے، وہ ڈیزرو کرتا ہے۔"

"جانتی بھی ہو میرے کہنے پر اس نے کیا کچھ کیا؟" اس نے تیکھی نظریں عائزہ کے چمکتے چہرے پر گاڑیں۔ "میرے لیے کس حد تک گیا؟"

"اچھے انسان غلط فیصلے بھی کرتے ہیں، اور غلطیاں بھی۔" اس نے ان لڑکیوں سے نظریں ہٹاتے ہوئے مڑ کر اسے دیکھا۔ "بری جگہ ان کا عارضی ٹھکانہ ہو سکتی ہے بس۔۔۔ وہاں ٹھہر نہیں جاتے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر12

امبر یاور

ماضی

رات کا وقت تھا، ٹیرس پر ہلکی ہوا چل رہی تھی اور آسمان صاف اور گہرا دکھائی دے رہا تھا۔ یاور ریکنگ کے ساتھ بازو ٹکائے اوپر دیکھ رہا تھا جب اس نے اچانک کہا۔ "جانتی ہو، ہماری دوستی کو اب گیارہ سال ہو چکے ہیں۔"

امبر نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ "تم لوگ تو سال میں ایک بار ہی آتے رہے ہو۔"

"کیا یہ کم ہے؟"

امبر نے بغیر سوچے جواب دیا۔ "وہ تو میرے ہر سال کا بہترین حصہ رہا۔"

یہ سن کر یاور چند لمحے خاموش رہا، پھر مطمئن سا ہو کر دوبارہ آسمان کی طرف دیکھنے لگا، جیسے اس بات نے اس کے اندر کوئی پرانا بوجھ ہلکا کر دیا ہو۔

وہ دھیرے سے بولا۔ "ہم اس گیارہویں سال کو خاص بنائیں گے۔"

امبر نے اس کی طرف دیکھا۔ "ایسا کیا ہو سکتا ہے کہ یہ سال یادگار ہو جائے؟"

یاور نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہم ایک دوسرے کو یہ ذمہ داری دیتے ہیں کہ ایسا تحفہ دیں جس کا تعلق روپے سے نہیں بلکہ گزرے سالوں کی اہمیت، یادوں اور جذبات سے ہو۔"

امبر لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گئی، پھر گویا ہوئی۔ "اس کے لیے تو مجھے اسٹیشنری جانا ہو گا۔"

"مجھے بھی مارکیٹ سے کچھ لینا ہے۔" یاور نے اثبات میں سر ہلایا۔

امبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس سب کے لیے وقت چاہیے۔"

یاور نے حتمی لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے، تین دن بعد اسی جگہ اور اسی وقت تحائف کا تبادلہ ہو گا۔"

اس کے بعد کے تین دن کچھ عجیب تھے۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے دور دور رہے۔ یا تو اپنے کمروں میں بند پائے جاتے یا پھر کوئی چیز ایک دوسرے سے چھپا کر رکھ دیتے۔

آخر کار وہ دن بھی آ ہی گیا۔

ٹیرس پر انتظار میں کھڑی امبر نے دیکھا کہ یاور ایک درمیانے سائز کا گلاس جار اٹھائے اسی طرف آ رہا ہے۔

دوسری جانب یاور نے امبر کے ہاتھ میں ایک پھولا ہوا خاکی لفافہ دیکھا۔

یاور نے وہ گلاس جار امبر کی طرف بڑھایا، اس شفاف جار میں بہت سی پرچیاں موجود تھیں۔

یاور نے دھیمے لہجے میں وضاحت کی۔ "اس میں بارہ سال کی عمر سے لے کر تئیس سال کی عمر تک، یعنی پہلے سال سے لے کر گیارہویں سال تک کی یادیں ہیں۔ ہر پرچی پر ایک جملہ لکھا ہے کہ ان گیارہ سالوں کے دوران میں نے تم میں ایسا کیا دیکھا جو مجھے ہمیشہ یاد رہا۔"

امبر نے حیرت اور عقیدت سے اس جار کو تھام لیا۔

یاور نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اور اگر تم یہ پوچھو کہ میں نے ان گیارہ سالوں کو اس انداز میں ہی کیوں بیان کیا، تو وہ اس لیے کہ میں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ میں کیوں ہر بار یہیں رہ گیا، انھی یادوں کے حصار میں۔"

اب امبر کی باری تھی کہ وہ اپنا وہ خاکی لفافہ یاور کے حوالے کرے، جس میں اس کے بنے ہوئے وہ گیارہ رنگین کارڈز اپنی پوری تاریخ سمیٹے موجود تھے۔

امبر بولی۔ "میں نے مختلف یادیں لکھی ہیں۔ کچھ دھندلی تھیں کچھ صاف، لیکن یہ بھی لکھا کہ میں نے اس سے کیا سیکھا۔"

یاور نے جار اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہمیں ابھی صرف ایک ہی دیکھنے کی اجازت ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے، جب تم انگلینڈ چلے جاؤ گے اس کے بعد باقی کارڈز دیکھنا۔"

یاور نے وضاحت کی۔ "پرچیاں بند ہیں، تمہیں یہ نہیں پتہ چلے گا کون سی پہلے سال کی ہے، بس جو ہاتھ آجائے اسے ہی کھول کر دیکھنا۔"

"تمہیں بھی کارڈز کی ترتیب پتہ نہیں چلے گی۔" امبر نے خاکی لفافے کی طرف اشارہ کیا۔

یاور نے مسکرا کر کہا۔ "شاید ہر یاد صحیح وقت پر ہی سامنے آئے۔"

امبر نے جار میں ہاتھ ڈال کر ایک پرچی نکالی۔

اس کے اندر سب سے اوپر لکھا ہوا تھا، چوتھا سال۔

نیچے یاور کا وہ مخصوص گہرا مشاہدہ درج تھا۔ "تمہاری ہنسی کی آواز کچن سے ٹیرس تک اس لیے آتی ہے کیونکہ تم تب دل سے ہنستی ہو جب تمہیں لگتا ہے کہ کوئی تمہیں دیکھ نہیں رہا۔"

پھر یاور نے کارڈ نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو امبر نے ٹوکا۔ "آنکھیں بند کر کے نکالو۔"

یاور نے آنکھیں موند کر ایک کارڈ کھینچا۔ یہ پیلے رنگ کا کارڈ تھا، جس پر جلی حروف میں درج تھا، پانچواں سال۔

کارڈ پر اس دوپہر کا ذکر تھا جب وہ دونوں باغ میں لگے بڑے جھولے پر تھے۔ وہ جھولے پر بیٹھی ہوئی تھی اور یاور کھڑا ہو کر جھولے کو پوری قوت سے تیز کر رہا تھا کہ اچانک اس کا توازن بگڑا اور وہ نیچے جا گرا۔

یاور کے گرتے ہی جھولا بے ربط ہوا اور امبر بھی اس کے ساتھ ہی زمین پر آ رہی۔

نیچے امبر کی لکھائی میں درج تھا۔ "یاور! اس دن مجھے احساس ہوا کہ تم جب بھی گرو گے، سنبھل میں بھی نہیں پاؤں گی۔"

یاور کتنی دیر اس کارڈ کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شہ پارہ کو یہاں کام کرتے تین ہفتے ہو چکے تھے۔ اس دوران اسے زیادہ تر چھوٹے موٹے کام دیے جاتے تھے: کاغذ پرنٹ کرنا، مختلف اداروں کو فون کرنا، بینک کے حسابات اکٹھے کرنا، یا فائلیں ترتیب دینا۔ وہ سینیئر فرانزک انویسٹی گیٹر کے ساتھ کام کر رہی تھی اور زیادہ تر مشاہدے کے ذریعے سیکھ رہی تھی۔ آج پہلی بار اسے کوئی اہم کام دیا گیا تھا، اور اسے احساس تھا کہ یہ واقعی اس کی صلاحیتیں پرکھنے والا لمحہ ہے۔

ایک بڑی تعمیراتی کمپنی، جو شہر کے مضافات میں ایک میگا ہاؤسنگ پراجیکٹ پر کام کر رہی تھی، نے اس فرانزک آڈٹ فرم سے رجوع کیا تھا۔ کمپنی کے مالکان اس وقت پریشان ہوئے جب انہیں اندازہ ہوا کہ 'تعمیراتی سامان' کی مد میں ہونے والے اخراجات ان کے اصل تخمینے سے کہیں زیادہ بڑھ چکے ہیں، جبکہ مادی طور پر تعمیرات میں کوئی غیر معمولی تیزی نہیں آئی تھی۔

شہ پارہ کے لیے یہ محض ایک کیس نہیں تھا بلکہ خود کو ثابت کرنے کا پہلا بڑا موقع تھا۔ اس سے شروع میں ہی خفیہ عہد نامے پر دستخط کروایا گیا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی بھی تفتیش کے دوران سامنے آنے والی معلومات یا تجارتی راز یہاں سے باہر نہ جائیں، ورنہ اسے سنگین قانونی کارروائی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اسے اس دوران آدھی تنخواہ کی پیشکش ہوئی تھی، جس پر وہ مطمئن تھی کیونکہ ابھی وہ سیکھنے کے مراحل سے گزر رہی تھی۔

سینیئر فرانزک انویسٹی گیٹر، جاوید کاظمی، کمپیوٹر کی اسکرین پر نظریں جمائے اسے ہدایات دے رہے تھے۔ "مس شہ پارہ! یہ ان مختلف سپلائرز کی فہرست ہے جنہیں اس پراجیکٹ کے لیے سیمنٹ اور سریا سپلائی کرنے کے ٹھیکے دیے گئے ہیں۔ آپ کا کام صرف ان کے

بلوں کا موازنہ بینک سے ہونے والی ادائیگیوں سے کرنا ہے۔ بس یہ دیکھ لیں کہ رقم صحیح کھاتوں میں گئی ہے یا نہیں۔"

شہ پارہ نے خاموشی سے کام شروع کیا، اس کی نظریں اسکرین پر موجود ہندسوں کے ہجوم میں سے کسی غیر معمولی پیٹرن کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ گھنٹوں ڈیٹا کھنگالنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئی۔ اس نے تین مختلف سپلائرز کی رسیدیں ایک ساتھ اسکرین پر کھولیں۔

"سر! ذرا یہ دیکھیے گا۔" اس نے جاوید صاحب کو متوجہ کیا۔ "یہ تین سپلائرز ہیں جنہیں سامان کی فراہمی کے ٹھیکے دیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو وہ پرانا ادارہ ہے جس سے یہ برسوں سے مال لے رہے ہیں، مگر یہ باقی دو نئی کمپنیاں مشکوک ہیں۔"

جاوید صاحب نے اپنی کرسی اس کی طرف گھمائی۔ "وہ کیسے؟"

"سر! ان دونوں نئے سپلائرز کے بینک کھاتہ نمبر تو مختلف ہیں، مگر ان کے رقم منتقلی کا وقت بالکل ایک جیسے منٹ یا چند سیکنڈز کے فرق سے ہے، جیسے کسی ایک ہی کمپیوٹر سے ایک ہی کلک پر دونوں کو ادائیگیاں جاری کی گئی ہوں۔ صرف یہی نہیں، ان دونوں کے رابطہ نمبروں کے آخری چار ہندسے بھی ایک جیسے ہیں اور رجسٹرڈ پتہ بھی ایک ہی علاقے

کا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے کمپنی کے اندر کا کوئی بااثر افسر باہر کے ان سپلائرز کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ وہ انہیں مارکیٹ سے کہیں زیادہ قیمت پر ٹھیکے دلواتا ہے اور پھر وہ ملی بھگت سے یہ اضافی رقم آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ اسی لیے اخراجات بڑھ رہے ہیں مگر سائٹ پر سامان کی قیمت مارکیٹ ریٹ سے بہت اوپر دکھائی گئی ہے۔"

جاوید صاحب نے تھوڑی دیر سوچ کر کہا۔ "یہ اگر درست ہے تو بڑا مسئلہ ہے، تم نے یہ کیسے پکڑا؟"

شہ پارہ نے اسکرین کی جانب اشارہ کیا اور وضاحت کی۔ "سر! میں نے بینک کے وقت، فون نمبروں اور رجسٹرڈ پتے کے ملاپ سے اس پیٹرن کو پہچانا ہے۔ مضبوط امکان ہے کہ کسی داخلی افسر کی ملی بھگت کی وجہ سے یہ اضافی رقم بڑھ رہی ہے۔"

جاوید صاحب نے خاموشی سے وہ فائل اپنی طرف کھینچ لی۔ شہ پارہ نے وہ باریک نکتہ پکڑ لیا تھا جہاں کروڑوں روپے کی ہیرا پھیری ایک چھوٹی سی مماثلت کی وجہ سے بے نقاب ہو رہی تھی۔ شہ پارہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ محض نمبروں کا کھیل نہیں، بلکہ ایک منظم چوری ہے جسے وہ اپنی پہلی ہی کوشش میں ٹریس کر چکی تھی۔

"یہ واقعی حیران کن ہے، شہ پارہ۔ تم نے صرف تین ہفتوں کے تجربے میں یہ پیچیدہ پیٹرن کیسے پہچانا؟"

شہ پارہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ "سر، میں نے پچھلے ہفتوں میں چھوٹے چھوٹے کاموں میں جو مشاہدہ کیا، وہ سب مجھے آج مدد دے رہا ہے۔ میں نے ہر ڈیٹا پوائنٹ کو دھیان سے دیکھا اور معمولی فرق کو بھی نوٹ کیا۔"

"زبردست۔ یہ تو ظاہر ہے کہ تمہاری توجہ اور تجزیاتی صلاحیتیں بہت مضبوط ہیں۔" مسٹر جاوید نے تعجب سے کہا۔

"شکریہ سر، لیکن ابھی تو یہ صرف پہلا قدم ہے۔ مجھے مکمل کیس دیکھنے کی ضرورت ہے تاکہ پوری تصویر سامنے آئے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کی اس دوپہر لاؤنج میں سکون کا پہرا تھا، صرف ٹی وی پر چلنے والے فٹ بال میچ کے کمنٹیٹر کی دھیمی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ارمغان صوفے پر نیم دراز میچ دیکھ رہا تھا، وہیں

تھوڑے فاصلے پر اذان، نایاب کی نگرانی میں اپنا ہوم ورک مکمل کرنے میں مصروف تھا۔ اسی دوران زمرد وہاں آکر نایاب کے قریب بیٹھ گئی اور باتوں کا سلسلہ چھڑ گیا۔

"نایاب! تم نے اپنی تعلیم کے متعلق تو کبھی بتایا ہی نہیں۔" زمرد نے اپنائیت سے پوچھا۔ نایاب نے نظریں اذان کی کاپی پر جمائے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے نجی طور پر اردو ادب میں بی ایس کر رکھا ہے۔"

زمرد نے افسردگی سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ "تمہارے ابا کی بیماری کا سنا تھا، اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟"

نایاب ہموار لہجے میں بولی۔ "ریٹائرمنٹ کے بعد سے بیمار رہنے لگے ہیں، ساتھ میں بلڈ پریشر کا بھی مسئلہ رہتا ہے۔ بس دوائیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو چل رہا ہے۔"

ارمغان، جواب تک میچ میں مگن تھا، اب پوری طرح اس گفتگو کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"کتنے بہن بھائی ہو تم لوگ؟" زمرد نے اگلا سوال کیا۔

نایاب نے اسی سادہ لہجے میں جواب دیا۔ "پہلے تین تھے، اب دو رہ گئے ہیں۔ تین سال قبل ہماری منجھلی بہن نمونیے کی وجہ سے چل بسی۔ اب مجھ سے چھوٹا حمزہ ہے جو ساتویں جماعت میں پڑھتا ہے۔ میں اسے کسی بہتر اسکول میں داخل کروانا چاہتی ہوں، آج کل اس کے داخلہ ٹیسٹ کی تیاری کروا رہی ہوں۔" اس نے یہ سب ایسے انداز میں کہا جیسے یہ کوئی دکھ بھری داستان نہیں بلکہ زندگی کی ایک عام سی حقیقت ہو۔

ارمغان نے چونک کر نایاب کی طرف دیکھا۔ وہ حیران تھا کہ یہ لڑکی کتنے محاذوں پر تنہا جنگ لڑ رہی تھی۔

اس نے پہلی بار نایاب کو محض اذان کی نینی کے بجائے ایک جیتی جاگتی، باہمت شخصیت کے طور پر دیکھا، مگر جیسے ہی اپنی نظروں کے ارتکاز کا احساس ہوا، اس نے فوراً رخ بدل لیا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور اپنے کمرے سے متصل اسٹڈی روم میں چلا گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے فضا میں ایک اجنبی سی لہر محسوس ہوئی۔ وہ ارمغان کمال تھا، جس کے لیے چیزوں کی ترتیب محض عادت نہیں بلکہ اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔ اس کی نظریں سب سے پہلے

اس الماری پر پڑیں جہاں اس نے حروفِ تہجی کے حساب سے ان بیواؤں کے ریکارڈ کی فائلیں ترتیب دے رکھی تھیں جن کی وہ مالی مدد کرتا تھا۔

آج وہاں کچھ بدلا ہوا تھا۔ 'ب' اور 'ت' کی فائلیں اپنے مقررہ مقام سے ذرا سی آگے کو نکلی ہوئی تھیں، جیسے کسی نے انہیں جلدی میں واپس رکھا ہو۔ میز پر رکھا پین ہولڈر، جو ہمیشہ بائیں کونے میں ہوتا تھا، آج عین وسط میں پڑا تھا۔ یہاں تک کہ پیپر ویٹ کے نیچے دبے کاغذات کی ترتیب بھی وہ نہیں تھی جو وہ چھوڑ کر گیا تھا۔

ارمغان کا ماتھا ٹھنکا۔ اسے صاف لگ رہا تھا کہ کسی نے یہاں بہت باریکی سے تلاشی لی ہے۔ مگر کوئی ایسا کیوں کرے گا؟ وہ ابھی دو گھنٹے پہلے یہاں سے نکلا تھا تب سب ٹھیک تھا، اور کمرے کی صفائی بھی حسبِ معمول صبح سویرے ہو چکی تھی۔ اس کے بعد یہاں کوئی نہیں آیا تھا۔

کیا یہ سب کسی منظم کھیل کا حصہ تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆

گیراج میں حبس اور انجن کے گرم تیل کی مخصوص بو بسی ہوئی تھی، شاہ ویز اپنی بھاری بھرکم بلیک جیپ رینگلر روبیکون کے کھلے ہوئے بونٹ کے سامنے جھکا ہوا تھا، جس کے چوڑے ٹائر اور اونچی باڈی اس کے اپنے قد آور وجود کی طرح ہی رعب دار دکھائی دے رہے تھی۔

اس نے سیاہ رنگ کی آدھی آستینوں والی ایک پرانی شرٹ پہن رکھی تھی، جو جگہ جگہ سے گھس چکی تھی۔ یہ اس کا مخصوص لباس تھا جو وہ اکثر ایسے کاموں کے لیے پہن لیا کرتا تھا۔ اس کے بازو اور ہاتھ گریس اور کالے تیل سے اٹے ہوئے تھے، گھنے بال ماتھے پر بکھرے تھے، مگر اس کی آنکھوں میں وہ گہرا ارتکاز تھا جو کسی ماہر جراح کا اپنے مریض پر ہوتا ہے۔

اسی لمحے اس کی والدہ رعنا اور بڑے بھائی کی اہلیہ عریشہ گیراج میں داخل ہوئیں۔ رعنا نے بیٹے کا حلیہ دیکھ کر تاسف سے سر ہلایا۔ "شاہ ویز! تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟"

شاہ ویز نے ہاتھ میں پکڑا پانہ گھماتے ہوئے سرسری سا جواب دیا۔ "کیا پہلی بار کر رہا ہوں، امی؟"

رعنا نے ایک بار پھر ٹوکا۔ "بیٹا! کیا شہر میں مکینک کم پڑ گئے ہیں جو تم یہ مشقت خود کر رہے ہو؟"

عریشہ نے مسکراتے ہوئے مداخلت کی۔ "چھوڑیں نا آنٹی! آپ کسے سمجھا رہی ہیں۔ یہ وہ شخص ہے جو جم بھی اس لیے نہیں جاتا کہ اس کے بقول پہاڑوں کی چوٹی پر چڑھنے سے جسمانی مشقت کا مقصد زیادہ بہتر طور پر پورا ہو سکتا ہے۔"

رعنا نے مدھم آواز میں کہا۔ "اسے ہر مشکل کام کرنے کا شوق ہے۔"

عریشہ بولی۔ "یوں کہیں کہ اسے ہر کام مشکل طریقے سے کرنے کا شوق ہے۔"

ابھی ان کی گفتگو جاری تھی کہ شاہ ویز کی سات سالہ بھتیجی ماہ رخ اچھلتی کودتی گیراج میں آئی۔

"بیٹ مین! کیا ٹھیک کر رہے ہو؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

رعنا نے فوراً ٹوکا۔ "ماہ رخ! یہ کیا طریقہ ہے چاچو کو مخاطب کرنے کا؟"

مگر ماہ رخ نے کسی کی نہ سنی اور اپنے فراک کی پروا کیے بغیر شاہ ویز کے سامنے فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ شاہ ویز نے چونک کر اسے دیکھا اور فکر مندی سے بولا۔ "ماہ رخ! یہاں نہ بیٹھو، کپڑے گندے ہو جائیں گے۔"

ماہ رخ نے بڑے ناز سے اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھا اور ضدی لہجے میں کہا۔ "پہلے آپ وعدہ کریں کہ مجھے میگا گیمنگ زون لے کر جائیں گے، اور وہ بھی آج ہی!"

شاہ ویز نے اپنے گریس آلود ہاتھوں کی طرف دیکھا، ایک لمحے کو جیسے کچھ سوچا، پھر اس ننھی پری کی معصوم ضد پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

میگا زون کا وہ حصہ اپنی روشنیوں اور مخصوص شور کے ساتھ ایک الگ ہی دنیا لگ رہا تھا۔ انڈور سکیٹنگ رنک کی چمکدار سطح پر زوہیب کسی ماہر کھلاڑی کی طرح تیزی سے لہریں بنا رہا تھا۔ اس کی حرکات میں ایک عجیب سی روانی اور خود اعتمادی تھی — کبھی وہ پیچھے کی طرف مڑتا اور کبھی اچانک اپنی رفتار بڑھا کر دوسرے سکیٹرز کو پیچھے چھوڑ دیتا۔ اس کا قد کاٹھ اور ایکٹو انداز اسے وہاں موجود ہجوم میں ممتاز کر رہا تھا۔

دوسری طرف پندرہ سالہ سیف، جو اس کھیل میں ابھی زوہیب جتنا ماہر نہیں تھا، توازن برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے نسبتاً آہستہ چل رہا تھا۔ سیف کی شرارتیں سکیٹنگ رنک پر بھی کم نہ ہوئیں۔ اس نے ایک دم پیچھے سے زوہیب کو پکارا۔ "بھائی! ذرا ہاتھ ہولا رکھیں۔ اتنا 'شو آف' کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہاں کوئی ایک لڑکی بھی آپ کو نہیں دیکھ رہی۔"

زوہیب نے ایک زوردار کٹ مارا اور برف کے ذرات فضا میں اڑاتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں چاہتا بھی نہیں ہوں کہ کوئی لڑکی مجھے دیکھے، سمجھے؟"

مسئلہ یہ ہے کہ وہ 'خاص ہستی' بھی یہاں نہیں ہے جسے متاثر کرنے کے چکروں میں آپ "یہ سارے کرتب دکھا رہے ہیں۔"

زوہیب کے قدموں کی ترتیب ایک لمحے کو لڑکھڑائی، پھر اس نے سنبھلتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تم کس کی بات کر رہے ہو؟ میں کسی کو متاثر کرنے کی کوشش نہیں کر رہا۔"

"میں تو سحر آپی کی بات کر رہا تھا۔۔۔ آپ نے کس کا سمجھا؟"

زوہیب بری طرح گڑبڑا گیا۔اس کی وہ مہارت جو چند لمحے پہلے رشک کے قابل تھی، اچانک جواب دے گئی۔

اگلی ہی باری میں اس کا توازن بگڑا اور وہ پھسلتے پھسلتے بچا۔

خود کو سنبھال کر جب وہ واپس رنک کے سرے پر آیا جہاں شہ پارہ اور زمرد کھڑی ان کا انتظار کر رہی تھیں، تو اس کے چہرے پر خفیف سی ندامت تھی۔زوہیب نے اپنی بکھری ہوئی سانسیں درست کیں اور زمرد کی طرف دیکھ کر بولا۔"آؤ زمرد! فوڈ کورٹ جا کر کوئی کونہ پکڑتے ہیں پھر انہیں بھی وہیں بلا لیں گے۔"

وہ وہاں سے رخصت ہوئے اور شہ پارہ وہیں کھڑی رہ گئی۔

اس کی نظریں سیف پر تھیں جب اس نے عقب میں ایک مانوس سی آواز سنی۔

ماہ رخ! اب کچھ کھاتے ہیں۔آرکیڈ گیمز کی بھی آخر ایک حد ہوتی ہے، میرا تو دماغ گھوم" "کر رہ گیا۔

شہ پارہ نے پلٹ کر دیکھا تو چند قدم کے فاصلے سے شاہ ویز آتا دکھائی دیا، جس کی انگلی تھامے ننھی ماہ رخ اسے کہہ رہی تھی۔ "آپ سے کس نے کہا تھا کہ آپ بھی گیمز کھیلیں؟ ابھی تو میں نے سکیٹنگ بھی دیکھنی ہے۔"

وہ دونوں اسی طرف آ رہے تھے۔ شہ پارہ چاہ کر بھی اس منظر سے نظریں نہ ہٹا پائی۔

اسی پل شاہ ویز نے اس سمت دیکھا اور قدموں کا رخ ریکنگ کے اس جانب موڑ دیا جہاں وہ کھڑی تھی۔

اس نے شہ پارہ پر نظریں جمائے ماہ رخ کو مخاطب کیا۔ "چندا آؤ، تمہیں اپنی فیورٹ ٹوئن سے ملواتا ہوں۔"

ماہ رخ اب اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ شاہ ویز کے اشارے پر ماہ رخ نے مصافحے کے لیے شہ پارہ کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

وہ شاہ ویز کی جانب مڑی۔ "یہ سب کیا ہے؟ فیورٹ ٹوئن؟ ضروری ہے کہ ہماری ہر ملاقات کا آغاز طنز سے ہو؟"

اس بات پر شاہ ویز کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔ "نہیں۔" پھر رک کر کہا۔ "میں نے طنز نہیں کیا۔"

"تمہاری بات کا یقین کر لوں تو اس کا مطلب ہو گا کہ میری۔۔۔" شہ پارہ نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "۔۔۔ شخصیت تمہیں زمرد سے زیادہ اچھی لگی۔"

"تمہارے لیے اس بات پر یقین کرنا اتنا مشکل کیوں ہے؟"

شہ پارہ نے جھنجھلاہٹ سے سر جھٹکا۔ "میں بیوقوف نہیں ہوں۔"

شاہ ویز نے سر ترچھا کر کے اسے بغور دیکھا۔ "یہ ثابت کرنا ابھی باقی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ماضی

شام گہری ہو چکی تھی، جب شاہ ویز گراؤنڈ سے واپس لوٹا۔

میچ ختم ہوئے آدھا گھنٹہ بیت چکا تھا لیکن ٹانگوں میں اب بھی وہ مخصوص تپش اور تھکن محسوس ہو رہی تھی جو ایک بھرپور کھیل کے بعد ہوتی ہے۔ یہ ناخوشگوار نہیں تھی، بلکہ ایک طرح کی تسکین بخش یاد دہانی تھی۔

آج اس نے تین گول کیے تھے۔ ایک تو ایسا کہ خود اسے بھی یاد رہنے والا تھا۔

نیٹ لرزا تو پورے گراؤنڈ میں ایک لمحے کے لیے ایسی خاموشی چھا گئی جو صرف کسی غیر معمولی چیز کے ظہور پر آتی ہے۔

دوستوں نے جوش میں شور مچایا تھا، مگر اس نے بس خاموشی سے سر ہلایا اور واپس اپنی جگہ پر چلا گیا تھا۔

جوتے مٹی میں اٹے ہوئے تھے اور گھٹنے پر ایک تازہ خراش کا نشان تھا۔

اس نے دروازے پر ہی جوتے اتارے، منہ ہاتھ دھویا اور سیدھا ابو کے کمرے کا رخ کیا۔

اکرام ایاز شام کے وقت عموماً اپنی اسی مخصوص کرسی پر ملتے تھے—اخبار سامنے پھیلا ہوتا، چائے کا کپ ساتھ رکھا ہوتا اور پس منظر میں ٹی وی کی دھیمی آواز گونج رہی ہوتی۔

شاہ ویز نے دروازے پر دستک دی اور اندر داخل ہو گیا۔ "ڈیڈ۔"

"ہاں۔" اکرام صاحب کی نظریں اب بھی اخبار پر جمی تھیں۔

شاہ ویز نے ایک لمحہ لیا۔ یہ وہ مختصر سا وقفہ تھا جو وہ ہمیشہ لیتا تھا، جیسے اپنے اندر بکھری ہوئی باتوں کو کسی خاص ترتیب میں لا رہا ہو۔

"میں کراٹے سیکھنا چاہتا ہوں۔"

اخبار کی اوٹ تھوڑی نیچے ہوئی۔ اکرام ایاز نے اوپر دیکھا۔ ان کی نظروں میں وہ توجہ نہیں تھی جو بات سننے کے لیے درکار ہوتی ہے، بلکہ ایک ایسی کیفیت تھی جیسے محض اس بات کی تصدیق کر رہے ہوں کہ آواز کہاں سے آئی ہے۔

"کراٹے؟"

"جی۔ سیکٹر میں ایک اکیڈمی ہے، صبح کی کلاسز ہیں، میں نے معلوم کیا ہے۔"

"پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟" باپ نے بات کاٹ کر سوال کیا۔

"ٹھیک ہے۔"

"میٹرک ہے اس سال، یاد ہے نا؟"

جانتا ہوں، ڈیڈ۔ لیکن کلاس شام میں ہے، آپ جانتے ہیں میرے گریڈز اچھے ہی رہتے"
"ہیں۔

ابھی بات ادھوری تھی کہ دروازہ کھلا۔

فرحان اندر داخل ہوا۔ قمیص مٹی میں اٹی ہوئی، چہرے پر وہ خاص چمک جو فتح کے بعد آتی ہے اور گھنٹوں رخصت نہیں ہوتی۔

"ڈیڈ!" اس نے پکارا اور اس ایک لفظ میں پوری خبر چھپی تھی۔

اکرام ایاز نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔ "کیا ہوا؟"

"ہم میچ جیت گئے! وہ جو رضا انکل کے بیٹے کا اسکول ہے نا، گورنمنٹ ماڈل، آج انہی کے خلاف میچ تھا۔ ہم نے چھ وکٹوں سے میدان مارا، میں نے تیس رنز بنائے اور دو وکٹیں بھی لیں۔"

اکرام ایاز کے چہرے کے تاثرات ایک لمحے میں بدل گئے۔ دفتر کی وہ اکتاہٹ اور تھکن جو شام ڈھلے چہرے پر ڈیرے ڈال لیتی ہے، جیسے کہیں غائب ہو گئی۔ وہ کرسی پر تن کر بیٹھ گئے۔

"رضا کے بیٹے کا اسکول؟ سچ میں؟"

"بالکل سچ! رضا انکل کا بیٹا بھی کھیل رہا تھا، وہ بھی آؤٹ ہوا۔ میری ہی گیند پر۔"

اکرام ایاز نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔ ایسی آواز جو اس گھر میں کم ہی سنائی دیتی تھی۔ "ارے واہ! رضا کو تو آج رات فون کرنا پڑے گا، بڑا اکڑتا ہے اپنے بیٹے کی کارکردگی پر۔"

شاہ ویزاب بھی اسی کمرے میں موجود تھا۔

وہ اب دروازے کے قریب کھڑا تھا، اس کا ہاتھ ہلکے سے چوکھٹ کو چھو رہا تھا۔

فرحان نے پورے میچ کی روداد سنانی شروع کر دی۔

کون سی گیند پر کیا ہوا، کس اوور میں پانسہ پلٹا، کیسے آخری وکٹ گری۔

اکرام ایاز ہر جملے پر سر ہلاتے، بیچ میں سوال پوچھتے اور ایک بار تو اٹھ کر فرحان کی پیٹھ بھی تھپتھپائی۔

پھر کسی لمحے۔۔۔ شاہ ویز کو ٹھیک سے یاد نہیں رہا کہ وہ کون سا لمحہ تھا، اکرام ایاز کی نظر اس پر پڑی۔

جیسے انہیں اچانک یاد آیا ہو کہ کمرے میں کوئی اور بھی موجود تھا۔

"ہاں، شاہ ویز تم کچھ کہہ رہے تھے؟"

"کراٹے۔" شاہ ویز نے کہا۔ اس کی آواز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی نہ وہ دھیمی ہوئی، نہ اس میں کوئی لرزش تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے، دیکھ لیں گے۔" اکرام ایاز نے بے نیازی سے ہاتھ ہلایا۔

بالکل اسی طرح جیسے کسی غیر اہم بات کو ایک طرف سرکا دیا جائے۔

پھر دوبارہ فرحان کی طرف دیکھا۔ "فرحان، اسے لے جانا کسی اچھے کلب میں، جو بھی ہو۔"

فرحان نے سر ہلایا۔ "ہاں ٹھیک ہے، دیکھ لوں گا۔"

بس، بات ختم ہو گئی۔

اکرام ایاز دوبارہ فرحان کی طرف مڑ گئے۔ "تو بتاؤ، فائنل کب ہے؟"

شاہ ویز خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آیا۔

وہ راہداری میں ایک لمحے کے لیے ساکت کھڑا رہا۔

اندر سے باپ بیٹے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ قہقہے، کرکٹ کی اصطلاحیں اور رضا انکل کو فون کرنے کا منصوبہ۔

ایک مکمل دنیا تھی جو اس دروازے کے دوسری طرف آباد تھی۔

اس نے مڑ کر دروازے کی طرف نہیں دیکھا۔

اس نے چھت کی طرف دیکھا۔ اس طرح جیسے کسی کڑوی بات کو اندر اتارنے کے لیے جگہ بنا رہا ہو۔

پھر وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

میز پر کل رات کی لکھی ہوئی کاپی کھلی تھی۔

اس نے کرسی کھینچی، قلم اٹھایا اور لکھنا شروع کر دیا۔

اس نے کچھ محسوس نہیں کیا۔ یا شاید وہ سب پہلے ہی محسوس ہو چکا تھا۔

بس وہی پرانی خاموشی تھی۔ وہ خاموشی جو اسے بچپن سے عزیز تھی، جو اس کے اندر ایک ایسے محفوظ کمرے کی طرح تھی جس کی چابی صرف اس کے پاس تھی۔

باہر سے ایک اور بلند قہقہہ سنائی دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

زمرد اور زوہیب فوڈ کورٹ کی طرف بڑھنے لگے تو زمرد نے کہا۔ "واقعی بہت رش ہے، الجھن ہو رہی ہے۔"

ابھی وہ اپنی بات مکمل ہی کر پائی تھی کہ اس کی نظر دائیں جانب ایک میز پر بیٹھے جوڑے پر پڑی اور وہ بے ساختہ ہنس دی۔ زوہیب نے حیرت سے اسے دیکھا اور پوچھا۔ "مجھے بھی بتاؤ، ایسا کیا دیکھ لیا؟"

زمرد نے آنکھ کے اشارے سے کہا۔ "وہ دائیں جانب دیکھو۔"

وہاں ایک جوڑا بیٹھا تھا جو ایک ہی برگر کے گرد ایسے جھکا ہوا تھا جیسے کوئی بہت نازک تجربہ کر رہا ہو۔

لڑکی نے برگر کے قریب اپنا چہرہ کیا ہوا تھا اور لڑکا بھی اسی میں سے بائٹ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک ہی کولڈ ڈرنک میں دو اسٹرا ڈالے گئے تھے اور وہ باری باری اسے پی رہے تھے، مگر ساتھ ہی لڑکی اپنے فون کی مدد سے مختلف زاویوں سے ان 'رومانوی لمحات' کی تصویریں بھی لے رہی تھی۔ وہ کبھی برگر کے قریب فون لاتی تو کبھی لڑکے کو ایک خاص پوز میں بیٹھنے کا کہتی۔

زمرد نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے کہا۔ "اوہو! اتنی محبت تو فلموں میں بھی ہضم نہیں ہوتی۔ زوہیب! کیا تمہیں نہیں لگتا کہ اپنی اپنی کولڈ ڈرنک پینا زیادہ سویلائزڈ طریقہ ہے؟ یہ تو سراسر ٹریفک جام والی صورتحال ہے۔"

پھر اس نے لہجہ ذرا سنجیدہ کرتے ہوئے اضافہ کیا۔ "یہ پتا نہیں دنیا کو ثابت کرنا چاہتے ہیں یا خود کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ واقعی محبت ہے۔ اگر ایک برتن سے بھی کھانا ہو تو تصویریں لینے کی کیا ضرورت ہے، بھلا؟"

زمرد کی یہ بات سن کر زوہیب کی نظروں کے سامنے سے کئی ایسے مناظر گزرنے لگے جہاں سحر نے بھی بالکل اسی لڑکی والی حرکتیں کی تھیں۔ اسے یاد آیا کہ کیسے سحر ریسٹورنٹ میں کھانا ٹھنڈا ہونے دیتی تھی مگر 'پرفیکٹ شاٹ' کے لیے اسے منٹوں تک ایک ہی پوز میں بٹھائے رکھتی تھی۔ زوہیب تب اپنی الجھن کو کوئی نام نہیں دے پایا تھا۔ اسے صرف ایک عجیب سی کوفت ہوتی تھی جسے وہ سحر کی 'محبت' سمجھ کر برداشت کر لیتا تھا، مگر آج زمرد کے ایک جملے نے اس بے نام الجھن کو الفاظ دے دیے تھے۔

زوہیب نے ایک گہرا سانس لیا اور خاموشی سے اس جوڑے کو دیکھنے لگا، جس کے ہر 'پوز' کے پیچھے اسے اب ایک کھوکھلا پن نظر آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ماضی

لیب کا دروازہ عموماً دوپہر کے وقفے میں بند رہتا تھا۔ بند ہونا بھی چاہیے تھا۔

فراز نے دروازہ دھکیلا۔ وہ مقفل نہیں تھا۔

آج لیب اٹینڈنٹ غیر حاضر تھا، یہ وہ پہلے سے جانتا تھا۔

فراز اندر داخل ہوا تو امبر بھی اس کے پیچھے آ گئی۔ بغیر کچھ پوچھے، جیسے ہمیشہ آتی تھی۔

اندر شیشے کی الماریاں قطار سے کھڑی تھیں، مائیکروسکوپ ترتیب سے رکھے ہوئے۔ خاموش، مگر اپنی اہمیت جتاتے ہوئے۔

فراز نے ایک الماری کھولی۔

"بھائی!" امبر کی آواز دبی ہوئی تھی۔

"بس دیکھنا ہے۔"

اس نے مائیکروسکوپ اٹھایا۔ بے احتیاطی سے، جیسے وہ کوئی عام چیز ہو۔

اگلے ہی لمحے توازن بگڑا۔

مائیکروسکوپ ہاتھ سے چھوٹا۔

شیشہ اور دھات کی آواز پوری لیب میں گونج گئی۔

دونوں ساکت رہ گئے۔

فرش پر لینز کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔

چند لمحوں کے لیے فراز کے چہرے پر گھبراہٹ آئی، پھر جیسے مٹ گئی۔

"چلو۔"

اس نے امبر کا ہاتھ پکڑا اور اسے باہر لے آیا۔

اسکول کے پچھلے حصے میں درختوں کا سایہ تھا۔

وہاں پہنچ کر اس نے امبر کو اپنے سامنے کھڑا کیا۔

"بھائی، وہ بہت مہنگا ہو گا۔"

"ہاں، ہو گا۔" وہ پر سکون لہجے میں بولا۔ "اسی لیے سوچنا پڑے گا۔"

"ہمیں ٹیچر کو بتا دینا چاہیے۔"

"ہمیں؟"

اس نے اسے غور سے دیکھا۔

"امبر، تم بھی وہاں تھی۔ ہم دونوں گئے تو دونوں پھنسیں گے۔ ڈیڈ کو پتہ چلے گا، ماما کو پتہ
چلے گا۔"

امبر کا دل بیٹھ سا گیا۔

"تو پھر؟"

فراز نے ذرا توقف کیا۔

"تمہاری کلاس میں ذیشان ہے نا؟"

"ہاں۔"

"اس کے ویسے بھی مسئلے رہتے ہیں۔ ایک بار اور سزا مل جائے گی تو کچھ نہیں ہو گا۔"

وہ رکا، پھر سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اصل بات یہ ہے کہ تم مجھے بچانا چاہتی ہو یا نہیں؟"

امبر نے اپنے بھائی کو دیکھا، وہی چہرہ جس پر ہمیشہ یقین کیا جاتا تھا۔

"ہاں۔" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

فراز کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"مجھے پتہ تھا۔ یہ کام تم ہی کر سکتی ہو۔"

مس ثمینہ کے کمرے میں کھڑے ہو کر امبر نے وہی کہانی سنائی۔

آواز سچی تھی۔ الفاظ جھوٹے۔

"ذیشان کا یہی حال ہے۔" مس نے سر ہلایا۔ "تم جا سکتی ہو۔"

راہداری میں ذیشان اپنے دوستوں کے ساتھ ہنس رہا تھا۔

بے خبر۔

امبر نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

وہ تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

درخت کے نیچے فراز انتظار کر رہا تھا۔

"ہو گیا؟"

"ہاں۔"

اس نے اس کے بال ہلکے سے بکھیر دیے۔

"تم بہادر ہو۔"

امبر کے سینے میں ایک عجیب سی حرارت پھیلی۔

وہ مڑی نہیں۔۔۔

جہاں ذیشان کو بلایا جا رہا تھا۔

فراز نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے ساتھ لے گیا۔

امبر اب ہلکے قدموں سے چل رہی تھی۔

اس گرماہٹ کے ساتھ جس کی حقیقت وہ ابھی نہیں سمجھتی تھی۔

☆☆☆

گیارہ سالہ امبر لاؤنج کی کھڑکی کے پاس کھڑی باہر رم جھم برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ باہر نکلے، کچی مٹی کی خوشبو کو قریب سے محسوس کرے اور بارش کے قطروں کو اپنی ہتھیلی پر روکے۔

"امی! دیکھیں کتنی اچھی بارش ہو رہی ہے، کیا میں تھوڑی دیر کے لیے لان میں جا سکتی ہوں؟" اس نے مڑ کر دردانہ سے پوچھا جو صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔

دردانہ نے نظریں اٹھائے بغیر ہی جواب دیا۔ "نہیں امبر، بارش میں اچھا لگنے جیسا ہے ہی کیا۔ تم اس سے دور ہی رہا کرو۔"

لیکن امی۔۔۔ "امبر نے ابھی کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ شاہ میر اندر داخل ہوئے، ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔

"دردانہ! تمہیں پتہ ہے فراز نے اس بار بھی اپنی کلاس میں ٹاپ کیا ہے؟ اس کے اساتذہ کہہ رہے تھے کہ ایسا ذہین بچہ انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" شاہ میر کے لہجے میں فخر کی انتہا تھی۔

امبر بھاگ کر اپنے بابا کے پاس آئی۔ "بابا! میں نے بھی اپنی ڈرائنگ کے مقابلے میں دوسرا انعام جیتا ہے، لا کر دکھاؤں۔۔۔" وہ بھاگ کر اپنی سکیچ بک اٹھا لائی۔

شاہ میر نے ایک سرسری سی نظر اس کی ڈرائنگ پر ڈالی اور اسے ایک طرف رکھتے ہوئے دوبارہ دردانہ سے مخاطب ہو گئے۔ "فراز کے ریاضی میں سو فیصد نمبر ہیں۔ ہمیں اب اس کے لیے کسی اچھی سی اکیڈمی کا سوچنا چاہیے، وہ ہمارا نام روشن کرے گا۔"

امبر کی اسکیچ بک میز پر دھری رہ گئی، جس پر اس نے بڑی محنت سے ایک چھوٹا سا گھر اور ڈھیر سارے رنگین پھول بنائے تھے۔ اس کے والدین کی تمام تر گفتگو، توجہ اور ان کا سارا فخر صرف فراز کی 'ذہانت' کے گرد گھوم رہا تھا۔ امبر کی چھوٹی سی جیت ان کے لیے محض ایک بچگانہ مشغلہ تھی۔

امبر خاموشی سے لاؤنج سے نکلی اور لان کے ایک کونے میں لگے پودوں کے پاس جا بیٹھی۔

"تم نے دیکھا؟" اس نے ایک گیلے پتے کو چھوتے ہوئے سرگوشی کی۔ "انہیں لگتا ہے کہ رنگ بھرنا کوئی کام نہیں ہے۔" اس نے اپنی ننھی ہتھیلی پر بارش کا ایک قطرہ گرتے دیکھا۔ "کوئی بات نہیں، تم تو میرے دوست ہو نا۔ تم تو میری بات سنو گے۔"

وہ دیر تک بارش میں بھیگتے ان پھولوں کے پاس بیٹھی رہی۔

☆☆☆

شاہ میر اور دردانہ ایک انٹرنیشنل بزنس ٹور سے واپس آئے تھے اور لاؤنج میں بیٹھ کر تحائف بانٹ رہے تھے۔ امبر نے اپنے ڈیڈ کے لیے ایک بہت پیاری پینٹ کی ہوئی ڈائری دکھائی جو اس نے اپنے ہاتھوں سے تیار کی تھی۔

"ڈیڈ، یہ میں نے خاص طور پر آپ کے نوٹس کے لیے بنائی ہے۔" پندرہ سالہ امبر نے محبت سے کہا۔

شاہ میر پر ایک نظر ڈالی اور سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ "تھینک یو بیٹا! لیکن فراز نے میرے لیے ایک بہت جدید ڈیجیٹل ڈائری خریدی ہے، وہ زیادہ پریکٹیکل ہے۔ تم یہ اپنے پاس رکھو، تمہارے زیادہ کام آئے گی۔"

دردانہ نے امبر کو ایک قیمتی لباس دیتے ہوئے کہا۔ "امبر، یہ پہن کر دکھاؤ، کل ہمیں ایک بہت بڑی پارٹی میں جانا ہے۔"

"امی، میرا کل کالج میں ایک سیمینار ہے، میں نے اس میں حصہ لیا ہے۔" امبر نے خوشی سے بتایا۔

فراز نے، جو وہیں بیٹھا اپنا لیپ ٹاپ دیکھ رہا تھا، طنزیہ قہقہہ لگایا۔ "سیمینار؟ امبر! تم وہاں جا کر کیا کرو گی؟ وہاں ذہین لوگوں کی بحث ہو گی۔ تم کل ہمارے ساتھ پارٹی میں چلو گی۔"

"لیکن فراز بھائی! میں نے بہت تیاری کی تھی۔" امبر کی آواز میں آنسو تھے۔

"امبر!" شاہ میر نے سختی سے ٹوکا۔ "فراز ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تمہیں اپنے اچھے برے کی تمیز نہیں ہے۔ تمہارا بھائی تمہاری سوشل پوزیشن کا خیال رکھ رہا ہے۔ کل تم پارٹی میں چلو گی اور بس۔"

دردانہ نے بھی تائید کی۔

☆☆☆☆☆☆☆

نایاب اپنے کمرے کی الماری کے خانوں میں کچھ بے چینی سے ڈھونڈ رہی تھی کہ اچانک خالدہ کمرے میں داخل ہوئیں۔

"کیا ڈھونڈ رہی ہو؟"

نایاب بری طرح چونک پڑی، پھر فوراً سنبھلتے ہوئے بولی۔ "کچھ نہیں۔۔۔"

اب وہ تیزی سے چیزیں ترتیب دینے لگی تھی۔

خالدہ نے اسے ایک شک بھری نظر اس پر ڈالی اور وہاں سے چلی گئیں۔

تھوڑی دیر بعد نایاب انہیں ڈھونڈتی کچن میں چلی آئی۔ "امی! مجھے میرا اور یجنل شناختی کارڈ نہیں مل رہا، آپ نے کہیں دیکھا ہے؟"

خالدہ نے چولہے کی آنچ دھیمی کی اور اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔ "تمہیں اور یجنل کا کیا کرنا ہے؟"

"وہ امی! بیگ میں اور یجنل ہونا چاہیے۔ کل مجھے سرار مغان جاب لیٹر ٹائپ کر کے دینے والے تھے، انہوں نے بھی مانگا تھا کہ اس میں میرا شناختی کارڈ نمبر ڈالنا تھا۔"

"یہ کام اس رنگین کاپی سے بھی ہو سکتا ہے جو تم بیگ میں ہمیشہ ساتھ رکھتی ہو۔"

نایاب کچن سے نکلتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔ "وہ تو مجھے نہیں جانتے نہ ہی میری فیملی کو، "انہیں اپنی تسلی کے لیے اور یجنل درکار تھا۔"

خالدہ بھی چولہا بند کرتیں اس کے پیچھے برآمدے میں نکل آئیں۔ "تو پھر انہوں نے بنا دیا لیٹر؟ میرا مطلب ہے کہ ٹائپ کر دیا؟"

"ہاں وہ تو کر دیا تھا۔" نایاب نے جواب دیا۔

اب نایاب برآمدے میں لگے آئینے کے سامنے کھڑی وہ ہلکی گلابی لپ سٹک لگا رہی تھی جو اس نے کل ہی خریدی تھی۔ جانے کتنے عرصے سے وہ ٹوٹی، گھسی ہوئی پرانی لپ سٹک چلا رہی تھی جو شاید ایکسپائر بھی ہو چکی ہو، لیکن اس جیسے لوئر مڈل کلاس کہاں ان 'چونچلوں' میں پڑ سکتے تھے کہ بیوٹی پراڈکٹ ایکسپائر کب ہو رہی ہے۔ جب تک چل سکے چلاؤ، باقی اللہ کا اس جیسوں پر کرم تھا کہ شکل ہی اتنی اچھی تھی، ایک لپ سٹک ہی لگا لیتی تو چہرہ سج جاتا۔

اس نے ایک مطمئن نظر اپنے دلکش سراپے پر ڈالی اور مسکرا دی۔

خالدہ اس کا عکس دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔ "ایک اچھی شکل بھی ہو غریب کے پاس ۔۔۔ تو حسد کرنے والے جلتے ہیں۔" خاندان کی کئی لڑکیوں کا سلوک نایاب کے ساتھ بلا وجہ سرد رہتا۔

پھر جیسے خیال آنے پر انہوں نے پوچھا۔ "ویسے نایاب! تمہیں لیٹر چاہیے کیوں بھلا؟"

نایاب نے چہرے کے تاثرات کو بالکل نارمل رکھنے کی کوشش کی اور دھیرے سے پیچھے کو پلٹی، جہاں اس کی ماں منتظر نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ "امی! یہ کاغذ کا ٹکڑا بہت اہم ہوتا ہے، کہیں بھی کام آسکتا ہے۔"

ساتھ ہی اس نے جلدی سے قریب میز پر رکھا اپنا بیگ اٹھایا اور کندھے پر لٹکا لیا۔ چادر وہ پہلے ہی اپنے گرد لپیٹ چکی تھی۔

خالدہ فکر سے بولیں۔ "راستے میں نقاب کر لیا کرو۔"

وہ مسکرا دی اور بولی۔ "جب سے نوکری شروع کی ہے، نقاب ہی کرتی ہوں۔ اچھا باقی باتیں واپس آکر، اللہ حافظ۔"

"آج گاڑی لینے نہیں آئی؟" وہ نکلنے ہی والی تھی کہ خالدہ کے سوال نے قدم روک لیے۔

"آج خراب ہے خود ہی جانا ہو گا۔" اس نے جلدی سے بہانہ بنایا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ بینک میں اسی شناختی کارڈ کی مدد سے کھاتہ کھلوا رہی تھی، جو اسے اپنے سنگل بیڈ کے گدے کے نیچے سے ملا تھا۔

اس نے تلخی سے سوچا۔ "ہم غریبوں کو بھی چیزیں سنبھال سنبھال کر رکھنے کی ایسی عجیب عادت ہوتی ہے، جیسے ہماری شناخت ہی سب سے اہم ہو۔"

ساتھ ہی اسے کل کا وہ منظر یاد آیا جب وہ ارمغان سے خط ٹائپ کروا رہی تھی۔ کمپنی کا کاغذ اور مہر اس کی اپنی تھی، جس میں ارمغان کا عہدہ بھی درج تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ وہ ان کے بیٹے کی ٹیوٹر تھی، حالانکہ وہ اس کی دیکھ بھال پر مامور تھی۔ ہوم ورک میں کسی مشکل کی صورت میں اذان اپنے باپ سے ہی مدد لیتا، کیونکہ ارمغان اس کی تعلیم میں خود شامل رہنا چاہتا تھا۔

وہ نایاب کے لیے کبھی 'خادمہ' یا 'آیا' کا لفظ استعمال نہیں کرتا تھا، حالانکہ اگر وہ ایسا کرتا تو خود نایاب کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ شاید ارمغان نے گھر والوں کو بھی یہی کہہ رکھا ہو، کوئی بھی اس کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں کرتا تھا۔

وہ پہلے دن سے آج تک ارمغان کو لے کر الجھن کا شکار تھی۔

بینک میں کھاتہ کھلوانے کے لیے ہی اسے جاب لیٹر درکار تھا جو اس بات کا ثبوت ہوتا کہ اس کی آمدنی کا ذریعہ کیا ہے۔ اس کے پاس ایک خطیر رقم موجود تھی جس کا وہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتی تھی اور خرچ کرنے سے بھی قاصر تھی۔ گھر والوں کو کیا بتاتی یہ رقم کہاں سے آئی۔ بینک میں بھی قسطوں میں جمع کرانی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 13

امبر یاور

ماضی

یاور نے امبر کے زرد چہرے کو دیکھا تو اس کے ماتھے پر فکر کی لہر ابھری۔

امبر نے کمزور آواز میں کہا۔ "مجھے لگتا ہے کہ فشارِ خون کم ہو گیا ہے، دن کو کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔"

یاور فوراً فراز کے پاس گیا جو لاؤنج میں اخبار پڑھ رہا تھا۔ "فراز، امبر کی طبیعت ناساز ہے، آؤ ہم دونوں اسے کسی معالج کے پاس لے چلیں۔"

فراز نے اطمینان سے قہقہہ لگایا اور اخبار ایک طرف رکھ دیا۔ "ارے نہیں، اسے کسی کیفے لے جاؤ۔ اپنی پسند کی کوئی چیز کھائے گی تو موڈ بھی ٹھیک ہو جائے گا اور طبیعت بھی۔"

یاور نے سر ہلایا اور باہر نکل آیا۔

جب امبر نے باہر کھڑی موٹر سائیکل دیکھی تو ٹھٹک کر بولی۔ "یہی انتظام تھا باہر جانے کا؟"

یاور نے ہیلمٹ درست کرتے ہوئے کہا۔ "آج اسے بھی آزمالو۔ تمہارے ابا کی گاڑی ہے یا فراز کی، اور اس وقت فراز ہمیں اپنی گاڑی میں لے جانے کے موڈ میں نہیں ہے۔"

گھر سے چالیس منٹ کی مسافت پر واقع ایک پر سکون کیفے میں بیٹھ کر امبر نے کافی کے ساتھ چاکلیٹ کیک منگوایا، جبکہ یاور نے کافی اور براؤنی کا انتخاب کیا۔

امبر اسے دیکھ کر ہنس پڑی۔ "تم اس براؤنی کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑو گے۔"

یاور نے نفاست سے ایک ٹکڑا توڑا۔ "یہ چاکلیٹ کیک اور سادہ کیک کے درمیان کا راستہ ہے، نہ زیادہ میٹھا، نہ بالکل پھیکا۔"

امبر کی بے ساختہ ہنسی پر یاور نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے، اس کی تاریخ کیا ہے؟ کہتے ہیں انیسویں صدی کے آخر میں شکاگو کی ایک خاتون نے باورچی سے کہا تھا کہ ایسا کیک بناؤ جو

خواتین کے کھانے کے ڈبوں میں آسانی سے سما سکے اور اسے کھاتے ہوئے ہاتھ گندے نہ ہوں۔یوں یہ وجود میں آئی۔"

وہ دونوں گفتگو میں مگن رہے، مگر جب واپس گھر پہنچے تو منظر بالکل بدل چکا تھا۔

لاؤنج میں دونوں کے والدین غصے کی تصویر بنے کھڑے تھے۔

فراز ایک کونے میں کھڑا دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔"میں نے کہا تھا نا کہ انہیں ہر وقت ساتھ رہنے کی اجازت نہ دی جائے۔"

یاور کی رگِ حمیت پھڑکی اور وہ تیکھے لہجے میں بولا۔"فراز، یہ بات تم ہمیں خود بھی کہہ سکتے تھے۔"

ماحول میں زہر گھل گیا۔

یاور نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ہوا میں ایک سخت خاموشی چھا گئی اور اگلے ہی لمحے ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر پڑا۔

یاور کے والد نے غصے سے کہا۔ "تم رات کے وقت گھر کی لڑکی کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر کہاں لے گئے تھے؟"

یاور نے اپنا گال سہلاتے ہوئے دبی آواز میں کہا۔ "ڈیڈ! اس کی طبیعت خراب تھی، فراز نے کہا کسی کیفے لے جاؤ۔"

امبر نے شکایت بھری نظر بھائی کی جانب اٹھائی۔ "بھائی آپ نے ہی تو یاور سے کہا تھا کہ مجھے باہر لے جائے۔"

فراز نے معصومیت سے کندھے اچکائے۔ "گڑیا! اگر ایسا ہوتا تو میں خود تمہیں لے جاتا۔"

یاور کے والد دوبارہ گرجے۔ "کہاں لے کر گیا تھا تمہیں؟"

امبر نے لرزتی آواز میں جواب دیا۔ "کیفے۔۔۔ وہاں کچھ میٹھا اور کافی پلائی تاکہ طبیعت ٹھیک ہو جائے۔"

امبر کی والدہ نے طنز سے کہا۔ "اگر ایسا ہی تھا تو یہ خاندانی معالج کے پاس لے کر جاتا۔ اگر فراز نے بھیجا ہوتا تو معالج کے پاس جانے کو کہتا، کیفے نہیں۔"

لاؤنج میں ایک ایسا تناؤ پیدا ہو گیا جس نے برسوں کے تعلق کو مشکوک بنا دیا۔

آخر کار امبر کی والدہ نے اس کا بازو پکڑا اور اسے گھسیٹتی ہوئی کمرے میں لے گئیں۔

وہاں بستر پر امبر کسی مجرم کی طرح سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

دردانہ نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔ "جانتی ہو تمہارے باپ نے کیسی کیسی باتیں کہی ہیں مجھے؟ بیٹا! یہ عمر بہت نازک ہوتی ہے اور ناسمجھ بھی۔ اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔ کسی اور کو ذہن میں جگہ دی تو ساری زندگی نکال نہیں پاؤ گی۔"

امبر نے نظریں اٹھا کر ماں کو دیکھا، جیسے پوچھ رہی ہو کہ یہ نصیحت کس کے لیے ہے؟ یہ تو یاور ہے، اس کے بچپن کا ساتھی۔ وہ پچھلے گیارہ سالوں کی ہر یاد اپنے ذہن سے مٹا دیتی، مگر کیسے۔

☆☆☆

اگلی صبح بہت عجیب تھی امبر کمرے سے نکل کر باہر آئی تو پورے گھر میں سناٹا تھا۔ ملازمہ سے پوچھا تو پتہ چلا یاور اپنی فیملی کے ساتھ ایاز ہاؤس جا چکا تھا، دور کے ہی سہی لیکن وہ بھی

رشتہ دار ہی تھے۔ ناشتے کی میز پر اس نے ماں کی اتری ہوئی شکل اور باپ کے چہرے کا تناؤ دیکھا تو کچھ پوچھنے کی ہمت نہ رہی۔ رانیہ بھابی ایک دن قبل میکے جا چکی تھیں دو تین دن وہیں رکنے کا ارادہ تھا۔

اور فراز بھائی۔۔؟

ایک عجیب سی چبھن محسوس ہوئی۔

کیا واقعی انہوں نے یاور سے اسے باہر لے جانے کو کہا تھا؟

اگر یہ سچ تھا تو وہ جھوٹ کیوں بول رہے تھے؟

لیکن وہ ایسا کیوں کریں گے؟

"تم اس سے موبائل پر رابطہ نہ کرنا۔" ابو کی اس بات پر اس نے نظریں جھکا لیں۔ "ویسے بھی تم لوگوں کو زیادہ ٹیلو فونک رابطوں سے منع کیا گیا ہے۔"

"ابو ہم نے کبھی کال پر بات نہیں کی، صرف کبھی کبھار چیٹ۔۔"

"اس نے ماں باپ کو یہ سب پسند نہیں اور یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔" ابو کے لہجے میں ابھی بھی سختی تھی۔

"شروع سے ہی تم دونوں کو سمجھایا گیا تھا کہ یہ دوستی ایک حد میں رہے تو ٹھیک ہے۔" امی نے نرمی سے سمجھایا۔ "اسے موبائل کو لاک رکھنے کی اجازت بھی اب جا کر ملی ہے جب وہ اٹھارہ کا ہوا۔ جانتی ہوں اپنی بہن کو، کئی بار دن میں اس کا موبائل اٹھا کر چیک کیا کرتی تھی۔"

"میرے پاس کبھی اتنا وقت نہیں تھا کہ میں موبائل پر لمبے رابطے رکھتی، بس سٹیٹس دیکھنے اور کبھی کبھار کی چیٹ کی حد تک۔۔۔"

"اب وہ بھی نہ ہو!" ابو دوٹوک انداز میں بولتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

کچھ دیر بعد وہ منہ بسورتی ٹی وی پر ایک پرانی فلم لگائے بیٹھی تھی جب فراز بھائی گلا کھنکارتے وہاں آئے۔ اس نے نظریں ٹی وی پر جمائے رکھیں۔ وہ کافی دیر سے گزری رات کو سوچ رہی تھی اور اب وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ فراز بھائی کو معاملہ سنبھال لینا چاہیے تھا۔ وہ بھی کئی بار نہ چاہتے ہوئے ان کے کئی ایسے کام کر جایا کرتی جو اسے ناپسند ہوتے یا

ٹھیک نہ لگتے۔ صرف اس لیے کہ ان کی بچت ہو جائے۔ان کی غلطی چھپانے کا معاملہ ہو یا کوئی بگڑا کام سنوارنے کا۔ وہ کئی بار اخلاقی اقدار کو پسِ پشت ڈال کر ان کا ساتھ دیتی۔

اور انہوں نے کیا کیا؟

یاور کی ایک غلطی پر پردہ نہ ڈال سکے!

"امبر، ناراض ہو؟" وہ اس کے عین سامنے والے صوفے پر بیٹھے تھے۔

وہ خاموش رہی۔

"اگر وہ مجھے کہہ دیتا کہ تمہیں کہیں بائیک پر لے جانا چاہتا ہے تو میں سب کے سامنے کوئی بہانہ گھڑ لیتا۔" پھر انہوں نے توقف کیا۔ "مجھے بھی اس وقت شاک لگا جب اس نے میرا ہی نام لے ڈالا۔"

"جو بھی ہوا برا ہوا۔" اس نے منہ پھیر لیا۔ "وہ لوگ یہاں سے چلے گئے۔"

"اب تو ان کی واپسی میں تھوڑے ہی دن رہ گئے ہیں۔"

"وہ دن میرے لیے بہت معنی رکھتے ہیں۔" وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس کے جانے کے بعد فراز مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

یاور۔۔۔

☆☆☆

رات کی خاموشی میں موبائل کی وائبریشن نے امبر کی نیند توڑ دی،اس نے بند آنکھوں سے ہی ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا۔

یاور کی کال تھی۔اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

"امبر۔۔۔

کسی تمہید کے بجائے یاور نے اس کا نام یوں اگلا جیسے کب سے گلے میں اٹکا ہوا ہو۔

امبر سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔"یاور!"

"کل ہماری فلائٹ ہے۔"یاور کے یہ کہتے ہی دوسری طرف جیسے سانس تھمی۔

پھر وہ بولا۔"خالہ خالو ہمیں ائیرپورٹ چھوڑنے آئیں گے۔"

وہ بولی۔"میں۔۔۔نہیں آسکتی؟"

"یہ ممکن نہیں لگ رہا۔"

وہ چپ ہو گئی، اب اس کے جواب میں کیا کہتی۔

"میں بس ایک بار تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔ جانے سے پہلے۔" یاور کے کہنے پر امبر کو سینے میں کچھ اٹکتا محسوس ہوا۔

وہ ملنا چاہتی تھی لیکن کیسے۔

"اب یہ کہاں ممکن ہے یاور؟"

"کل تم کالج جاؤ گی نا؟"

"آج کل کلاسز نہیں ہو رہیں، کچھ دنوں میں فائنل ایگزام شروع ہونے والے ہیں۔"

"تم کسی طرح گھر سے باہر نکل آؤ، کچھ دیر کے لیے ہم بات کریں گے اور بس۔" یاور نے اصرار کیا۔

تم صبح ہمارے گیٹ پر آ جانا میں نکل آؤں گی، گارڈ نے بعد میں ڈیڈ کو بتا بھی دیا تو کچھ نہیں ہو گا۔ ایک آخری بار۔۔۔ بس اتنا کافی ہے۔"

☆☆☆

اگلی صبح امبر کے اندازوں کے بر خلاف نکلی۔

جب سارے گھر والے تیار ہونے لگے تو فراز بھائی نے آکر اس کے کمرے پر دستک دی اور جب وہ ایک بوجھل اور ناراض سا چہرہ لیے باہر نکلی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تیار ہو جاؤ، سب ایاز ہاؤس جا رہے ہیں، وہیں سے خالہ لوگوں کو ائیر پورٹ چھوڑنے جانا ہے۔"

وہ اتنی حیران ہوئی کہ صحیح سے اپنی خوشی کا اظہار بھی نہ کر پائی، البتہ فراز بھائی سے اپنی گزشتہ ناراضگی پل بھر میں بھول گئی۔

"آپ نے ابو کو کیسے منا لیا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

انہوں نے گویا انکساری سے کندھے اچکائے۔ "اپنی ناراض بہن کو منانے کی خاطر اتنا تو کر ہی سکتا تھا۔"

اس نے کمرے میں آتے ہی یاور کو میسج کے ذریعے یہ نئی اطلاع دی۔

راستے میں ایک بار پھر یہ سوچ کر اس کا دل اداس ہو گیا کہ پچھلے کئی دن یاور کے بغیر گزر گئے اور اب وہ جا رہا تھا۔

اگلے سال تک کا فاصلہ اب وقت سے زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔

ایئرپورٹ پر انہیں الگ سے بات کرنے کا موقع تو نہ ملا لیکن یاور کی آنکھوں میں اداسی کا عنصر نمایاں رہا۔

اسے یاور کا جوابی پیغام یاد آیا۔ "یوں تو ہم بات بھی نہیں کر پائیں گے۔"

حالانکہ اس نے جواب میں میسج بھیجا تھا کہ وہ تو ہم ایئرپورٹ پر بھی کر سکتے ہیں، مگر یاور نے لکھ بھیجا تھا، "وہ بات نہیں، مجھے کچھ کہنا تھا۔"

وہ چند قدم کے فاصلے پر بیٹھا تھا لیکن امبر کے ذہن میں اس کی آواز زیادہ قریب تھی۔

سب آپس میں باتیں کر رہے تھے اور وہ دونوں خاموش بیٹھے تھے۔

ایئرپورٹ کے آخری لمحات میں، جب سب ایک دوسرے سے ملنے اور الوداع کہنے میں مصروف تھے، یاور دوسروں کی نظروں سے بچتا ہوا اس کے پاس سے گزرا۔

گزرتے ہوئے اس نے بنار کے اس کی بند ہتھیلی میں کچھ رکھ دیا۔

جب وہ اس کی طرف مڑی تو وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا، جیسے اس کے ہاتھ نے ابھی اس کے ہاتھ کو چھوا ہی نہ ہو۔

امبر نے اپنی مٹھی سختی سے بند کر لی۔

اس نے پہلے تو ایک ایک کر کے سب کا چہرہ دیکھا، 'کسی نے دیکھا تو نہیں؟'

پھر وہ نظریں چراتی رہی۔

بے صبری سے مٹھی کھول کر دیکھنا چاہتی تھی لیکن ابھی نہیں، وہ یہ کام اکیلے میں کرنا چاہتی تھی۔

بند مٹھی میں چھپی وہ چیز راستے بھر اس کے دل کی دھڑکن کے ساتھ چلتی رہی۔

آخری بار مڑنے سے پہلے یاور نے الوداعی ہاتھ ہلایا تو اس کی نظریں صرف امبر پر تھیں اور وہ ہلکا سا مسکرایا بھی۔

گھر آتے ہی امبر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

اندر جاتے ہی اس نے دروازہ لاک کیا اور دھک دھک کرتے دل کے ساتھ بیڈ پر جا بیٹھی۔

اس نے اپنی مٹھی آنکھوں کے سامنے کی اور اسے آہستہ سے کھولا۔

وہ ایک کاغذ ہی تھا لیکن کسی چیز کے گرد لپٹا ہوا۔

اس نے نہایت احتیاط سے اسے کھولا تو اندر ایک سفید پتھر تھا جس میں باریک نیلی لکیریں یوں تھیں جیسے کسی خاموش آسمان کو اس میں قید کر دیا گیا ہو۔

اسے یاد آیا یہ وہی پتھر تھا جو یاور نے ہائیکنگ کے دوران ملنے پر سنبھال لیا تھا اور یہ اکثر اسی کے پاس رہا کرتا تھا، وہ اسے ہاتھ میں لیے گھماتا رہتا تھا۔

اس نے کاغذ کو غور سے دیکھا تو اس پر یاور کی لکھائی میں کچھ لکھا تھا۔

"یہ پتھر ان لمحوں کی خاموش گواہی ہے، جو ہم نے ساتھ جیے۔

زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا، تاکہ تمہیں یاد رہے، میری دنیا اب بھی تمہارے گرد گھومتی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

شاہ ویز ڈیپارٹمنٹ کی راہداری کے ایک پر سکون کونے میں کھڑا اپنے ہاتھ سے لکھے گئے نوٹس پر نظریں جمائے تاریخ کی پرتیں الٹ پلٹ رہا تھا۔ کلاس ابھی ختم ہوئی تھی اور ارد گرد سٹوڈنٹس کا رش تھا۔

اتنے میں ایک دھیمی پکار سنائی دی "شاہ ویز؟"

اس نے نظر اٹھائی تو سامنے امبر کھڑی تھی۔ سادہ سے لباس میں ملبوس امبر کے چہرے پر وہ پرانی شوخی نہیں تھی، بلکہ ایک عجیب سا ٹھہراؤ اور ہلکی سی اداسی تھی۔ شاہ ویز کے لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"امبر، تم؟ تم نے بھی اسی شعبے میں داخلہ لیا ہے؟" اس کی آواز میں خوشگوار حیرت تھی۔

"ہاں، میرا بھی یہی انتخاب ہے۔"

شاہ ویز نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مگر تم کچھ دن لیٹ نہیں ہو گئیں؟ کلاسز تو" پچھلے ہفتے سے شروع ہو چکی ہیں۔

امبر نے نظریں چرائیں، اس کے لہجے میں ایک چھپی ہوئی تھکن تھی۔ "بس کچھ طبیعت ناساز تھی، اس لیے چند دن دیر ہو گئی۔"

شاہ ویز نے اس کی اداسی کو محسوس تو کیا مگر بات بدلنے کے لیے اپنے نوٹس کی طرف اشارہ کیا۔ "ویسے تم نے تاریخ کا انتخاب کیوں کیا؟"

امبر پہلی بار پرجوش دکھائی دی۔ "لوگوں کو یہ خشک لگتا ہے شاہ ویز، مگر مجھے لگتا ہے کہ حال کی الجھنوں کو سمجھنے کے لیے ماضی کے ملبے کو کھودنا ضروری ہے۔ تم بتاؤ، تمہیں اس میں کیا دلچسپی ہے؟"

شاہ ویز کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ "مجھے تاریخ اس لیے پسند ہے کیونکہ یہ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان اپنی غلطیاں دہرانے میں کتنا ماہر ہے۔ یہ سب ایک دائرہ ہے امبر، جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔"

امبر نے ایک گہرا سانس لیا۔ "صحیح کہا تم نے، ہم سب اپنے دائروں کے قیدی ہیں۔" اس نے راہداری کے دوسرے سرے کی طرف دیکھا۔ "چلو، کیفے ٹیریا چلتے ہیں، کلاس سے پہلے کچھ پی لیں۔"

شاہ ویز نے اپنی گھڑی دیکھی۔ "ابھی تو اگلی کلاس میں صرف پندرہ منٹ رہتے ہیں۔"

"پندرہ منٹ بھی صحیح استعمال کیے جائیں تو کافی ہوتے ہیں۔ میں نے ناشتہ بھی ٹھیک سے نہیں کیا۔"

شاہ ویز اس کی فرمائش ٹال نہ سکا اور دونوں کیفے ٹیریا کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 14

کمال فیملی

زوہیب آفس سے لوٹا تو عصر کی اذان ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی، وہ نماز بھی پڑھ آیا تھا۔ رمضان میں ٹائمنگ بدل چکی تھی۔

کچن میں ملازمہ کے علاوہ زمرد بھی موجود کچھ بنا رہی تھی، زوہیب خوشبو کا پیچھا کرتے وہیں چلا آیا۔ پھر دروازے میں کھڑا ہو کر بولا۔ "تمہیں پکانا آتا ہے اور مجھے سونگھ کر بوجھنا۔"

زمرد ہنس دی۔

وہ بولا۔ "پلاؤ ہے نا؟"

وہ آنچ دھیمی کرتی دم پر چڑھانے لگی۔ "آنٹی کہہ رہی تھیں گھر کے سبھی مرد حضرات کو پسند ہے تو میں نے سوچا ایک دن ان سب کو بھی دیا جائے۔"

وہ اندر آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ "مزید ہماری پیٹھ پیچھے کیا کہتی ہیں، ہماری والدہ؟"

زمرد نے سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے ٹھوڑی پر انگلی بجائی۔ "کہتی ہیں زوہیب کی چند بری عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر روز افطاری کے لیے باہر سے کوئی چیز منگوالیتا ہے۔"

وہ اب فریج سے فروٹ نکال رہی تھی، غالباً فروٹ چاٹ بنانا ہو گا زوہیب نے اندازہ لگایا۔

"کیا تم بھی ان کی اس بات سے متفق ہو؟"

"کون سی؟ تم میں صرف 'چند' بری عادتیں ہیں یا یہ کہ باہر سے روز کچھ منگوانا اچھی عادت نہیں؟" وہ اب سنک کے پاس کھڑی فروٹ دھو رہی تھی۔

وہ اسے چھیڑ رہی تھی، وہ محظوظ ہوا۔

"روز تو نہیں منگواتا، بس ہر دو تین دن بعد۔"

وہ فروٹ میز پر لا کر رکھنے لگی کہ یہیں بیٹھ کر چاٹ بھی بنالے اور گفتگو بھی جاری رہے۔ "یہ بھی زیادہ ہے۔"

"تو پھر، مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"مجھے سب بنانا آتا ہے، شوق ہے میرا۔" اس کی فروٹ کاٹتی انگلیاں کچھ دیر کو رکیں اور اس نے نظریں اٹھا کر زوہیب کو دیکھا۔ "جس دن کوئی چیز باہر سے منگوانے کو دل چاہے مجھے بتانا، میں بنا دوں گی۔" ایک بار پھر اس کی انگلیاں متحرک ہوئیں اور زوہیب نے دیکھا آج اس نے دونوں انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔

"آج تم نے انگوٹھیاں نہیں اتاریں؟" یہ پوچھتے ہوئے اسے اپنا لہجہ عجیب سا لگا، اس نے گلا کھنکار کر صاف کیا۔

زمرد مسکرائی۔ "کباب اور پلاؤ بنانے میں کافی فرق ہوتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ صرف کچھ کام ایسے ہیں جو زمرد کو انگوٹھیاں اتارنے پر مجبور کر دیں۔"

"ہاں، وضو کرتے ہوئے بھی۔" زمرد نے اضافہ کیا۔

"تم نے ان دو کے علاوہ کبھی کچھ نہیں پہنا؟"

اس سوال پر زمرد کے چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی، زوہیب کو لگا اس کا سر کچھ زیادہ جھک گیا ہے۔ اس نے جواب نہیں دیا اور زوہیب کو یہ رد عمل بہت عجیب لگا۔ زمرد اور کسی بات کا جواب نہ دے ایسا تو تبھی ممکن تھا کہ سوال ہی غلط ہو۔

کچھ تھا جو اسے اچھا نہیں لگا۔

کچھ تھا جس سے وہ لاعلم تھا۔

کچھ تھا جو زمرد پر ابھی بھی اثر رکھتا تھا۔

اسے آخری بات سب سے زیادہ بری لگی۔

وہ زمرد کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا، اس لیے بات کا رخ بدل دیا۔ "تم نے تو خود سے اتنی ذمہ داریاں لے رکھی ہیں۔" اس نے ہاتھ سے ماریہ کی طرف اشارہ کیا جو غالباً کوئی سالن بنانے میں مشغول تھی۔ "ماریہ کی ہیلپر (مددگار) کو بھی آج چھٹی دے دی، خود اس کے کام میں لگ گئی، میری فرمائشیں کیسے پوری کرو گی؟"

"ککنگ میرے لیے تھراپی سا اثر رکھتی ہے۔" ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔ "نت نئ ترکیبیں آزمانا اور 'باہر' جیسا کچھ بنانے کو میں ایک چیلنج کے طور پر لیتی ہوں۔"

"واؤ، تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ کسی ہوٹل یا کیفے کی مخصوص ڈش جو بہت شہرت رکھتی ہو کہ ایسی کہیں اور سے نہیں ملتی۔۔"

"وہ میں اس سے بھی بہتر بنانے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔" اس نے ٹھوڑی ذرا اونچی کی۔

"سوچ لو؟"

"سوچتی تب، جو مجھے خود پر یقین نہ ہوتا۔" اس نے ڈرامائی وقفہ لیتے ہوئے ابرو اچکائے۔ "سالوں کا تجربہ ہے، کبھی ناکام نہیں ہوئی۔"

زوہیب کی آنکھیں شرارت سے چمکنے لگیں۔ "اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"آج تو کافی وقت گزر چکا، دیر ہو گئی۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے رکی۔ "تم کل واپسی پر کوئی ایسی چیز لانا جو تمہیں کسی خاص جگہ کی پسند ہو، میرا چکھنا ضروری ہے۔"

زوہیب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تم بنا ترکیب جانے بنالو گی؟"

"وعدہ نہیں کرتی کہ ویسا ہی بنے گا، ہو سکتا ہے بہتر بن جائے۔"

"لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم جس دن میرے لیے کچھ بناؤ گی اس دن کچھ اور نہیں بناؤ گی۔"

زمرد نے اس انوکھی شرط پر اسے حیرت سے دیکھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ میری فرمائش کی وجہ سے تمہارا کام بڑھے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

فہمیدہ بیگم کے دروازے پر دستک دینے کے بعد، جب زمرد اندر داخل ہوئی، تو وہاں ایک پُرسکون خاندانی منظر اس کا منتظر تھا۔ زوہیب اپنی ماں کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا، اور وہ اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

زمرد مسکراتے ہوئے سامنے رکھے صوفے پر آ بیٹھی۔

"آنٹی! میں نے اپنا اور شہ پارہ کا تو عید کا جوڑا تیار کر لیا، لیکن آپ نے بتایا ہی نہیں کہ آپ اس بار کیا پہنیں گی؟" زمرد کی اس بات پر زوہیب نے ماں کی گود سے سر اٹھایا اور ذرا فاصلے پر ہو کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔

فہمیدہ بیگم نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "بیٹا! ایک جوڑا لیا تو ہے لیکن ابھی ان سلا ہے، کچھ خاص دل بھی نہیں کر رہا۔"

زوہیب نے فوراً مداخلت کی۔ "امی! میں آپ کو آج شام ہی لے کر جاتا ہوں، کسی اچھے ڈیزائنر سے کوئی بہترین جوڑا دلواؤں گا۔"

فہمیدہ بیگم نے پیار سے اسے ٹوکا۔ "ارے چھوڑو بھی زوہیب! بہت ہیں میرے پاس۔"

زمرد نے اپنی سکیچ بک آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آنٹی! ابھی کچھ دیر پہلے میں لاؤنج میں بیٹھی ایک نقشہ بنا رہی تھی اور میرے ذہن میں آپ ہی تھیں۔ دیکھیں! اگر آپ کو پسند آئے تو میں خود تیار کر دوں۔" اس نے وہ سکیچ بک فہمیدہ بیگم کو پکڑائی، تو زوہیب بھی تجسس میں قریب ہو کر دیکھنے لگا۔

ماں اور بیٹے نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا، جیسے وہ زمرد کے اس ہنر پر حیران رہ گئے ہوں۔

زوہیب نے نظریں اٹھا کر زمرد کو دیکھا اور شرارت سے بولا۔ "کل جو تم نے قیمے والے سموسے بنائے تھے، ان کے ذائقے نے تو مجھے قائل کر ہی لیا تھا کہ واقعی تمہارے بنائے ہوئے بہتر تھے۔ اب کیا امی کی بھی پرانی عادتیں بدلنے کا ارادہ ہے؟"

زمرد نے اشتیاق بھری نظروں سے فہمیدہ بیگم کو دیکھا۔ "آنٹی! آپ کو میرا ڈیزائن پسند آیا؟"

انہوں نے محبت بھرے اشارے سے زمرد کو اپنے پاس بلایا اور قریب بٹھا کر خود سے لگا لیا۔

اسی لمحے زوہیب کے موبائل کی پیغام کی مخصوص آواز بجی۔ وہ بمشکل اپنی نظریں زمرد کے پُرسکون چہرے سے ہٹا پایا، جو فہمیدہ بیگم کے گلے لگ کر آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ اس نے جیب سے موبائل نکال کر سکرین دیکھی۔

سحر کا پیغام تھا۔ "عید کے صرف دو جوڑے لیے ہیں، دونوں اپنی پسندیدہ ڈیزائنر کے۔ تصویریں بھیجتی ہوں، دیکھ لو۔ تمہاری طرف سے جوڑا ان سے بھی بہتر ہونا چاہیے۔"

زوہیب نے چند لمحے سکرین کو دیکھا، پھر خاموشی سے موبائل کی روشنی بند کر کے اسے واپس جیب میں رکھ لیا۔

فہمیدہ بولیں۔ "بیٹا! اتنا نہ کیا کرو۔" ان کی آواز جذبات سے بھرا گئی تھی۔

جب وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئیں تو زمرد نے جذبے سے کہا۔ "آنٹی! آپ نے تو اپنا سلائی والا کمرہ بھی مجھے دے دیا ہے جہاں ہر سہولت موجود ہے اور میں وہاں اپنا شوق پورا کر سکتی ہوں۔"

"بیٹا، اصل میں تو میں تمہاری احسان مند ہوں جو تم اس کمرے اور مشین کو استعمال کرنے لگی۔ میں تو بس جوانی میں بچوں کے لیے کچھ بنا لیا کرتی تھی۔ کتنے عرصے سے یہ سب غیر استعمال شدہ تھا۔"

"بس اس بار میری یہ خواہش بھی پوری ہونے دیں، آپ کا عید کا جوڑا میرا ہی ڈیزائن کردہ ہو گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

شاہ ویز کی گاڑی پر سکون انداز میں امبر کے گھر کی جانب جانے والی سڑک پر رواں تھی، اس کے چہرے پر ہلکی سی اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔

امبر ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی باہر کے مناظر دیکھ رہی تھی۔

"آج اگر گاڑی گیراج میں نہ کھڑی ہوتی تو میں تم سے یہ فیور (احسان) نہ مانگتی۔" امبر نے شرمندگی سے شاہ ویز کی طرف دیکھا۔

شاہ ویز نے اسٹیئرنگ پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے نرمی سے جواب دیا۔ "اوہ پلیز امبر! ہم اچھے دوست ہیں اور رشتہ دار بھی، یہ کوئی اتنا بڑا کام نہیں ہے۔"

"لیکن شاہ ویز! اب تو ہم دونوں کے سماجی حلقے بالکل الگ ہو چکے ہیں، ہماری مصروفیت بدل گئی ہے۔"

شاہ ویز نے اس کی طرف دیکھے بغیر سکون سے جواب دیا، اس کی آواز میں پر سکون منطق اور دوستانہ یقین تھا۔ "یہ سب بہت فطری انداز میں ہوا ہے۔ کچھ سہیلیاں تمہاری بن گئیں، کچھ دوست میرے بن گئے۔ اس سے تمہاری اہمیت کم تو نہیں ہوئی۔ اب بھی ہم ایک دوسرے کو کچھ نہ کچھ وقت تو دیتے ہی ہیں۔"

گاڑی جیسے ہی امبر کے گھر کے صدر دروازے کے قریب پہنچی، شاہ ویز نے دیکھا کہ ایک اسپورٹس بائیک وہاں پہلے سے موجود تھی۔

جیسے ہی ان کی گاڑی قریب آئی، بائیک پر سوار لڑکے نے اپنا ہیلمٹ اتار کر ٹینک پر رکھا اور نہایت جارحانہ انداز میں بائیک سڑک کے بیچوں بیچ لا کر کھڑی کر دی تاکہ شاہ ویز گاڑی اندر نہ لے جا سکے، اس کے چہرے پر چیلنجنگ اور بے قابو سا غرور تھا۔

امبر کے چہرے پر ناگواری کی لہر دوڑی۔ "اف! یہ رہا میری سہیلی کا سر پھرا سابقہ منگیتر۔"

شاہ ویز نے گاڑی روک دی اور خاموشی سے اس لڑکے کا جائزہ لیا۔

"اس کا مسئلہ کیا ہے؟" اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"خدیجہ نے منگنی توڑ دی ہے۔ پہلے تو گھر والے ہی مشکل سے مانے، اب یہ پیچھا نہیں چھوڑ رہا۔ وہ کبھی کبھار یہاں آجایا کرتی تھی، اس لیے اب یہ میرے ذریعے اسے پیغام پہنچانا چاہتا ہو گا۔"

شاہ ویز کی آنکھیں اب اس لڑکے پر جمی تھیں جو چیلنجنگ انداز میں انہیں گھور رہا تھا۔

"تم گاڑی میں ہی رہو، مجھے اس سے خود بات کرنے دو۔" شاہ ویز نے کہا۔

شاہ ویز نے آہستہ سے دروازہ کھولا، جیسے اسے جلدی نہ ہو۔

اور یہی بات سامنے والے کو بے چین کر گئی۔

شاہ ویز نے دیکھا کہ خدیجہ کا سابقہ منگیتر ایک پر کشش شخصیت کا مالک نوجوان تھا، جس کی عمر کم و بیش ان ہی کے برابر ہو گی۔ لڑکے کے چہرے پر خود اعتمادی تھی۔

شاید کچھ زیادہ ہی۔

شاہ ویز ابھی اس کی جانب بڑھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ وہ خود ہی تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"اسے کہو اپنی دوست کو سمجھائے۔" اس نے شاہ ویز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

شاہ ویز نے ایک نظر اسے سر سے پیر تک دیکھا، پھر ہلکا سا مسکرایا۔

پہلے اسے پریشان کیا ہو گا۔ جب سارے دروازے بند ہو گئے تو اس کی دوست کو ستانے آ

"پہنچے۔"

وہ لڑکا اسے غصے سے گھورنے لگا۔ "رشتے اتنی آسانی سے نہیں توڑے جا سکتے۔"

شاہ ویز نے ہاتھ کے اشارے سے بائیک اور پھر اس کے اپنے وجود کی طرف اشارہ کیا، جیسے اس کی حالت کا مذاق اڑا رہا ہو۔

"رشتہ بچانے آئے ہو؟ اس طرح؟"

اس لڑکے نے گاڑی میں بیٹھی امبر کی جانب دیکھا اور بولا۔ "خدیجہ نے مجھے بلاک کر دیا ہے، رابطہ ناممکن ہو چکا ہے۔ گھر والوں نے وارننگ دے رکھی ہے۔ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں۔" وہ رکا۔ "امبر سے کہو اسے منائے، مجھے بس اس سے آخری بار بات کرنی ہے۔"

شاہ ویز نے ایک نظر مڑ کر امبر کو دیکھا، اس کے چہرے پر فکر مند تاثر تھا، پھر واپس اس لڑکے کی طرف متوجہ ہوا۔ "بلاک اسی لیے کیا جاتا ہے کہ اب مزید کوئی بات کہنے سننے کی خواہش باقی نہیں رہی۔"

وہ لڑکا دو قدم مزید شاہ ویز کے قریب آیا، اس کا انداز اتنا جارحانہ تھا کہ اگر کوئی اور ہوتا تو شاید دو قدم پیچھے ہٹ جاتا، لیکن یہ شاہ ویز تھا۔ اس کے پیر اپنی جگہ جمے رہے اور چہرہ پہلے کی طرح بے تاثر رہا۔

"تم ہمارے بیچ آنے کی کوشش مت کرو۔" اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

شاہ ویز اب کی بار کھل کر مسکرایا۔ "اوہ! تو کیا تم دونوں ابھی ساتھ ہو؟ یہ کب ہوا؟"

"وہ مجھے اس طرح، یوں اتنی آسانی سے نہیں چھوڑ سکتی۔ صرف اگر ایک بار وہ میری بات سن لے سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"خوش فہمی ہے تمہاری۔ شکر کرو بچت ہو گئی، اگر امبر اس وقت اکیلی ہوتی تو سیدھا ۔" شاہ ویز نے گیٹ کی جانب اشارہ کیا۔ "اپنے گارڈ کو فون لگاتی، سوچو تمہارا کیا حشر ہوتا۔"

شاہ ویز کے اس پر سکون طنز نے لڑکے کو حواس باختہ کر دیا، اس کے چہرے سے جارحیت کا غرور اتر کر بے بسی میں تبدیل ہو گیا۔

اب وہ سرگوشی میں منت آمیز لہجے میں بولا۔ "پلیز! میری سفارش کر دو، وہ بس ایک بار مجھ سے بات کر لے۔"

شاہ ویز اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارا نام تو نہیں جانتا، لیکن چند ہی منٹوں میں تم نے اتنے پینترے بدلے ہیں کہ مجھے اندازہ ہو گیا ہے تم کیسی شخصیت کے مالک ہو۔"

وہ ایک لمحے کو رکا، پھر سنجیدگی سے کہا۔ "بس ایک ہی مشورہ دوں گا، جو تمہیں چھوڑ دے اس کا پیچھا چھوڑ دو۔"

یہ کہہ کر شاہ ویز واپس اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

امبر نے دیکھا کہ وہ لڑکا اب شکست خوردہ انداز میں ہیلمٹ پہن کر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

شاہ ویز نے گاڑی میں بیٹھ کر امبر کو دیکھا جو اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا ہوا جو میں آج یہاں موجود تھا۔" شاہ ویز نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔"""

"تمہارا طریقہ مختلف ہوتا، میرا بس تھوڑا مختصر تھا۔

اس بات پر امبر بھی سر جھٹک کر ہنس دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر15

امبر میر

"The Distance I crave"

Do you love me enough

to be able to walk away?

Just let me go,

I don't want to stay!

It's time to grow and bloom,

in a place that's best for me.

If it's true love between you and I,

Then it better be full of

all the colors in the sky.

"وہ فاصلہ جس کی مجھے طلب ہے"

کیا تم مجھ سے اتنی محبت کرتے ہو

کہ میری خاطر مجھ سے دور جا سکو؟

آزاد کر دو مجھے،

مجھے اب یہاں نہیں ٹھہرنا۔

یہ وقت ہے کہ

میں کھلوں، سنوروں،

کسی ایسی جگہ

جو میری ذات کے لیے بہتر ہو۔

تمہارے میرے بیچ یہ محبت

اگر واقعی سچی ہے،

تو پھر

اس میں آسمان کے سبھی رنگ ہونے چاہییں!

اس رات ڈنر پارٹی پر کمال ہاؤس میں ایاز اور میر دونوں فیملیاں مدعو تھیں۔ وہاں سے واپسی پر ہر شخص اپنی الگ سوچ میں گم تھا جب امبر بولی۔ "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ انٹر کے بعد ایک سال کا وقفہ لوں گی۔"

اس کی بات پر شاہ میر صاحب فوراً بولے۔ "اب یہ کیا نئی بات تمہارے ذہن میں آئی؟"

فراز نے ہمیشہ کی طرح نرمی سے مداخلت کی۔ "پڑھائی میں کوئی الجھن ہے تو مجھ سے کہو، میں سنبھال لوں گا۔۔"

"بھائی! ابھی کیا دقت ہونی، اب تو نتیجہ بھی آنے والا ہے۔" امبر نے جواب دیا۔

امی نے تشویش سے پوچھا۔ "پھر وجہ کیا ہے؟ کچھ پتہ تو چلے۔"

"امی! سمجھ نہیں آ رہی کہ آگے کون سے مضمون رکھوں۔" امبر نے سچائی سے اعتراف کیا۔

فراز تیزی سے بولا۔ "میں بتاتا ہوں کہ تمہیں کیا رکھنا چاہیے۔۔۔"

امبر نے بیچ میں ہی ٹوک دیا۔ "نہیں بھائی! میں چاہتی ہوں اس بار فیصلہ میری اپنی سمجھ سے ہو۔"

شاہ میر صاحب نے اسے آئینے میں دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔ "اس کے لیے جو سمجھداری درکار ہے، وہ ہے تمہارے پاس؟"

امبر نے مدد طلب نظروں سے ماں کو دیکھا، جو مصلحت آمیز انداز میں بولیں۔ "تم نے کیا سوچا ہے، یہ وقفے کا سال کیسے گزارو گی؟"

شاہ میر صاحب نے لقمہ دیا۔ "ہاں! اگر تم ہمیں قائل کر لو کہ اس وقفے کا بھی کوئی فائدہ اٹھاؤ گی تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

یہ تو میں نے ابھی نہیں سوچا۔ "امبر نے کہا، پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ "لیکن جلد ہی" "کوئی حتمی فیصلہ کر کے بتاؤں گی، مجھے یہ سال بہترین انداز میں گزارنا ہے۔

اس رات امبر نے یاور کو پیغام بھیجا جس میں اس سے رہنمائی کی درخواست کی۔

چند ہی منٹ بعد یاور کا جواب آ گیا، حالانکہ اوقات کے فرق کی وجہ سے جواب عموماً دیر سے ہی ملتا تھا۔ "اپنے آپ کو وقت دو، اور سب سے پہلے کسی لائبریری کا راستہ ڈھونڈو۔ میں تو شروع سے فلکیات میں دلچسپی رکھتا تھا، میرے لیے فیصلہ کرنا مشکل نہیں تھا، لیکن تم نے وقفہ لے کر بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے۔ مختلف موضوعات پر کتابیں پڑھو، اخبار کھنگالو۔ جب تم ایک باخبر فیصلہ لو گی تو ذہن میں کوئی شک رہے گا نہ پچھتاوا۔"

امبر اس جواب پر سوچتی رہ گئی کہ کیا زندگی میں کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ایسا موقع ملتا ہے کہ تمام پہلوؤں کو دیکھ لیا جائے؟

اس نے جواباً صرف اتنا لکھا۔ "تمہاری آواز نے میرا دل کچھ دیر کے لیے پر سکون کر دیا۔"

اگلے چند ماہ امبر کے لیے دریافت کا سفر ثابت ہوئے۔

اسلام آباد کی قومی لائبریری کی پر سکون فضاؤں میں اس نے گھنٹوں گزارے، جہاں اس نے مختلف موضوعات کی کتابیں کھنگالیں، وہاں تاریخ نے اسے سب سے زیادہ اپنی طرف کھینچا۔

اس تجسس کا آغاز ہالی ووڈ فلم 'گلیڈی ایٹر' دیکھنے سے ہوا تھا۔

اس نے پڑھا کہ قدیم روم کے یہ جنگجو محض لڑاکا نہیں تھے، بلکہ ان میں سے اکثر وہ غلام تھے جو اپنی آزادی کی قیمت اپنے خون سے چکاتے تھے۔

تاریخ کی کتابوں نے اسے ایشیا کے ان گمنام گوشوں تک پہنچا دیا جہاں اسے پتہ چلا کہ وسطی ایشیا کے قدیم شہر 'سمرقند اور بخارا' محض ریشمی کپڑے کی تجارت کے مرکز نہیں تھے، بلکہ وہاں کی رصد گاہوں اور کتب خانوں میں بیٹھ کر مسلمان سائنسدانوں نے ستاروں کے وہ نقشے بنائے تھے جن پر آج کی جدید فلکیات کی بنیاد ہے۔

اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ جب یورپ تاریک دور میں تھا، تب ایشیا کے ان راستوں پر علم، فلسفہ اور تہذیب ایک دریا کی طرح بہتی تھی۔

تاریخ کے ان پراسرار قصوں نے اسے ایک نئی بصیرت عطا کی۔

ایک ماہ کے مسلسل مطالعے کے بعد اس نے بلا آخر 'تاریخ' کو اپنے مستقبل کے مضمون کے طور پر چن لیا۔

پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ زندگی کے اہم فیصلے کرتے ہوئے اسے کسی دوسرے کی نہیں، اپنی آواز سننی ہے۔

☆☆☆

گھر میں روز کی سی ہلکی چہل پہل تھی، مگر امبر اپنے کمرے میں بیٹھی تاریخ کی ایک موٹی کتاب کے اوراق میں یوں گم تھی جیسے باہر کی دنیا سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

اچانک پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی، پھر چند مانوس آوازیں۔

امبر نے چونک کر سر اٹھایا۔

ایک لمحے کو اسے لگا شاید دل نے پھر کوئی فریب دیا ہے، کیونکہ ان کی آمد میں ابھی دو دن باقی تھے۔

مگر اگلے ہی لمحے لاؤنج سے یاور کی آواز سنائی دی، کتاب اس کے ہاتھ سے پھسل کر گود میں بند ہو گئی، اس کا دل اس شدت سے دھڑکا کہ اسے اپنے سینے میں اس کی آواز سنائی دینے لگی۔

وہ بے اختیار اٹھی اور دروازے تک آ گئی۔

لاؤنج کے دہانے پر پہنچ کر اس کے قدم خود بخود رک گئے۔

یاور وہاں کھڑا تھا۔

ایک ہی سال میں وہ جیسے پہلے والا یاور رہ کر بھی پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔

قد پہلے سے اور نکل آیا تھا، کندھے زیادہ بھر گئے تھے، رنگت ویسی ہی شفاف تھی مگر اب اس شفافیت میں لڑکپن کی جگہ ایک خاموش مردانہ پختگی آ گئی تھی۔

اوراس کی گہری سبز آنکھیں۔۔۔وہ پہلے بھی سبز تھیں، مگراب ان میں ایسی گہرائی تھی جیسے کسی پر سکون جھیل کے نیچے بہت کچھ چھپا ہو۔

وہ سب سے مل رہا تھا، مگر پھراس کی نظریں اچانک اٹھیں اور سیدھی دروازے پر آکر رک گئیں، جہاں امبر کھڑی تھی۔

صرف ایک لمحہ، لیکن امبر کو یوں محسوس ہوا جیسے پورا ایک سال اسی ایک نظر میں سمٹ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا ہو۔

یاور کے ہونٹوں پر بہت ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

امبر نے بے اختیار دروازے کا کنارا مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"ارے امبر، وہاں کیوں کھڑی ہو؟" امی کی آواز پر وہ چونکی اور خود کو سنبھالتے ہوئے آہستہ سے آگے بڑھی۔

فراز صوفے کے پاس کھڑا یہ سب خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔اس نے یاور کے کندھے پر ہاتھ رکھااور مسکراتے ہوئے بولا۔"اس بار تو تم لوگوں نے آنے کی خبر دے کر کسی کو انتظار کا موقع ہی نہیں دیا۔"

جملہ عام تھا، مگر اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ امبر کو محسوس ہوا جیسے اس نے ان دونوں کے چہروں پر لکھی خوشی پڑھ لی ہو۔

یاور نے مسکرا کر کہا۔" کبھی کبھی اچانک ملنا زیادہ یادرہ جاتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس کی نظریں پھر ایک لمحے کے لیے امبر کی طرف اٹھیں۔

امبر نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

وہ سب کے درمیان آکر بیٹھ گئی، مگر اسے مسلسل احساس تھا کہ یاور کی نظر وقفے وقفے سے اس پر ٹھہر جاتی ہے۔

کبھی اس کے چہرے پر، کبھی اس کے ہاتھوں پر، کبھی کان کے پیچھے اٹکی ڈھیلی لٹ پر۔

جیسے وہ ایک سال کی غیر موجودگی ایک ہی نشست میں پوری کرنا چاہتا ہو۔

چند رسمی باتوں کے بعد یاور نے سب کے سامنے پہلی بار براہِ راست اسے مخاطب کیا۔ "کیسی ہو، امبر؟"

سادہ سے تین الفاظ۔۔۔ مگر اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ امبر کو لگا جیسے وہ اس سے سال کا حساب مانگ رہا ہو۔

امبر نے پہلی بار سیدھا اس کی طرف دیکھا اور دھیمی آواز میں بولی۔ "ٹھیک ہوں، مگر شاید جتنا سمجھتی تھی، اتنی نہیں تھی۔"

یاور کی آنکھوں میں ایک لمحے کو عجیب سی نرمی اتری۔

فراز کی نظر فوراً دونوں کے درمیان گھومی۔

اسی لمحے امی نے ملازمہ کو آواز دی مگر جواب نہ آیا تو امبر کی طرف دیکھ کر بولیں۔ "امبر، ذرا دیکھو تو شازیہ کہاں ہے، اسے کہو چائے تیار کرے۔"

"جی۔" امبر فوراً اٹھ گئی۔"

اسے خود بھی وہاں سے اٹھنے کے لیے کسی بہانے کی ضرورت تھی۔

وہ تیز قدموں سے کچن کی طرف بڑھی، یہاں کوئی نہیں تھا۔ابھی اسے یہاں آئے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ پیچھے آہستہ سے کسی کے آنے کی چاپ سنائی دی۔

وہ پلٹی۔

یاور دروازے کے قریب کھڑا تھا،امبر کا سانس ایک لمحے کو رک سا گیا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟"اس نے بہت آہستہ سے پوچھا۔

یاور نے دروازے کے ساتھ ٹیک لگالی۔"تم سے بات کرنے۔"

امبر نے بے اختیار باہر کی طرف دیکھا۔"سب باہر بیٹھے ہیں۔"

یاور کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔"ہاں،اسی لیے تو آہستہ بول رہا ہوں۔"

امبر کے دل کی دھڑکن اور تیز ہو گئی۔

وہ چند لمحے صرف اسے دیکھتا رہا، جیسے واقعی یقین کر رہا ہو کہ وہ سامنے موجود ہے۔

"تم نے دیکھا بھی نہیں میری طرف۔"

"سب کے سامنے کیا دیکھتی؟"امبر کو اس کا شکوہ عجیب لگا۔

"پچھلا سال عجیب گزرا۔"

"میرا بھی۔" امبر نے اعتراف کیا۔

"اس سال مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

پھر ٹھہر کر بولا۔ "تمہیں پہلے سے زیادہ یاد کرنے لگا ہوں۔"

امبر نے فوراً نظریں جھکا لیں کیونکہ اسے محسوس ہوا اگر ایک لمحہ اور اسے دیکھتی رہی تو چہرہ سب کچھ ظاہر کر دے گا۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "صرف ایک سال میں؟"

یاور نے آہستہ سے سر ہلایا۔ """نہیں۔

وہ ایک قدم اور قریب آیا۔ "سب ہمیشہ سے ایسا ہی تھا، محسوس اب زیادہ ہونے لگا ہے۔" پھر اس نے اچنبھے سے پوچھا۔ "کیا تمہیں لگتا ہے کہ ہر وہ دن جس میں تم آس پاس نہ ہو، ویسا ہوتا ہے جس میں تم موجود ہو؟"

کچن کی خاموشی میں دونوں صرف ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

باہر لاؤنج میں لوگوں کی آوازیں بدستور معمول کے مطابق چلتی رہیں، جیسے دنیا اس حقیقت سے غافل ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

فلکیاتی حقیقت

کائنات کی وسعتوں میں موجود **روزٹ نیبولا** انسانی نظر اور زاویۂ نگاہ کے بدلنے سے معنی بدل لینے کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے۔ ستاروں کی یہ نرسری اکثر تصویروں میں قوسِ قزح کے رنگوں میں ڈھلے ایک گلاب کی مانند دکھائی دیتی ہے، جو رومانی محبت کی ایک لازوال علامت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اگر ذرا سا زاویۂ نگاہ بدل جائے تو یہی نازک پھول بعض نگاہوں کو ایک ہولناک انسانی کھوپڑی کا گمان بھی دینے لگتا ہے۔ یہ تبدیلی اس محبت کو ایک گہرا مفہوم عطا کرتی ہے؛ ایک طرف یہ منظر کہتا محسوس ہوتا ہے کہ **میں تم سے محبت کرتا ہوں** اور دوسری طرف یہ یقین دلاتا ہے کہ **موت ہی ہمیں جدا کرے گی۔**

امبر اپنی دوست **منزہ** کے گھر بیٹھی اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی جو ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس کے لیے چائے لینے کچن کی طرف گئی تھی۔ اچانک میز پر رکھے فون کی سکرین روشن ہوئی اور یاور کا نام چمکتا دیکھ کر امبر کی دھڑکنیں کچھ بے ترتیب ہونے لگیں۔

"امبر؟" کال اٹھاتے ہی یاور کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

یہ اس کی پرانی عادت تھی، حالانکہ ان کی کبھی فون پر زیادہ بات چیت نہ رہی تھی لیکن جب بھی وہ فون اٹھاتی، یاور اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اسے پکار لیا کرتا۔

"ہاں بولو، یاور؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"کہاں ہو؟"

امبر نے مسکراتے ہوئے اپنے اطراف پر نظر ڈالی۔ "اپنی دوست کے گھر۔"

یاور کی آواز میں خوشی در آئی۔ "یہ تو بہت اچھا ہوا۔ ایسا کرو مجھے اپنی لوکیشن بھیجو، میں بائیک پر وہیں آ جاتا ہوں، پھر ساتھ کہیں چلتے ہیں۔"

وہ تعجب سے بولی۔ "اس طرح؟"

"اور کیسے ؟اب تو ہم لوگ تمہارے ہاں نہیں ٹھہرتے، بس کبھی کبھار ہی آنا جانا رہے گا۔" یاور نے جواب دیا۔انہیں پاکستان آئے تین دن ہو چکے تھے اور اس پہلی شام کے بعد ملاقات کا کوئی موقع نہ مل پایا تھا۔"ہمیں اب ساتھ بیٹھنے کا موقع بھی تو نہیں ملتا۔"

"ٹھیک ہے، لوکیشن بھیجتی ہوں۔"امبر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔"

پچھلے سال جب یاور یہاں سے گیا تھا تو اپنی بائیک بھی ساتھ لے گیا تھا، وہی بائیک اب ایاز ہاؤس میں کھڑی رہتی تھی۔

کچھ دیر بعد یاور کی کال آئی تو وہ منزہ کو یاور کا بتا کر باہر نکل آئی۔

یاور ہیلمٹ اتارے بائیک پر ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

"اب جو دو گھنٹے تم نے دوست کے ساتھ گزارنے تھے، وہ میں نے چرا لیے۔" یاور مسکرایا

۔

امبر اپنا دوپٹہ سر پر جماتی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے لگی۔

"کندھا مضبوطی سے پکڑنا۔" یاور نے انجن سٹارٹ کرتے ہوئے کہا تو امبر بے اختیار ہنس دی۔

یاور اسے اسلام آباد کی خاموش اور پر سکون شاہراہوں سے گزارتا ہوا لوٹس لیک (کنول جھیل) کے کنارے لے آیا۔ شام کا وقت تھا اور پانی کی سطح پر تیرتے کنول کے پھول ڈھلتے سورج کی روشنی میں سنہری لگ رہے تھے۔ وہ دونوں ریلنگ کے پاس خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔

امبر نے چپکے سے اس کی طرف دیکھا۔ "سال کیسا رہا؟"

یاور نے نظریں جھیل سے ہٹا کر اس کے چہرے پر ٹکا دیں۔ ہلکے زیتونی رنگ کے لباس میں کھڑی امبر اس وقت سنہری شام کا حصہ لگ رہی تھی۔ "تمہیں کیا لگتا ہے؟"

امبر کی پلکیں جھک گئیں۔ "میں کیسے بتاؤں؟"

"سال گزر گیا، وقت ٹھہرا رہا۔"

"''اتنا مشکل؟"

"تم نے آسان رہنے دیا؟"

امبر نے چونک کر اسے دیکھا۔"میں نے؟"

ہاں۔"یاور نے جھیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"تم نے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ میں

"وہاں کیسے رہ رہا ہوں۔"

"تم نے بھی تو رابطہ نہیں رکھا۔"

اس نے دھیمی آواز میں کہا۔"ہم تو ہمیشہ سے ہی لفظوں میں کمزور رہے ہیں، امبر۔۔۔

خاص طور پر فون پر۔"

"آواز سن لینا بھی اچھا لگتا۔"

یاور نے اس کی طرف دیکھا، ان سبز آنکھوں میں اس بار وہ معمول کا سکون نہیں تھا۔

"اسی لیے تو کال نہیں کرتا تھا۔"

"کیوں؟"

"تمہاری آواز سن کر باقی دن گزارنا مشکل ہو جاتا۔"

"یاور! خود سے محبت کیا ہوتی ہے؟" امبر نے اچانک سامنے پھیلے ساکت پانی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

یاور نے ایک گہرا سانس لیا اور بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "خود سے محبت کا مطلب اپنی روح کے اس خلا کو پہچاننا ہے جسے صرف ہم خود بھر سکتے ہیں۔ یہ اپنی خامیوں کو قبول کرنے اور اپنی ذات کے اس ستارے کو بجھنے سے بچانے کا نام ہے جو کائنات کے اس ہجوم میں ہماری پہچان ہے۔"

امبر نے دوسرا سوال کیا۔ "اور محبوب سے محبت اسے کیسے سہارا دیتی ہے؟"

یاور کے لہجے میں ایک خاص پختگی آ گئی۔ "محبوب سے محبت، خود سے محبت کو مکمل کرتی ہے۔ جیسے آسمان کے کسی ایک ستارے کو چمکنے کے لیے پوری کہکشاں کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر اسے اپنی موجودگی کا احساس تب ہوتا ہے جب کوئی دوسرا ستارہ اس کے مدار میں شامل ہو۔ محبوب سے محبت ہمیں یہ حوصلہ دیتی ہے کہ ہم اپنی ذات کی لڑائی میں اکیلے نہیں ہیں۔ وہ ہماری کمزوریوں کو ڈھانپ لیتی ہے اور ہماری خوبیوں کو وہ روشنی دیتی ہے جو ہم اکیلے کبھی نہیں پا سکتے۔"

امبر نے سر جھکا لیا۔ اسے لگا جیسے یاور کی باتیں اس کے اندر کے بہت سے سوالوں کو ایک نئی ترتیب دے رہی ہوں۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ یہ سب بہت مشکل ہے۔" امبر نے سرگوشی کی۔

یاور نے اس کے پاس سے گزرتی ہوا کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "مشکل تو ہے امبر، مگر یاد رکھنا، کائنات کی سب سے خوبصورت چیزیں ہمیشہ مشکل راستوں کے اختتام پر ہی ملتی ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

فلکیاتی حقیقت

کائنات میں بعض انتہائی بھاری اجسام اپنی شدید کششِ ثقل کے باعث روشنی کے راستے کو موڑ دیتے ہیں۔ اس عمل میں دور کی کہکشاؤں یا ستاروں کی روشنی جھک کر یا پھیل کر اس طرح دکھائی دیتی ہے جیسے وہ اپنی اصل جگہ کے بجائے کسی اور مقام پر موجود ہوں۔ اس مظہر کو ثقلی عدسہ اثر کہا جاتا ہے، اور یہ بعض اوقات ایک ہی جسم کی ایک سے زیادہ تصویریں بھی پیدا کر دیتا ہے۔

دوپہر کے وقت اسلام آباد کی فضا میں بادلوں کی آمد نے تپش کم کر دی تھی۔

امبر نے آئینے کے سامنے خود کو سنبھالا اور لاؤنج میں آ کر اعتماد سے کہا۔ "امی، منزہ کا فون آیا ہے، وہ کتاب میلے جا رہی ہے، میں نے بھی اپنی پڑھائی کے لیے چند کتابیں دیکھنی ہیں۔"

دوسری طرف ایاز ہاؤس میں یاور نے بھی اپنے والدین کو یہی بتایا کہ وہ اپنی تحقیق کے لیے کچھ پرانی فلکیاتی کتابیں تلاش کرنے جا رہا ہے۔ گھر والوں نے اس بات پر کوئی اعتراض نہ کیا، کیونکہ دونوں کی زندگی میں کتاب اور مطالعہ ہمیشہ سے ایک عام سی بات تھی۔

امبر جب کتاب میلے کے وسیع میدان میں پہنچی تو ماحول معمول کے مطابق تھا۔ بڑے بڑے شامیانے لگے تھے اور لوگ مختلف اسٹالز کے درمیان آ جا رہے تھے۔ منزہ پہلے سے ایک کتابی اسٹال کے پاس کھڑی تھی، امبر کو دیکھ کر اس نے ہاتھ ہلا دیا۔

"میں تھوڑی دیر یہیں ہوں گی، تم آرام سے دیکھ لو۔" منزہ نے کہا اور ایک طرف ہو گئی۔

امبر آہستہ آہستہ اسٹالز کے درمیان چلنے لگی۔ کچھ دیر بعد ایک پرانے کتابی حصے میں اس کی نظر یاور پر پڑی۔ وہ ایک میز کے سامنے کھڑا کتابوں کو دیکھ رہا تھا، جیسے واقعی کسی خاص چیز کی تلاش ہو۔

امبر اس کے قریب جا کر رک گئی اور بغیر کچھ کہے ایک کتاب اٹھالی۔

"اب ہر بار الگ بہانہ اور الگ راستہ اختیار کرنا ہو گا، امبر۔" یاور نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"اور کب تک؟" امبر نے کتاب کے صفحے پلٹتے ہوئے پوچھا۔

یاور نے ایک کتاب اس کی طرف بڑھائی جس کے اندر ایک پرچی رکھی ہوئی تھی۔ "جب تک ہمیں اپنا مستقل راستہ نہیں مل جاتا۔"

ان کی انگلیاں کتاب کے کنارے پر ایک لمحے کے لیے چھو گئیں، پھر الگ ہو گئیں۔

اسی وقت آسمان اچانک گرجا اور ہلکی بارش شروع ہو گئی۔

بارش شروع ہوتے ہی لوگ شامیانوں کے نیچے آ گئے۔امبر اور یاور بھی ایک بڑے شامیانے کے نیچے رک گئے جہاں پرانے اسٹال کا کچھ سامان سائیڈ پر رکھا تھا۔وہاں بھیڑ کم تھی،اس لیے نسبتاً کھلا اور پر سکون ماحول تھا۔

بارش جیسے جیسے تیز ہوتی گئی،لوگ مزید اندر کی طرف سرکتے گئے اور شامیانے کے نیچے جگہ گھنی ہوتی چلی گئی، مگر باہر کا حصہ ہلکا ہوتا گیا۔

اسی دوران سڑک کے کنارے سے فراز کی گاڑی آہستہ ہو کر گزری،وہ کچھ دیر پہلے امبر کو یہاں اتار کر گیا تھا۔

اس کی نظر پہلے شامیانے کے اندر کھڑی منزہ پر پڑی،جو تنہا کتاب ہاتھ میں لیے کسی کا انتظار کر رہی تھی۔

فراز نے گاڑی تھوڑی سست کی۔

اس کے ذہن میں ایک سیدھا سا سوال آیا۔۔۔اگر امبر منزہ سے ملنے آئی تھی تو یہ الگ کیوں کھڑی ہے؟

اس نے گاڑی ایک طرف روک لی اور شامیانوں کے سلسلے کی طرف دیکھنے لگا، جہاں لوگ بارش سے بچ کر مختلف حصوں میں پھیل رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

فلکیاتی حقیقت

کائنات میں کچھ مقامات ایسے ہوتے ہیں جنہیں ایونٹ ہورائزن کہا جاتا ہے۔ یہ بلیک ہول کے گرد وہ حد ہوتی ہے جس کے پار کشش اتنی شدید ہو جاتی ہے کہ وہاں سے روشنی بھی واپس نہیں پلٹ سکتی۔

شاہ اللہ دتہ کی قدیم غاریں اسلام آباد کے دامن میں صدیوں کا سکوت اوڑھے کھڑی تھیں۔

یاور نے اپنی بائیک ایک پرانے برگد کے سائے میں روکی، جس کی جڑیں زمین کو چھو رہی تھیں۔

اس کے ایک کندھے پر 'بیک پیک' لٹکا ہوا تھا جس میں وہ کچھ کھانے پینے کا سامان لایا تھا۔

یاور نے غاروں کی سنگلاخ بناوٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بات شروع کی۔ "یہ غاریں نہیں ہیں امبر، یہ وقت کے نشانات ہیں۔"

وہ دونوں اب کچے راستے پر چل رہے تھے۔

"کہتے ہیں یہ غاریں بدھ مت کے دور کی ہیں، تقریباً ڈھائی ہزار سال پرانی۔ یہ کبھی راہبوں کی پناہ گاہیں ہوا کرتی تھیں۔ ان دیواروں پر جو نقش و نگار تم دیکھ رہی ہو، یہ کبھی سرخ اور سنہری رنگوں سے سجے ہوتے تھے۔"

وہ ایک غار کے دہانے پر پہنچے جو اندر سے کافی کشادہ تھا۔

یاور نے بیگ سے ایک یوگا میٹ نکالا اور اسے غار کی قدرے ہموار زمین پر بچھا دیا۔

"بیٹھو، یہاں کی ہوا باہر سے مختلف ہے۔"

امبر نے محسوس کیا کہ غار کی دیواریں باہر کی تپش کے برعکس ٹھنڈی اور پرسکون تھیں۔

یاور نے بیگ سے سینڈوچ، جوس اور کچھ سنیکس نکال کر سامنے رکھ دیے۔

خوب سیر ہو کر کھانے کے بعد دونوں وہیں بیٹھ کر سستانے لگے۔

کچھ دیر بعد امبر نے تجسس سے اندرونی اندھیرے کی طرف دیکھا۔

"آؤ ذرا اندر جا کر دیکھتے ہیں یہ کہاں ختم ہوتی ہے۔"

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ جیسے جیسے اندر بڑھ رہے تھے، روشنی دھندلا رہی تھی اور دیواریں سکڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔

اچانک امبر کو شدید گھٹن کا احساس ہوا۔

اسے لگا جیسے غار کی چھت اس پر گرنے والی ہے یا شاید یہ وہی گھٹن تھی جو وہ پچھلے کئی دنوں سے اپنے اندر محسوس کر رہی تھی۔

"یاور! مجھے باہر جانا ہے، میرا دم گھٹ رہا ہے،" وہ تیزی سے واپس مڑی۔

باہر کی طرف تیز قدم اٹھاتے ہوئے کچی زمین پر امبر کا پاؤں پھسلا اور وہ لڑکھڑا کر گرنے لگی۔

یاور نے لپک کر اسے سنبھال لیا۔

غار کے کھلے دہانے سے سورج کی ایک سنہری لکیر سیدھی امبر کے لرزتے ہونٹوں اور ٹھوڑی پر پڑ رہی تھی، جس سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا تھا۔

یاور جیسے کسی 'ٹرانس' میں تھا، وہ امبر کے مزید قریب ہوا۔

امبر نے اس کی آنکھوں میں بدلتا ہوا تاثر دیکھا تو بری طرح ٹھٹکی۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھ یاور کے چوڑے سینے پر رکھے اور پوری قوت سے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

یاور لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔

اس کی آنکھوں کا خمار ٹوٹ چکا تھا۔

"میں آئندہ تم سے ملنے نہیں آؤں گی۔" اب وہ تیز قدموں سے غار کے دہانے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یاور نے لپک کر اس کا راستہ روکا تو وہ اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ اس بار وہ چلا اٹھی۔ "یہ کیا طریقہ ہے؟ میں گر جاتی!"

یاور نے بیقراری سے اس کے دونوں بازو تھام لیے۔ "یوں اتنا بڑا فیصلہ مت کرو، کیا تمہیں میرا اعتبار نہیں؟"

اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی بات کرتے ہو، مجھے تو اب خود پر بھی یقین نہیں رہا۔"

کچھ دیر کو وہاں گہری خاموشی چھا گئی، باہر سے آتی پرندوں کی چہچہاہٹ اب کچھ اور نمایاں ہو گئی تھی۔

یاور نے ایک گہری سانس خارج کی۔ "امبر! تم میرے ساتھ غیر محفوظ نہیں ہو، میں ایسا کچھ نہیں کروں گا جو۔۔۔"

امبر نے ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے دل پر دھیرے سے ہاتھ رکھا، وہ دل جس کی دھڑکن کی لے اب بدل چکی تھی۔

وہ بولی تو آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی، جیسے وہ چاہتی ہو کہ ان دونوں کے علاوہ یہ اعلان کسی تیسری سماعت تک نہ پہنچے۔ "بیقرار دل قربت مانگتا ہے یاور، اچھے برے کی تمیز بھول جاتا ہے۔"

یاور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "آئندہ ہم صرف عوامی مقامات پر ملا کریں گے۔"

امبر نے نفی میں سر ہلایا۔ "ہمارا تعلق اب ایک چوری کی شکل اختیار کر چکا ہے یاور، یہ اب خوبصورت نہیں رہا۔"

یاور نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور۔۔۔"

امبر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "اس سے کب انکار کیا ہے؟ لیکن اس ایک لمحے نے مجھ پر سب واضح کر دیا ہے۔" وہ نپے تلے قدم اٹھاتی وہاں جا کھڑی ہوئی جہاں غار کا دہانہ ختم ہوتا تھا۔ "جھوٹ بولنا اور گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یوں چھپ چھپ کر ملنا۔۔۔" اس نے مڑ کر یاور کو دیکھا۔ "وہ وقت جو مجھے اپنی سہیلی کے ساتھ گزارنا ہوتا ہے، وہ بھی میں تمہیں دیتی ہوں۔ جتنی دیر ہم ساتھ ہوتے ہیں، بس یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں کسی کو پتہ نہ چل جائے۔ کیا یہ چوروں جیسی کیفیت نہیں ہے؟"

یاور نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر بند کر لیا۔

"اس سلسلے کو اب یہیں ختم ہو جانا چاہیے۔"

یاور بمشکل بول پایا۔ "تم مجھے کیسے چھوڑ سکتی ہو امبر؟"

وہ اس کے سامنے کھڑا سوال کر رہا تھا۔

"اگر ایک طرف محبت اور دوسری طرف صحیح راستہ ہو گا، تو میں محبت کو چھوڑ دوں گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

فلکیاتی حقیقت

کائنات میں کچھ ستارے ایسے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے بہت قریب آ جائیں تو مدّ و جزر کی قوت کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ اس کشش کے زیرِ اثر ایک ستارہ دوسرے کے وجود کو آہستہ آہستہ بدلنے لگتا ہے، یہاں تک کہ کبھی ایک اپنی روشنی برقرار رکھنے کے لیے دوسرے سے فاصلہ چاہنے لگتا ہے۔

وہ رات میں سونے کی کوشش کر رہی تھی لیکن آج نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ امبر کو اپنے فیصلے کی درستگی میں کوئی شبہ نہیں تھا بس اسے لگ رہا تھا کہ اس نے یاور کا دل دکھایا ہے۔ اتنے میں موبائل وائبریٹ ہوا، اس نے اٹھا کر دیکھا، یاور کا پیغام تھا۔

"ہم شادی بھی تو کر سکتے ہیں، گھر والے بھی انکار نہیں کریں گے۔"

امبر نے تیزی سے ٹائپ کیا۔ "صرف اس لیے کہ میں نے ملنے سے انکار کر دیا، تم اتنا بڑا فیصلہ کرنے بیٹھ گئے؟"

"شادی میں حرج ہی کیا ہے؟"

"وجہ صحیح نہیں۔"

"تم شادی نہیں کرنا چاہتی۔" وہ جیسے بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔

"ایسا ہی ہے۔"

"لیکن کیوں؟

"مجھے زندگی کے اس سٹیج پر شادی نہیں، کچھ اور چاہیے۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"دیکھو میں پہلی بار پڑھائی میں دلچسپی لینے لگی ہوں۔ تاریخ سے جڑی ہر چیز سے مجھے پیار ہے، مجھے بی ایس کرنا ہے۔"

"شادی کے بعد کر لینا۔"

"نہیں۔"

"کئی لڑکیاں شادی کے بعد بھی پڑھ لیتی ہیں۔"

"کر لیتی ہوں گی، مگر میں اپنی زندگی آدھی سمجھوتے میں نہیں گزار سکتی۔"

"تم شادی سے بھی منع کرو گی تو یہ مسئلہ حل کیسے ہو گا۔"

"یاور، مجھے اس عمر میں شادی جیسی بھاری ذمہ داری نہیں اٹھانی، ابھی فرینڈز بنانی ہیں، اپنی فیملی کے ساتھ وقت گزارنا ہے۔"

"مجھے چھوڑ دو گی؟"

"تم مجھے محبوب اور اپنی ذات میں سے کسی ایک کو چننے کا کہہ رہے ہو، خود کو کیسے چھوڑ دوں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلآخر امبر نے لکھ بھیجا۔

"مجھے زندگی کے اس موڑ پر تمہاری محبت کسی طور راس نہیں، یاور، میں تمہارے ساتھ مزید نہیں چل سکتی۔"

کافی دیر بعد جواب آیا تھا۔

"تم مجھے مِس نہیں کرو گی؟"

"ہم یوں جڑ چکے ہیں کہ چاہوں بھی تو الگ نہیں ہو سکتی۔ کوئی طریقہ ہی نہیں ہے۔"

"لیکن میرے بغیر رہ لو گی!"

"اس وقت ہمارے لیے یہی بہتر ہے۔"

کچھ دیر بعد امبر نے اگلا میسج بھیجا۔ "آئندہ اس نمبر پر رابطہ مت کرنا، میرے لیے یہ سب ویسے بھی آسان نہیں۔"

اس کے بعد وہ کافی دیر تک اپنے آنسو پونچھتی رہی۔

اسے معلوم تھا کہ اس نے اپنی کہکشاں کا ایک روشن ترین ستارہ کھو دیا ہے، مگر اپنی زمین بچانے کے لیے یہ قربانی ضروری تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

فلکیاتی حقیقت

کائنات میں کچھ ستارے سیاہ گڑھے کی بے رحم کشش کے اتنے قریب چلے جاتے ہیں کہ ان کا نور آہستہ آہستہ چھننے لگتا ہے، مگر انہی آخری لمحوں میں ان کی چمک کبھی کبھی پہلے سے زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، جیسے فنا سے پہلے روشنی خود کو آخری بار مکمل شدت سے ظاہر کرتی ہو۔

ایاز ہاؤس کے پورچ میں آج ایک عجیب سی بوجھل خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

یاور کی فیملی کی آج واپسی کی پرواز تھی، اس کے والدین، لقمان صاحب اور زرقا بیگم، جانے کی تیاری مکمل کر چکے تھے۔

طے یہ پایا تھا کہ ہوائی اڈے تک صرف شاہ میر اور فراز ہی ساتھ جائیں گے۔

ملازم سامان گاڑی میں رکھ رہا تھا، رخصت کی گھڑی قریب آ رہی تھی۔

یاور گاڑی سے ٹیک لگائے ذرا فاصلے پر کھڑا ان سب کو دیکھ رہا تھا۔

امبر، اپنے بھائی اور ماں کے بیچ کھڑی تھی، مگر آج وہ پہلے کی طرح محتاط نہیں تھی۔

اس کی نظریں بار بار سامنے کھڑے یاور کی طرف اٹھ رہی تھیں، جو اس وقت کسی بھی گفتگو کا حصہ بننے کو تیار نہ تھا۔

وہ بظاہر امبر کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا، مگر جب کبھی اسے امبر کی نظروں کا ارتکاز محسوس ہوتا، وہ ایک لمحے کو اسے دیکھتا اور کچھ دیر کے لیے دونوں اسی ایک لمحے میں قید ہو جاتے۔

آج یاور نے گہرے سبز رنگ کی قمیض پہن رکھی تھی۔

امبر کو ہمیشہ لگتا تھا کہ یاور کی آنکھوں کا جو رنگ ہے، وہ اسے اپنی آس پاس کی دنیا میں کہیں اور دکھائی نہیں دیتا۔

کچھ بھی یاور کی آنکھوں جیسا نہیں تھا۔

کوئی بھی یاور جیسا نہیں تھا۔

آج ان آنکھوں کا رنگ گہرا تھا، جیسے سیاہ بادل نیلے آسمان کی رنگت بدل دیتے ہیں۔

آج اس سبز لباس کے عکس نے ان آنکھوں کو ایک اچھوتا سرمئی رنگ دے رکھا تھا۔

امبر نے خاموشی سے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک پیک شدہ تحفہ نکالا، جس پر ہلکا سبز غلاف چڑھا تھا۔

وہ سب کے سامنے بلا جھجھک قدم اٹھاتی یاور کے پاس پہنچی، اسے وہ تحفہ پکڑایا اور بغیر کوئی لفظ کہے واپس اپنی جگہ جا کھڑی ہوئی۔

یاور نے تحفہ تھام لیا اور اب اس کی نظریں مسلسل امبر پر جمی ہوئی تھیں۔

جب رخصت ہونے کا وقت آیا تو یاور سب سے پہلے جا کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

امبر کی تمام تر توجہ اسی کھڑکی پر رہی جہاں سے یاور کا عکس دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔

گاڑی کی طرف بڑھنے سے پہلے فراز نے باری باری ان دونوں کو دیکھا۔

اسے دونوں کے چہروں پر اداسی کے گہرے سائے منڈلاتے دکھائی دیے۔۔۔ایک لمحے کو اسے اپنے اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔

'کیا میں نے صحیح کیا؟' اس نے خود سے سوال کیا، مگر پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

'یہی بہتر تھا۔'

گاڑی پورچ سے باہر نکلنے لگی تو امبر اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گئی۔

ائیر پورٹ پر پہنچ کر، جب لقمان صاحب اور زرقا بیگم کاغذی کارروائی میں مصروف تھے، یاور ان سب سے ذرا فاصلے پر ایک جگہ بیٹھ گیا۔

اس نے وہ تحفہ کھولا، اندر سے ایک کتاب نکلی جس کا عنوان تھا: 'دا لٹل پرنس' (ایک ننھا شہزادہ)۔

یہ ایک کلاسک ناول تھا۔

کتاب کے پہلے صفحے پر امبر کی مانوس لکھائی میں کچھ لکھا تھا، یاور نے تیزی سے ان سطروں پر نظر دوڑائی۔

Serendipity

اتفاقِ دلنشیں:

کسی ایسے حسین لمحے کا مل جانا جسے انسان نے ڈھونڈا نہ ہو مگر وہ دل میں ہمیشہ کے لیے ٹھہر جائے۔

عطائے ناگہاں:

قدرت کی وہ نرم دین جو کسی اطلاع کے بغیر زندگی میں اتر آئے۔

نصیب کا نرم اشارہ:

وہ غیر متوقع ملاپ جو انسان کو دیر سے سمجھ آئے کہ اتفاق نہیں تقدیر تھا۔

ناخواستہ خوش بختی:

وہ نعمت جو ارادہ کیے بغیر ملے اور زندگی کا معنی بدل دے۔

اس سے آگے جگہ خالی تھی۔

اس نے دیوانہ وار صفحات پلٹا کر دیکھا۔

بس یہی تھا۔۔۔اور کچھ نہیں!

وہ اسے یاد رکھنا چاہتی تھی یا بھلانا؟

اس لفظ کے ذریعے اسے کیا سمجھانا چاہتی تھی؟

یہ چند سطریں اس نے بے ارادہ لکھ دیں؟

نہیں ایسا تو نہیں ہو سکتا۔

کچھ تو تھا جو اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں، مگر ذہن سمجھنے سے قاصر تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ کچھ ہی دیر پہلے یونیورسٹی میں داخلہ فارم جمع کروا کر آئی تھی اور اب تندہی سے ٹیسٹ کی تیاری میں مشغول تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ اپنے بھائی کی دی ہوئی دستک پہچانتی تھی۔

"آجائیں، بھائی۔"

اس کی آواز پر فراز اندر آیا اور اسے بیڈ پر کتابیں پھیلائے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"تیاری ہو رہی ہے۔" بیڈ کے کونے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "مدد کی ضرورت ہو تو بتانا۔"

امبر نے ایک نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ "ایسی کوئی ضرورت نہیں پڑنے والی۔" لہجہ ہموار تھا لیکن کچھ تھا جو فراز کو چبھا۔

"تم جانتی ہو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔"

وہ جواباً خاموش رہی۔

"اتنی محنت کرنے کی ضرورت نہیں بہت آسان سا بنیادی ٹیسٹ ہو گا۔" وہ اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ کر بولا۔

"میں صرف پاس نہیں کرنا چاہتی، اچھے نمبر بھی لینا چاہتی ہوں۔"

"کیا حاصل؟" فراز کے ان لفاظ پر امبر نے سر اٹھا کر تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ "میرا مطلب ہے کہ۔۔۔ یہ ایک داخلہ ٹیسٹ ہی تو ہے۔"

"میرے لیے اہم ہے۔" وہ اب پنسل سے رجسٹر میں کچھ لکھ رہی تھی۔

"پہلے تو ایسا نہیں تھا۔ اب کیا تاریخ پڑھنے میں اتنی دلچسپی ہو گئی کہ تم۔۔۔"

"مجھے پہلی بار کسی چیز سے سچی رغبت ہوئی ہے، کیا یہ بھی غلط ہے؟"

لہجہ بہت نرم تھا، فراز گستاخی کا الزام بھی نہیں لگا سکا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا دروازے پر دستک ہوئی اور ملازمہ نے فراز کے ایک دوست کا بتایا۔ "وہ نیچے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

فراز کے کندھے ڈھلک سے گئے۔"اس وقت میرا کسی سے ملنے کا دل نہیں۔"

ملازمہ جا چکی تھی۔

امبر پڑھائی میں مصروف رہی۔

"امبر،اس کے چھوٹے بھائی کو میرے کچھ نوٹس چاہییں۔ تمہیں دیتا ہوں،اسے دے آؤ۔"وہ رکا پھر جیسے چونک کر بولا۔"اسے کہنا میں گھر پر نہیں ہوں، ملازمہ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔"

"بھائی آپ خود یہ معاملہ نبٹائیں میں اب آپ کی خاطر مزید دروغ گوئی سے کام نہیں لوں گی۔"وہ بہت آہستہ آواز میں بولی۔

"امبر،اتنا سا کام نہیں کر سکتی؟"

"بھائی یہ اتنا سا کام نہیں ہے۔"وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔"میں اب کسی کی خاطر کچھ غلط نہیں کرنا چاہتی،اس طرح میری ہی شخصیت میں بگاڑ پیدا ہو گا۔"

فراز کچھ لمحے خاموش بیٹھا رہا، جیسے پہلی بار اسے اپنی بہن کے لہجے میں کوئی اجنبیت محسوس ہوئی ہو۔

پھر جیسے کوئی خیال بجلی کے کوندے کی طرح ذہن میں لپکا۔

"تم کتاب میلے میں کیا کرنے گئی تھی؟"

"منزہ کے ساتھ گئی تھی۔" اب کی بار کتابوں پر جھکنا ایک فرار تھا۔

"میں نے اسے وہاں اکیلے دیکھا۔" وہ پر سوچ انداز میں بولا۔ "جن دنوں یاور لوگ پاکستان میں تھے تم کچھ زیادہ ہی منزہ کے ہاں جاتی تھی۔"

چند لمحوں کو بوجھل خاموشی نے دونوں کا گھیراؤ کیا۔

"کہیں تم یاور سے چھپ کر ملتی تو نہیں تھی؟" وہ سنسناتی ہوئی آواز میں بولا تو امبر نے تڑپ کر بھائی کی طرف دیکھا۔

"یہ تربیت بھی میری آپ نے ہی کی تھی۔"

"امبر!" وہ اب واقعی غصے میں تھا۔

"کچھ غلط نہیں کہہ رہی میں!" وہ کتاب بیڈ پر پٹختی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کئی بار آپ نے مجھے اپنے غلط کام چھپانے کو کہے، جھوٹ بولنا، بات پلٹنا، چیزوں کا ہیر پھیر۔۔۔ یہ سب مجھے کس نے سکھایا؟"

وہ ہکا بکا اسے دیکھے گیا۔

اگلے ہی لمحے رانیہ بنا دستک دیے کمرے میں چلی آئی۔

"کیا ہوا امبر؟" اس نے فکر مندی سے اس کی طرف دیکھا۔ "میں نے آوازیں سنیں تو لگا تم پریشان ہو۔"

"دیکھا؟" امبر نے ایک جتاتی ہوئی نگاہ بھائی کے فق چہرے پر ڈالی۔ "بھابی نے آپ سے پوچھنے کے بجائے میری فکر کی، لگتا ہے یہ بھی آپ کو پہچان گئی ہیں۔"

وہ اس سب سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے کمرے سے باہر جانے لگی پھر ایک نظر پلٹ کر بھائی کو دیکھا۔

"شاید اسی لیے بھابی اب اس گھر میں کم ٹھہرتی ہیں۔"

فراز نے پہلی بار محسوس کیا کہ امبر صرف اس کی بہن نہیں رہی تھی، وہ اس کی مضبوط گرفت سے باہر نکلنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

میر فیملی کے وسیع و عریض لان میں افطار پارٹی کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں۔

شام کے ڈھلتے سائے اور مصنوعی روشنیوں کے امتزاج نے پورے ماحول کو ایک خوابناک سا رنگ دے دیا تھا۔ لان کے چاروں طرف پھولوں اور فانوسوں سے لدی جھاڑیوں نے فضا کو معطر کر رکھا تھا۔

درمیان میں لگی طویل میزوں پر قیمتی کٹلری، چمکتے ہوئے کرسٹل کے گلاس اور نفیس برتن خاص ترتیب سے سجائے گئے تھے۔ وردی میں ملبوس بیرے بڑی نفاست سے کھجوروں کے تھال اور ٹھنڈے مشروبات کے جگ میزوں پر ترتیب دے رہے تھے۔

شاہ ویز اور زوہیب دونوں کے خاندان پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔

شاہ میر کا بیٹا، فراز میر، جوار مغان کا ہم عمر تھا اور اپنی بیوی کی وفات کے بعد سے کافی سنجیدہ رہنے لگا تھا، آج کچھ بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ بار بار بڑی خاموشی سے لان کے ایک گوشے میں کھڑی زمرد کو دیکھتا، جو سیف کی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔

اچانک لان کے داخلی راستے پر ایک ہلچل سی ہوئی۔

سب کی نظریں بے اختیار اس سمت اٹھیں جہاں سے سحر داخل ہو رہی تھی۔

بلاشبہ، وہ اس پوری محفل کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ اس نے ایک خاص ادا اور اعتماد کے ساتھ چلتے ہوئے لان میں قدم رکھا۔

بڑی نفاست سے قدم اٹھاتی سیدھی اس کونے کی طرف آئی جہاں زوہیب، زمرد اور سیف کھڑے تھے۔

"کچھ دیر پہلے میسج کیا تھا، جواب نہیں دیا تم نے؟" سحر نے اٹھلا کر پوچھا۔

"اف بھائی! آپ کی یہ مجال؟" سیف نے مصنوعی حیرت سے زوہیب کو دیکھا، پھر سحر کی طرف مڑا۔ "ویسے امی میری گردن مروڑ دیتیں، اگر میں وہ حرکت کرتا جو ابھی آپ نے کی۔"

سحر نے سوالیہ نظریں سیف کی جانب اٹھائیں۔ "ایسا بھی کیا کر دیا میں نے؟"

سیف نے اپنے اور زمرد کی طرف اشارہ کیا۔ "ہم دو معصوم افراد بھی یہیں کھڑے پائے جاتے ہیں، جنہیں نظر انداز کرتے ہوئے آپ نے سیدھا بھائی پر اٹیک کیا۔"

"سوری! زوہیب پر نظر پڑتے ہی ارد گرد کا سب دھندلا جاتا ہے۔" الفاظ اور لہجے میں عجیب سا تضاد تھا جو وہاں کھڑی زمرد نے صاف محسوس کیا۔

سحر کی اس بات پر سیف نے سفید ٹوپیس میں ملبوس زوہیب کو دیکھ کر کہا۔ "آج تو واقعی بھائی سے روشنیاں سی پھوٹ رہی ہیں۔"

زمرد نے اس تبصرے پر زوہیب کو غور سے دیکھا اور دل ہی دل میں سیف سے اتفاق کیا۔

سحر نے اس کی طرف مڑتے ہوئے سر سے پیر تک اسے جانچا۔ "تم انہی ٹوئنز میں سے ہو ، جن کے آج کل تینوں فیملیز میں چرچے ہیں؟" اس کا انداز احترام سے عاری تھا۔

زوہیب نے اسے ٹوکا۔ "یہ بات کرنے کا کون سا انداز ہے، سحر؟"

"آج تم سب مل کر مجھے تنقید کا نشانہ بنا رہے ہو، بات کیا ہے آخر؟" سحر نے کچھ یوں دونوں بھائیوں کو دیکھا کہ انہیں واقعتاً افسوس ہوا۔

"سوری، میں تعارف کراتا ہوں۔" زوہیب نے ہاتھ سے زمرد کی جانب اشارہ کیا۔ "یہ زمرد فیاض ہیں، ڈیڈ کے مرحوم کزن اور رضاعی بھائی کی بیٹی۔"

"یعنی تمہاری کزن؟" ساتھ ہی زمرد کی طرف مصافحے کی غرض سے ہاتھ بڑھایا۔ "سحر عالم۔"

کچھ دیر بعد سیف اور زوہیب وہاں سے چلے گئے، وہ دونوں ایک دوسرے کی صحبت میں رہ گئیں۔

"کیا مشاغل ہیں تمہارے؟" سحر کے سوال پر کچھ دیر کو زمرد کو سمجھ نہ آئی کیا کہے۔

"ککنگ کرنا پسند ہے، اپنے اور بہن کے کپڑے خود سیتی ہوں، ہلکی پھلکی ڈیزائننگ بھی کر لیتی ہوں۔" زمرد نے دیکھا اس کے جواب کے دوران سحر اپنا موبائل کھول کر کچھ دیکھنے لگی تھی۔ شاید نئے پیغامات چیک کر رہی تھی، زمرد کو اچھا نہیں لگا۔ "پودوں کا بھی شوق ہے لیکن سارے پودے میانوالی میں ہی رہ گئے۔"

"کون میانوالی میں رہ گیا؟" زوہیب کو قریب آتے دیکھ کر سحر نے پوچھا۔

زمرد نے تعجب سے اس لڑکی کو دیکھا۔

"پودوں کا شوق ہے مجھے۔" زمرد نے وضاحت دینا ضروری نہ سمجھا۔ سامنے والی کو اس کی گفتگو میں دلچسپی ہوتی، تو پہلے ہی دھیان سے سنتی۔

"تم نے اس سے پہلے بتایا نہیں۔" زوہیب کی اس بات پر سحر نے گہری نظروں سے باری باری دونوں کا چہرہ دیکھا۔

اگلے ہی پل ایک معنی خیز مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا، جو احساس ہوتے ہی اس نے دانتوں تلے دبالی۔

اسے محتاط رہنا تھا۔

"زمرد تو آنٹی کو خوب کمپنی دیتی ہو گی، جس کی اپنی کوئی سوشل لائف یا کیریئر ہی نہ ہو اس کے پاس تو وقت ہی وقت ہوتا ہے۔" اس نے ٹھہر کر زوہیب کو یوں دیکھا جیسے اس کا ردعمل جانچنا مقصود ہو۔ "کپڑے سینے اور کھانے بنانے والی لڑکیاں آنٹیوں کو بہت اچھی لگتی ہیں۔"

"اور تمہارے نزدیک یہ ٹیلنٹ نہیں ہے؟" زوہیب کا لہجہ اور انداز دونوں ہی تیکھے تھے، سحر کی آنکھوں میں ایک مخصوص چمک اتر آئی۔ "شہ پارہ کیریئر فوکسڈ ہے، زمرد گھریلو ہے۔ ہر لڑکی مختلف ہوتی ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ایک بہتر ہے اور دوسری کمتر۔"

"میں نے تو ایک بات کہی تھی، تم تو تقریر جھاڑنے لگ گئے۔" سحر عالم بہت اچھے سے جانتی تھی۔۔۔ کب کیا کہنا ہے۔

"سحر، اکثر تمہارا لہجہ بہت تضحیک آمیز ہو جاتا ہے، سامنے والے کو چبھتا ہے۔ اس پر کام کرو۔" یہ کہہ کر وہ تیز قدم اٹھاتا وہاں سے چل دیا۔

جبکہ سحر اب ساتھ کھڑی زمرد سے بے نیاز، دور جاتے زوہیب کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار وہ اسے دلچسپ لگا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر16

شہ پارہ شاہ ویز

افطار پارٹی کے اس پُر رونق ماحول میں، شہ پارہ کھانے کی میز کی جانب بڑھی جہاں برتنوں میں طرح طرح کے پکوان سجے تھے۔

وہ ان سب کو نظر انداز کرتی ہوئی ایک کونے کی طرف آئی جہاں چاندی کے بڑے تھال میں 'زعفرانی مرغِ قبا' اپنی اشتہا انگیز خوشبو کے ساتھ رکھا تھا۔ یہ ایک مخصوص اور نایاب ڈش تھی جو عام افطار پارٹیوں میں نظر نہیں آتی تھی۔

شہ پارہ ابھی اپنی پلیٹ میں وہ ڈش ڈال ہی رہی تھی کہ اسے اپنے پیچھے کسی کی آہٹ محسوس ہوئی۔

اگلے ہی لمحے شاہ ویز اس کے برابر میں آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ شہ پارہ نے اپنی پلیٹ میں اب تک کچھ اور نہیں ڈالا تھا، حالانکہ وہ تمام ڈشز کے سامنے سے ہوتی ہوئی یہاں تک پہنچی تھی۔

شاہ ویز نے پر لطف انداز میں کہا۔ "لگتا ہے نا چاہتے ہوئے بھی ہم میں کچھ ایک سا ہے، یہ میری بھی پسندیدہ ڈش ہے۔"

شہ پارہ نے بس ایک لمحے کو اسے دیکھا اور پھر خاموشی سے دوبارہ اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

شاہ ویز نے اپنی مسکراہٹ دبانے کی کوشش کی اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "یوں نظر انداز تو نہ کرو۔"

شہ پارہ غصے سے پلٹی اور اسے دیکھا۔

شاہ ویز نے مصنوعی طور پر چونک کر اپنے دل پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "کچھ غلط کہہ دیا میں نے؟"

"میں اتنی تھکی ہوئی ہوں کہ۔۔۔"

شاہ ویز نے فوراً جملہ اچک لیا۔ "جوابی حملہ کرنے کی بھی سکت نہیں؟"

اب وہ پوری طرح اس کی طرف رخ کر کے کھڑی ہو چکی تھی۔

شاہ ویز اسے متوجہ کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا، شہ پارہ اب پوری طرح تپی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔

دو ٹوک انداز میں بولی۔ "میں تم جیسے لوگوں سے دور ہی رہنا پسند کرتی ہوں۔"

شاہ ویز نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "مجھ جیسے ؟ لیکن تم تو مجھے جانتی تک نہیں۔"

شہ پارہ نے فوراً جواب دیا۔ "میں جاننا بھی نہیں چاہتی۔"

شاہ ویز نے اطمینان سے اپنی پلیٹ میں کھانا ڈالتے ہوئے کہا۔ "تو پھر جج کیوں کرتی ہو ؟"

"کیونکہ شاہ ویز مجھے لگتا ہے میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھ رکھا ہے۔" چبھتی نگاہوں سے اسے سر سر پیر تک دیکھا۔ "ماسک سے چہرہ چھپ سکتا ہے لیکن پہچاننے والے چال ڈھال اور قد و قامت پر بھی نظر رکھتے ہیں۔"

"کیا مجھ سا اس شہر میں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔" وہ یونہی پر سکون انداز میں بولا جیسے اس پر کوئی بڑا الزام نہ لگا ہو۔

"اب تمہیں یہ کیسے پتہ میں کس ماسک اور کس موقع کی بات کر رہی ہوں ؟"

"سنا ہے انٹرن شپ کر رہی ہو؟" اس نے سہولت سے موضوع بدلا۔

شہ پارہ نے سرد لہجے میں کہا۔ "جہاں اتنا جان لیا، یہ بھی معلوم ہو گا کہ کہاں سے کر رہی ہوں۔" پھر ٹھہر کو پوچھا۔ "امبر سے کافی دوستی ہے؟"

"وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔" وہ ایک خاص انداز سے مسکرایا۔ "تبھی حیران ہوں کہ تم دونوں بہنیں اس سے اتنا فاصلہ کیوں رکھتی ہو؟"

"صرف اس لیے کہ ارمغان بھائی غیر آرام دہ نہ ہوں۔" اب کی بار شہ پارہ کا لہجہ نرم تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

یونیورسٹی کی لائبریری میں اس وقت ہو کا عالم تھا، مگر امبر کے لیے وہ خاموشی کسی طوفان سے کم نہ تھی۔

وہ میز پر جھکی سر تھامے بیٹھی تھی۔ اس کے فائنل پروجیکٹ کی وہ نایاب تاریخی دستاویزات غائب ہو چکی تھیں جن پر پورے سیمسٹر کی محنت ٹکی ہوئی تھی۔ اس کے

ہونٹ ہلکے سے کانپ رہے تھے اور آنکھیں خشک تھیں، جیسے آنسو بھی ساتھ چھوڑ گئے ہوں۔

قریب ہی ایک شیلف سے کتاب ڈھونڈتے ہوئے شاہ ویز کے قدم اس کی دبی سسکی پر رک گئے۔ وہ مڑا، چند لمحے اسے دیکھا، پھر آ کر اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"رونے سے کاغذات واپس نہیں آئیں گے، امبر۔" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

کسی نے میرا کام لے لیا ہے۔" اس کی آواز میں گھٹن تھی۔ "کل صبح آخری تاریخ"

"ہے، میرے پاس کچھ نہیں بچا۔

امبر نے سر اٹھایا، آنکھیں سرخ تھیں۔

بیگ" شاہ ویز کی نظر میز پر بکھری چیزوں پر گئی، پھر واپس اس کے چہرے پر ٹھہری۔

"اٹھاؤ۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "ہم قومی عجائب گھر جا رہے ہیں۔

امبر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

وہاں آرکائیوز میں اس مواد کا ریکارڈ ہو گا۔" اس کی آواز میں یقین تھا، "وقت کم"
"ہے، چلو۔

سفر زیادہ تر خاموشی میں گزرا۔

عجائب گھر کے نیم روشن ہالز میں شاہ ویز سیدھا آرکائیوز کی طرف گیا۔ چند رسمی جملوں اور پہچان کے سہارے دروازے کھلے، فائلیں نکلیں، اور وہ مواد بھی، جس کی امبر کو ضرورت تھی۔

امبر میز پر جھکی تیزی سے نوٹس لے رہی تھی، اور شاہ ویز ایک طرف کھڑا وقت دیکھتا رہا۔

واپسی پر جب وہ یونیورسٹی پہنچے تو پروفیسر جانے کی تیاری میں تھے۔

سر!" شاہ ویز نے آگے بڑھ کر انہیں روکا۔ "کام مکمل ہے، بس تصدیق کے لیے ہمیں"
"عجائب گھر جانا پڑا۔ تاخیر اسی وجہ سے ہوئی۔

"کل جمع کرا دینا۔" پروفیسر نے ایک نظر امبر پر ڈالی، پھر سر ہلا دیا۔

امبر نے جیسے پہلی بار سکون کا سانس لیا۔

ایک ہفتے بعد نتیجہ آیا۔

امبر کا پروجیکٹ نمایاں نمبروں کے ساتھ فہرست میں اوپر تھا۔

وہ خوشی میں اسے ڈھونڈتی ہوئی گراؤنڈ میں پہنچی۔ شاہ ویز درخت کے نیچے بیٹھا تھا، جیسے ہمیشہ ہوتا تھا۔ پر سکون، الگ تھلگ۔

مبارک ہو۔" شاہ ویز نے اسے دیکھ کر کہا اور بیگ سے ایک چھوٹا سا پیکٹ نکالا۔" یہ "

"تمہارے لیے۔

امبر نے پیکٹ کھولا۔

اندر ایک نایاب، تاریخی کتاب تھی۔

اس نے ورق پلٹا، درمیان میں ایک نیلا خشک گلاب رکھا تھا۔

"نیلا گلاب؟" وہ رک گئی۔

"نایاب ہوتا ہے۔" اس نے سادہ لہجے میں کہا۔" بالکل تمہاری اس محنت کی طرح۔"

امبر نے کچھ کہنا چاہا، مگر لفظ نہ بن سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆

شہ پارہ جب اپنے نئے دفتر کی راہداری میں داخل ہوئی تو اس کے قدموں کی چاپ میں ایک خاص اعتماد تھا۔

وہ اپنے کیبن کے سامنے رکی جہاں دروازے پر لگی چمکتی ہوئی نام کی تختی پر کندہ حروف اسے اپنی کامیابی کا احساس دلا رہے تھے۔

"شہ پارہ- جونیئر فرانزک انویسٹی گیٹر"

یہ عہدہ اس کے لیے محض ایک نوکری نہیں بلکہ اس کی قابلیت کی پہلی باقاعدہ مہر تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور اندر داخل ہو کر اپنی کرسی سنبھالی۔ ابھی اسے بیٹھے چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ دفتر کا ادھیڑ عمر منشی، قدیر بابا، ایک فائل لیے اندر داخل ہوا۔

قدیر بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مبارک ہو بی بی جی! اللہ نصیب کرے۔ یہ فائل جاوید صاحب نے بھجوائی ہے، ان کا کہنا ہے کہ اسے اچھی طرح پڑھ کر ان کے کمرے میں تشریف لائیں تاکہ کیس پر باقاعدہ کام شروع کیا جا سکے۔"

شہ پارہ نے فائل تھامی اور اس پر درج جلی حروف میں لکھا کمپنی کا نام پڑھا۔ "آئیڈیل ٹیکسٹائلز اینڈ گارمنٹس، اسلام آباد"۔ یہ وفاقی دارالحکومت کے صنعتی علاقے میں واقع ایک بڑی فیکٹری تھی جو بیرونِ ملک کپڑا برآمد کرتی تھی۔

اس نے فائل کھولی تو پہلا صفحہ ہی لرزہ خیز تھا۔

پچھلے ماہ کی ایک طوفانی رات میں فیکٹری کے مرکزی گودام میں مبینہ طور پر برقی خرابی یا شارٹ سرکٹ کے باعث لگنے والی آگ نے کروڑوں کا تیار مال کوئلہ کر دیا تھا۔ بظاہر یہ ایک حادثہ تھا، مگر بیمہ کمپنی نے دعوے کی ادائیگی عارضی طور پر روک کر مزید جانچ کے لیے کیس ان کے فرانزک ادارے کو بھجوا دیا تھا۔

فائل کے مندرجات پڑھتے ہوئے شہ پارہ کی پیشہ ورانہ نظریں ان نکات پر ٹھہر گئیں جن کی وجہ سے بیمہ کمپنی شک میں مبتلا تھی۔

پچھلے دو مالی سالوں کی رپورٹ صاف ظاہر کر رہی تھی کہ کمپنی شدید خسارے میں جا رہی تھی اور بینکوں کے قرضوں کی قسطیں ادا کرنا ان کے لیے ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔

دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آگ لگنے سے ٹھیک دو دن پہلے فیکٹری کے ڈیجیٹل ریکارڈ کا متبادل نظام پراسرار طور پر خراب ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے موجودہ سامان کی درست تفصیلات غائب تھیں۔ سب سے اہم نکتہ تحفظ فراہم کرنے والے عملے کی رپورٹ تھی جس کے مطابق آگ لگنے کے وقت پہرے داروں کی تبدیلی کا وقت تھا اور حفاظتی کیمروں کی ریکارڈنگ میں عین اسی لمحے تکنیکی خرابی آئی تھی جب آگ کے شعلے بلند ہوئے۔

شہ پارہ نے ایک سرد آہ بھری۔

فائل میں موجود تصاویر اور اعداد و شمار بار بار یہی اشارہ دے رہے تھے کہ یہ محض اتفاقی حادثہ نہیں بھی ہو سکتا تھا۔

بیمہ کی رقم ڈوبتے ہوئے کاروبار کو سہارا دینے کے کام آسکتی تھی۔

اس نے فائل بند کی اور جاوید صاحب کے دفتر جانے کی تیاری کرنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد کے صنعتی علاقے کی وہ فیکٹری دور سے ہی ویران اور نوحہ کناں لگ رہی تھی۔ شہ پارہ اور جاوید صاحب جب وہاں پہنچے تو ایاز سیکیورٹی کے دو پہرے دار گیٹ پر کھڑے تھے، جن کی وردی کی چمک اس ملبے کے ڈھیر کے سامنے عجیب لگ رہی تھی۔

گودام کے اندر داخل ہوتے ہی شہ پارہ نے اپنے ناک پر رومال رکھا۔ چھت کا کچھ حصہ گر چکا تھا اور جلے ہوئے کپڑے کے تھان کسی سیاہ چٹان کی طرح لگ رہے تھے۔ جاوید صاحب ایک جگہ رک کر فرش پر جمی راکھ کو اپنے جوتے کی نوک سے کریدنے لگے۔

جاوید صاحب نے کہا۔ "مس شہ پارہ! یہاں دیکھیں۔"

شہ پارہ نے جھک کر دیکھا۔

وہ جلے ہوئے نشانات سیدھی لکیروں کی صورت میں تھے۔ وہ بولی۔ "سر، یہ بہاؤ جیسے نشانات لگ رہے ہیں۔ اگر آتش گیر مادہ استعمال ہوا ہو تو بعض اوقات آگ فرش پر پھیلتے ہوئے ایسے پیٹرن چھوڑتی ہے، مگر صرف ان نشانات سے حتمی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔"

جاوید صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بہت خوب! اور عجیب بات یہ ہے کہ دروازے پر زبردستی کھولنے یا توڑنے کے آثار نظر نہیں آ رہے۔ یہاں سب کچھ بہت صاف ستھرا لگ رہا ہے، جیسے انہیں اندر جانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی ہو۔"

شہ پارہ کی نظریں اب دیوار پر لگے اس مڑے ہوئے پائپ پر تھیں جو آگ بجھانے والے خودکار نظام کا حصہ تھا۔ وہ قریب گئی اور اسے بغور دیکھا، پھر بولی۔ "سر، یہ حیرت انگیز ہے۔ والو کی پوزیشن بدلی ہوئی لگتی ہے۔ اگر اسے پہلے سے بند کیا گیا ہو تو خودکار نظام فعال نہیں ہوا ہوگا، مگر اس کی تصدیق ہمیں ریکارڈ سے کرنی پڑے گی۔"

شہ پارہ نے اپنا فون نکالا اور خاموشی سے ان نشانات کی تصویریں لینے لگی۔ اس کے ذہن میں کئی سوال سر اٹھا رہے تھے جن کے جواب یہاں اس راکھ کے ڈھیر میں نہیں بلکہ سیکیورٹی فراہم کرنے والے ادارے کے دفتر میں ملنے تھے۔

جاوید صاحب مسکرائے اور بولے۔ "یہی تو ہمیں ثابت کرنا ہے شہ پارہ، اور یہی تمہارا اصل امتحان ہے۔ اب ہمیں ایاز سیکیورٹی کارپوریشن کے ریکارڈ کی ضرورت پڑے گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

رات کے بارہ بجے جب شاہ ویز کا موبائل بجا، تو وہ گہری نیند کی آغوش میں تھا، اس کی سانسیں دھیمی اور چہرہ پر سکون تھا۔

اس نے اندھیرے میں موبائل کی روشن سکرین دیکھی تو امبر کا نام چمک رہا تھا، شاہ ویز کے چہرے پر ایک ہلکی سی تشویش اور فکر کی لہر آ گئی۔

اس نے ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے سائیڈ لیمپ آن کیا اور فوراً کال ریسیو کی۔

"ہیلو؟" اس کی آواز میں نیند کے باوجود ہنگامی بیداری تھی۔

دوسری طرف سے امبر کی کراہنے کی آواز آئی۔

اس کی آواز میں درد، خوف اور تھکن کا امتزاج تھا۔ "شاہ ویز۔۔۔ میں اس وقت بہت مشکل میں ہوں۔۔۔"

وہ ابھی اتنا ہی بول پائی تھی کہ شاہ ویز نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔ "کہاں ہو؟ بس جگہ بتاؤ، میں پہنچ رہا ہوں۔"

امبر نے کانپتی ہوئی آواز میں بتایا"میں نے لوکیشن بھیج دی ہے۔ منزہ کے گھر سے لوٹ رہی تھی، طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ موبائل پر میسج ابھی دیکھا ہی تھا کہ گاڑی بے قابو ہو کر فٹ پاتھ پر چڑھی اور پول سے ٹکرا گئی۔۔۔"

"بس تم آنکھیں بند مت کرنا، ہمت رکھو، میں پہنچ رہا ہوں۔" شاہ ویز نے اسے حوصلہ دیا، اور فون رکھ کر تیزی سے والٹ اور چابیاں اٹھاتا باہر کو لپکا۔ اس کے چہرے پر اب نیند کا اثر مٹ چکا تھا اور ایک حتمی حرکت کی کیفیت تھی۔

خوش قسمتی سے حادثے کی جگہ قریب ہی تھی، وہ چند منٹوں میں وہاں پہنچ گیا۔

وہ اسے ٹوٹے پھوٹے جملوں میں بتاتی گئی کہ کیسے فراز کو کئی بار فون ملانے پر بھی اس کی کال دوسری طرف سے ریسیو نہیں ہوئی تھی۔ ماں باپ کو وہ اس وقت یوں پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اس کے بعد سب کچھ بہت تیزی سے ہوا۔

شاہ ویز نے اسے فوری طور پر قریبی ہسپتال منتقل کیا۔

ابتدائی معائنے کے بعد ڈاکٹروں نے بتایا کہ زیادہ چوٹ نہیں آئی لیکن احتیاطاً چوبیس گھنٹے ہسپتال رکنا ہوگا۔اس بات کے ساتھ ہی شاہ ویز کے چہرے پر ایک ہلکا سا اطمینان آیا۔اسے لگا اب امبر کی فیملی کو مطلع کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔

فون کر کے انکل اور آنٹی کو صورتحال بتائی اور انہیں ہسپتال کا بتایا۔فراز کو کال ملائی لیکن اس نے ریسیو نہیں کی۔

اگلی صبح جب امبر کی آنکھ کھلی تو اس کی نظر بیڈ کے ساتھ والی میز پر رکھے سفید اور سرخ گلابوں کے ایک خوبصورت گلدستے پر پڑی۔

اسے اچانک یاد آیا کہ کچھ ماہ قبل ہی ایک گفتگو کے دوران اس نے شاہ ویز سے کہا تھا۔"مجھے سرخ گلاب کچھ یوں پسند ہیں کہ ان کے گرد سفید گلابوں کا ایک ہالہ بنا ہو۔"

یہ گلدستہ بالکل ویسا ہی تھا۔

امبر نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے قریب کیا اور ایک لمبی معطر سانس اندر کی جانب کھینچی۔

دردانہ جو قریب ہی بیٹھی تھیں بیٹی کی اس حرکت پر مسکرادیں۔ شاہ میر دروازے کے پاس کھڑے موبائل پر کسی سے بات کر رہے تھے۔

رات کا اضطراب اب ایک معمول کی سنبھلی ہوئی فضا میں بدل چکا تھا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

شاہ میر نے مڑ کر دروازہ کھولا۔

باہر شاہ ویز کھڑا تھا۔

سادہ لباس، ہاتھ میں تین شاپر، اور چہرے پر وہی پر سکون سنجیدگی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام، آؤ بیٹا۔" شاہ میر ایک طرف ہٹ گئے۔

وہ اندر آیا، نگاہ ایک لمحے کو امبر پر ٹھہری۔

جیسے بس یہ دیکھنا ہو کہ وہ ٹھیک ہے۔

پھر اس نے شاپر میز پر رکھ دیے۔

یہاں کا کھانا ویسے بھی خاص نہیں ہوتا۔"اس نے سادہ لہجے میں کہا۔"امبر کے لیے الگ "
"سے ہلکا ناشتہ لایا ہوں، پرہیز کے مطابق۔

دردانہ نے اسے مشکور نظروں سے دیکھا۔

"یہ تو تم نے بہت اچھا کیا۔"

امبر نے کمزوری کے باوجود ہلکا سا مسکرا کر اسے دیکھا۔

"عملہ مجھے اس ناشتے سے روکے گا تو نہیں؟"

شاہ ویز کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ آئی۔

نہیں، پہلے نرس کو دکھا دوں گا، اجازت"پھر ٹھہر کر بولا۔"بس تم خود کو سنبھال لو۔"
"لے لیں گے۔

یہ جملہ نرم تھا، مگر اس میں ایک عجیب سی ٹھہراؤ بھری سنجیدگی تھی۔

اسے بعد میں معلوم ہوا کہ شاہ ویز نے اس کی لاپروائی پر پردہ ڈالتے ہوئے گھر والوں سے
اس 'موبائل میسج' والی بات کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے حادثہ پیش آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شاہ ویز کے آفس کا ماحول ویسا ہی پر وقار تھا جیسا کہ اس کی اپنی شخصیت۔

شہ پارہ مرکزی میز کے دوسری جانب بیٹھی، سامنے لگی دیوار پر آویزاں اسکرینوں کو دیکھ رہی تھی جہاں شہر کے مختلف حصوں کی لائیو لہریں گردش کر رہی تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ ایاز سیکیورٹی اب صرف گارڈز فراہم کرنے تک محدود نہیں۔ بینکوں کے سونے کی محفوظ ترسیل سے لے کر بین الاقوامی سطح کے وی آئی پیز کو تحفظ فراہم کرنے تک، اس کمپنی کے ہاتھ بہت دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اکرام ایاز اب عملی طور پر ریٹائرمنٹ لے چکے ہیں اور بڑے بھائی، فرحان ایاز، انتظامی امور کے سربراہ کے طور پر صرف پالیسی سازی تک محدود ہیں۔ فیلڈ آپریشنز اور روزمرہ انتظامی فیصلوں کی ذمہ داری شاہ ویز ایاز کے پاس تھی، جو بطور چیف آپریٹنگ آفیسر اس پورے نیٹ ورک کی شہ رگ تھا۔

ابھی وہ اپنے ٹیب پر کچھ نوٹس لے ہی رہی تھی کہ شاہ ویز کمرے میں داخل ہوا۔اس کے قدموں کی چاپ میں وہی مخصوص گونج تھی جو اس کے اعتماد کا پتا دیتی تھی۔شہ پارہ کو سامنے دیکھ کر اس کے قدم ایک لمحے کو رکے اور چہرے پر حیرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔

وہ بولا۔"اتنا تو میں نے سن رکھا تھا کہ کون سی کمپنی اس کیس کی تفتیش کر رہی ہے، لیکن یہ اندازہ بالکل نہیں تھا کہ تم خود آؤ گی۔مجھے تو محض اتنا بتایا گیا کہ کمپنی سے کوئی انٹرویو لینے آیا ہے۔"

شہ پارہ نے پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھا اور کہا۔"شاہ ویز ایاز! بہتر ہو گا کہ ہم براہِ راست کام کی بات کریں۔"

شاہ ویز ایک لمحے کو چونکا، شاید اس قدر خشک جواب کی توقع اسے نہیں تھی، مگر پھر اس کے لبوں پر وہی جانی پہچانی مسکراہٹ آ گئی۔

وہ بولا۔"کام کی باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی شہ پارہ، لیکن میرا خیال ہے پہلے کافی منگوالی جائے تو بہتر ہے۔کچھ سوالوں کے جواب تلخ ہوتے ہیں، انہیں کافی کی کڑواہٹ کے ساتھ نگلنا آسان ہو جاتا ہے۔"

اس نے انٹر کام پر ہاتھ رکھا، مگر اس کی نظریں اب بھی شہ پارہ کے چہرے پر جمی تھیں، جیسے وہ اس کی پیشہ ورانہ ڈھال کے پیچھے چھپے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

شہ پارہ نے ٹیب پر کچھ ٹائپ کرتے ہوئے سیدھا سوال داغا۔ "جس وقت آگ بھڑکی، آپ کے گارڈز کیا کر رہے تھے؟"

شاہ ویز نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور نپے تلے لہجے میں بولا۔ "اس وقت ڈیوٹی تبدیل ہو رہی تھی، ایک ٹیم جا رہی تھی اور دوسری چارج سنبھال رہی تھی۔"

شہ پارہ ذرا سا رکی، پھر بولی۔ "آگ لگنے کا جو وقت فائل میں درج ہے اور جس وقت فائر بریگیڈ وہاں پہنچی، اس درمیانی وقفے میں کیا آگ بجھانے کی کوئی کوشش کی گئی تھی؟" اس نے ایک لمحہ ٹھہر کر اس کے چہرے پر نظریں جمائیں اور اضافہ کیا۔ "میرا مطلب ہے، آپ کے گارڈز کی طرف سے؟"

شاہ ویز نے فوراً جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، جیسے اس کے لہجے کی کاٹ اور سوال کی گہرائی کو پرکھ رہا ہو۔

شہ پارہ نے بات جاری رکھی۔ "ویسے تو تحفظ فراہم کرنے والوں کی ہی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ وہ نقصان سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔"

شاہ ویز میز پر ذرا سا جھک کر سنجیدگی سے بولا۔ "گارڈز نے دروازہ توڑنے کی کوشش اس لیے نہیں کی کیونکہ انہیں خاص طور پر بتایا گیا تھا کہ اندر گیس سلنڈرز اور آتش گیر کیمیکل کا نیا اسٹاک رکھا گیا ہے۔ انہیں ہدایت دی گئی تھی کہ اندر آتش گیر مواد ہونے کی وجہ سے دروازہ کھولنے سے آگ اچانک شدت اختیار کر سکتی ہے، اس لیے انہیں فائر بریگیڈ کا انتظار کرنا تھا۔"

شہ پارہ نے ٹیب پر پینسل گھماتے ہوئے اگلا وار کیا۔ "کیا ڈیوٹی تبدیل ہونے کا دورانیہ اتنا لمبا ہو گیا تھا کہ کوئی تیسرا شخص وہاں داخل ہو کر کوئی بھی دھماکہ خیز آلہ یا ایسا مواد چھوڑ سکے؟"

شاہ ویز نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور پُر سوچ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ سب ہونے کے بعد میری ان گارڈز کے ساتھ باقاعدہ میٹنگ ہوئی تھی، ان کی طرف سے

ایسی کسی غفلت کا مظاہرہ سامنے نہیں آیا۔ لیکن جہاں تک تمہاری 'تیسرے شخص' والی بات ہے، تو وہ پہلے سے وہاں موجود تھا۔"

شہ پارہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

شاہ ویز کے لبوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ آئی۔ "گارڈز کے علاوہ وہاں رات کی شفٹ میں ایک سسٹمز مانیٹرنگ ٹیکنیشن بھی موجود ہوتا تھا۔"

وہ رکا۔ "آئی ٹی کا یہ مخصوص دفتر گودام کے بالکل عقب میں واقع ایک علیحدہ کنکریٹ کے بلاک میں بنایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آگ وہاں تک نہیں پہنچی جہاں وہ موجود تھا، کیونکہ وہ حصہ مرکزی عمارت سے تکنیکی طور پر کٹا ہوا ہے۔"

شہ پارہ نے فوراً پوچھا۔ "تو کیا ان کی بھی ڈیوٹی بدل رہی تھی؟"

نہیں۔" شاہ ویز نے نفی میں سر ہلایا۔ "گارڈز اور آئی ٹی عملے، دونوں کی بیک وقت ڈیوٹی" "تبدیل ہونا اصول کے خلاف ہے۔

"آئی ٹی والا آگ سے کیسے بچا؟" جواب وہ جانتی تھی اور سامنے والا بھی اس حقیقت سے واقف تھا۔

"فیکٹری کا آئی ٹی روم، جہاں سرورز اور مانیٹرنگ ہوتی ہے، مرکزی گودام سے ہٹ کر ایک کنکریٹ بلاک میں ہے۔ اسے آگ اور دھویں نے جیسے ہی خطرے کا احساس دلایا وہ باہر نکل آیا۔" اس نے کرسی سے سر ٹکاتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "آئی ٹی سیکیورٹی فراہم کرنے والی کمپنی کا عملہ وہاں پہنچنے میں دو گھنٹے لیٹ تھا، مگر میری ٹیم پندرہ منٹ میں وہاں موجود تھی۔ ہماری ڈیجیٹل فرانزک ٹیم نے ضابطے کے مطابق بیک اپ یونٹ کا مکمل بغیر چھانٹا ہوا ریکارڈ محفوظ کر لیا تھا تاکہ اس رات کا ڈیجیٹل ڈیٹا ضائع نہ ہو۔ ریکارڈ تمہارے فرانزک ادارے کے حوالے کر دیا گیا تھا، جہاں سے اس کی باقاعدہ تجزیاتی رپورٹ تیار کی گئی ہے، لیکن ہمارے پاس اس کی محفوظ آرکائیو کاپی موجود ہے جو مکمل نظامی ریکارڈ پر مشتمل ہے۔"

شہ پارہ اب اس پورے معاملے کو ایک نئے زاویے سے دیکھ رہی تھی۔

'رپورٹ وہ ہے جو نکال کر سمجھائی گئی ہے،اور آرکائیو جو مکمل حقیقت کو بغیر کسی تجزیے کے محفوظ رکھتی ہے۔'

اب اسے جو درکار تھا۔۔۔وہ شاہ ویز کے پاس تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایازہاؤس کی چھت پر سجی محفل اپنے عروج پر تھی۔

قمقموں کی نرم روشنی دلکش فضا قائم کیے ہوئے تھی۔ مہمان چھوٹے چھوٹے حلقوں میں بٹے ہوئے گفتگو میں مصروف تھے۔اسی ہجوم میں زمرد ایک طرف کھڑی مشروب کا گلاس تھامے ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی کہ فراز میر تیز قدموں سے اس کے قریب آکر رک گیا۔

اس نے ہلکے سے سر جھکا کر کہا۔"ویسے تو ہمارا تعارف ہو چکا ہے، مگر تسلی سے بات نہیں ہو سکی۔ میں فراز میر ہوں۔"

زمرد نے شائستگی سے جواب دیا۔"جی، پہچانتی ہوں۔"

فراز نے ایک لمحہ اسے غور سے دیکھا، پھر بولا۔ "آپ کے والدین کے بارے میں سنا ، میرے خیال سے تو آپ کو بہت پہلے کمالز کے ساتھ منتقل ہو جانا چاہیے تھا۔"

زمرد کے چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحے کو مدھم پڑی۔ اس نے نظریں ذرا جھکا لیں، پھر آہستگی سے کہا۔ "ہاں، اچانک حادثے نے ہمیں والدین سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد سے ہم اپنا نیا گھر بنانے کی کوشش میں ہیں۔"

فراز کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہری رہیں، جیسے اسے پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کمالز کیسے ہیں؟"

زمرد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

فراز فوراً سنبھل گیا۔ "میرا مطلب ہے۔۔۔ آپ کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا ہے؟"

زمرد نے ہلکی سی سانس اندر کو کھینچی، جیسے خود کو نارمل کر رہی ہو۔ "شاید والدین کے ذکر پر میں ذرا افسردہ ہو گئی، تو آپ کو لگا ہو کہ میں یہاں آ کر خوش نہیں ہوں۔"

اس نے دور کھڑے زوہیب اور سیف کی طرف دیکھا اور ہلکے سے مسکرا دی۔ "ہمیں یہاں آ کر ایک نئی شروعات کا موقع ملا ہے۔ سب نیا ہے۔۔ مگر خوشگوار ہے۔ بس وہ تو۔۔ والدین تھے نا، ظاہر ہے، یاد آتے ہیں۔"

فراز نے اس کی بات سن کر ہلکا سا سر جھکایا، پھر جیسے کسی اور پہلو پر آتے ہوئے بولا۔ "آگے کا کیا سوچا ہے؟"

زمرد نے گلاس کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے جواب دیا۔ "بس ایک چکر میانوالی کا لگانا پڑے گا۔ ابو کا چھوٹا سا گھر تھا، اب شاید بیچنا پڑے۔"

فراز نے فوراً پوچھا۔ "کیا آپ نہیں بیچنا چاہتیں؟"

زمرد نے نفی میں سر ہلایا، مگر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لے آئی۔ "فراز صاحب، زندگی میں کئی بار دوراہے سامنے آتے ہیں اور ایک کو چننا پڑتا ہے۔ ایک وہ جو ہم چاہتے ہیں، اور دوسرا وہ جو صحیح انتخاب ہوتا ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی ہوں۔"

فراز اس کی بات سن کر کچھ لمحے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہا، پھر آہستہ سے بولا۔ "اور ایسے موقع پر آپ کیا کرتی ہیں؟"

زمرد نے بنا جھجک جواب دیا۔ "مجھے دل پر پیر رکھ کر صحیح راستہ چننے کی تھوڑی بہت پریکٹس ہو ہی چکی ہے۔" اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ گھر شہر کے بیچ میں ہے، خریدنے والا فائدے میں رہے گا اور ہمیں بھی پیسوں کی ضرورت ہے۔ ابو سرکاری سکول میں ٹیچر تھے، لیکن اچھی سیونگ کر لی تھی۔ اب صرف تھوڑا سا زیور ہے۔ وہ گھر رکھ کر ہمیں پریکٹیکلی کوئی فائدہ نہیں۔ صرف یادوں کی بنیاد پر فیصلے نہیں کیے جا سکتے۔"

فراز نے اس کی بات پر متاثر ہونے کے انداز میں سر ہلایا، جیسے اس کے طرزِ فکر کو سراہ رہا ہو۔

چند لمحوں بعد زمرد نے خود سوال کیا۔ "آپ کی فیملی میں کون کون شامل ہے؟"

فراز کی نظریں محفل میں اس سمت اٹھیں جہاں اس کی بہن امبر اور والدین، اکرام ایاز کے پاس کھڑے گفتگو میں مصروف تھے۔ اس نے ہلکا سا ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔ "بس میری بہن اور والدین۔ ہم دونوں بہن بھائی شادی کے معاملے میں کچھ خاص خوش قسمت نہیں رہے۔ ارمغان اور امبر کی جم نہ سکی اور میری محبت چاہ کر بھی نباہ نہ کر پائی۔"

زمرد نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے آپ کی وائف کا سن کر بہت افسوس ہوا۔"

فراز نے اسے گہری نظروں سے دیکھا، جیسے اس کے الفاظ کے پیچھے کے احساس کو جانچ رہا ہو۔

پھر اچانک بولا۔ "آپ جاب کیوں نہیں کر لیتیں؟ کامرس کی ڈگری ہماری کمپنی کے بھی کام آسکتی ہے۔"

زمرد اس پر ہنس دی۔ "مجھے کوکنگ، بیکنگ اور پودوں میں زیادہ دلچسپی ہے۔ کیا تو کچھ ایسا ہی کروں گی۔"

فراز نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویری انٹرسٹنگ۔" پھر اس نے اُس جانب اشارہ کیا جہاں اس کی فیملی کھڑی تھی۔ "آئیں، آپ کو ذرا قریب سے ملواتا ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

شہ پارہ کی نظریں بہت غیر محسوس انداز میں شاہ ویز کی سمت اٹھیں۔

وہ اس وقت چند مہمانوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا، اس کے انداز میں وہی اطمینان اور یقین تھا جیسے ہر چیز اس کے قابو میں ہو۔

شہ پارہ نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر اپنے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ قریب رکھی میز پر رکھ دیا۔ بنا کسی عجلت کے وہ محفل سے ذرا ہٹ کر چلنے لگی، جیسے ہجوم سے کچھ فاصلے پر جانا چاہتی ہو۔

مغرب کے بعد کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ اس کے بعد موقع نہیں ملے گا۔ کھانا لگ جائے گا، سب ایک جگہ جمع ہوں گے، اور عملے کی تعداد بھی بڑھ جائے گی۔

پھر اس کے لیے یوں نکلنا ممکن نہ رہتا۔

وہ چھت کے مرکزی دروازے تک پہنچی اور ایک لمحہ رکے بغیر، اسے کھول کر اندر داخل ہوئی اور اپنے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔

اب فضا یکسر بدل چکی تھی۔

اوپر کی ہلچل پیچھے رہ گئی تھی اور سامنے سیڑھیوں کی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ آہستہ مگر پُراعتماد قدموں سے نیچے اترنے لگی۔

کچھ دیر پہلے کی بات اس کے ذہن میں تازہ ہو گئی۔

وہ سیف کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتی چھت کی طرف آ رہی تھی۔ عمارت کی منفرد ساخت میں دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے اس نے بظاہر بے ساختگی سے پوچھا تھا۔ "شاہ ویز کا کمرہ کون سا ہے؟"

سیف نے سادگی سے جواب دیا تھا۔ "نچلی منزل پر، دوسری منزل پر ان کا سٹڈی روم ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ ہر منزل پر ایک مورچہ رکھنا چاہتے ہیں، تاکہ ہر چیز پر نظر رکھ سکیں۔"

وہ دونوں اس بات پر ہنس دیے تھے۔

اب وہی بات اس کے لیے راستہ بن چکی تھی۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کے قدم ہلکے تھے، مگر ذہن پوری طرح بیدار تھا۔

اسے گراؤنڈ فلور پر جا کر اس کا کمرہ تلاش کرنا تھا۔

اسی دوران چند دن پہلے کی گفتگو اس کے ذہن میں گونجنے لگی۔

"بیک اپ کی خفیہ کاپی ہمارے پاس ہے۔"

نچلی منزل کی راہداری میں پھیلی خاموشی میں اسے اپنے ہی قدموں کی چاپ کچھ زیادہ نمایاں محسوس ہو رہی تھی، جیسے ہر قدم اس کی موجودگی کا اعلان کر رہا ہو۔

اس نے پہلا دروازہ کھولا تو ایک نظر میں ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ ماسٹر بیڈ روم ہے۔ سجاوٹ میں ایک نفاست اور ٹھہراؤ تھا، جو صاف بتا رہا تھا کہ یہ اکرام ایاز اور رعنا کا کمرہ ہے۔ وہ فوراً دروازہ بند کر کے آگے بڑھ گئی۔

اگلے دروازے کے سامنے آ کر اس نے ایک لمحہ توقف کیا، پھر ہینڈل گھما کر اندر داخل ہوئی۔

یہ ایک ایسے شخص کا کمرہ لگتا تھا جو اپنی ہی کسی دنیا میں گم رہنے کا عادی ہو۔

کمرے میں گہرے سلیٹی اور لکڑی کے بھورے رنگ نمایاں تھے۔

دیوار کے ایک کونے میں لکڑی کے اسٹینڈ پر تلوار بازی کا مکمل لباس اور جالی دار نقاب رکھا تھا، جبکہ اس کے ساتھ ہی باریک اور لچکدار تلوار بڑی نفاست سے اپنی جگہ پر موجود تھی، جیسے ابھی کسی مقابلے سے واپس آئی ہو۔

کمرے کے دوسرے حصے میں کوہ پیمائی کے بھاری جوتے، پہاڑوں پر چڑھنے والا بستہ اور رسیوں کے بنڈل رکھے تھے، جو اس کے دشوار راستوں کو سر کرنے کے شوق کی گواہی دے رہے تھے۔

ایک چھوٹی میز پر گاڑیوں کے انجن کے کچھ نمونے اور کل پرزے ٹھیک کرنے والے اوزار قرینے سے سجے تھے، جیسے ہر چیز اپنی جگہ پر سوچ سمجھ کر رکھی گئی ہو۔

ہوا میں صندل اور چمڑے کی مدھم سی ملی جلی خوشبو بسی ہوئی تھی۔

کمرے میں کوئی تصویر نہیں تھی۔ بس اس کے مشاغل سے جڑی یہ چیزیں ہی بتا رہی تھیں کہ یہ جگہ صرف اور صرف شاہ ویز ایاز کی ہے۔

شہ پارہ نے تیزی سے کمرے کی مختلف چیزوں کو ٹٹولنا شروع کیا۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، اس کی جھنجھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی اور دل کی دھڑکنوں میں ایک انجانا سا ڈر سر اٹھانے لگا تھا۔

وہ کھڑکی کے پاس رکھی مطالعے کی میز کی طرف بڑھی، جہاں ایک لیمپ، دو کتابیں اور ایک بند لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ اس نے جلدی سے اسے کھول کر چلایا، مگر وہ فوراً ہی خفیہ کوڈ طلب کرنے لگا۔ اس نے جھنجھلاتے ہوئے دو تین مختلف اندازے لگائے، مگر سکرین ٹس سے مس نہ ہوئی، جس پر اس نے اکتا کر اسے بند کر دیا۔

اس کے ذہن میں خیال آیا کہ ایسی حساس فائل کسی برقی یادداشتی آلے میں ہی ہو سکتی ہے، مگر ساتھ ہی یہ سوچ بھی آئی کہ ایسی چیز کا اس کے دفتر میں ہونے کے امکانات زیادہ ہیں۔

وہ اب بیڈ کے پہلو میں رکھی چھوٹی میزوں کی طرف بڑھی اور ان کی درازیں کھول کر دیکھنے لگی، جہاں روزمرہ استعمال کی عام اشیاء بکھری ہوئی تھیں۔ اچانک اس کی نظر ایک میز پر رکھی سیاہ ڈائری پر پڑی۔

وہ ایک لمحے کو رکی اور سوچنے لگی۔ "کیا اس کی ذاتی ڈائری ٹٹولنا صحیح ہو گا؟"

مگر اگلے ہی پل اس کے ذہن میں سوال ابھرا۔ "کیا وہ میری جگہ ہوتا تو اتنے تردد میں پڑتا؟"

یہ سوچ کر اس کے لبوں پر ایک مسکراہٹ آ ٹھہری۔

اس نے پھر کوئی دیر نہ کی، جلدی سے ڈائری اٹھا کر اپنے ہینڈ بیگ میں ڈالی اور زپ بند کر دی۔ وہ زیادہ بڑے بیگ رکھنے کی عادی نہیں تھی، مگر صد شکر کہ درمیانے سائز کے اس بیگ میں وہ ڈائری آسانی سے سما گئی۔

ابھی اس نے اطمینان کا سانس ہی لیا تھا کہ اسے باہر راہداری سے قدموں کی بھاری چاپ سنائی دی۔

یہ آواز کسی کے قریب آنے کا پتہ دے رہی تھی۔

اس نے ارد گرد دیکھا۔

کھڑکیوں کے پردے ادھ کھلے تھے، باہر لان سے آتی روشنیوں نے کمرے کو مکمل طور پر تاریک ہونے سے بچا رکھا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور بھورے پردے کے پیچھے جا

چھپی۔اس پردے نے اسے سر سے پیر تک چھپا دیا۔اس نے اپنی تیز ہوتی دھڑکنوں کو پر سکون کرنے کی کوشش کی۔

دروازہ کھلا۔

کمرے کی لائٹ آن کرنے کی آواز آئی۔

یہ شاہ ویز کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا، دل نے سرگوشی کی۔

کمرے میں ایک لمحے کو سب ساکت ہو گیا۔

وہ جانے کیا کر رہا تھا، وہ دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔

مکمل خاموشی تھی۔ پھر اسے ہلکی سی قدموں کی چاپ سنائی دی، اس بار فرق یہ تھا کہ آواز بہت مدھم تھی جیسے چلنے والا خود احتیاط برت رہا ہو۔

شہ پارہ کے لیے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل تھا کہ وہ کھڑکیوں کی طرف آ رہا ہے یا کہیں اور۔۔

اچانک پردہ ہٹا۔

وہ عین اس کے سامنے کھڑا تھا۔

کچھ دیر کو دونوں کچھ نہ بولے۔

"اگر میں پوچھوں کہ یہاں کیا کرنے آئی ہو تو پورا سچ بولو گی یا آدھا؟" وہ ہموار لہجے میں بولا۔

"میں راستہ بھٹک گئی تھی، نیچے آ گئی اور پھر واپسی کا راستہ ڈھونڈنے لگی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ لان کی روشنی کھڑکیوں سے آتی سیدھی شاہ ویز کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ شہ پارہ نے پہلی بار محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں کا رنگ یکساں نہیں رہتا، روشنی پڑنے پر گہرا بھورا رنگ چمکنے لگا تھا۔

یہ آنکھیں بھی آسانی سے پڑھی نہیں جاتیں، اس نے بے ساختہ سوچا، کبھی سیاہ لگتی ہیں، کبھی گہری بھوری —— جیسے اصل رنگ کو ہمیشہ ایک پردے میں رکھتی ہوں۔

شاہ ویز نے ابھی تک پردہ تھام رکھا تھا، وہ اسے چھوڑتا دو قدم پیچھے ہٹا۔

"پورا جھوٹ ہی بولنا ہے؟ میں تو سمجھا تھا دوسروں کے جھوٹ پکڑنے کے مشن پر نکلی ہوئی لڑکی خود سچی ہو گی۔"

وہ راستہ صاف دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھی، دروازے تک پہنچی ہی تھی کہ شاہ ویز نے اس کا نام پکارا۔

وہ پلٹی۔

تمہیں کیا لگتا ہے مجھے پتہ نہیں چلے گا کہ چھت سے اتر کر سب سے نچلی منزل پر تم کیا" "کرنے آئی تھی؟

"ایسی ہی بے اعتباری ہے تو دعوت پر کیوں بلایا؟"

شہ پارہ نے واقعی اسے لمحے بھر کو لاجواب کر دیا تھا۔

وہ نپے تلے قدم اٹھاتا اس کے پاس آیا۔

وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔

"تم میری بات کا یقین کر کیوں نہیں لیتی؟" وہ رکا۔ "وہ آگ ہم نے نہیں لگوائی۔"

"یہ شک تو میں نے بھی نہیں کیا۔"

پھر پارٹی چھوڑ کر یہاں۔۔۔"اس نے ہاتھ سے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔"کیوں آئی"
"تھی؟

کیا معلوم تمہیں سمجھنا چاہتی ہوں۔"اس نے ایک تیکھی مسکراہٹ شاہ ویز کی جانب"
"اچھالی۔"اور کسی کو سمجھنے کے لیے اسے جاننا ضروری ہے۔

ایک نظر کمرے پر ڈالی اور بولی۔"جاننے کے لیے میرے پاس یہی ایک راستہ تھا کہ
تمہارے کمرے میں جھانک کر دیکھوں۔"

وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

بولا تو بس اتنا ہی۔"یوں لفظوں سے نہ کھیلا کرو، شہ پارہ۔ کچھ جھوٹ جان لیوا ہوا کرتے
ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کے دیر سے ہونے والے خوشگوار ناشتے کے بعد لاؤنج میں ایک مدھم سی سستی پھیلی ہوئی تھی۔ ٹی وی پر میچ چل رہا تھا، سیف پوری دلجمعی سے سکرین میں گم تھا جبکہ زوہیب

صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ایک طرف افتخار صاحب آرام کرسی پر نیم جھکے اخبار کے صفحات پلٹ رہے تھے۔

اسی دوران زمرد اندر آئی اور آکر وہیں بیٹھ گئی۔

اس نے ایک نظر سکرین پر ڈالی، پھر سیف کی طرف مڑ کر بولی۔"تمہیں یہاں کسی نرسری کا پتہ ہے؟ مجھے لے چلو،ایک پودا لینا ہے۔میں نے آنٹی سے کہا میرے پودے میانوالی میں ہی رہ گئے تو انہوں نے کہا یہاں کوئی نیا پودا لگالو۔"

زوہیب نے 'نیا پودا' سن کر ریموٹ اٹھایا اور ٹی وی کی آواز آہستہ کر دی۔پھر پہلی بار پوری توجہ سے اس کی طرف مڑا۔

میں تم دونوں کو لے چلتا ہوں، یہ بھی سکرینوں کے "سیف پر تنقید کرنا ضروری تھا۔

"بجائے ذرا پودے دیکھ لے گا۔

سیف نے فوراً کہا۔"دیکھو ذرا بات کون کر رہا ہے۔"

زوہیب نے انگلی اٹھاتے تنبیہہ کی۔"تمہارا بڑا بھائی بات کر رہا ہے، بھول مت جایا کرو۔"

افتخار صاحب نے اخبار سے نظریں اٹھا کر ایک مختصر سی مسکراہٹ ان تینوں کی طرف اچھالی اور پھر دوبارہ پڑھنے لگے۔

کچھ ہی دیر بعد وہ تینوں نرسری کی طرف رواں تھے۔

راستے میں زوہیب نے پوچھا۔ "لینا کیا ہے؟"

زمرد نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "کیمیلیا۔"

سیف نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ کیسا پودا ہے؟"

زمرد نے ذرا سا سر موڑ کر دونوں کو دیکھا۔ "عام نہیں ہے۔ اس کے پھول گلاب جیسے ہوتے ہیں، مگر زیادہ سادہ اور باوقار۔ مشرقی ملکوں میں اسے خاص اہمیت دی جاتی ہے۔"

وہ ایک لمحے کو رکی، جیسے الفاظ چن رہی ہو، پھر آہستہ سے بولی۔ "اس کی ایک بات مجھے بہت پسند ہے جب اس کا پھول گرتا ہے، تو پتیوں کی طرح بکھرتا نہیں، پورا کا پورا الگ ہو جاتا ہے۔"

سیف نے فوراً کہا۔ "یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔"

زمرد نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "ہاں، شاید اسی لیے اسے ایک طرح کی محبت کی علامت بھی سمجھا جاتا ہے۔ ایسی محبت جو ادھوری نہیں ہوتی۔ یا تو پوری۔۔ یا پھر نہیں۔"

شام کو جب سب چائے سے فارغ ہو کر بیٹھے تو زمرد وہی پودا لیے لاؤنج میں آئی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی سنجیدہ خوشی تھی۔

میں نیا پودا لگانے والی ہوں۔" اس نے سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کے بانی کے طور"

"پر کون میرا پارٹنر کہلانا پسند کرے گا؟

زوہیب جو اپنے موبائل پر کوئی پیغام ٹائپ کر رہا تھا، اس نے وہ ادھورا چھوڑا اور آہستہ سے کھڑا ہو گیا۔

چونکہ اسے لانے میں بھی میں نے اہم کردار ادا کیا ہے، اس لیے نام بھی میرا آنا"

"چاہیے۔

اس کی بات پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔

باغیچے میں جا کر جب وہ دونوں پودا لگانے لگے تو زوہیب نے کہا۔ "میں نے بھی ابھی کچھ دیر پہلے اس کے بارے میں پڑھا ہے۔ یہ شروع میں تھوڑی توجہ مانگتا ہے، ماحول سے جلدی مانوس نہیں ہوتا۔۔ مگر ایک بار اپنی جگہ بنا لے تو پھر کافی مضبوط رہتا ہے۔"

زمرد نے جڑوں کے گرد مٹی ٹھیک کرتے ہوئے سر ہلایا۔ "اور اسے زیادہ نمائش پسند نہیں، ہر چیز کو زیادہ روشنی راس نہیں آتی۔ کچھ چیزیں خاموش جگہوں میں ہی ٹھیک سے پنپتی ہیں۔"

زوہیب نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا، مگر کچھ کہا نہیں۔

پودا لگا کر وہ دونوں سیدھے ہوئے تو زوہیب نے پوچھا۔ "اس کی دیکھ بھال کیسے کرنی ہو گی؟ زیادہ تو نہیں؟"

زمرد نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے سادہ لہجے میں جواب دیا۔ "زیادہ نہیں، بس شروع میں خیال رکھنا پڑتا ہے۔ مٹی خشک نہ ہو، پانی زیادہ بھی نہ ہو اور جگہ ایسی ہو جہاں اسے آرام سے سانس لینے کا موقع ملے۔ باقی۔۔ اسے اپنے وقت پر خود سنبھلنا آ جاتا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد کی ایک طوفانی بارش والی شام تھی، بادلوں کے گرجنے کی آواز وقفے وقفے سے در و دیوار کو ہلا رہی تھی۔ عصر کا وقت گزر چکا تھا اور آسمان پر چھائی سیاہی نے دن میں ہی رات کا سماں پیدا کر دیا تھا۔

گھر کے وسیع ٹیرس پر اذان بارش دیکھنے کی ضد کر رہا تھا اور نایاب اسے سنبھالنے کے لیے وہیں کھڑی تھی۔ اوپری لاؤنج کی بڑی سلائیڈنگ شیشے کی دیوار کے پار ارمغان صوفے پر بیٹھا اپنے لیپ ٹاپ میں مگن تھا۔

نایاب باہر اندھیرے اور بارش کی اوٹ میں کھڑی تھی، اسے لگ رہا تھا کہ وہ محفوظ ہے کیونکہ اندر روشنی تھی اور باہر دھندلاہٹ۔ ارمغان کے لیپ ٹاپ کی سکرین پر ایک ویڈیو کال چل رہی تھی جس میں ایک عورت کا عکس نمایاں تھا، مگر بارش کے قطروں اور فاصلے کی وجہ سے نایاب اس کا چہرہ صحیح سے دیکھنے سے قاصر تھی۔

وہ اذان کو بارش دکھانے کے بہانے بار بار شیشے کے پار ارمغان کے لبوں کی جنبش اور سکرین پر موجود اس انجانی عورت کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اتنی محو تھی کہ اسے

احساس ہی نہ ہوا کہ شیشے کی دوسری طرف بیٹھا شخص اس کے ہر بدلتے تاثر کا حساب رکھ رہا ہے۔

ارمغان نے ویڈیو کال بند کی، مگر لیپ ٹاپ کی سکرین روشن رہنے دی۔اس نے سر اٹھا کر باہر نہیں دیکھا، بس وہیں بیٹھے بیٹھے اپنا فون اٹھایا اور چند سیکنڈ بعد نایاب کا فون زور سے تھرتھرایا۔

باہر سے منظر صاف نظر نہیں آتا نایاب، اندر آ جاؤ۔اذان بھیگ رہا ہے اور تمہاری 'توجہ''' نایاب نے موبائل کھول کر دیکھا تو ارمغان کا پیغام تھا۔" کہیں اور ہے۔

نایاب کے پاؤں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔

وہ بھیگے قدموں کے ساتھ اندر آئی تو ارمغان نے لیپ ٹاپ بند کیا اور بہت سکون سے اسے دیکھا۔"اذان آپ نیچے دادو کے پاس جاؤ، وہ کچھ دیر پہلے آپ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔"

وہ تیز قدموں سے چلتا سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔

نایاب جان گئی وہ اس سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہے۔

"کچھ لوگوں کو لگتا ہے کہ وہ اندھیرے میں کھڑے ہو کر سب دیکھ رہے ہیں، مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ محسوس کرنے کو ٹٹولتی نظریں بھی بہت ہوتی ہیں۔"

اس نے ایک لمحے کو رک کر نایاب کی آنکھوں میں براہِ راست جھانکا۔

تمہیں بارش دیکھنی تھی یا مجھے؟ کیونکہ پچھلے دس منٹ سے تمہاری نظریں میری"

"سکرین سے نہیں ہٹیں۔

نایاب کا رنگ اڑ چکا تھا، اور ارمغان کے لہجے کی شائستگی اسے مزید مجرم بنا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 17

کاشان

صبح کی خنکی ابھی فضا میں باقی تھی جب شہ پارہ اور زمرد کالج کے بھاری گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ قدم ابھی دہلیز تک پہنچے ہی والے تھے کہ کاشان کسی جھکڑ کی طرح راستہ کاٹتا ہوا سامنے آ کھڑا ہوا۔

زمرد، جو اس کی فطرت سے بخوبی واقف تھی، ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ شہ پارہ کا ہاتھ چھوڑ کر خاموشی سے اندر بڑھ گئی؛ وہ جانتی تھی کہ شہ پارہ کو اب کچھ وقت لگے گا۔

کاشان کا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا، جیسے وہ میلوں کا سفر طے کر کے آیا ہو۔

اس نے جلدی سے کاغذ کا ایک مڑا تڑا گولہ شہ پارہ کی ہتھیلی پر رکھا اور بغیر کچھ کہے اسی تیزی سے واپس مڑ گیا جس تیزی سے نمودار ہوا تھا۔

شہ پارہ نے حیرت اور تجسس کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کلاس میں جا کر وہ کاغذ کھولا، اس پر نیلی روشنائی سے محض ایک جملہ درج تھا۔

"چھٹی سے ٹھیک دو گھنٹے پہلے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے رخصت لینا، میں تمہیں گیٹ کے باہر ملوں گا۔ایک خاص جگہ دکھانی ہے۔"

چند گھنٹوں بعد، وہ دونوں ماری انڈس کے اس قدیم ریلوے اسٹیشن پر کھڑے تھے، جہاں زندگی کی گہما گہمی ایک خاص مقام پر آکر تھم جاتی تھی۔

سورج کی زرد شعاعیں دریائے سندھ کے مٹیالے پانیوں پر رقص کر رہی تھیں۔

کاشان اسے اس جگہ لے گیا جہاں ریلوے کی پٹریاں ایک آخری لوہے کے بلاک سے ٹکرا کر اچانک ختم ہو جاتی تھیں۔ سامنے کالا باغ کے سنگلاخ پہاڑ اور دریا کی بپھری ہوئی موجیں ایک ہیبت ناک حسن کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

کاشان پٹری کے آخری سرے پر، جہاں لوہاریت میں دھنس رہا تھا، بڑے اطمینان سے بیٹھ گیا۔اس نے انگلی سے سامنے کے منظر کی طرف اشارہ کیا اور قدرے شاعرانہ لانداز میں بولا۔"شہ پارہ! یہ ماری انڈس ہے۔ یہاں آکر زنجیریں تھک جاتی ہیں اور انجن کی سیٹی خاموش ہو جاتی ہے۔اس اسٹیشن کی بوڑھی اینٹیں بتاتی ہیں کہ انگریز یہاں سے آگے قدم نہیں بڑھا سکا تھا، کیونکہ آگے دریا کی سرکشی تھی اور ان پہاڑوں کی بے نیازی۔"

اس نے نیچے جھک کر ریت کی ایک مٹھی بھری اور اسے انگلیوں کے پوروں سے بہتے ہوئے دیکھنے لگا۔ "کچھ راستے منزل تک پہنچنے کے لیے نہیں، بلکہ صرف اس 'خلا' میں گم ہونے کے لیے بنے ہوتے ہیں جہاں سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ دیکھو! یہ پٹریاں یہاں آ کر رک گئی ہیں، جیسے انہیں بھی معلوم ہو کہ آگے کا سفر اب ان کے بس میں نہیں۔"

شہ پارہ کو محسوس ہوا کہ کاشان اس اسٹیشن کی طرح ہے—خوبصورت، پراسرار اور مسحور کن۔

وہ ایک ایسا ایڈونچر تھا جو اسے اپنی لگی بندھی زندگی سے نکال کر ایک انجانی دنیا کے کنارے پر لے آیا کرتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایاز ہاؤس کے تہہ خانے میں واقع وہ کمرہ، جسے شاہ ویز نے اپنا ہتھیار خانہ بنا رکھا تھا، اس وقت مکمل سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔

دیواروں پر لگی مدھم روشنی مختلف زمانوں کے ہتھیاروں کی دھات پر پڑ کر ایک پراسرار سی چمک پیدا کر رہی تھی۔

شاہ ویز کے لیے ان ہتھیاروں کی صفائی اور دیکھ بھال کسی مراقبے سے کم نہ تھی۔

وہ شور سے زیادہ دھات کی ٹھنڈک اور اس کی مخصوص مہک کو پسند کرتا تھا۔

اس وقت اس کے سامنے میز پر ایک نایاب 'کولٹ سنگل ایکشن آرمی' ریوالور رکھا تھا، جسے دنیا پیس میکر کے نام سے بھی جانتی ہے۔

اس کا لمبا دہانہ اور لکڑی کا پالش شدہ دستہ اس کی قدیم شان کی گواہی دے رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہی شاہ ویز کی سوچیں پچھلے سال کے اس سفر کی طرف مڑ گئیں جب وہ مری کے پر سکون پہاڑوں میں اپنی چھٹیاں گزار رہا تھا۔

وہیں اس کی ملاقات ایک عمر رسیدہ امریکی سیاح، مسٹر ہنری سے ہوئی تھی۔

ہنری نے یہی گن اس کے سامنے رکھتے ہوئے اپنی ایک گم گشتہ یاد کا حصہ بنایا تھا۔

"یہ میرے دادا کی نشانی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ "انیس سو پچاس کی دہائی میں، جب وہ ٹیکساس کے ایک چھوٹے سے قصبے میں شیرف تھے، تو انہوں نے اسی گن سے ایک ایسے ڈاکو کو پکڑا تھا جو بعد میں ان کا بہترین دوست بن گیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ

قانون کی مضبوط گرفت نے ایک انسان کو بدل دیا تھا۔ یہ ہتھیار جان لینے کے لیے نہیں، بلکہ زندگی کا رخ موڑنے کے لیے بنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کسی ایسے شخص کے پاس ہو جو اس کی خاموش تاریخ کو سمجھ سکے۔"

شاہ ویز نے اسی وقت وہ گن خرید لی تھی۔

اسے اس کے اندرونی نظام اور اس سے جڑی انسانی کہانی نے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

آج وہ اسی کی صفائی کر رہا تھا۔

اس کی انگلیاں اس کے وزن اور دھات کی ٹھنڈک کو محسوس کر رہی تھیں۔

وہ جانتا تھا کہ یہ صرف ایک ہتھیار نہیں بلکہ ایک پورے زمانے کی کہانی ہے۔

کچھ دیر بعد شاہ ویز سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا۔

اپنے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہی اسے ڈائری پڑھنے کا خیال آیا۔

اس نے باری باری دونوں میزوں پر دیکھا، ڈائری کہیں نہیں تھی۔

وہ تیزی سے بیڈ سے اترا اور دراز ٹٹولنے لگا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ ڈائری دراز میں نہیں میز کی سطح پر رکھنے کا عادی ہے اور کوئی بھی اسے ہاتھ لگانے کی جرات نہیں کرتا تھا۔

اچانک اسے پچھلی رات والی پارٹی یاد آئی۔

شہ پارہ۔

وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

پھر تیز قدموں سے چلتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

پارٹی سے واپسی رات دیر میں ہوئی تھی شہ پارہ نے ڈائری دراز میں ہی چھوڑ دی تھی۔

اب جب وہ سارے دن کی تھکاوٹ اتارنے کی غرض سے بیڈ پر لیٹی تو اچانک وہ ڈائری یاد آئی، جسے وہ مصروفیت میں بھولی بیٹھی تھی۔

اس نے وہیں سے لیٹے ہوئے ہاتھ بڑھا کر دراز کھولا اور ڈائری نکالی۔ پوری توجہ سے پڑھنے کی خاطر ہیڈ بورڈ سے ٹیک لگاتی وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ شروع کے چند صفحات کورے تھے لیکن تھوڑا آگے جا کر اسے کام کی چیز ملی۔

"قیصر خیام (گارڈ) نے سب کو چائے پلانے میں مشغول کیا (کیا یہ کوئی سازش تھی؟)

یہ وقفہ پندرہ منٹ کا تھا، جس دوران ڈیوٹی پر آنے اور وہاں سے چند ہی لمحوں میں رخصت ہونے والے سارے ہی گارڈز غفلت کا شکار ہوئے۔

یہ حصہ ایڈٹ کرنا ضروری تھا۔"

بس اتنا ہی لکھا تھا لیکن یہ چند لائنیں اپنی ذات میں خود ایک سنسنی خیز داستان تھیں۔

ایک ساتھ دو حقائق سامنے آئے تھے۔ اس سب میں شاہ ویز براہِ راست ملوث نہیں تھا اور کسی دوسری پارٹی کی معاونت سے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آگ لگوائی گئی تھی۔

پھر اس نے بے دھیانی میں چند صفحات پلٹائے۔

اور اسے کچھ نیا ملا۔

تاریخ چند ماہ پہلے کی تھی۔

معیار

کچھ رشتے ملتے نہیں، پہچانے جاتے ہیں،

اجنبی، اور حد درجہ مانوس بھی۔

جیسے کوئی عکس اچانک سامنے آ کھڑا ہو

سنوارتا نہیں، بے نقاب کرنے والا،

تمہاری روشنی، اور اندھیرا بھی۔

یہ ساتھ آسان نہیں ہوتا،

بدلتا ہے، توڑتا ہے،

پھر وہی ٹکڑے نئے معانی کے ساتھ جوڑتا ہے۔

ایسا تعلق وقت کا پابند نہیں ہوتا،

نہ فاصلہ اسے کم کرتا ہے، نہ قربت بڑھاتی ہے

یہ بس موجود رہتا ہے، اپنی شدت کے ساتھ

جانتا ہوں،

جو وہ ملا،

تو پہچان میں غلطی نہیں ہو گی،

کیونکہ وہ مجھے مجھ سے چھپا نہیں پائے گا۔

اور شاید۔۔۔

اسی کو میں اپنے معیار کا نام دیتا ہوں۔

شہ پارہ کی نظر آخری سطر پر آ کر ٹھہر گئی، مگر ذہن جیسے وہیں نہیں رکا۔

اس نے ڈائری بند نہیں کی، بس انگلی اس کے کنارے پر رک گئی۔

اور پہلی بار، اسے یہ جاننے کی خواہش ہوئی کہ اس نظم میں جس 'آئینے' کی بات کی گئی ہے

وہ خود کبھی اس کے سامنے آیا تو کیا دکھائی دے گا؟

سیف نے دروازے پر دستک دی اور اونچی آواز میں بولا۔ "آپی! شاہ ویز بھائی آپ سے ملنے آئے ہیں، کہہ رہے ہیں کسی ضروری کام کے سلسلے میں آئے ہیں۔"

شہ پارہ کا دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا، مگر اس نے فوراً خود کو سنبھالا اور کمرے سے نکلتی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔

وہاں شاہ ویز اور زوہیب آمنے سامنے بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔

شہ پارہ کے داخل ہوتے ہی شاہ ویز سے اس کی مختصر سی علیک سلیک ہوئی، جس کے فوراً بعد زوہیب یہ کہتا اٹھ کھڑا ہوا کہ وہ ملازمہ کے ہاتھ دونوں کے لیے چائے بھجواتا ہے۔

زوہیب کے باہر نکلتے ہی کمرے کی فضا غیر محسوس طور پر بدل گئی۔

شاہ ویز نے اپنا رخ مکمل طور پر شہ پارہ کی جانب کیا اور گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "جانتی ہو تم نے کیا کیا ہے؟"

شہ پارہ نے بڑی مہارت سے چونکنے کی اداکاری کی۔ "میں تو سمجھی تھی تم کسی کام کے سلسلے میں آئے ہو، لیکن تم تو مجھے کٹہرے میں کھڑا کر رہے ہو۔"

"جہاں مجرم کو کھڑا کیا جاتا ہے، مِس شہ پارہ۔"

پھر صوفے پر ذرا سا آگے کو جھک کر بولا۔ "اسی کام کے سلسلے میں آیا ہوں، جو تمہیں میرے کمرے تک کھینچ لایا تھا۔"

شہ پارہ نے ڈرامائی انداز میں ایک گہری سانس اندر کھینچی اور دوٹوک انداز میں کہا۔ "میں صرف ایک بار وضاحت دینے کی عادی ہوں۔"

شاہ ویز کے لبوں پر پہلی بار ایک پراسرار سی مسکراہٹ آئی، جیسے وہ کسی نتیجے پر پہلے ہی پہنچ چکا ہو۔

شہ پارہ نے ابرو اچکائے جیسے اس بے وقت مسکراہٹ کی وجہ پوچھ رہی ہو، مگر شاہ ویز نے سر جھکا کر نفی میں ہلایا اور خاموش رہا۔

"میں وہ ڈائری واپس کر دیتی ہوں جسے لینے تم یوں اٹھ کر بھاگے چلے آئے ہو۔" شہ پارہ نے تیکھے پن سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

عین اسی وقت ملازمہ چائے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی، اور چند لمحوں کے لیے گفتگو کا تناؤ معمول کے آداب میں دب گیا۔

کچھ دیر بعد جب شہ پارہ ڈائری لے کر واپس آئی اور شاہ ویز کی طرف بڑھائی، تو ساتھ ہی ایک جتاتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی۔ "میں غلط نہیں تھی، تم واقعی کچھ چھپا رہے تھے، اور وہ ثبوت مجھے اسی ڈائری سے مل گیا۔"

"یہ ایک انتہائی غیر اخلاقی حرکت تھی، شہ پارہ۔"

"اور جو تم نے کی، حقائق چھپا کر؟ اس کا کیا؟"

شاہ ویز ایک قدم آگے بڑھا، اب وہ عین اس کے سامنے کھڑا تھا۔ "تم چھپتی چھپاتی ایک "___ نجی محفل سے اٹھ کر میرے کمرے میں گئیں اور۔۔"

"اس پرانی کہانی کو دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔" شہ پارہ نے دوٹوک انداز میں اس کا جملہ کاٹا۔

چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی، مگر یہ خاموشی خالی نہیں تھی، اس میں واضح طور پر ایک اعلانیہ کشمکش موجود تھی۔

شاہ ویز نے اسے بغور دیکھا جیسے وہ اس کے الفاظ سے زیادہ اس کے ارادوں کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ "تمہیں بالکل احساس نہیں کہ تم نے میری ذاتی ڈائری چرا کر پڑھی؟"

شہ پارہ نے سینے پر دونوں بازو باندھتے ہوئے کہا۔ "مجھے جو ٹھیک لگا، میں نے وہی کیا، اور اسی طرح مجھے اصل حقیقت معلوم ہو پائی۔"

شاہ ویز کچھ لمحے سر جھکائے کھڑا رہا، جیسے وہ اپنے رد عمل کو تول رہا ہو، پھر اس نے آہستہ سے نظر اٹھائی۔ اس کی آنکھوں میں اس بار صرف ناراضی نہیں تھی، ایک واضح انتباہ بھی تھا۔

"پھر یاد رکھنا، شہ پارہ، اگلی باری میری ہو گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

پائی خیل ریلوے اسٹیشن کی وہ خاموش اور قلعہ نما عمارت شام کے ڈھلتی دھوپ میں مزید پُراسرار لگ رہی تھی۔ شہ پارہ، زمرد، کاشان اور اس کا چھوٹا بھائی فرہاد، اسٹیشن کے اس ویران حصے کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں پرانی پٹریاں ریت میں دبی ہوئی تھیں۔

شہ پارہ نے محسوس کیا کہ زمرد اور فرہاد ان سے کافی فاصلے پر پیچھے رہ گئے ہیں۔

"جب سے ہم یہاں آئے ہیں، یہ دونوں ہم سے اتنا دور دور کیوں پھر رہے ہیں؟" شہ پارہ نے حیرت سے پوچھا۔

کاشان کے چہرے پر معمول سے زیادہ سنجیدگی تھی، اس نے سامنے پھیلی خاموش پٹریوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے ہی انہیں ایسا کرنے کو کہا تھا۔"

"تم نے ان دونوں کو ہم سے دور رہنے کو کہا؟" شہ پارہ ٹھٹک کر رک گئی۔

کاشان نے خاموشی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"لیکن کیوں؟" شہ پارہ کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔

"تاکہ میں وہ بات کہہ سکوں جو مجھے کہنی ہے۔"

وہ دونوں اسٹیشن کے پلیٹ فارم کے ایک پرانے بنچ پر بیٹھ گئے۔ شہ پارہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا؛ کیا آج اس کی وہ دیرینہ خواہش پوری ہونے جا رہی تھی جس کا وہ انتظار کرتی آئی تھی؟

"میں انگلینڈ جا رہا ہوں۔" کاشان نے اچانک دھماکہ کیا۔

"انگلینڈ؟ لیکن کیوں؟" شہ پارہ ساکت رہ گئی، اسے لگا جیسے وقت وہیں تھم گیا ہو۔

"اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے۔"

لیکن تم تو کہتے تھے کہ یہیں سے انجینئرنگ کرو گے،" شہ پارہ نے الجھن سے اسے دیکھا۔

"ادارے کا بھی سوچ رکھا تھا۔

کاشان نے نظریں چرا کر دور افق کی طرف دیکھا اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "پلان بدل لیا۔"

""اتنا اچانک اپنا سارا پلان بدل لیا؟ اور مجھے کچھ بتایا بھی نہیں؟"

"بتا تو رہا ہوں۔" اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

شہ پارہ کی آنکھوں میں کئی سوال ابھرے۔ "تم نے وہاں داخلے کے لیے درخواست دی ہو گی، یہ بھی فیصلہ کیا ہو گا کہ کون سی ڈگری لینی ہے اور جانے کیا کچھ۔۔۔ یہ سب اتنی خاموشی سے ہو گیا؟" وہ سوچنے پر آئی تو اسے احساس ہوا وہ پچھلے چند ماہ سے بہت مصروف رہنے لگا تھا، ان کے گھر بھی کم ہی آیا کرتا۔

کاشان نے مڑ کر اسے دیکھا "تم کیوں ہر بات کی گہرائیوں میں اترنے لگتی ہو شہ پارہ؟" اور تھوڑی جھنجھلاہٹ سے پوچھا۔

شہ پارہ نے اسے غور سے دیکھا، جیسے وہ اس کے چہرے کے پیچھے چھپے کسی سچ کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہو۔

کیوں؟ کچھ غلط کہہ دیا میں نے؟" کاشان نے دوبارہ پوچھا۔

شہ پارہ نے آہستہ سے سر نفی میں ہلا دیا، مگر اس کے اندر ایک عجیب سا دکھ سر اٹھانے لگا تھا۔

"تم بات ہی یوں کرتے ہو کہ مجھے اپنا آپ ہی غلط لگنے لگتا ہے۔" شہ پارہ نے دکھ سے کہا۔

کاشان نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیمے لہجے میں تسلی دی۔ "میں ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا، شہ پارہ۔"

"اور اگر ایک بار پھر تمہارا پلان بدل گیا تو؟" وہ تلخی سے مسکرائی۔ "ایک شہر میں رہتے ہوئے میں تمہیں ارادے بدلنے سے نہیں روک پائی، اتنی دور سے بھلا کیا کر پاؤں گی؟"

"تم نہیں چاہتیں کہ میرا مستقبل روشن ہو؟""

کاشان کے اس سوال نے شہ پارہ کو اندر تک ہلا دیا۔ اسے اپنی سوچ پر افسوس ہوا؛ وہ صحیح کہہ رہا تھا، اس موقع پر اسے کاشان کی ہمت بننا چاہیے تھا۔

کاشان نے ماحول کے بوجھل پن کو ختم کرنے کے لیے پلیٹ فارم کی قدیم عمارت کی طرف اشارہ کیا، جہاں شام کی دھوپ دیواروں پر سنہرا رنگ بکھیر رہی تھی۔

"شہ پارہ! جانتی ہو اس پائی خیل اسٹیشن کی تاریخ کیا ہے؟" اس نے ایک ماہر داستان گو کی طرح بات شروع کی۔ "یہ صرف اینٹ اور گارے کی دیواریں نہیں ہیں۔ انگریزوں نے

اسے انیسویں صدی کے آخر میں ایک قلعے کی طرز پر بنایا تھا۔ دیکھو یہ اونچے برج اور چھت پر بنے یہ مورچے یہ سب اس لیے تھا کہ اس زمانے میں یہاں کے قبائل بہت سرکش تھے اور وہ برطانوی راج کی ان پٹریوں کو اپنی زمین پر برداشت نہیں کرتے تھے۔"

وہ بنچ سے اٹھا اور ایک پرانے ستون پر ہاتھ رکھ کر گھمبیر آواز میں بولا۔

1892 میں جب یہ کوٹری اٹک لائن بچھائی جا رہی تھی، تو یہ اسٹیشن کسی فوجی چھاؤنی کی طرح استعمال ہوتا تھا۔ یہاں کی ہر اینٹ پر اس دور کے پہرے داروں کی نظریں لگی ہوتی تھیں۔ یہ جگہ اس لیے بنائی گئی تھی کہ یہاں سے گزرنے والی ٹرینیں محفوظ رہ سکیں، مگر وقت دیکھو۔۔۔ آج وہی پٹریاں خاموش ہیں اور یہ قلعہ صرف ہماری باتوں کا گواہ ہے۔"

شہ پارہ مسحور ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ کاشان جب تاریخ کے اوراق پلٹتا تو واقعی ایک جادوگر لگتا تھا، جو لمحوں میں انسان کو صدیوں پیچھے لے جاتا۔

اسے لگا جیسے کاشان خود بھی اسی اسٹیشن کی طرح ہے؛ ایک ایسا قلعہ جس کی فصیلوں کے اندر جھانکنا ناممکن تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

نایاب ڈائننگ روم میں اذان کے ساتھ بیٹھی تھی، جہاں وہ خاموشی سے اپنا ہوم ورک کرنے میں مصروف تھا کہ اچانک اسے ملازمہ کی آواز سنائی دی۔ وہ فہمیدہ بیگم کو بتا رہی تھی کہ تین خواتین ڈرائنگ روم میں ارمغان صاحب کا انتظار کر رہی ہیں۔

جواب میں فہمیدہ بیگم نے کہا۔ "ہاں! میں اسے بتاتی ہوں، وہ کہہ تو رہا تھا کہ کچھ خواتین ملنے آئیں گی۔"

یہ آوازیں لاؤنج سے آ رہی تھیں، نایاب نے کان لگائے تو کچھ ہی دیر بعد اسے ارمغان کی دھیمی آواز سنائی دی، مگر وہ اتنا آہستہ بول رہا تھا کہ نایاب اس کی بات سمجھنے سے قاصر رہی۔

چند لمحوں بعد وہاں خاموشی چھا گئی، جیسے گفتگو کسی اور جگہ منتقل ہو گئی ہو۔

نایاب نے موقع غنیمت جانا اور اذان سے مخاطب ہوئی۔ "اذان! آپ اپنا کام کرو، میں بس ابھی آتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ دبے قدموں وہاں سے نکلی اور پہلے لاؤنج میں آئی، جہاں اس وقت صرف فہمیدہ بیگم بیٹھی کوئی ککنگ شو دیکھنے میں مگن تھیں۔

ان کی پشت نایاب کی جانب تھی، اس لیے وہ بغیر آواز کیے تیزی سے وہاں سے گزرتی ہوئی گیلری تک پہنچ گئی، جہاں سے دائیں طرف ڈرائنگ روم کا راستہ جاتا تھا۔

وہ ڈرائنگ روم کے بند دروازے کے سامنے آکر رک گئی اور خود کو اس انداز میں کھڑا کر لیا کہ اگر کوئی اچانک آنکلتا تو وہ یہی ظاہر کرتی کہ یہاں سے گزرتے ہوئے محض لمحہ بھر کو ٹھہری تھی۔

اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، مگر تجسس اس کے قدموں کو وہیں جکڑے رکھے ہوئے تھا۔

اسی شام جب کمال ہاؤس کی گاڑی نے اسے گلی کے نکڑ پر اتارا تو وہ کچھ دیر اپنی جگہ کھڑی رہی۔

گاڑی نظروں سے اوجھل ہوئی تو اس نے بیگ سے موبائل نکالا اور وہی نمبر ملایا جس پر اس کی روز بات ہوا کرتی تھی۔

"ہاں، بتاؤ کچھ نیا ملا؟" دوسری طرف سے مانوس آواز ابھری، انداز وہی کریدنے والا۔

"آج تین خواتین آئی تھیں سر سے ملنے۔"

"کہا تھا نا؟" آواز اب پرجوش تھی۔ "دیکھتی جاؤ کیسے اس کا کھیل سامنے آتا ہے۔"

"وہ سر سے کاروبار کی بات کر رہی تھیں۔"

"کیسا کاروبار؟ اور عمریں کیا تھیں ان کی؟"

"میں نے دیکھا نہیں، صرف سنا ہے۔ ایک کافی ضعیف خاتون تھیں ہر تھوڑی دیر بعد کھانسی کا دورہ سا پڑتا تھا اور آواز سے بھی لاغر لگ رہی تھیں۔"

"اور باقی دونوں؟"

"دوسری مجھے مڈل ایج کی لگیں ساتھ میں شاید کالج جاتی بیٹی تھی، جسے انہوں نے دو بار مخاطب کیا۔ ان میں شاید وہی پڑھی لکھی تھی، کوئی معلوماتی بات ہوتی تو اسے مخاطب کیا جاتا۔ وہ ان سے کوئی چھوٹا سا کاروبار سٹیبلش کروانے کے سلسلے میں مدد کی طالب تھیں۔"

"اور؟"

"بس،اس کے بعد سر نے شاید انہیں اپنا کارڈ پکڑایا ہو،انہیں اگلے دن آفس آنے کو کہہ وہے تھے۔وہ شاید پہلی بار سر سے مل رہی تھیں۔"

"چھوٹے کاروبار شروع کرنے کے لیے تو بنک والے بھی آسان شرائط پر قرضے دیتے ہیں۔"انداز طنزیہ تھا۔

"وہ ان سے انتظامی امور میں مدد لینا چاہتی تھیں۔"

"ابھی کچھ بھی واضح نہیں۔"

اس کے بعد لمحاتی خاموشی چھا گئی۔

"مجھے ثبوت چاہییں،نایاب۔"انداز فیصلہ کن تھا۔"ابھی تک تم نے صرف دیکھنے،سننے کی حد تک میرا کام کیا،لیکن یہ کافی نہیں۔"

"آپ ہی نے مجھے تلقین کی تھی کہ پہلے دو ماہ ان کا اعتماد جیتنے کی کوشش کروں۔"

"سب ویسا نہیں ہوا،جیسا میں چاہتی تھی۔"

"میں سمجھی نہیں؟"اس نے توان کی ہدایات کے مطابق اپنے علم میں آنے والی سبھی خبروں سے آگاہ کیا تھا۔

"مجھے ٹھوس ثبوت درکار ہیں، میں تمہیں سوچ کر بتاؤ گی کہ اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 18

زمرد زاویار

ماضی

رات آدھی گزر چکی تھی لیکن ان دونوں کا کمرہ کچھ جاگا ہوا سا تھا۔

کھلی کھڑکی سے چھن کر آنے والی چاندنی نے کمرے کے آدھے حصے کو چاندی جیسی سفیدی سے بھر دیا تھا، جبکہ باقی حصہ ہلکی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

دونوں بہنیں زمرد کے بستر پر لیٹی چھت کو تک رہی تھیں۔

زمرد لاشعوری طور پر اپنی انگلی میں پہنی انگوٹھی کو بار بار گھما رہی تھی، جس کے بڑے ہیرے کی مدھم چمک اندھیرے میں بھی نمایاں تھی۔

شہ پارہ نے اس حرکت کو نوٹ کیا اور دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر انگوٹھی کو اپنی نظروں کے سامنے کیا۔

خاصا بڑا ہیرا ہے۔" اس نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔" مجھے تو حیرت ہے کہ زاویار بھائی "نے تمہیں یہ تحفہ دیا۔ اس کا مطلب تو یہی ہے کہ وہ بھی اس رشتے سے خوش ہیں۔"

زمرد نے شرارت سے اس کے کندھے سے کندھا ٹکرایا۔" کیا مطلب رشتہ؟ صرف رشتہ نہیں طے ہوا، ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔ اب تو ہم۔۔۔"

شہ پارہ کھلکھلا کر ہنس دی۔" ہاں ہاں، بول دو۔۔' اب تو ہم جیون ساتھی ہیں۔"

"بے شرم! میں نے یہ تھوڑی کہنا تھا۔" زمرد نے ہنستے ہوئے اسے دوبارہ کندھا مارا۔

وہ ابو کے دوست کا بیٹا سہی،" شہ پارہ سنجیدگی سے بولی۔" تم اس کے ساتھ نباہ کر لو گی؟"

"مگر ہمارے گھر تو کبھی کبھار ہی آیا ہے۔

زمرد نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ "کیوں؟ یہ خیال تمہیں کیوں آیا؟"

"ہم ٹھہرے متوسط طبقے کے لوگ اور وہ خاصے امیر۔ طبقاتی فرق اپنا آپ کئی موقعوں"
پر جتاتا ہے۔

زمرد نے جواب دینے کے بجائے اچانک موضوع بدل دیا۔

"جانتی ہو؟ اگلے ہفتے کاشان آرہا ہے۔"

یہ سنتے ہی شہ پارہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم مجھے ابھی بتا رہی ہو؟"

زمرد ہنس دی۔ "مجھے بھی ابھی کچھ دیر پہلے پتہ چلا۔ اس نے تمہیں کیوں نہیں بتایا؟"

سرپرائز دینا چاہتا ہوگا۔" شہ پارہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "ویسے بھی بہت"
"مصروف ہوتا ہے، کبھی کبھار ہی بات ہو پاتی ہے۔

زمرد نے اسے غور سے دیکھا، جیسے اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ "تم
اب تک دو رشتے ٹھکرا چکی ہو، وجہ پوچھ سکتی ہوں؟"

"ابھی پڑھ رہی ہوں زمرد، بس یہی وجہ ہے۔" شہ پارہ نے بے تاثر لہجے میں جواب دیا۔

وہ تو میں بھی کہہ سکتی تھی۔" زمرد نے فوراً بات کاٹی۔ "لیکن دیکھو، میرا نکاح بھی ہو گیا" "اور رخصتی بھی تعلیم مکمل ہونے کے بعد ہی ہو گی۔

کچھ دیر بعد زمرد کی آواز نے خاموشی توڑی۔" کہیں یہ سب کاشان کے لیے تو نہیں؟"

شہ پارہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور دوبارہ اس کے پہلو میں لیٹ گئی۔

زمرد سنجیدگی سے بولی۔" شہ پارہ، ایسے لوگوں کے ساتھ گھر نہیں بسایا جاتا۔ یہ صرف وقتی ہمسفر ہوتے ہیں، جیون ساتھی نہیں۔"

شہ پارہ کی نظریں کھڑکی سے باہر چاندنی میں نہائے پرانے درخت پر جم گئیں۔

اس نے کچھ نہیں کہا۔

کمرے میں پھر سے وہی خاموشی لوٹ آئی، مگر اب اس خاموشی میں کئی ان کہے سوال سانس لے رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

کچن میں برتنوں کی ہلکی سی آہٹ پر شہ پارہ کی آنکھ کھلی۔ گھڑی ابھی فجر کے تھوڑی دیر بعد کا وقت بتا رہی تھی۔ وہ حیران ہوئی کہ عام طور پر تو امی ہی ناشتہ تیار کرتی تھیں، لیکن آج زمرد اتنی جلدی کچن میں کیا کر رہی ہے؟

وہ دبے قدموں کچن میں پہنچی تو دیکھا کہ زمرد بہت خاموشی سے دونوں کے لنچ باکس تیار کر رہی تھی، اسے دیکھ کر بھی اپنی چپ نہ توڑی۔ عام طور پر تو وہ لنچ پیک کرتے ہوئے ہزار باتیں کرتی تھی، کبھی رات کی کسی ترکیب کا ذکر، تو کبھی یہ کہ صبح سویرے اٹھ کر تازہ لنچ بنانے میں کتنا مزہ آتا ہے۔

شہ پارہ اکثر اسے ٹوکتی۔ "بس زیادہ نیک پروین نہ بنو، یہ سب تم ابو کے پیسے بچانے کے لیے کرتی ہو نا؟" اور وہ ہمیشہ کی طرح اترا کر جواب دیتی۔ "ہاں تو ان کی بیٹی ہوں نا، ویسے بھی باہر کے گندے سندے کھانے صحت کے لیے اچھے نہیں ہوتے۔"

مگر آج اس کے ہاتھ مشینی انداز میں چل رہے تھے اور نظریں صرف کاؤنٹر پر جمی تھیں۔ شہ پارہ نے اسے مخاطب کرنا چاہا، مگر زمرد کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر الفاظ لبوں پر ہی دم توڑ گئے۔

یونیورسٹی میں بھی صورتحال مختلف نہ تھی۔ دونوں کامرس کی طالبات تھیں، اس لیے اکثر وقفوں میں ساتھ ہی ہوتیں۔ زمرد کا زیادہ تر وقت اپنی بہترین دوست ماہرہ اور شہ پارہ کے گرد ہی گزرتا تھا، لیکن آج ماہرہ بھی نہیں آئی تھی۔

شہ پارہ نے لائبریری، کینٹین اور پچھلے لان، ہر جگہ اسے ڈھونڈا، مگر زمرد جیسے اس سے چھپتی پھر رہی تھی۔ دور سے اسے ایک دو بار دیکھا بھی، مگر جیسے ہی شہ پارہ قریب پہنچتی، وہ کسی دوسرے کوریڈور میں مڑ جاتی۔ شہ پارہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر بات کیا ہے۔

رات ہوئی تو کمرے میں بظاہر خاموشی چھا گئی، مگر شہ پارہ کی نیند اڑی ہوئی تھی۔ وہ کروٹ بدل رہی تھی کہ اچانک اسے ساتھ والے بیڈ سے ایک بہت ہی ہلکی، دبی دبی سی سسکی سنائی دی۔

وہ آواز اتنی مدھم تھی کہ شاید کوئی اور ہوتا تو محسوس بھی نہ کرتا۔ شہ پارہ نے سانس روک کر سننے کی کوشش کی۔ تکیے میں منہ چھپائے زمرد اپنی سسکیوں کو ضبط کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

شہ پارہ نے آہستگی سے پکارا، "زمرد؟"

سسکیوں کا سلسلہ فوراً رک گیا۔

زمرد نے فوراً کروٹ بدل لی اور ساکت ہو گئی۔

شہ پارہ نے اندھیرے میں اس کی پشت کو دیکھا، وہ چاہتی تھی کہ اٹھ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لے، مگر زمرد کے گرد تنی وہ خاموشی کی دیوار اتنی اونچی تھی کہ شہ پارہ کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ بس چھت کو تکتی رہی، یہ سوچتے ہوئے کہ اس کی ہنستی مسکراتی بہن کو کس غم نے دیمک کی طرح چاٹنا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کمرے میں صرف چھت کے پرانے پنکھے کی یکساں گھومنے کی آواز آ رہی تھی، جو فضا کے بوجھل پن کو کم کرنے میں ناکام تھی، ثمینہ نے نظریں اٹھا کر اپنے جیون ساتھی کو دیکھا، جو بیٹی کی اس انوکھی فرمائش پر زرد چہرہ لیے گم صم بیٹھے تھے۔

داؤد صاحب کے لیے یہ کسی صدمے سے کم نہ تھا کہ جس رشتے کو وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی ذمہ داری سمجھ کر سکون کا سانس لے چکے تھے، وہ یوں ریت کی دیوار ثابت ہوگا، آخر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول اٹھے۔ "لیکن کیوں زمرد؟ جب رشتہ طے ہوا، نکاح ہوا، اس وقت کہتی۔ اب تو سب کچھ طے پا چکا ہے، اب تو۔۔۔"

"ابو! مجھے وہ شخص نہیں پسند۔" زمرد نے سپاٹ لہجے میں بات کاٹ دی، اس کے الفاظ میں ایسی سرد مہری تھی کہ داؤد صاحب کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

شہ پارہ، جو ابھی ابو کے کہنے پر ان کے لیے پانی کا گلاس لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی، یہ جملہ سن کر ٹھٹک کر رک گئی۔

اس کے قدم جیسے زمین نے پکڑ لیے تھے، پھر خود کو سنبھالتے ہوئے وہ حوصلہ کر کے آگے بڑھی، باپ کو پانی کا گلاس پکڑایا اور ماں کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔ "امی! یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

ثمینہ نے بس ایک ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، کمرے میں پھیلے اس تناؤ نے شہ پارہ کے تنفس کی ترتیب بگاڑ دی۔

"میں کافی دنوں سے دیکھ رہی ہوں یہ بہت اپ سیٹ ہے، کچھ چھپا رہی ہے ہم سے۔"
ثمینہ کی آواز میں ممتا کی بے چینی تھی، داؤد صاحب نے بڑی بے بسی اور مدد طلب نظروں سے شہ پارہ کی طرف دیکھا۔ "تم ہی سمجھاؤ اسے۔۔۔ یہ زاویار سے طلاق لینا چاہتی ہے۔"

شہ پارہ نے شاک بھری نظروں سے اپنی بہن کو دیکھا، جو سر جھکائے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔

"ضرور زاویار کی طرف سے کچھ ہوا ہے ابو!" شہ پارہ نے اپنے باپ سے مخاطب ہونے کے باوجود نظریں اپنی بہن پر جمائے رکھیں، جیسے وہ اس کے جھکے ہوئے سر سے سچ کشید کرنا چاہتی ہو۔ "امی! آپ تو جانتی ہیں، ہر خاص موقع پر وہ کتنے اہتمام سے تحائف بھیجتا رہا ہے۔ کبھی اپنی فیملی کے ساتھ باہر جائے تو زمرد کے حصے کا کھانا بھی الگ سے پیک کروا کر لاتا ہے۔"

"کچھ بھی ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا شہ پارہ!" زمرد نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

شہ پارہ الفاظ سے زیادہ زمرد کے انداز پر حیران ہوئی۔ وہ رو نہیں رہی تھی، اس کے گالوں پر آنسوؤں کی کوئی لکیر نہیں تھی، لیکن اس کی آنکھوں میں چھلکتی ہوئی سرخی بتا رہی تھی کہ اندر کہیں کوئی آگ لگی ہے۔

معاملہ اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا وہ لوگ سمجھ رہے تھے۔

یہ کہیں زیادہ الجھا ہوا، گہرا اور مبہم تھا۔

شہ پارہ نے وہیں دل میں تہیہ کیا کہ وہ اس راز کی تہہ تک پہنچ کر رہے گی۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے والدین کو اشارہ کیا۔ "مجھ پر چھوڑ دیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ماہرہ نے دروازہ کھولا تو سامنے شہ پارہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔

"زمرد کو بالکل پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ میں یہاں آئی تھی ماہرہ!" شہ پارہ نے اپنی آواز دبی ہوئی مگر مضبوط رکھی۔ وہ دونوں اس وقت ماہرہ کے کمرے میں آمنے سامنے بیٹھی

ہوئی تھیں۔ "کیا پچھلے کچھ دنوں میں اس نے تم سے زاویار کے بارے میں کوئی بات کی؟"

ماہرہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی، پھر تھوڑا ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "نہیں، حالانکہ میں خود نوٹ کر رہی ہوں کہ کچھ دنوں سے وہ بہت اپ سیٹ ہے، لیکن اس نے خود سے کچھ نہیں بتایا۔"

ماہرہ نے کچھ سوچا اور پھر بولی۔ "ہاں! کچھ دن پہلے زاویار کی کال آئی تھی، ابھی ہم کلاس سے نکلے ہی تھے کہ زمرد کا موبائل وائبریٹ ہوا۔"

شہ پارہ نے تجسس سے اس کی طرف دیکھا۔ "پھر کیا ہوا؟"

"کچھ تو وہ ایسا کہہ رہا تھا کہ زمرد ایک دم سنجیدہ ہو گئی اور پھر مجھ سے معذرت کرتی ہوئی گراؤنڈ کے دوسرے کونے میں چلی گئی۔" ماہرہ کی آواز میں بھی اب تشویش جھلک رہی تھی۔ "وہ کال کافی لمبی ہو گئی تھی۔"

شہ پارہ نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے، آنکھوں میں غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ "اور اس کے بعد؟ زمرد نے تم سے کیا کہا؟"

"اس نے بہت ٹالنے والے انداز میں کہا کہ زاویار اپنے کسی مسئلے میں الجھا ہوا ہے، بس دل ہلکا کرنا چاہتا تھا۔"

شہ پارہ تلخی سے مسکرائی۔ "ہاں! مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ کس قسم کا مسئلہ ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دوبارہ تاکید کی "پلیز ماہرہ، زمرد کو بالکل نہ بتانا کہ میں تم سے ملی ہوں۔"

"فکر نہ کرو، میں خاموش رہوں گی، لیکن شہ پارہ، ایک بات ہے!" ماہرہ نے اسے رکنے کا اشارہ کیا، شہ پارہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو ماہرہ بولی۔ "وہ اس کال سے بھی دو تین دن پہلے مجھے کافی پریشان دکھائی دی تھی۔"

شہ پارہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے، وہ خاموشی سے باہر نکل آئی، مگر اس کا دماغ اب مزید الجھن کا شکار ہو چکا تھا۔

اس کا مطلب تھا کہ اس فون کال سے پہلے بھی کچھ ایسا ہوا تھا جس نے زمرد کی نیندیں اڑا رکھی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

شہ پارہ ہر وقت اسی چکر میں رہتی کہ کسی طرح زمرد کے موبائل تک پہنچ سکے، اخلاقی طور پر یہ کام اسے بہت غلط لگ رہا تھا، لیکن حالات کی سنگینی ایسی تھی کہ اسے یہ سب ایک مجبوری سا محسوس ہونے لگا۔

اسے پکا یقین تھا کہ اس موبائل کے ذریعے نہ صرف حقیقت کھلے گی بلکہ اسے لگے ہاتھوں کوئی ٹھوس ثبوت بھی مل جائے گا۔

اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے زمرد سے موبائل مانگا تو وہ یا تو انکار کر دے گی یا پھر سارا ریکارڈ مٹا کر ہی اس کے ہاتھ میں تھمائے گی، اس لیے اسے خود ہی کوئی راستہ نکالنا تھا۔ رات کو جب دونوں سونے کے لیے لیٹ گئیں تو شہ پارہ تاریکی میں ساکت پڑی انتظار کرتی رہی۔

کافی دیر گزرنے کے بعد جب زمرد کی متوازن اور دھیمی ہوتی سانسوں نے اس کے گہری نیند میں ہونے کا سندیسہ دیا، تو شہ پارہ دبے پاؤں اٹھی، اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا زمرد کا موبائل اٹھایا اور اپنے بستر پر واپس آ کر کھیس اپنے اوپر اوڑھ لیا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے موبائل کا پاس ورڈ درج کیا مگر حفاظتی نظام نے اس کا راستہ روک دیا، اسے تعجب ہوا۔ وہ دونوں ہمیشہ سے ایک دوسرے کا پاس ورڈ جانتی تھیں اور کبھی ایک دوسرے کا موبائل چوری چھپے نہیں کھولا تھا۔ نکاح کے تین ماہ بعد سے، جب زاویار نے زمرد کو توجہ دینی شروع کی تھی، زمرد نے اپنے پاس ورڈ میں زاویار کا پورا نام لگا رکھا تھا۔ پہلے دن تو وہ دونوں اس بات پر خوب ہنسی تھیں اور شہ پارہ نے اسے بہت چھیڑا بھی تھا۔

شہ پارہ نے اب زاویار کی تاریخِ پیدائش لکھی مگر موبائل اب بھی انکاری تھا۔ آخر کار اس نے اپنا پورا نام لکھ کر دیکھا تو موبائل کھل گیا، اس کا دل بھر آیا۔

کچھ تو ایسا ہوا تھا کہ زمرد نے اس رشتے کی علامت سمجھا جانے والا پاس ورڈ تک بدل دیا تھا۔

یعنی وہ زمرد اس رشتے سے خود کو نکال چکی تھی۔

چیٹ ایپ کھولتے ہی زاویار کے آج کے پیغامات سامنے آ گئے۔

"تم بات کیوں نہیں کر رہی؟"

اگلا پیغام تھا۔ "کہیں ارادہ تو نہیں بدل لیا؟"

اس کے بعد دو وائس نوٹس تھے جو زمرد نے ابھی تک سنے نہیں تھے۔

شہ پارہ نے پرانے پیغامات دیکھنا شروع کیے، وہاں زیادہ تر وائس نوٹس تھے، لیکن کہیں کہیں لکھے ہوئے پیغامات بھی موجود تھے۔ "میں نے بتایا تھا نا کہ ابو سے اشارے میں کہنے کی کوشش کی تھی، انہوں نے سختی سے کہا کہ شادی تو وہیں کرنی پڑے گی جہاں وہ چاہتے ہیں۔"

زاویار آج کل روزانہ اسے پیغامات بھیج رہا تھا، جس سے اس کی بے چینی صاف ظاہر تھی۔

شہ پارہ نے دو تین پرانے وائس نوٹس اپنے نمبر پر فارورڈ کیے تاکہ وہ انہیں سن سکے، اسی دوران اس کی نظر ایک ایسے پیغام پر پڑی جس نے پل بھر کو اس کی سانس روک دی، اس نے لرزتی انگلیوں سے اس سکرین شاٹ لیا اور اپنے نمبر پر بھیج دیا۔

"زمرد! میں بتول سے محبت کرتا ہوں ورنہ کبھی تمہیں اس مشکل سے دوچار نہ کرتا۔"

یہ سب کر لینے کے بعد بھی شہ پارہ کا ضمیر مطمئن نہ تھا۔اسے رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ وہ ایک غیر اخلاقی حرکت کر چکی ہے اور اب اس میں دوسری کرنے کی ہمت نہ تھی۔اس کی بہن نے زاویار کے ہاتھوں زخم کھایا تھا،اب کیا وہ بھی ان ثبوتوں کو والدین کے سامنے رکھ کر زمرد کا تماشا بناتی؟اسے لگا کہ سچائی بیان کرنے کا کوئی اور راستہ نکالنا ہو گا۔

فجر کی نماز سے فارغ ہو کر جب وہ مصلے سے اٹھیں تو شہ پارہ خاموشی سے آ کر زمرد کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

زمرد ابھی تسبیح پڑھنے میں مصروف تھی۔

شہ پارہ نے کچھ دیر اسے دیکھا، پھر آہستگی سے بولنا شروع کیا۔"مجھے زاویار کے متعلق سب پتہ چل گیا ہے زمرد!اور میں تمہیں اس طرح قربانی کا بکرا بننے نہیں دوں گی۔"

زمرد کے ہاتھ کی حرکت تھم گئی اور اس نے بے یقینی سے شہ پارہ کی طرف دیکھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، شہ پارہ کی آواز میں ایک عزم ابھرا۔ "جس کی غلطی ہے، والدین کی ناراضگی بھی اسی کے حصے میں آنی چاہیے۔ یہ بوجھ تم نے کیوں اٹھا رکھا ہے؟"

"ہر بات کہہ دینا آسان نہیں ہوتا، شہ پارہ۔"

اسے اپنے گناہ کا بوجھ خود اٹھانے دو زمرد! تم اپنی رفوگیری کرو، دوسروں کے پھٹے ہوئے دامن سینے کی اب ضرورت نہیں ہے۔"

باب نمبر 19

نایاب صدیقی

ارمغان گھر لوٹا تو سیدھا اذان کے کمرے کی طرف بڑھا۔ افتخار کمال اور فہمیدہ کا کمرہ دوسری منزل پر تھا اور وہ اس وقت وہیں تھے، اسی لیے نچلی منزل پر اس وقت غیر معمولی سی خاموشی تھی۔

اس نے بیڈ روم کے ادھ کھلے دروازے سے اندر جھانکا تو نایاب اور اذان بیڈ پر لیٹے نظر آئے، نایاب اسے کہانیوں کی کسی کتاب میں سے کوئی قصہ سنا رہی تھی اور اذان پورے انہماک سے سن رہا تھا۔

ارمغان کی آہٹ پاتے ہی نایاب ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

ارمغان نے اپنی غلطی محسوس کرتے ہوئے فوراً معذرت کی۔ "سوری! مجھے دستک دینی چاہیے تھی، بس آج ذرا جلدی میں بغیر سوچے سمجھے اندر چلا آیا۔"

نایاب نے اس معذرت کے جواب میں کچھ نہیں کہا، بس خاموشی سے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی۔

ارمغان وہیں دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا اور محبت بھری نظروں سے اپنے بیٹے کو دیکھنے لگا، جس کا چہرہ باپ کو دیکھ کر کھل اٹھا تھا۔

اس نے اذان سے چند لمحے بات کی اور پھر نایاب کی طرف رخ کر کے بولا۔ "جب یہ کہانی ختم ہو جائے تو مجھے بتا دیجیے گا، میں اذان کو تھوڑی دیر کے لیے باہر لے کر جاؤں گا، آپ کو بھی گھر ڈراپ کر دوں گا۔"

نایاب نے اثبات میں سر ہلادیا جبکہ ارمغان وہاں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا اذان آج بہت پر جوش تھا، ارمغان اسٹیرنگ سنبھالے نایاب کے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا تاکہ اسے ڈراپ کرنے کے بعد باپ بیٹا اپنی شام ساتھ گزار سکیں۔

ارمغان نے سڑک پر نظریں جمائے ہوئے پوچھا۔ "تو جناب! آخر جانا کہاں ہے؟ ہمارے پاس تین آپشنز ہیں: کھیلوں کا میدان، مارگلہ کی پہاڑیاں یا پھر بچوں کا پارک۔"

اذان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "بابا! پارک میں جھولے بہت مزے کے ہیں، مارگلہ پر ہم اوپر سے پورا شہر دیکھ سکتے ہیں، اور اسپورٹس کلب میں آپ مجھے فٹ بال سکھائیں گے، مجھے تو سبھی پسند ہیں۔"

ارمغان ہلکا سا مسکرایا اور بولا۔ "اس طرح تو فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا، کیونکہ وقت ہمارے پاس ایک ہی جگہ کا ہے۔"

پچھلی نشست پر بیٹھی نایاب، جواب تک کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، ارمغان کے سوالیہ انداز پر بول اٹھی۔ "اگر آپ اذان کی پسند کے بجائے اس وقت کی نوعیت کو دیکھیں تو فیصلہ آسان ہو جائے گا۔"

ارمغان نے عقبی آئینے میں نایاب پر ایک نظر ڈالی جو محض ایک لمحے کے لیے تھی، پھر فوراً نظریں سامنے سڑک پر جمالیں۔ "وہ کیسے؟"

نایاب نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "پارک میں اذان دوسرے بچوں میں مگن ہو جائے گا اور آپ صرف ایک تماشائی بن کر رہ جائیں گے، مارگلہ کی ٹریل پر آپ دونوں ساتھ تو چلیں گے مگر وہاں توجہ راستے پر زیادہ اور ایک دوسرے پر کم ہو گی، لیکن کھیلوں کا میدان وہ جگہ ہے جہاں آپ اسے کچھ سکھائیں گے۔ وہاں آپ دونوں کے درمیان ایک ٹیم والا تعلق بنے گا جہاں جیت اور ہار سے زیادہ آپ کا ساتھ اہم ہو گا۔"

"آپ لوگوں کو پڑھتی ہیں، ہے نا؟"

نایاب نظریں کھڑکی سے باہر رکھتے ہوئے بولی۔ "کچھ عادتیں ضرورت کے تحت بھی زندگی میں شامل ہو جاتی ہیں۔"

اذان نے خوش ہو کر تالی بجائی اور بولا۔ "بابا! آپ مجھے خود سکھائیں گے نا؟ کوچ والے انکل جیسے نہیں۔"

ارمغان نے گاڑی کی رفتار ہلکی کی کیونکہ نایاب کی گلی کا موڑ آچکا تھا اور گاڑی روکتے ہوئے اس نے نایاب کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "آپ کے مشاہدے کی کاٹ بہت گہری ہے نایاب، آپ صرف جگہ کا انتخاب نہیں کر رہیں بلکہ رشتوں کی نفسیات بھی پڑھ رہی ہیں۔"

نایاب نے خاموشی سے اپنا بیگ سنبھالا، مختصر سا شکریہ ادا کیا اور گاڑی سے اتر گئی۔

ارمغان نے آئینے میں اسے گلی میں مڑتے ہوئے دیکھا۔

وہ اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا، بس نوٹ کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور اس کی مسلسل آواز لاؤنج میں بیٹھے سبھی لوگوں کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

ارمغان نے کلائی پر بندھی گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور فہمیدہ بیگم سے مخاطب ہوا۔ "امی! بارش تیز ہے، میں عصر کی نماز اوپر لائبریری میں ہی ادا کر لیتا ہوں۔"

فہمیدہ بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا جبکہ نایاب، جو اذان اور زمرد کے ساتھ وہیں بیٹھی تھی، خاموشی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

اچانک اذان کو کچھ یاد آیا اور وہ جلدی سے بولا۔ "نایاب آنٹی! میرا انگریزی کا ہوم ورک ابھی رہتا ہے۔"

نایاب بولی۔ "اذان! آپ یہیں بیٹھو، میں ابھی آپ کا بیگ لے کر آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے راہداری کی طرف بڑھ گئی۔

اس کا ارادہ سیدھا اذان کے کمرے کی طرف جانے کا تھا مگر راستے میں ارمغان کا ادھ کھلا کمرہ اسے جیسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔

ایک لمحے کو وہ ٹھٹکی، جیسے خود سے لڑ رہی ہو، پھر دبے قدموں اندر داخل ہو گئی۔

بیڈ کے سرہانے ارمغان کا موبائل رکھا تھا، اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اسے اٹھایا اور اسکرین روشن کی۔

اسے حیرت ہوئی کہ موبائل کسی خفیہ کوڈ یا انگلی کے نشان کی حفاظت میں نہیں تھا۔

اس نے فوراً پیغامات کی ایپ کھولی تو سب سے اوپر 'فرحین' نامی خاتون سے ہونے والی تازہ گفتگو نظر آئی۔

نایاب نے جلدی سے وہ چیٹ کھولی۔

"اس ماہ میری بیٹی کی شادی تو کروادی، لیکن میری دوائیاں بھول گئے؟"

ارمغان کا جواب تھا۔ "نہیں آنٹی! ابھی کچھ دیر پہلے اپنے معاون سے کہا ہے، رات تک آپ کو مل جائیں گی، آئندہ ہر ماہ وقت پر ملیں گی۔"

اگلا پیغام تھا۔ "ارے نہیں بیٹا! یہ بس انہی دنوں کی بات ہے، دورہ اس قدر شدید تھا کہ پورا ماہ دوائیاں لینی ہوں گی، اگلے ماہ ضرورت نہیں پڑے گی۔"

نایاب کے ہاتھ ہلکے سے کانپ گئے، اس نے جلدی سے اس گفتگو کی تصویر بنائی اور اپنے نمبر پر بھیج دی، پھر فوراً اپنی چیٹ کا ریکارڈ مٹا دیا۔

اسی طرح کی مزید دو گفتگوئیں بھی اسے ملیں جن میں ارمغان کسی کی مالی مدد کر رہا تھا، اس نے ان کے سکرین شاٹس بھی تیزی سے اپنے نمبر پر منتقل کیے اور تمام نشانات صاف کر دیے۔

نایاب نے ان خواتین کے رابطہ نمبروں کے عکس بھی تیزی سے اپنے نمبر پر روانہ کیے، پھر مکمل اطمینان کے ساتھ ریکارڈ مٹا کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس کا دل سینے میں تیزی سے دھڑک رہا تھا، جیسے کوئی بھی قدم اس کی چوری کو بے نقاب کر دے گا، مگر وہ خود کو سنبھالتے ہوئے سیدھی اذان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ سب لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے بیٹھے تھے اور زمرد کے بنائے ہوئے لوازمات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ارمغان سیڑھیاں اترتا آیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد وہاں آیا تو اس کے ہاتھ میں اس کا موبائل تھا جسے اس نے بظاہر لاپرواہی سے ٹراؤزر کی جیب میں رکھتے ہوئے ایک گہری نظر سب پر ڈالی۔

نایاب کو ایک لمحے کے لیے محسوس ہوا کہ ارمغان کی نظریں اس کے چہرے پر کچھ زیادہ دیر کو ٹھہری ہیں۔ لیکن اگلے ہی لمحے اسے اپنا وہم جان کر سر جھٹک دیا۔

ارمغان نے ہلکے پھلکے انداز میں زمرد کو مخاطب کیا۔ "مجھے بھی کچھ ملے گا؟"

اس کا لہجہ بالکل معمول کے مطابق تھا اور انداز بے فکری لیے ہوئے، جس سے نایاب کے اندر جمی ہوئی کشیدگی آہستہ آہستہ ڈھیلی پڑنے لگی۔

اس نے اطمینان محسوس کیا، جیسے خطرہ ٹل گیا ہو۔

دوسری طرف ارمغان نے سینڈوچ کا ایک نوالہ لیا اور خاموشی سے چباتے ہوئے بظاہر ٹی وی کی طرف دیکھنے لگا، مگر اس کا ذہن پوری طرح متحرک تھا۔

اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس کے فون سے چیٹس اور رابطہ نمبروں کی تصاویر لی گئی ہیں۔

وہ یہ بھی سمجھ چکا تھا کہ جس نے یہ سب کیا، اس نے پیغامات بھیجنے کے بعد چیٹ کا ریکارڈ تو مٹا دیا ہو گا، مگر عجلت میں گیلری میں محفوظ رہ جانے والی تصاویر کو حذف کرنا بھول گیا۔

ارمغان کی نظریں اسکرین پر تھیں، مگر اس کی توجہ وہاں نہیں تھی۔

وہ اس چہرے کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا جس نے اس کی پرائیویسی میں خاموشی سے مداخلت کی تھی۔

نایاب اس بات سے بے خبر تھی کہ جس کھیل کو وہ خاموشی سے کھیل رہی تھی، اس کا دوسرا کھلاڑی بھی جاگ چکا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ماضی

زمرد صحن میں رکھے گملوں کو پانی دے رہی تھی، جبکہ شہ پارہ درخت کے گھنے سائے تلے رکھی میز پر رجسٹر دھرے کسی سوال کو حل کرنے میں مصروف تھی۔

اس کے چہرے پر بے چینی صاف جھلک رہی تھی۔ وہ کبھی کبھار جھنجھلا کر پین کور جسٹر کی سطح پر مار دیتی، جیسے کوئی الجھن اسے یکسو نہ ہونے دے رہی ہو۔

زمرد نے پودوں کی طرف دیکھتے ہوئے غیر محسوس انداز میں کہا۔ "ماموں تمہارا پوچھ رہے تھے، کہہ رہے تھے اب تو شہ پارہ نے چکر لگانا ہی چھوڑ دیا۔"

شہ پارہ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا، پھر خاموشی سے دوبارہ رجسٹر پر جھک گئی۔

چند لمحوں بعد اس نے خود ہی بات کی۔ "زمرد، وہ لوگ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں، اور مجھے ڈر ہے یہ کاشان سے متعلق نہ ہو۔"

زمرد نے ہاتھ میں پکڑا پائپ ایک طرف رکھا اور حیرت سے اس کے سامنے والی کرسی پر آ بیٹھی۔

"ایسی بھلا کیا بات ہو سکتی ہے؟"

شہ پارہ سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم جانتی ہو کچھ عرصے سے اس نے میری کال اور پیغام دونوں کا جواب دینا چھوڑ رکھا ہے۔ ایک بار پاکستان آیا تھا، اس کے بعد دوبارہ نہیں آیا۔"

"وہاں سے بار بار آنا آسان نہیں ہوتا، شہ پارہ۔" زمرد نے نرمی سے کہا۔

"فون پر تو بات کر سکتا ہے نا؟" شہ پارہ کے لہجے میں تلخی نمایاں تھی۔

اسی لمحے رجسٹر کے نیچے دبا اس کا موبائل تھرتھرایا۔

شہ پارہ نے اسے نکال کر دیکھا، سکرین پر کاشان کا نام جگمگا رہا تھا۔

اس نے موبائل زمرد کی طرف موڑ کر دکھایا، پھر اگلے ہی لمحے کال وصول کر لی۔

چند لمحے رسمی باتوں میں گزرے، پھر کاشان کی آواز سنجیدہ ہو گئی۔

"شہ پارہ، ایک سچ کہوں؟ پہلے وعدہ کرو ناراض نہیں ہو گی۔"

شہ پارہ نے چونک کر زمرد کی طرف دیکھا، پھر خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔ "یہ فیصلہ تمہاری بات سننے کے بعد ہی ممکن ہے۔"

کاشان نے بات بہت تیزی سے کہی، جیسے ٹھہرا تو حوصلہ ہار دے گا۔ "میں نے یہاں کی شہریت حاصل کرنے کی خاطر شادی کر لی ہے۔"

شہ پارہ کا ہاتھ ساکت رہ گیا۔

اس نے آہستہ سے موبائل کان سے ہٹایا اور سکرین کو دیکھا، جہاں وقت بے رحمی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

دور سے بھی کاشان کی آواز آ رہی تھی۔

"وقت کا تقاضا تھا، شہ پارہ۔ ہم ساتھ تو رہتے ہیں لیکن۔۔"

شہ پارہ نے مزید کچھ سنے بغیر اس کی بات کاٹ دی۔

"تم نے اپنا پلان بدل لیا کاشان۔۔۔اب میرے بھی کسی پلان کا حصہ تم نہیں ہو گے۔"

اس نے فون بند کر دیا۔

چند لمحے وہ وہیں بیٹھی رہی، اپنی جگہ منجمد۔

اس کے اندر جیسے کوئی چیز خاموشی سے ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ارمغان نے لاؤنج سے ہی نایاب سے کہہ کر اپنے مطالعہ کے کمرے سے ایک خاص کتاب لانے کے لیے بھیجا تھا۔

نایاب جب ارمغان کے کمرے سے متصل سٹڈی روم میں داخل ہوئی تو وہاں لیمپ کی مدھم روشنی کے سوا ہر طرف شام کا دھندلکا چھایا ہوا تھا۔

اس کی نظریں فوراً میز کے عین درمیان رکھے ایک چمکدار پیلے لفافے پر جا ٹھہریں، جس پر سرخ روشنائی سے نمایاں حروف میں 'انتہائی حساس' لکھا ہوا تھا۔

اس کا دل بے ترتیب دھڑکنے لگا۔

ایک لمحے کو وہ وہیں کھڑی رہی، جیسے خود کو روکنے کی کوشش کر رہی ہو، مگر اگلے ہی پل اس کا ہاتھ بے اختیار بڑھا اور اس نے لفافہ اٹھا لیا۔

لرزتی انگلیوں سے اس نے مہر توڑی اور اندر رکھا کاغذ نکال لیا۔

کاغذ بالکل کورا تھا۔

نایاب کی پیشانی پر بل پڑ گئے، جیسے وہ ایک لمحے میں سب کچھ سمجھنا چاہتی ہو مگر سمجھ نہ پا رہی ہو۔

اسی لمحے اچانک کمرے کی مرکزی لائٹ جل اٹھی۔

تیز روشنی نے اس کی آنکھیں چندھیا دیں۔

وہ ہڑبڑا کر مڑی۔

سوئچ بورڈ کے پاس ارمغان کھڑا تھا۔

اس کے چہرے پر غصہ نہیں تھا، مگر ایسی سنجیدہ ٹھہراؤ بھری کیفیت تھی جس نے نایاب کے اندر کچھ جما دیا۔

وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا اس کی طرف آیا۔

ہر قدم کے ساتھ نایاب کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے پاس پیچھے ہٹنے کی کوئی جگہ نہیں بچی۔

وہ اس کے بالکل سامنے آ کر رک گیا۔

لفافے کی تحریر سے زیادہ۔۔"اس نے دھیمے مگر کاٹ دار لہجے میں کہا۔"اسے کھولنے "
"والے کا تجسس مجھے حیران کر رہا ہے۔

نایاب کے ہاتھ میں پکڑا کاغذ ہلکا سا کانپا۔

"کیا اس کورے کاغذ میں بھی تمہیں کوئی راز دکھائی دے رہا ہے؟"

وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

ارمغان کی نظریں اس کے چہرے پر جمی رہیں، جیسے وہ اس کے ہر بدلتے تاثر کو پڑھ رہا ہو۔

پھر اس نے جیب سے اپنا موبائل نکالا اور اس کی سکرین روشن کر کے نایاب کے سامنے کر دی۔

اسکرین پر وہی تصاویر کھلی تھیں جو نایاب نے اس کے فون سے لے کر اپنے نمبر پر بھیجی تھیں۔

نایاب کی سانس ایک لمحے کو رک گئی۔

تمہیں کیا لگا؟" ارمغان کی آواز اب پہلے سے زیادہ سنجیدہ تھی، مگر بلند نہیں"
ہوئی۔ "میں اتنا سادہ ہوں کہ میری نجی گفتگو کسی اور کے فون تک پہنچ جائے اور مجھے خبر
"تک نہ ہو؟

اس نے موبائل آہستہ سے بند کیا، مگر نظریں نایاب سے نہیں ہٹائیں۔

"پچھلے کئی دنوں سے تم میری ہر حرکت، ہر بات۔۔ کسی باہر والے تک پہنچا رہی ہو۔"

نایاب کے ہاتھ اب سرد پڑ چکے تھے۔

ارمغان ایک لمحے کو خاموش ہوا، جیسے اسے بولنے کا موقع دے رہا ہو، مگر جب وہ خاموش
رہی تو اس نے بات مکمل کی۔

اور اب، تم خود اس جال میں آ کر کھڑی ہو جسے تم کسی دوسرے کے لیے بُن رہی"
"تھیں۔

وہ ذرا سا جھکا۔

"تو بہتر یہی ہے کہ اپنی وضاحت بھی تم خود ہی پیش کرو۔۔۔ اور سزا بھی۔"

نایاب کو واقعی یوں محسوس ہوا جیسے اس کے قدموں تلے زمین نہیں رہی۔ وہ ہوا میں کہیں معلق رہ گئی۔

یہ کوئی سیدھی دھمکی نہیں تھی۔

یہ اس سے کہیں زیادہ خطرناک تھا۔

کیونکہ فیصلہ اب اس کے اپنے ہاتھ میں رکھا جا رہا تھا۔

ارمغان نے نایاب کو سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اس نے میز پر موجود اذان کا ایک چھوٹا سا کھلونا اٹھایا، اسے غور سے دیکھا اور پھر بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔ "نایاب! میں نے تمہیں اس گھر کی سب سے قیمتی چیز یعنی اپنے بیٹے کی ذمہ داری سونپی تھی، کیونکہ مجھے لگا تھا کہ تمہاری آنکھوں میں ایک سچائی ہے۔ میں چاہوں تو تمہیں ابھی پولیس کے حوالے کر سکتا ہوں، مگر میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جس نے اتنی جلدی اذان کا دل جیت لیا، اس کا اپنا دل کسی سازش کا حصہ بننے پر کیسے آمادہ ہوا؟"

نایاب نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔اس کے پاس ارمغان کے اس لہجے کی کاٹ کا کوئی جواب نہیں تھا۔ کمرے میں چھائی خاموشی نایاب کے اعصاب پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

ارمغان نے میز سے وہی کورا کاغذ اٹھایا اور اسے لیمپ کی سنہری روشنی کے سامنے رکھ کر تمہاری جاسوسی بالکل اس کاغذ کی طرح ادھوری ہے نایاب۔ جن "ایک گہرا سانس لیا۔ خواتین کے پیغامات تم نے چرائے ہیں، وہ دراصل ایک فاؤنڈیشن کا حصہ ہیں جو بیواؤں اور یتیموں کی خاموشی سے مدد کرتی ہے۔ تم نے ایک 'خیر' کو 'گناہ' سمجھ کر بیچنے کی کوشش کی۔"

اس نے کاغذ میز پر واپس رکھا اور کرسی پر پیچھے ہوتے ہوئے نایاب کی جھکی ہوئی پلکوں کو دیکھا۔ "اب تم خود فیصلہ کرو، کیا تم اسی غلط فہمی اور بوجھ کے ساتھ اس گھر سے جانا چاہتی ہو یا سچ بتا کر اپنا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہو؟"

نایاب کے ساکت وجود میں ایک لرزش سی پیدا ہوئی، مگر اس کے لب اب بھی سلے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند ماہ قبل

نایاب کی سہیلی عائشہ نے اسے ایک دن بہت امید دلاتے ہوئے کہا۔

"نایاب! میری بڑی آپی کی ایک دوست ہیں، امبر میر۔ انہیں اپنے بیٹے کے لیے ایک قابل اعتماد آیا کی ضرورت ہے اور وہ تمہیں بہترین معاوضہ دینے کو تیار ہیں۔"

نایاب زندگی کے اس موڑ پر کھڑی تھی جہاں روپے کی ضرورت اور اپنی نااہلی کا اسے شدت سے احساس تھا۔ ایک نجی ڈگری، وہ بھی بنا کسی تجربے کے، اسے کوئی اچھی نوکری دلوانے میں ناکام رہی تھی۔ ابھی تک وہ ٹیوشنز سے والدین کا سہارا بننے کی کوشش کرتی آئی تھی، لیکن جب سے ابو بستر پر آئے، دوائیوں کے اضافی خرچے نے اضافی آمدنی کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ ابو کی پینشن ناکافی تھی۔ گھر کا خرچہ، بل اور حمزہ کی فیس کے علاوہ اب علاج بھی ناگزیر تھا۔ انہی مالی حالات کے پیشِ نظر اس نے فوراً حامی بھر لی اور اگلے ہی دن وہ شہر کے ایک انتہائی پوش علاقے میں واقع امبر کے پر تعیش بنگلے میں موجود تھی۔

امبر، جس کے چہرے پر ایک عجیب سی تلخی تھی، نے نایاب کو اپنے سامنے بٹھایا اور اپنی ادھوری خواہشات اور ٹوٹے ہوئے مان کی کہانی سنانے لگی۔ "میری شادی ایک ایسے شخص سے ہوئی جو باہر کی دنیا میں تو بہت معزز تھا، مگر مجھ سے اپنی ذات کے اہم پہلو ہمیشہ پوشیدہ رکھے۔ وہ باہر کی عورتوں کو وقت دیتا رہا۔ انہی پر خرچتا، خواہ وہ وقت ہو یا روپیہ ۔بس اسی وجہ سے ہماری شادی ٹوٹ گئی۔"

امبر نے ایک گہرا سانس لیا اور نایاب کی آنکھوں میں جھانکا۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم اس کے گھر میں رہ کر مجھے ثبوت لا کر دو کہ وہ واقعی مجھے دھوکہ دے رہا تھا، میں چاہتی ہوں میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہ رہے۔"

"بنا کسی ثبوت کے بات طلاق تک پہنچ گئی؟" نایاب کا سوال منطقی تھا۔

"طلاق دینے میں اس نے جلدی کی۔" یہ کہہ کر امبر اداسی سے مسکرائی۔ "میرے ایک بہت قریبی رشتے نے سب بتایا، لیکن کچھ چیزیں تو میری آنکھوں کے سامنے ہوئیں۔" وہ لمحے بھر کو ٹھہری۔ "میں چاہتی ہوں میرے ہاتھ کوئی ٹھوس ثبوت آئے تاکہ جو کبھی

کبھار احساس ہوتا ہے کہ کہیں ارمغان کے ساتھ زیادتی تو نہیں ہوئی۔۔۔وہ دور ہو جائے۔"

اس نے بے حد دوستانہ انداز میں آگے ہو کر نایاب کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔"میں جانتی ہوں یہ کام مشکل ہے اور میں بھی یونہی کسی کو یہ سب کرنے کو نہیں کہہ سکتی تھی۔تم میری یونیورسٹی فیلو کے ذریعے آئی ہو، جو تمہیں برسوں سے جانتی ہے۔میں آنکھیں بند کر کے تم پر اعتماد کر سکتی ہوں۔ مجھ سے جو ہو سکا، میں کروں گی۔وہ تمہیں تنخواہ کے نام پر خاصی معقول رقم دے گا لیکن میں تمہیں ایک خطیر رقم دوں گی۔"

"لیکن میں وہاں تک پہنچوں گی کیسے ؟"

"اس نے خاندان میں سب سے کہہ رکھا ہے کہ بیٹے کی تربیت کے لیے کسی اچھی سی عورت کی خدمات لے گا، کیا معلوم اس کے پیچھے بھی پوشیدہ عزائم کارفرما ہوں۔"وہ نایاب کے چہرے کی گھبراہٹ دیکھ کر تسلی آمیز انداز میں مسکرائی۔"ارے نہیں، تمہارا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا، بے فکر رہو۔"

نایاب کو پیسوں کی سخت ضرورت تھی اور دوسری طرف اسے لگا کہ امبر کے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی ہے۔

اکثر امیر مرد ایسے ہی تو ہوتے ہیں۔

اسی سوچ کے ساتھ اس نے 'ڈیل' پر آمادگی ظاہر کر دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ماضی

آدھی رات کا وقت تھا جب زمرد کی آنکھ کھلی۔

حسبِ عادت اس کی نظر برابر میں شہ پارہ کے بستر کی طرف گئی، مگر نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں صاف دکھائی دیا کہ بستر خالی ہے۔

وہ بے چینی سے اٹھ بیٹھی۔

پاس رکھا دوپٹہ کندھوں پر پھیلا کر وہ دبے قدموں کمرے سے باہر نکل آئی۔

گھر کے اس درمیانے سے اسٹور نما کمرے سے، جواب ایک چھوٹی سی عبادت گاہ بن چکا تھا، ہلکی سی روشنی باہر آ رہی تھی۔

اندر ایک طرف چھوٹے سے شیلف میں اسلامی کتب سلیقے سے رکھی تھیں، جبکہ دوسری جانب چھوٹی سی میز پر جائے نماز اور تسبیحات اپنی جگہ موجود تھیں۔

زمرد دروازے پر آ کر رک گئی۔

اس کی توقع کے عین مطابق شہ پارہ وہیں تھی۔

وہ خاموشی سے کھڑی اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

شہ پارہ نے جیسے ہی سلام پھیرا، نظر اٹھا کر زمرد کو دیکھا اور ہلکے سے اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔

زمرد آہستہ سے آگے بڑھی اور جائے نماز کے پاس چٹائی پر بیٹھ گئی۔

دودھیا روشنی میں شہ پارہ کی سرخ آنکھیں دیکھ کر اسے حیرت نہیں ہوئی، بس ایک ہلکی سی ٹیس دل میں اٹھی۔

"آج کل تم تہجد پڑھنے لگی ہو۔" زمرد نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

"کیونکہ میرے سب مسائل کا حل صرف میرے مالک کے پاس ہے۔" اس کی آواز میں عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔

زمرد نے نظریں جھکائیں، پھر بات کا رخ بدلا۔

"آج میں ماموں کی طرف گئی تھی، میری موجودگی میں ہی کاشان کی کال آگئی۔"

وہ ایک لمحے کو رکی، پھر شہ پارہ کے تاثرات دیکھتے ہوئے بولی۔ "ممانی نے باتوں میں میرا ذکر کیا تو کاشان نے مجھ سے بات کرنے پر اصرار کیا۔ ممانی نے موبائل مجھے تھما دیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ سب عارضی ہے اور تم۔۔۔اس کی زندگی کا اٹوٹ حصہ ہو۔ وہ لوٹ کر تمہارے پاس ہی آئے گا۔"

"اور وہ لڑکی؟ اس کا کیا؟" شہ پارہ کے لہجے میں کاٹ تھی۔

میں کاشان کی وکالت نہیں کر رہی صرف تمہیں اس کے ارادوں سے آگاہ کر رہی ہوں۔"

"اب ہمارے بیچ کوئی رشتہ نہیں بن سکتا۔" شہ پارہ دوٹوک انداز میں بولی۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد زمرد نے آہستہ سے کہا۔ "وہ بہت شرمندہ ہے شہ پارہ، تم سے معافی مانگ رہا تھا۔"

شہ پارہ نے ایک طویل سانس لی۔

"میں اسے معاف کر چکی ہوں زمرد، اور اب میں اس سب سے بہت آگے بڑھنا چاہتی ہوں۔" وہ ذرا سی رکی، پھر پختہ لہجے میں بولی۔ "جو ایک درد باقی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا، جب میرے مسیحا کا حکم ہوا۔"

اس نے اپنی انگشتِ شہادت اوپر کی طرف اٹھائی۔

اس اشارے میں ایک ایسا بھروسہ تھا، جیسے اب اس کی ڈور صرف وہیں سے بندھی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات میں اپنے بستر پر لیٹی نایاب، سکرین کی مدھم روشنی میں امبر کا نمبر تلاش کر رہی تھی۔

اس کے اعصاب پر ابھی تک ارمغان کے کمرے میں پیش آنے والا پورا منظر سوار تھا، مگر اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے وہ سکرین شاٹ نکالا جو اس نے ارمغان کے فون سے لیا تھا۔ اس سکرین شاٹ میں 'فرح' نامی کسی لڑکی کو ارمغان نے ایک نجی ہوٹل کی لوکیشن اور کل شام کا وقت بھیج رکھا تھا۔

"مجھے پہلا سراغ مل گیا ہے۔ وہ کل کسی 'فرح' سے ملنے ایک نجی ہوٹل جا رہے ہیں۔" نایاب نے فوراً وہ تصویر عنبر کو روانہ کی اور ساتھ ہی ایک پیغام لکھا۔

دوسری طرف، جیسے کوئی اسی لمحے کا منتظر تھا، چند ہی سیکنڈ میں عنبر کا جواب سکرین پر چمکا۔ "شاباش نایاب! بس ایسا ہی ثبوت چاہیے۔ میں کل خود وہاں موجود ہوں گی تاکہ سچائی جان سکوں اور اسے بھی جتاؤں۔ تم اپنی نظریں ارمغان کی اگلی حرکت پر رکھنا۔"

نایاب نے فون بند کر کے تکیے کے نیچے چھپا دیا اور چھت کو گھورنے لگی۔

اندھیرے میں اس کا چہرہ کسی بھی تاثر سے خالی تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جو یہ بتا رہی تھی کہ کھیل اب خطرناک موڑ پر آ چکا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کا تیسرا پہر تھا اور کمال ہاؤس کی راہداریوں میں گہرا سکون طاری تھا۔ زوہیب اپنی کسی دفتری فائل کی الجھن اور ذہنی بوجھ کی وجہ سے نیند سے کوسوں دور، دوسری منزل پر موجود مطالعہ کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس کے قدم اچانک تھم گئے۔

سامنے اس چھوٹے سے کمرے سے روشنی کی ایک باریک لکیر باہر آ رہی تھی جہاں برسوں سے پرانا فرنیچر رکھ کر تالہ لٹکایا گیا تھا۔

اس نے حیرت سے دروازے کو ذرا سا دھکیلا تو ادھ کھلے دروازے سے اندر کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

وہ کباڑ خانہ اب ایک نہایت پُر سکون گوشہ بن چکا تھا۔

ایک کونے میں قالین کا چھوٹا سا ٹکڑا بچھا تھا جس پر جائے نماز سجی تھی، اور قریب ہی ایک پرانی میز پر چند اسلامی کتب اور تسبیحات نہایت قرینے سے رکھی تھیں۔

"یہ سب کب تبدیل ہوا؟"اس نے دل ہی دل میں سوچا، مگر اس کا جواب سامنے موجود تھا۔

زمرد جائے نماز پر بیٹھی سر جھکائے خاموشی سے تسبیح پڑھنے میں مگن تھی۔

دودھیا برقی روشنی میں اس کے چہرے پر ایک ایسا انوکھا نور تھا جو زوہیب نے کبھی کہیں اور نہیں دیکھا تھا۔

وہ وہیں دہلیز پر رک گیا۔

اسے لگا جیسے وقت تھم گیا ہو۔

کیا سکون واقعی ایسی سادگی میں چھپا ہوتا ہے؟

رب کی یاد، اس کا ذکر،

اور رات کی خاموشی میں کی گئی وہ ذاتی گفتگو،

جس میں کسی تیسرے کو شریک کرنے کی نہ ضرورت محسوس ہوتی ہے، نہ ہی خواہش۔

نفلی عبادت چھپ کر کی جاتی ہے، اسے کچھ دن پہلے کی زمرد کی گفتگو یاد آئی۔

اس نے نہایت آہستگی سے دروازہ پھیرا اور اپنی موجودگی کا احساس دلائے بغیر وہاں سے چل دیا۔

اگلی صبح جب زوہیب دوسری منزل پر موجود ورزش کے کمرے سے فارغ ہو کر نیچے اترا، تو اس کے اعصاب میں ابھی تک رات والے منظر کی مٹھاس باقی تھی۔

وہ کچن کی طرف بڑھا تاکہ اپنا پروٹین شیک لے سکے، مگر کھڑکی سے باہر نظر پڑتے ہی اس کے قدم وہیں رک گئے۔

عقبی باغیچے میں زمرد پودوں کے درمیان کھڑی ان سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔

وہ ایک مرجھائے ہوئے پودے کی پتیوں کو نہایت نرمی سے سہلاتے ہوئے، دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "تھوڑا حوصلہ رکھو، مانا کہ کل کی دھوپ بہت سخت تھی، مگر شبنم تمہیں پھر سے ہرا بھرا کر دے گی۔"

زوہیب اس بے ساختہ ہمدردی پر حیران رہ گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک لڑکی جو انسانوں کے لیے حساس ہے، وہ ان بے زبان پودوں کا درد بھی اس شدت سے محسوس کرتی ہے۔

وہ باہر نکل آیا۔

زمرد اس وقت ایک چنبیلی کی بیل کو سہارا دے کر دیوار پر چڑھانے کی کوشش کر رہی تھی اور ساتھ ہی دھیمے سروں میں کچھ گنگنا رہی تھی۔

"کیا یہ پودے واقعی تمہاری بات سنتے ہیں؟" زوہیب نے قریب آ کر پوچھا۔

زمرد چونک کر مڑی، مگر اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر ایک جاندار مسکراہٹ ابھری۔

صرف پودے نہیں زوہیب، کائنات کی ہر شے سنتی ہے، بس ہمیں پکارنے کا سلیقہ" "آنا چاہیے۔

یہ جملہ زوہیب کے دل پر ایک نرم سی دستک کی طرح لگا، جس نے اس کے اندر جمی کئی تلخیوں کو ایک لمحے میں ہلکا کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام کے دھندلکے میں ہوٹل کا مرکزی ہال نرم روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ امبر ایک کونے کی میز پر بیٹھی اس داخلی دروازے پر نظریں جمائے ہوئے تھی جہاں سے ہر آنے والا اندر داخل ہوتا تھا۔ اس کی انگلیاں بے چینی سے میز پر ہلکی ہلکی ضربیں دے رہی تھیں۔

اچانک اس کی نگاہ ٹھہر گئی۔

ارمغان دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ پُرسکون، معمول کے اعتماد کے ساتھ۔

امبر نے فوراً سامنے رکھا مینیو اٹھایا اور یوں سر جھکا لیا کہ اس کا چہرہ اوجھل ہو جائے، مگر نظریں پھر بھی کناروں سے اسی پر جمی رہیں۔

ارمغان ہال کے وسط میں ایک میز پر جا کر بیٹھ گیا۔

کچھ لمحوں بعد ایک ادھیڑ عمر خاتون آکر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ان دونوں کے انداز میں نہ کوئی بناوٹ تھی،نہ وہ گھبراہٹ جو کسی چھپے ہوئے تعلق میں ہوتی ہے۔

امبر کی بھنویں بے اختیار سکڑ گئیں۔

"یہ۔۔؟"

وہ چند لمحے مزید وہیں بیٹھی رہی، پھر ایک محتاط فیصلہ کرتے ہوئے آہستہ سے اٹھی اور دبے قدموں ایک بیرے کے پیچھے چلتی ہوئی، کہ نظروں سے اوجھل رہے،ان کی میز کے پیچھے والی خالی میز تک آگئی۔وہ اس طرح کرسی پر بیٹھی کہ ان دونوں کی طرف اس کی پشت تھی،وہ دونوں اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

وہ بھلے انہیں دیکھنے سے قاصر تھی، مگر سن ضرور سکتی تھی۔

اس نے سانس روکے اپنی توجہ ان کی آوازوں پر مرکوز کر دی۔

ارمغان کی آواز پر سکون اور سنجیدہ تھی۔

"یہ واقعی بہت محنت طلب کام ہے۔۔جو آپ اور آپ کی بیٹی مل کر کر رہی ہیں۔لیکن

جس طرح آپ گھر پر کپڑے ڈیزائن کر کے سی کر دکان والوں کو دیتی ہیں، اس میں محنت زیادہ آپ کی ہوتی ہے، فائدہ دکاندار اٹھا لیتے ہیں۔"

خاتون کے لہجے میں تھکن نمایاں تھی۔"کیا کریں بیٹا، حالات نے یہی سکھایا ہے۔ کم میں گزارہ کرنا پڑتا ہے۔"

امبر نے ہونٹ بھینچ لیے۔اس کی دلچسپی تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔

میں یہاں یہ سب سننے نہیں آئی۔

لیکن اسی لمحے اس کے ذہن میں ایک برق سی دوڑی۔

"بیٹی۔۔۔؟"

اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک آ گئی۔

تو اس کی بیٹی بھی ہے۔۔۔جوان ہو گی! اور شاید۔۔۔

اس کا ذہن تیزی سے نئے زاویے بنانے لگا۔

اسی دوران خاتون کی اگلی بات اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"طلاق کے بعد سے وہ کافی پریشان اور الجھی ہوئی سی رہنے لگی تھی، اب الحمدللہ کچھ بہتر ہے۔"

امبر کے خیالات ایک لمحے کو رکے، مگر اگلے ہی لمحے ارمغان کی آواز آئی۔

"میرے آفس میں ایک بندہ کام کرتا ہے، اس کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو رشتے کی بات چلائی جا سکتی ہے۔"

امبر کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس پر یکدم ٹھنڈا پانی انڈیل دیا ہو۔

یہ کیا؟

یہ وہ منظر نہیں تھا جس کے لیے وہ یہاں آ کر بیٹھی تھی، نہ وہ باتیں جو وہ سننا چاہتی تھی۔

اسی لمحے قریب سے گزرتے بیرے کو اس نے اشارے سے بلایا اور دبی آواز میں آرڈر نوٹ کروانے لگی۔ کچھ تو منگوانا ہی تھا، ورنہ یہاں بیٹھنے کا جواز کیا ہوتا۔

بیرہ چلا گیا تو امبر نے غصے سے اپنی مٹھیوں کو مزید بھینچ لیا۔

"یہ نایاب! کیا میرا یونہی وقت ضائع کرتی رہے گی؟ کام کی خبر کب لائے گی؟"

اس کی نظریں اب خالی میز پر جمی تھیں، مگر ذہن میں سوالات کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کیفے کے باہر کی فضا خوشگوار تھی، لیکن زوہیب کے اعصاب پر ابھی تک صبح کے اس منظر کی خوشگواریت طاری تھی جو اس نے عقبی باغیچے میں دیکھا تھا۔

سحر اپنے نئے ڈیزائنر لباس میں، فون کے کیمرے کے سامنے مختلف زاویوں سے اپنی تصویریں بنا رہی تھی۔ اس کی پوری توجہ اس بات پر تھی کہ شام کی یہ روشنی اس کے میک اپ کو کتنا نمایاں کر رہی ہے۔

وہ اپنی ایک پرفیکٹ تصویر کھینچنے ہی والی تھی کہ اچانک اوپر لگے گھنے پیڑ سے ایک چھوٹا سا پرندہ، شاید ابابیل کا بچہ، زخمی حالت میں پھڑ پھڑاتا ہوا عین اس کے مہنگے جوتوں کے پاس آ گرا۔

اس کے ننھے سے پر سے خون رس رہا تھا اور وہ تکلیف کی شدت سے تڑپ رہا تھا۔

سحر ایک دم اچھل کر پیچھے ہٹی اور اس کے چہرے پر کراہت کے تاثرات ابھر آئے۔

"اوہ مائی گاڈ زوہیب! دیکھو ذرا، اس گندے پرندے نے میری نئی سینڈل پر خون کے دھبے لگا دیے، کتنا بھیانک لگ رہا ہے یہ!" اس نے جھنجھلا کر اپنا ریشمی رومال نکالا اور سینڈل کے کنارے کو صاف کرنے لگی جیسے وہ پرندہ نہیں بلکہ کوئی غلیظ شے ہو۔

اس نے وہیں قریب کھڑے گارڈ کو حقارت سے آواز دی۔ "ارے! اسے یہاں سے ہٹاؤ فوراً، کہیں دور پھینک کر آؤ اسے، میرا سارا موڈ خراب کر دیا ہے۔"

زوہیب ساکت کھڑا اسے دیکھ رہا تھا، پھر اس نے جھک کر اس تڑپتے ہوئے وجود کو اٹھانا چاہا، مگر سحر نے لپک کر اس کا بازو تھام لیا۔

"زوہیب! اسے ہاتھ مت لگانا، اسے کوئی بیماری نہ ہو، ویسے بھی جراثیم کا خطرہ ہوتا ہے۔ چلو یہاں سے، مجھے اس منظر کو دیکھ کر اب متلی ہو رہی ہے۔"

اسی لمحے سحر کے فون پر ایک اطلاع چمکی اور اس نے سکرین دیکھتے ہی ایک دم اپنا لہجہ بدل لیا۔ "اوہ! یاد آیا، مجھے اپنی فطرت سے محبت کرنے والے گروپ کے لیے ایک تصویر پوسٹ کرنی ہے۔"

اس نے فوراً اپنے بال درست کیے، چہرے پر ایک مصنوعی اداسی اور ہمدردی سجائی اور زوہیب کی طرف فون بڑھایا۔

"زوہیب! ذرا اس زاویے سے میری درخت کے ساتھ تصویر لو۔ مجھے کیفے بھی وہی پسند ہیں، جہاں آس پاس سبزہ ہو، درخت ہوں۔ تصویر کے ساتھ یہ پیغام ٹھیک رہے گا نا؟"

تصویر اچھی بن جائے گی، مگر جو سچ ہے، وہ اس میں نظر نہیں آئے گا۔

وہ سوچ کر رہ گیا۔

پھر اگلے ہی لمحے جھک کر زخمی پرندے کو احتیاط سے اٹھایا۔

"میں اسے ویٹرن کے پاس لے کر جا رہا ہوں، تمہیں گھر ڈراپ کر دوں یا یہیں ٹھہرو گی؟" سحر کی ہنسی، اپنے لباس کی فکر کرنا اور جھوٹی نمود و نمائش۔۔۔ سب مل کر زوہیب کے لیے ایک ایسا تضاد بن گئے تھے جس نے اس کے اندر کچھ خاموشی سے توڑ دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شاہ ویز کے پر شکوہ دفتر میں فضا ساکت تھی، جہاں جاوید کاظمی اور شہ پارہ اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ شاہ ویز نے فون اٹھا کر پیون کو چائے کی مختصر ہدایت دی اور ریسیور رکھ دیا۔

جیسے ہی پیون کمرے سے باہر نکلا، جاوید صاحب نے بغیر کسی تمہید کے مدعا بیان کیا۔

"ہمیں قیصر حیات سے ملنا ہے۔"

شاہ ویز نے ایک پل کے لیے شہ پارہ کی جانب دیکھا، جس کے چہرے پر پیشہ ورانہ سختی تھی۔ پھر اس نے خاموشی سے فون اٹھایا اور اندرونی لائن پر گارڈ کو حاضر ہونے کی ہدایت جاری کی۔

چند منٹ کے انتظار کے بعد، ایک گھبرایا ہوا سا آدمی کمرے میں داخل ہوا اور جاوید صاحب اور شہ پارہ کے بائیں جانب رکھی کرسی پر سمٹ کر بیٹھ گیا۔

یہ قیصر حیات تھا۔

شہ پارہ نے اپنی فائل سے کچھ کاغذات نکال کر شاہ ویز کے سامنے میز پر پھیلائے اور بولنا شروع کیا۔ "یہ وہ مالی ریکارڈ ہیں جو بینک سے حاصل کی گئی تفصیلات اور لین دین

کے سراغ ملانے کے بعد سامنے آئے ہیں۔ جن کے مطابق ٹیکسٹائل کمپنی کے مالک حماد خان کے اکاؤنٹ سے پہلے ان کے خانساماں فرید جمال کے اکاؤنٹ میں خطیر رقم بھیجی گئی۔" اس نے ایک کاغذ پر انگلی رکھی۔ "اور اتفاق دیکھیے کہ فرید جمال، قیصر حیات کے رشتہ دار بھی ہیں۔ وہاں سے یہ رقم سیدھی قیصر حیات کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوئی۔"

شہ پارہ نے نظریں اٹھا کر شاہ ویز کی آنکھوں میں دیکھا۔ "اب آپ ان سے پوچھیں کہ انہوں نے حماد خان کے لیے ایسی کون سی خدمات سرانجام دیں کہ انہیں اتنا بھاری معاوضہ ادا کیا گیا؟"

شاہ ویز کی آواز غیر معمولی حد تک سرد ہو گئی۔ اس نے اپنی کرسی سے ذرا آگے جھک کر قیصر حیات کو ایسی شعلہ برساتی نگاہوں سے دیکھا کہ گارڈ کے ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا۔ قیصر حیات کے جواب الجھنے لگے اور اس کی گھبراہٹ صاف ظاہر کرنے لگی کہ وہ حقیقت کا کچھ حصہ چھپا رہا ہے۔

کچھ دیر بعد، جب جاوید صاحب اور شہ پارہ جانے کے لیے کھڑے ہوئے، تو شاہ ویز نے احتراماً اٹھ کر جاوید صاحب سے ہاتھ ملایا۔ "اب سب کھل کر سامنے آنے لگا ہے۔"

جاوید صاحب نے سر ہلایا۔ "اگلے اقدامات اتنے آسان نہیں ہوں گے، لیکن اب ایک سرا تو ہاتھ آ گیا ہے۔"

شہ پارہ نے فائل سمیٹتے ہوئے اضافہ کیا۔ "اچھا یہ ہوا کہ گارڈنے مان لیا کہ اس سب میں اس نے صرف ایک معاون کا کردار ادا کیا تھا۔ اس کا کام صرف توجہ بٹانا تھا، باقی کی کارروائی سے وہ واقعی لاعلم ہے۔"

شاہ ویز نے ایک گہرا سانس لیا، جیسے وہ اس غداری کی تہہ تک پہنچنے کا ارادہ کر چکا ہو۔ کمرے میں اب بھی ایک بھاری تناؤ موجود تھا، کیونکہ سب جانتے تھے کہ اصل مہرہ ابھی باقی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر20

امبر میر

رات کے اس پہر جب امبر گھر داخل ہوئی، تو اس کی اونچی ایڑیوں کی آواز میں ایک خاص سُر تھا، جیسے وہ کسی اہم شخصیت کی آمد کی اطلاع دے رہی ہو۔

ڈائننگ روم میں بیٹھے شاہ میر اور دردانہ کو یہ چاپ صاف سنائی دی۔

شاہ میر نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور پھر تنقیدی نظروں سے بیگم کی جانب دیکھا۔

وہ شوہر کے پوچھے بغیر ہی بول پڑیں۔ "آج اس کی سہیلی کی منگنی تھی، وہیں گئی ہوئی تھی۔"

شاہ میر کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔ "اور کل پرسوں کیا تھا؟"

دردانہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئیں۔

اسی لمحے امبر مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

ہاتھ میں جھولتا ہوا پرس باپ کے سخت تاثرات دیکھ کر ہوا میں معلق رہ گیا اور مسکراہٹ دھیرے دھیرے سمٹ گئی۔

وہ سلام کرتی ہوئی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

دردانہ نے ٹوکا۔ "آج کل روز ہی دیر کر دیتی ہو، اپنے باپ کو بتا دیا کرو تاکہ مجھے صفائیاں نہ دینی پڑیں۔"

"امبر نے پلیٹ میں ایک سیخ کباب رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "آج حیرت انگیز طور پر آپ دونوں ہی گھر پر ہیں۔"

اس نے فراز کی خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہا۔ "بھائی تو گھر پر کم ہی دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کو تو میری سہیلیوں کا شکر گزار ہونا چاہیے جو مجھے کمپنی دے دیتی ہیں۔"

میاں بیوی نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

شاہ میر گرج دار آواز میں بولے۔ "گھر میں رہنے کی عادت ڈال لو۔"

"ورنہ؟"امبر نے چیلنج بھرے انداز میں پوچھا۔

شاہ میر کا چہرہ غصے سے سرخ ہونے لگا۔"ہر بار تمہاری گستاخی معاف نہیں کی جائے گی ،امبر۔"

اس نے چاولوں کی ڈش اپنی طرف گھسیٹتے ہوئے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ باپ پر ڈالی۔"اس گھر کے کوئی اصول نہیں ہیں ڈیڈ،اس لیے آپ سب سر جوڑ کر میرے لیے کچھ وضع کرنے کی کوشش نہ کریں۔"

دردانہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں شوہر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا کہ وہ خود سنبھال لیں گی۔

پھر امبر کی طرف دیکھ کر بولیں۔"شاید اب تمہاری اس اکتاہٹ میں کچھ کمی آجائے۔"

امبر نے لاپروائی سے جتایا۔"میرا کزنز سے ملنے کا کوئی موڈ نہیں ہے اور پلیز۔۔۔"اس نے ایک بار پھر باپ پر جتاتی ہوئی نظر ڈالی۔"کوئی فیملی فنکشن مت رکھ لیجیے گا۔

دردانہ مسکرائیں۔"کزن تو ہے، لیکن مہمان نہیں۔"

اس جملے پر امبر کا نوالہ منہ تک جاتے جاتے رک گیا۔

اس نے وہ نوالہ واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔

اسے اچانک لگا جیسے پچھلا نوالہ بھی حلق میں اٹک گیا ہو۔

اس نے گلاس میں پانی انڈیلا اور یوں پینے لگی جیسے برسوں کی پیاسی ہو۔

خالی گلاس میز پر رکھ کر وہ گہری سانسیں لیتی، سامنے رکھی پلیٹ کو گھورنے لگی۔

دردانہ نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ فلائٹ رات دیر سے پہنچنی ہے، اس لیے وہ خود ہی آجائے گا، کوئی اسے لینے ایئرپورٹ نہ آئے۔"

امبر نے چہرے کو بمشکل بے تاثر رکھتے ہوئے کہا۔ "پرانی عادت ہے اس کی۔ اسے لگتا ہے کہ یوں کرنے سے وہ سب کو زحمت سے بچا لے گا۔"

دردانہ نے بغور اسے دیکھا۔ "وہ میری بہن کا بیٹا ہے، زحمت کیوں ہونے لگی؟"

امبر نے ماں کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو جھانکا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

کچھ رشتوں کو بیان کرتے۔۔۔ لفظ کم پڑنے لگتے ہیں۔ امبر نے پل بھر کو سوچا۔

پھر کرسی پیچھے گھسیٹتی ہوئی اٹھی اور بنا کچھ کہے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

امبر سونے کی کوشش میں کئی بار جاگی اور کئی بار سوئی۔

شاید رات کے کسی آخری پہر گیٹ کھلنے کی آواز آئی تھی اور پھر چند لمحوں بعد گھر کا اندرونی دروازہ بند ہونے کی آہٹ ہوئی، اس کے بعد دوبارہ خاموشی چھا گئی۔ وہ نیم غنودگی میں تھی، اس لیے پھر سے سو گئی۔

صبح وقت سے پہلے اٹھی۔

کمرے کے پردے ہٹائے تو سورج کی تیکھی کرنیں سیدھی آنکھوں میں چبھنے لگیں۔

اس نے آج لباس کے انتخاب پر خاص توجہ دی تھی۔

نہا کر نکلی تو بالوں کو کسی مصنوعی طریقے سے خشک کرنے کے بجائے انہیں گیلا ہی رہنے دیا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہونٹوں پر لپ گلاس لگا رہی تھی جب یاور کی آواز نے اس کے خیالوں کا تعاقب کیا۔

"کسی پانی والی جگہ جاؤ تو پھر پانی میں ڈبکی ضرور لگانی چاہیے۔"

وہ تب بارہ سال کی تھی اور یاور سترہ کا۔

وہ سب اسلام آباد کے قریب 'شاہ اللہ دتہ کے چشموں' پر گئے تھے۔

یاور میں جیسے کوئی آگ بھری ہوئی تھی، گھر والے اسے 'اوور ایکٹو' کہنے لگے تھے۔ وہ نہ خود ٹک کر بیٹھتا تھا، نہ کسی اور کو بیٹھنے دیتا۔ البتہ جب امبر اسے دیکھتی، تو اس کی حرکتوں میں کچھ دیر کے لیے ٹھہراؤ سا آ جاتا۔ اسی سیر سپاٹے کے دوران وہ خود تو پانی میں گھسا ہی، ساتھ میں فراز کو بھی گھسیٹ لیا۔ فراز نے بھی خوب انجوائے کیا۔ امبر البتہ کنارے پر بیٹھی رہی اور صرف پیر ہی پانی میں ڈبوئے۔

آخر امبر بولی۔ "اب دیکھو، ہم میں سے کون زیادہ مہذب دکھائی دے رہا ہے؟"

یاور فوراً بولا۔ "اور مزہ کسے زیادہ آیا؟"

امبر تب لاجواب ہو گئی تھی اور آج آئینے کے سامنے کھڑی 'دوسری امبر' اس یاد پر مسکرا دی۔

پھر جیسے کچھ یاد آنے پر اس نے فوراً ہونٹ بھینچ لیے۔

نہیں!

پھر یہ خاص تیاری کیوں؟

اندر سے آتی اس آواز پر گیلے بالوں میں حرکت کرتی اس کی انگلیاں ساکت رہ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

امبر سیڑھیاں اتر کر ڈائننگ روم کی جانب بڑھی تو یاور کا بلند ہوتا قہقہہ لمحے بھر کو اس کے قدموں میں ٹھہراؤ لے آیا، جیسے برسوں پرانی کوئی مانوس آواز ایک ہی لمحے میں تمام فاصلے سمیٹ لائی ہو۔

پھر اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔

داخلی دروازے پر پہنچ کر وہ ٹھٹک گئی۔

سامنے ہی وہ بیٹھا تھا، ڈیڈ کی سربراہی کرسی کے دائیں جانب۔

چونتیس سالہ یاور کی پوری توجہ ناشتے پر تھی، مگر امبر جانتی تھی کہ وہ خود کو اسے دیکھنے سے روک رہا ہے۔

وہ کسی رسمی لباس کے بجائے چارکول گرے رنگ کی فٹڈ ٹی شرٹ اور سادہ ٹراؤزر میں تھا۔ گہرے رنگ نے اس کی صاف رنگت، چوڑے کندھوں اور دراز قامت کو اور نمایاں کر دیا تھا۔ چوڑی کلائی پر بندھی سیاہ ڈائل والی گھڑی اور آستینوں سے جھلکتے مضبوط بازو اس کی شخصیت میں ایک پراثر کشش پیدا کر رہے تھے، جسے آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

امبر نے دھیمی آواز میں سب کو سلام کیا، اس وقت یاور کے علاوہ گھر کے باقی تین افراد بھی وہاں موجود تھے۔

یاور نے سلام کے جواب میں ہلکا سا سر ہلایا، مگر اس کی نظریں اب بھی پلیٹ پر ٹکی تھیں، جیسے برسوں بعد کی اس پہلی نظر کو وہ اتنا آسان نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

اب وہ پوری دلجمعی سے فراز کی بات سن رہا تھا، مگر امبر جانتی تھی کہ یہ بے رخی شعوری تھی۔

اس کی حرکات میں ایک عجیب سی تیزی اور کنٹرول تھا۔

وہ فراز سے سیاسی صورتحال پر بات کر رہا تھا، مگر اسی دوران اس نے نہایت پھرتی سے شوگر پاٹ اٹھا کر دردانہ کی طرف بڑھایا جو اسے ڈھونڈ رہی تھیں، اور اگلے ہی لمحے پانی کا جگ اٹھا کر فراز کے گلاس کے قریب کر دیا۔

امبر نے فراز کے برابر والی کرسی سنبھالی اور بیٹھتے ہی نظر اٹھائی، جیسے ہی اس نے نظر اٹھائی، یاور کی نگاہ بھی اسی پر آ ٹھہری؛ جیسے دونوں برسوں سے اسی ایک لمحے کے منتظر رہے ہوں۔

امبر کو یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کی تمام آوازیں کہیں دور چلی گئی ہوں۔

وہ گہری سبز آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں۔۔۔ ویسی ہی خاموش شدت کے ساتھ، جس سے وہ ہمیشہ ہار جایا کرتی تھی۔

ان میں وہ سب تھا، جسے وہ کبھی پوری طرح بوجھ نہیں پائی۔

"دیکھو، یاور نے بھی کیا خوب سرپرائز دیا ہے!" فراز یوں خوشگوار موڈ میں بولا جیسے یہ سب بہت نارمل ہو۔

امبر نے تعجب سے بھائی کو دیکھا، پھر دوبارہ یاور پر نظر ڈالی جو اب کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔

اتنے برس گزر جانے کے باوجود اسے اب بھی یاد تھا کہ یاور چائے کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔

"جانتی ہو، کافی کی دریافت کا سہرا ایتھوپیا کے ایک چرواہے کے سر جاتا ہے جس نے دیکھا کہ اس کی بکریاں ایک خاص قسم کی بیری کھانے کے بعد بہت توانائی محسوس کر رہی ہیں۔ کافی دراصل 'ہوش' کی علامت ہے، اسی لیے اسے پینے والے دنیا کو دوسروں سے مختلف زاویے سے دیکھتے ہیں۔" ماضی سے آتی اس کی آواز نے امبر کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

"اپنی پسند کی چیز ہو تو معلومات بھی پوری رکھتے ہو۔" امبر کو کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی۔

"ناپسندیدہ چیز کو بھی نظرانداز کرنا بیوقوفی ہے۔"

موجودہ امبر جتائے بغیر رہ نہ سکی۔ "مجھے یاد ہے جب تم نے پہلی بار کافی بنا کر ہمیں پلائی تھی۔"

اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

وہ جواب تک خود کو کافی کے کپ میں الجھائے ہوئے تھا، اس بار نظریں اٹھانے سے خود کو روک نہ سکا۔

امبر نے بات مکمل کی۔ "اتنی بری بنائی تھی کہ ہمیں سنک میں پھینکنی پڑی۔ انسان کام کرے تو دل لگا کر، ورنہ نہ کرے۔"

اس کے لہجے کی تلخی سب نے محسوس کی، مگر یاور کے لبوں پر ابھرتی مسکراہٹ میں عجیب سی آسودگی تھی، جیسے اسے یقین ہو گیا ہو کہ کچھ چیزیں وقت بھی نہیں بدل سکا۔

"میری بری کافی بھی تمہیں یاد رہ گئی، اگر اچھی بناتا تو کیا ہوتا؟" اس نے دھیمی مگر پر اثر آواز میں کہا۔

"کچھ چیزیں پہلی غلطی پر ہی چھوڑ دینی چاہییں۔"

یاور کی نظریں اس "اور کچھ چیزیں انسان چھوڑ تو دیتا ہے۔۔۔ مگر ان سے نکل نہیں پاتا۔" کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

امبر نے مزید بات بڑھانے کے بجائے خاموشی سے ناشتے کی طرف توجہ موڑ لی۔

اب فراز اور یاور دوبارہ گفتگو میں مصروف ہو چکے تھے جبکہ ممی ڈیڈ سے دن کے کھانے کا پوچھ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

دیر شام کا وقت تھا جب زوہیب تھکا ہارا گھر واپس آیا۔

ابھی اس نے قدم دہلیز کے اندر رکھا ہی تھا کہ کچن کی سمت سے اٹھتے سیاہ دھوئیں نے اسے چونکا دیا۔ وہ کسی ناگہانی آفت کے ڈر سے کچن کی جانب بھاگا۔

اندر کا منظر دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔

کاؤنٹر ٹاپ پر ایک بری طرح جلا ہوا کیک پڑا تھا، جس سے اب بھی ہلکی چہکار اور دھواں اٹھ رہا تھا۔

زمرد سر جھکائے، دونوں ہاتھ آپس میں بھینچے، شدید پشیمانی کی تصویر بنی کھڑی تھی۔

سیف، جو شاید اسے دلاسہ دینے کی کوشش کر رہا تھا، زوہیب کو دیکھتے ہی گویا ہوا۔ "دیکھیں نا بھائی! آپی کو سمجھائیں، کبھی کوئی چیز خراب بھی ہو جاتی ہے۔ اس میں ایسی بھی کیا بات ہے؟ ہمیشہ تو ہر چیز اتنی اچھی بناتی ہیں، بس آج ذرا اونچ نیچ ہو گئی۔"

زمرد نے ایک اداس نظر زوہیب پر ڈالی اور فوراً ہی رخ موڑ کر بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگی۔

اس کے بولنے کی رفتار میں عجیب سی عجلت تھی۔ "مجھے بیک کرنا آتا ہی نہیں، وہ تو اس دن محض اتفاق تھا کہ کپ کیکس اچھے بن گئے۔ میں سمجھی یونہی شوق پورا ہو جائے گا، لیکن۔۔۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"تمہیں بیکنگ کا شوق ہے؟" زوہیب نے حیرت سے پوچھا۔

زمرد نے کام روک کر اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک پرانی محرومی کی جھلک تھی۔ "ہاں! لیکن نہ ہمارے گھر میں کبھی اوون تھا، نہ ہی میں کہیں سے سیکھ پائی۔ بس

اس دن بھی ایک ویڈیو دیکھ کر ہمت کر لی، مگر اب لگتا ہے یہ اتنا آسان نہیں جتنا نظر آتا ہے۔"

تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی" زوہیب کے لبوں پر ایک ہمدردانہ مسکراہٹ ابھری۔

"کیا ضرورت ہے؟ اگر شوق ہے تو تم اسے باقاعدہ سیکھ لو۔

"سیکھ لوں؟ مگر کس سے؟" زمرد الجھن سے اسے دیکھنے لگی۔

"کسی ماہر سے۔ میں تمہیں کسی اچھے استاد کے پاس لے جا سکتا ہوں۔ بس تمہیں دل سے کوشش کرنی ہو گی۔"

"واقعی؟"

ہاں، کیوں نہیں؟ شوق کو بڑھاوا دینا چاہیے، ناکامی کے ڈر سے پیچھے نہیں ہٹنا"

"چاہیے۔

زمرد کے دل میں امید کے چھوٹے سے پُر اثر شعلے جل اٹھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ٹیکسٹائل کمپنی کے مالک حماد خان کے عالیشان دفتر میں ایئر کنڈیشنر کی ٹھنڈک کے باوجود ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

شاہ ویز اور شہ پارہ ان کے سامنے صوفے پر براجمان تھے، مگر ان کی موجودگی کسی دوستانہ ملاقات سے زیادہ 'عدالتی کٹہرے' کا احساس دلا رہی تھی۔

شاہ ویز نے حماد خان کے متذبذب چہرے پر نظریں جمائیں اور سپاٹ لہجے میں بولا۔ "حماد صاحب! آپ کو کسی سے ملوانا ہے۔" اس نے جیب سے موبائل نکالا، ایک نمبر ڈائل کیا اور مختصر بات کرنے کے بعد فون رکھ دیا۔

بس وہ آنے ہی والا ہے۔ آپ اپنے اسٹاف سے کہہ دیں کہ آنے والے کو نہ روکیں،"

"یہ اس سائبر سیکیورٹی کمپنی کے مالک ہیں جن سے آپ کا باقاعدہ معاہدہ ہوا ہے۔

حماد خان کے چہرے کی رنگت یک دم فق ہو گئی۔ "خورشید مغل؟ ان کا یہاں، اس وقت کیا کام؟"

شہ پارہ نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ فائل بند کی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

"انہیں آنے دیں حماد صاحب، آخر ہر کسی کو اپنی بات کہنے کا موقع ملنا چاہیے۔"

کچھ ہی دیر بعد دفتر کا بھاری دروازہ کھلا اور خورشید مغل اندر داخل ہوئے۔

حماد صاحب گھبرا کر اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے، پھر جیسے اپنی اس غیر ارادی حرکت پر شرمندہ ہوتے ہوئے انہوں نے بادلِ نخواستہ مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

خورشید مغل نے کرسی سنبھالی تو ان کے انداز میں ایک خاص قسم کی تلخی تھی۔ "حماد صاحب! شروع سے آپ کا احترام کیا ہے، لیکن آپ تو ہمیں چھوڑ کر ہمارے ہی بندوں سے دوستیاں لگانے لگے۔" خورشید صاحب نے براہِ راست وار کیا۔ "وہ بھی خفیہ؟ ایسے یارانے خاصے خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔"

حماد خان نے کانپتے ہاتھوں سے ٹشو باکس سے ایک ٹشو نکالا اور ماتھے کا پسینہ پونچھنے لگے۔ "میں سمجھا نہیں خورشید صاحب، میں تو سب سے اچھے تعلقات رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"میں سمجھاتی ہوں نا۔" شہ پارہ نے لقمہ دیا۔ "انہیں یہ بات اچھی نہیں لگی کہ ان کے آئی ٹی کے بندے کو خرید کر آپ نے ایک غیر قانونی کارروائی میں ملوث کیا۔ جلنے

والے سامان کی تفصیلات سے متعلق ڈیٹا میں بھی ردوبدل کروایا اور اپنا ایک بندہ اس کے 'دوست' کے طور پر وہاں بھیجا۔"

"وہ بھی آگ لگنے سے ٹھیک دو گھنٹے قبل، تاکہ کسی کو شک بھی نہ ہو۔" شاہ ویز نے اپنی باری پر ضرب لگائی۔

"یہ سب آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟" حماد صاحب اب پر اعتماد دکھائی دینے کی کوشش کر رہے تھے۔

"وہ شخص اندر آ کر عام مہمانوں کی طرح نہیں بلکہ ایسے گھوم رہا تھا جیسے اسے جگہ پہلے سے اچھی طرح معلوم ہو۔ اور سب سے اہم بات، اس کی آمد اور آگ لگنے کے درمیان وقفہ اتنا کم تھا کہ اسے محض اتفاق قرار دینا مشکل تھا۔" شہ پارہ نے بات آگے بڑھائی۔ "چائے کے ذریعے گارڈ نے سب کی توجہ بٹائی اور آئی ٹی والے نے اس بندے کو ڈیوائس پھینکنے کے لیے اندر بھیجا۔ ڈیوائس پھینکتے ہی وہ ایک بار پھر آئی ٹی روم میں جا کر بیٹھ گیا۔ رہے کیمرے، تو اس نے ماسک پہن رکھا تھا اور آئی ٹی روم کے باہر

والا کیمرہ 'اتفاق' سے کچھ دن پہلے سے ہی خراب تھا۔ بہت حیرت انگیز اتفاقات ہوتے رہے ہیں آپ کی کمپنی میں۔"

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ آئی ٹی والے سے ڈیٹا میں تبدیلی کرائی گئی تھی؟" حماد صاحب نے پوچھا۔

جواب شاہ ویز نے دیا۔ "ڈیٹا کے ریکارڈ اور سسٹم لاگز سے واضح ہوا کہ اسی آئی ٹی آپریٹر کے لاگ اِن کے دوران مخصوص فائلوں میں تبدیلی کی گئی تھی۔ تبدیلی کسی بیرونی مداخلت کے بغیر اسی کے یوزر اکاؤنٹ سے ہوئی، اور وقت بھی واقعے والی رات ہی کا ہے۔"

خورشید مغل غصے سے بولے۔ "میں اسے بھی نہیں بخشوں گا۔ لیکن حماد صاحب، آپ نے تین بندوں کو خرید کر قانون کو جو فریب دینے کی کوشش کی، وہ سامنے آنا ہی تھا۔"

حماد خان کے پاس اب کوئی جواب نہیں تھا۔ انہوں نے ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح سر جھکا دیا، کمرے میں پھیلی خاموشی ان کے جرم کا کھلا اعتراف تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ڈرائنگ روم میں چائے کا دور چل رہا تھا اور فضا میں سحر کی پرفیوم کی تیز خوشبو بسی ہوئی تھی۔

فہمیدہ، زوہیب اور سیف کے ساتھ بیٹھی سحر اپنی کسی نئی خریداری کے قصے سنا رہی تھی کہ زمرد ایک بڑی تشتری تھامے اندر داخل ہوئی۔ اس نے میز پر پہلے سے دھرے لوازمات کے درمیان جگہ بنائی اور گاجر کا تازہ بیک کیا ہوا کیک وہاں رکھ دیا۔ کیک کا ایک حصہ کٹا ہوا تھا، جس سے صاف ظاہر تھا کہ اس کی 'کوالٹی چیکنگ' پہلے ہی ہو چکی ہے، مگر باقی ماندہ کیک اپنی خوشبو اور بناوٹ میں کسی پیشہ ورانہ بیکری کے شاہکار سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

زوہیب نے کسی تمہید کے بغیر فوراً آگے ہو کر ایک بڑا پیس کاٹا اور اپنی پلیٹ میں سجاتے ہوئے گویا ہوا۔ "لگتا ہے آج کی محنت رنگ لائی ہے۔"

سحر یہ سب دیکھ کر خاصی محظوظ ہتی دکھائی دی۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھ ایک مخصوص ادا سے پھیلاتے ہوئے پوچھا۔ "زوہیب! یہ سب کیا ہے؟ میں کچھ سمجھی نہیں۔"

سیف نے پرجوش انداز میں کہا۔ "دراصل زمرد آپی کو بیکنگ کا بہت شوق تھا، زوہیب بھائی نے انہیں اپنی ایک پرانی استانی سے ملوادیا۔ وہ خود بہت اچھا بیک کرتی ہیں اور گھر کے پرسکون ماحول میں آپی بھی آسانی سے سب سیکھ رہی ہیں۔"

زمرد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں، ہفتے کی پانچ شامیں اب میری وہیں گزرتی ہیں۔"

سحر نے ہلکی سی ناک سکوڑی اور زوہیب کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم نے بلاوجہ زوہیب کو مشکل میں ڈالا، زمرد۔ یہ لوگوں سے فیور زلینا پسند نہیں کرتا، اور اب تمہاری خاطر اسے اپنی ٹیچر کو بھی زحمت دینی پڑی۔"

اب وہ زوہیب پر نظریں جمائے ہوئے تھی، جیسے اپنی بات کے جواب میں اس کا ردعمل دیکھنا چاہتی ہو۔

زوہیب نے کیک کے آخری نوالے کا لطف لیتے ہوئے پلیٹ میز پر رکھی اور باقی سب پر ایک تنبیہی نظر ڈالی۔ "سنو! سب کو صرف ایک ایک پیس لینے کی اجازت ہے، باقی کیک میرا ہے۔"

پھر وہ سحر کی طرف مڑا اور کہا۔ "رہی بات زحمت کی، تو میں نے میم مریم سے صرف اتنا پوچھنے کے لیے رابطہ کیا تھا کہ ان کے خیال میں زمرد کو کہاں سے کلاسز لینی چاہییں۔ انہوں نے خود ہی اصرار کیا کہ وہ آج کل ایک ریٹائرڈ اور بورنگ زندگی گزار رہی ہیں، اس لیے وہ خود زمرد کو سکھانا پسند کریں گی۔"

سیف بیچ میں بول پڑا۔ "اور آپ کو پتہ ہے؟ آپی نے تو چند ہی دنوں میں انہیں بھی اپنا دوست بنالیا ہے۔"

سحر نے ایک تولتی ہوئی نگاہ زمرد پر ڈالی، جسے اپنی کامیابی پر فخر تھا، جبکہ زوہیب کی نظریں اب بھی اس ادھورے کیک پر جمی تھیں جیسے وہ اس ذائقے میں چھپی ہوئی اپنائیت کو محسوس کر رہا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

زوہیب اپنی آستینیں چڑھا کر میز پر دھری اس سلائی مشین کے پیچ و مہروں کو درست کرنے میں مصروف ہو گیا۔ کمرے میں ایک خاص سکوت تھا، جس میں صرف دھاتی اوزاروں کے ٹکرانے کی ہلکی ہلکی آوازیں گونج رہی تھیں۔

کام کے دوران اس نے اچانک سر اٹھا کر دیکھا، تو کچھ فاصلے پر نیچے قالین پر رکھے کشن پر بیٹھی زمرد اپنے کام میں مگن دکھائی دی۔ وہ نہایت نفاست سے ایک سفید دوپٹے پر موتی ٹانک رہی تھی۔ اس کے جھکے ہوئے سر اور حرکت کرتی انگلیوں میں ایک ایسی جاذبیت تھی کہ زوہیب فوراً نظر ہٹا نہ پایا۔ اس کی اگلی نگاہ اس دوپٹے پر پڑی، جس پر موتیوں کے معمولی سے اضافے نے اسے ایک عام کپڑے کے ٹکڑے سے بدل کر بے حد خاص بنا دیا تھا۔

زوہیب کے دل میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا۔ "یہ لڑکی کسی بھی عام سی چیز کو چھو لے تو اسے خوبصورت بنا دیتی ہے!"

پھر اس نے فوراً سر جھٹکا اور دوبارہ مشین کی طرف متوجہ ہو گیا، جیسے اپنے ہی خیالات سے بچنا چاہ رہا ہو۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد، زوہیب نے اچانک بات کا رخ بدلا اور کہا۔ "زمرد! اب تو تم بہت اچھا بیک کرنے لگی ہو، کیوں نہ تم اسے باقاعدہ اپنا پیشہ بنالو؟"

زمرد نے تعجب سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "بھلا میرے بیک کیے ہوئے کیک اور بسکٹس لوگ کیوں خریدیں گے؟"

زوہیب نے سر اٹھا کر اسے حیرت سے دیکھا۔ "کیوں نہیں؟ تمہارے ہاتھ میں ذائقہ بھی ہے اور نفاست بھی۔"

زمرد کے لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ آئی۔ "سچ تو یہ ہے زوہیب، کہ مجھے لمحے بھر کو لگا جیسے تم نے میرے دل کے کسی چھپے ہوئے گوشے میں جھانک کر دیکھ لیا ہو۔"

زوہیب کے ہاتھ مشین پر ساکت ہو گئے۔

زمرد نے اپنی بات جاری رکھی۔ "میں اکثر انٹرنیٹ پر ایسی ہی ویڈیوز اور تصاویر دیکھتی رہتی ہوں جہاں عورتیں رنگین اور منفرد کیک اور کپ کیکس بناتی ہیں۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں کچھ ایسا تخلیق کروں جسے دنیا سراہے۔"

زوہیب نے مشین کے آخری پیچ کو کسا اور سنجیدگی سے زمرد کی جانب دیکھا۔ "تم اسے ایک باقاعدہ آن لائن بزنس کے طور پر بھی شروع کر سکتی ہو۔"

زمرد نے دوپٹہ وہیں کشن پر رکھا اور کسی جادو کے زیرِ اثر چلتی ہوئی اس میز کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی جس کے پیچھے زوہیب اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں "بے یقینی اور امید کی ملی جلی چمک تھی۔ "کیا واقعی ایسا ممکن ہے، زوہیب؟"

"کیوں نہیں! میں تمہارے لیے ایک سادہ سا آن لائن نظام بنا دوں گا، اور وقت کے ساتھ اسے آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔"

یہ سننا تھا کہ زمرد کی "وہ کیسی بیکری ہو گی؟ میرا مطلب ہے، کام کیسے شروع ہو گا؟" ایکسائٹمنٹ قابو سے باہر ہو گئی اور وہ وہیں کرسی کے پاس نیچے قالین پر بیٹھ گئی۔

زوہیب نے کرسی پر تھوڑا آگے جھکتے ہوئے اسے سمجھانا شروع کیا۔ "تم اپنے بنائے ہوئے بہترین کیکس، کپ کیکس اور بسکٹس کی تصاویر لو گی اور ہم انہیں ایک آن لائن صفحے پر رکھ دیں گے تاکہ لوگ دیکھ سکیں۔ ہر چیز کی قیمت واضح ہو گی تاکہ لوگ آسانی سے انتخاب کر سکیں۔" اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کچھ عملی مشورے بھی دیے۔ "آن لائن کام میں سب سے اہم بات 'پریکٹیکل' رہنا ہے۔ تم شروع میں صرف اتنے ہی آرڈرز لو گی جتنے تم باآسانی خود تیار کر سکو۔ ہم شروع میں روزانہ کے آرڈرز کی ایک حد مقرر کر دیں گے، جب وہ پوری ہو جائے گی تو مزید آرڈر نہیں لیے جائیں گے۔"

زمرد نے سر ہلایا، وہ ہر لفظ کو بڑی توجہ سے جذب کر رہی تھی۔

زوہیب نے مزید کہا۔ "گھر کے ملازمین میں سے ایک کو تمہارے ساتھ مدد کے لیے لگا دیا جائے گا تاکہ کام میں آسانی رہے۔ بس یہ یاد رکھنا کہ کام کا اتنا نہ بڑھ جائے کہ تمہارا شوق تم پر بوجھ بن جائے۔ مقدار کی بھی ایک حد رکھو گی کہ ایک کلائنٹ ایک وقت میں کتنے کپ کیکس منگوا سکتا ہے۔"

ڈیلیوری کے حوالے سے اس نے واضح کیا۔ "شروع میں صرف قریبی علاقوں تک ہی پہنچائی ہو گی یا پھر لوگ خود آ کر آرڈر لے سکیں گے۔ جب کام بڑھ جائے گا تو ہم باہر سے سامان پہنچانے والوں کے ذریعے بھی ترسیل کا انتظام کر لیں گے۔"

زمرد اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس کی باتیں کسی خواب کو حقیقت میں بدل رہی ہوں۔

زوہیب کی باتوں نے اس کے دھندلے سے شوق کو ایک مضبوط کاروباری ڈھانچے کی صورت دے دی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

لاؤنج میں فہمیدہ کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہاں ارمغان، سیف اور گھر کے دیگر افراد موجود تھے، سوائے شہ پارہ اور زمرد کے، جو کچن میں کسی کام میں مشغول تھیں۔

فہمیدہ نے فکرمندی سے کہا۔ "سب آ گئے ہیں، زوہیب ابھی تک کیوں نہیں آیا؟"

ارمغان نے چائے کا کپ میز پر رکھا۔ "امی! اسے شاید کوئی کام تھا، جب ہم دونوں دفتر سے نکلنے لگے تو اس نے کہا آپ جائیں، مجھے تھوڑی دیر لگے گی۔"

ابھی بات مکمل ہی ہوئی تھی کہ زوہیب لاؤنج میں داخل ہوا۔ اس کے حلیے سے تھکن نمایاں تھی، مگر اس کے ہاتھ میں ایک خوشنما، ہلکے گلابی رنگ کا بیگ تھا، جس نے سب کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔

سیف اپنی مخصوص شوخی کے ساتھ اچھل کر کھڑا ہوا۔ "بھائی! کیا میرے لیے کچھ لائے ہیں؟"

زوہیب نے شرارت سے اس کا کان کھینچا۔ "تمہاری خوش فہمیوں کا کوئی انت ہے؟" پھر اس نے فہمیدہ سے پوچھا۔ "زمرد کہاں ہے؟"

"حسبِ معمول کچن میں۔" سیف نے جلدی سے جواب دیا۔

زوہیب نے سیف کو ہدایت دی۔ "اسے کہو اوپر لائبریری میں آئے۔" یہ کہہ کر وہ خود سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر چلا گیا، جبکہ لاؤنج میں بیٹھے سب لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

ارمغان کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ "لگتا ہے زمرد کے لیے کوئی خاص سرپرائز ہے۔"

کچھ دیر بعد زمرد لائبریری میں داخل ہوئی۔

زوہیب ایک چمکتے ہوئے سلور رنگ کے لیپ ٹاپ کی چارجنگ تار دیوار میں نصب ساکٹ میں لگا رہا تھا۔ جیسے ہی اس کی نظر دروازے میں کھڑی زمرد پر پڑی، اس کے تھکے ہوئے چہرے پر ایک جاندار مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آؤ زمرد! تمہاری نئی دنیا تمہارا انتظار کر رہی ہے۔" زوہیب نے لیپ ٹاپ کی اسکرین روشن کرتے ہوئے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"اس میں کیا ہے؟" زمرد نے قریب آتے ہوئے تجسس بھرے انداز سے پوچھا۔

زوہیب نے اسے بھاری میز کے پیچھے رکھی مرکزی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کل سے میں تمہارے اس آن لائن کام کے لیے نظام تیار کرنا شروع کروں گا، جسے آہستہ آہستہ بہتر بنایا جاسکے گا۔اس سے پہلے مجھے خیال آیا کہ تمہارے پاس تو اپنا کوئی کمپیوٹر ہی نہیں، جبکہ یہ تمہارے اس سارے کام کے لیے ناگزیر ضرورت ہے۔"

زمرد نے کرسی سنبھالتے ہوئے لرزتے ہاتھوں سے کی پیڈ کی چمکتی سطح پر انگلیاں پھیریں۔"واقعی؟"اس کے لہجے میں حیرت تھی۔پھر جیسے شرمندگی کے کسی گہرے احساس نے اسے چھوا،اس نے نظریں جھکالیں۔"مجھے بتاتے، میں خود کچھ کر لیتی۔"

اسے یہ تحفہ خاصا مہنگا لگ رہا تھا۔

اسے لینا چاہیے یا نہیں؟

شہ پارہ کیا کہے گی؟

آنٹی یا انکل کو یہ سب عجیب نہ لگے۔

زوہیب نے اس کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ کر نرمی سے کہا۔"پلیز!اب کسی تکلف میں نہ پڑنا۔اس آن لائن نظام پر تمہیں خود بھی نظر رکھنی ہوگی،تاکہ تمہیں ہر

چیز سمجھ آتی رہے۔ یہ سب کام صرف موبائل پر ٹھیک سے نہیں سنبھلتا، اس لیے ایک مناسب نظام ضروری ہے۔"

"مجھے سوشل میڈیا زیادہ سمجھ نہیں آتا۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

"میں اس کام میں مدد کر دوں گا، اور لوگوں تک بات پہنچانے کا طریقہ بھی دیکھ لوں گا۔ میں تمہارے کام کو پروموٹ کروں گا اور یقین مانو ایسا صرف شروع میں ہو گا۔ آگے تو بس تمہاری گُڈوِل چلے گی۔"

زمرد نے سر اٹھا کر پاس کھڑے زوہیب کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں اندیشے لرز رہے تھے۔ "اور اگر میں اس سب میں کامیاب نہ ہو پائی تو؟"

زوہیب نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں چھپے خدشات اس کے اعتماد کو دھندلا رہے ہیں۔ "تمہارے خیال میں کامیابی کیا ہوتی ہے، زمرد؟" اس کا لہجہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔

"کیا کامیابی صرف یہ ہے کہ آرڈرز بہت زیادہ ہو جائیں؟"

وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔ "نہیں زمرد! میرے نزدیک کامیابی یہ نہیں ہے۔ کامیابی دراصل وہ 'ہمت' ہے جو تم نے پہلی ناکامی کے بعد بھی نہیں ہاری۔ کامیابی وہ 'اعتبار'

ہے جو تم نے خود پر کیا جب تم نے پہلی بار اوون کا رخ کیا یہ اعداد و شمار اور پیسے تو محض اس سفر کا حصہ ہیں، اصل کامیابی وہ محنت ہے جو ایک عام چیز کو بھی خاص بنا دیتی ہے۔"

زمرد ساکت بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

زوہیب کی ان باتوں نے اس کے اندر ایک نئی روشنی بھر دی تھی۔

اسے محسوس ہوا کہ زوہیب اسے صرف ایک بزنس وومن نہیں، بلکہ ایک مضبوط انسان کے طور پر دیکھ رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

کچھ دن گزر چکے تھے اور کمال ہاؤس کی فضا میں ایک انوکھی چہل پہل تھی۔

ناشتے کی میز پر جب زمرد نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے پہلے باقاعدہ آرڈر کا ذکر کیا، تو زوہیب نے بھی چائے کا کپ رکھتے ہوئے اعلانیہ کہا۔ "آج ذرا دیر سے نکلوں گا، آخر پہلا آرڈر ہے۔"

اسے زمرد کے ہنر کے پہلے ثمر کا گواہ بننا تھا۔

کچھ دیر بعد کچن میں بیکنگ کی دلفریب خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ زمرد نہایت مہارت سے کیک کی تہہ پر کریم جما رہی تھی کہ زوہیب کچن کے وسط میں رکھی گول میز کے گرد کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، اس کی نظریں زمرد کی پھرتیلی انگلیوں پر جمی تھیں۔

"یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تمہارا پہلا آرڈر کس چیز کا ہے؟" زوہیب نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

زمرد نے مڑے بغیر پوری توجہ اپنے کام پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "شادی کی سالگرہ کا کیک ہے۔"

"اچھا! کتنے سال ہو چکے ان کی شادی کو؟" زوہیب نے دوسرا سوال کیا۔

زمرد ہلکا سا ہنس دی، "یہ تو مجھے نہیں معلوم۔"

جب زوہیب نے آرڈر دینے والے کا نام پوچھا اور زمرد نے بتایا، تو وہ ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گیا۔ "اوہ! یہ تو میرے ایک پرانے دوست کا بھائی ہے شاید۔"

زمرد نے حیرت سے مڑ کر اسے دیکھا، "شاید؟"

"ہاں، پورا نام وہی ہے اور میرے خیال میں ان کی شادی کو بھی کافی سال بیت چکے ہیں۔" زوہیب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

زمرد دوبارہ کیک کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "انہوں نے وہی ڈیزائن پسند کیا جو میں نے سب سے پہلے رکھا تھا۔"

کچھ لمحے خاموشی رہی، پھر زوہیب نے اچانک سوال کیا۔ "تمہیں واقعی لگتا ہے کہ لوگ شادی کی سالگرہ دل سے مناتے ہیں، یا یہ صرف ایک رسم بن چکی ہے؟"

زمرد نے کام روک کر ایک پل کو سوچا اور سنجیدگی سے کہا۔ "میرے خیال میں یہ بہت ضروری ہے۔ یہ دن شاید انسان کو یاد دلاتا ہے کہ زندگی کی کتنی ہی مشکلوں کے باوجود کوئی اس کے ساتھ کھڑا رہا۔ یہ صرف ایک تاریخ نہیں بلکہ اس 'ساتھ' کا جشن ہے جو وقت کے ساتھ مضبوط ہوتا جاتا ہے۔"

زوہیب نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے لگتا ہے کہ محبت اور نباہ کو کسی ایک دن یا کیک کا محتاج نہیں ہونا چاہیے۔ اگر رشتہ واقعی مضبوط ہو تو شاید اسے ثابت کرنے کے لیے

کسی خاص دن کی ضرورت نہیں پڑتی۔،اور اگر نہیں تو سال میں ایک بار موم بتیاں جلانے سے تلخیاں کم نہیں ہوتیں، یہ سب مجھے کچھ رسمی سا لگتا ہے۔"

زمرد نے کیک پر آخری پھول بناتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔"دکھاوا نہیں زوہیب، یہ شکر گزاری کا ایک طریقہ ہے۔انسان کو کبھی کبھی رک کر ان لمحوں کو سراہنا چاہیے جو اسے خوشی دیتے ہیں،اگر ایک چھوٹی سی چیز بھی دو لوگوں کو ان کے اچھے دن یاد دلا دے،تو شاید وہ بے معنی نہیں ہوتی۔؟"

زوہیب نے اسے بغور دیکھا،اس کی آنکھوں میں زمرد کی اس مثبت سوچ کے لیے ایک انوکھی ستائش تھی۔اس نے کرسی پیچھے کی اور اٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔"شاید ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ درست ہیں، تمہارے لیے یہ ایک جذباتی قدر ہے اور میرے لیے ایک منطقی سوال، مگر تمہارے اس کیک کی خوشبو نے میری منطق کو تھوڑا کمزور ضرور کر دیا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کمال ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھی سحر کے کانوں میں سیڑھیوں سے آتی زوہیب اور سیف کی شوخ آوازیں ٹکرائیں، تو اس کے ماتھے پر سوچ کی لکیریں ابھریں۔

وہ آج زوہیب کے ساتھ لنچ کا پروگرام طے کر کے وقت سے پہلے ہی یہاں چلی آئی تھی تاکہ اسے سرپرائز دے سکے، مگر اوپر سے آنے والی اس غیر معمولی گہما گہمی نے اسے صوفے سے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔

وہ جانتی تھی کہ ارمغان، زوہیب اور چھوٹے اذان کے کمرے نچلے حصے میں تھے، جبکہ اوپر کی منزل پر انکل، آنٹی، سیف اور وہ دونوں بہنیں مقیم تھیں۔

تجسس اور دلچسپی کے ساتھ وہ سیڑھیوں کی طرف لپکی، جہاں اب بھی دونوں بھائیوں کے قہقہوں کی گونج باقی تھی۔ آوازوں کا تعاقب کرتی وہ کچن کی جانب بڑھی تو وہاں کا منظر دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئی۔

زوہیب اور سیف کچن کے کاؤنٹر پر گروسری کا سامان ترتیب دے رہے تھے، جبکہ زمرد ایک طرف کھڑی مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"خود ہی اٹھا لائے؟ کسی ملازم سے مدد ہی لے لیتے۔" زمرد نے دھیمے لہجے میں ٹوکا۔

زوہیب نے ایک بھاری تھیلا رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "بھئی، آج صبح ورک آؤٹ نہیں کیا تھا، سوچا یہی کر لوں، شاید کچھ چربی پگھل جائے۔"

اس بات پر سیف کا زوردار قہقہہ گونجا۔

"بھائی! یہ وہ چربی نہیں ہے جو محض سیڑھیاں چڑھنے سے پگھل جائے۔" اس نے شرارت سے کہتے ہوئے زوہیب کی کمر پر زوردار چٹکی کاٹی۔

زوہیب تڑپ کر رہ گیا۔ "سیف!" دانت پیستے ہوئے اسے گھورا۔

سیف دوبارہ ہنسا۔ "بس! اتنا بھی برداشت نہیں ہوتا؟"

زوہیب نے جھپٹ کر سیف کو گردن سے دبوچ لیا۔ "تو کیا میں اس لیے ورک آؤٹ کیا کروں کہ تمہاری یہ گستاخیاں سہہ سکوں؟"

زمرد نے لپک کر سیف کی گردن چھڑوائی اور دونوں بھائیوں کے بیچ بچاؤ کرانے لگی۔

سحر دروازے میں خاموش کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔اسے حیرت اس بات پر ہوئی کہ ان تینوں کی توجہ ایک دوسرے میں اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ اس کی موجودگی نے اس منظر کی روانی میں ذرہ برابر خلل نہ ڈالا۔

ان تینوں کے درمیان ایک ایسی بے ساختہ قربت تھی جس میں باہر سے آنے والا شخص فوراً اجنبی محسوس کرنے لگتا تھا۔

سحر بالآخر بول اٹھی۔"واہ بھئی،اب تو گھر کا دوسرا کچن بھی سجنے گا۔"

تینوں نے ایک ساتھ پلٹ کر اسے دیکھا۔ایک مختصر سا توقف ابھرا، جیسے کسی نے چلتی ہوئی فضا پر اچانک انگلی رکھ دی ہو۔

"کیسی ہو سحر ؟"زمر دنے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا اور پھر سامان کی طرف اشارہ کر کے بولی۔"مجھے خود ہی احساس ہوا کہ نچلا کچن یوں اپنے کام کے لیے استعمال کرنا ٹھیک نہیں،میرا تو کام صبح سے شام تک چلتا ہے جبکہ اس کچن سے تو گھر کا کھانا چائے سب بننا ہوتا ہے۔"

"آج اتوار تھا، تو سوچا اسے اکیلے یہ سب نہ سنبھالنے دوں۔" زوہیب نے بے اختیار آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ایک تھیلا لے لیا، جیسے یہ حرکت اب اس کی عادت بن چکی ہو۔

"اس سب کے لیے ملازم نہیں کیا؟" سحر نے ناک سکوڑی۔

"مجھے اور بھائی کو اپنی بھی کچھ فیورٹ چیزیں لینی تھیں، جن پر امی نے پابندی لگا رکھی ہے۔" سیف نے انرجی ڈرنکس کے کین فریج میں رکھتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں امی کو کس نے بتا دیا کہ انرجی ڈرکس پینا اچھا نہیں ہوتا۔"

"اس بار تو چھوڑ رہی ہوں۔" زمرد نے بیکننگ سوڈا کیبنٹ میں رکھا اور مڑ کر دونوں بھائیوں کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولی۔ "اگلی بار یہ چھپن چھپائی نہیں چلے گی۔"

"چھوڑو بھی زمرد!" سحر ہلکے سے ہنسی، مگر اس کی نظریں غور سے زوہیب کے چہرے پر تھیں۔ "اب تم بھی ان پر اتنا اختیار جتانے لگی ہو؟"

"سحر، غلط بات پر ٹوکنا کوئی بری بات نہیں۔" زوہیب خود کو بولنے سے روک نہ پایا۔

"زوہیب مانا کہ یہ تم دونوں سے عمر میں بڑی ہے۔۔۔" وہ لحظہ بھر کو رکی، جیسے اپنی ہی بات کا لطف اٹھانا چاہ رہی ہو۔ "لیکن زیادہ روک ٹوک بھی اچھی نہیں لگتی۔"

ہم دونوں ہم عمر ہیں۔" زوہیب نے پہلی بار پوری طرح سحر کی طرف دیکھا۔ "اور" "اگر نہ بھی ہوتے، تب بھی فرق نہیں پڑتا۔

"اوہ سوری۔" سحر مسکرائی۔ "میں بھول گئی تھی کہ تم دونوں تیس کے ہو۔"

زوہیب اور زمرد دونوں نے اس طنز کو نظر انداز کیا۔

"تم نے جو لسٹ دی تھی۔" زوہیب نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر زمرد کو پکڑایا۔ "جن آئٹمز کے سامنے کاٹے کا نشان ہے وہ مال سے نہیں ملے، میں نے آن لائن آرڈر کر دیے ہیں۔" اس نے والٹ نکال کر کچھ رقم اسے تھمائی۔ "سودے کی رسید تو تمہیں مل گئی تھی، تمہارے دیے ہوئے پیسوں میں سے یہی بچے ہیں۔"

سحر کی نظریں چند لمحے ان دونوں کے درمیان ہونے والے اس خاموش حساب پر ٹھہری رہیں، پھر وہ بظاہر بے دلی سے بولی۔ "ویسے زمرد، یہ سب شروع کرنے کے لیے سرمایہ کہاں سے آیا؟"

"امی کا زیور بیچ دیا۔" زمرد نے حتی الامکان کوشش کی کہ لہجہ ہموار رکھے، لیکن آواز بھرا گئی۔

وہ ایک بار پھر مڑ کر سامان سمیٹنے لگی۔

زوہیب کی نگاہوں میں واضح ناگواری ابھری، جبکہ سحر نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔ مگر اس کی آنکھیں غور سے زوہیب کے ردِ عمل کا جائزہ لے رہی تھیں، جیسے سب اس کی توقع کے عین مطابق ہوا ہو۔

""" ویسے سحر آپی، آج آپ بھائی کو کہاں لے جا رہی ہیں؟" سیف کے سوال میں کچھ ایسا تھا جو سحر کو چبھا لیکن اسے سمجھ نہیں آئی جواب کیا دے، سو خاموش رہی۔ "بھائی آپ جا کر تیار ہوں، میں اور زمرد آپی آج کچھ خاص کھانے والے ہیں۔"

سحر ایک نظر زوہیب پر ڈالتی کچن سے باہر نکل آئی۔

حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کچھ دیر اور رک کر دیکھے۔

زوہیب نے جاتے ہوئے پلٹ کر زمرد اور سیف کو دیکھا جو فریج کا دروازہ کھولے جانے کون سی ڈش کے لیے چیزیں اکٹھی کر رہے تھے۔

"کیا کرنے والے ہو تم دونوں؟" زوہیب کی آواز سے چھلکتے اشتیاق نے کچن سے باہر کھڑی سحر کو بھی مڑ کر دوبارہ دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

زمرد نے فریج کے پیچھے سے سر نکالتے ہوئے اسے مسکرا کر دیکھا۔ "تمہارے لیے ایک پلیٹ نکال کر رکھ دوں گی۔"

زوہیب کچھ دیر کو وہیں کھڑا رہ گیا۔

سحر کی نگاہ گہرائی سے اس کے چہرے اور لہجے کے اس فرق کو نوٹ کر رہی تھی جو زمرد کے سامنے غیر ارادی طور پر ابھر آتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

میانوالی روانگی کی صبح کمال ہاؤس کے نچلے کچن میں توا گرم تھا اور پراٹھوں کی اشتہا انگیز خوشبو فضا میں رچی ہوئی تھی۔

زمرد تندہی سے پیڑے بیلنے میں مصروف تھی کہ زوہیب اندر داخل ہوا۔

اسے یوں برتنوں اور چولہے کے درمیان گھرا دیکھ کر زوہیب نے حیرت سے پوچھا۔ "یہ کیا کر رہی ہو، زمرد؟ میانوالی تک محض تین چار گھنٹوں کا راستہ ہے، اس کے لیے اتنی تیاری؟"

زمرد نے توے پر پراٹھا ڈالتے ہوئے سرسری نظر اس پر ڈالی اور بولی۔ "ناشتہ تو ہم کر چکے، پر راستے میں بھوک بھی تو لگے گی، کھانا بھی تو کھانا ہے۔"

زوہیب مسکرایا۔ "راستے میں کسی اچھے ہوٹل سے کچھ کھا لیں گے، اتنی زحمت کی کیا ضرورت تھی؟"

زمرد نے پراٹھے پر گھی لگاتے ہوئے یاد ماضی میں ڈوب کر کہا۔ "نہیں! مجھے گھر کا کھانا ہی پسند ہے۔ امی جب بھی ہمیں کہیں لے کر جاتی تھیں تو پراٹھوں کے ساتھ مٹر قیمہ ضرور بنایا کرتی تھیں۔ مجھے بس وہی یاد تازہ کرنی ہے۔"

ابھی زوہیب اس کی بات کا جواب دینے ہی والا تھا کہ سیف کچن میں نمودار ہوا۔

وہاں پڑے شامی کبابوں کے ڈھیر اور چائے کا بڑا سا تھرماس دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور اس نے شرارت سے پوچھا۔ "آپی! ہم گھر بیچنے جا رہے ہیں یا وہاں نیا ڈھابہ کھولنے کا ارادہ ہے؟"

زمرد کھلکھلا کر ہنس دی۔ "راستے کی بھوک کا تمہیں اندازہ نہیں ہے سیف! ابھی تھوڑی دیر میں تم ہی اس ٹوکرے پر سب سے پہلے ٹوٹو گے۔"

اسی لمحے شہ پارہ کچن کے دروازے پر آئی۔

اس نے اندر قدم نہیں رکھا، بس وہیں کھڑے ہو کر نظروں ہی نظروں میں سیف کو کوئی خاص اشارہ کیا۔

سیف کے چہرے پر فوری ایک پراسرار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

زوہیب، جوان دونوں کی حرکات کو غور سے دیکھ رہا تھا، تجسس کا شکار ہو گیا۔ "کیا بات ہے بھئی؟ یہ کھسر پھسر کیا ہو رہی ہے؟"

سیف تیزی سے کچن سے باہر نکلنے لگا۔ "کچھ نہیں بھائی! جس معاملے سے آپ کا لینا دینا نہ ہو، وہاں ٹانگ نہ اڑایا کریں۔"

زوہیب چڑ کر اس کے پیچھے لپکا۔ "ٹھہر ذرا! بتاتا ہوں تجھے کہ میرا لینا دینا ہے یا نہیں۔"

زمرد نے پیچھے سے آواز لگائی۔ "رکو زوہیب! مجھے پتہ ہے، مجھ سے سن لو۔"

زوہیب واپس مڑا اور پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "میں نے نوٹ کیا ہے، تم بھی بی بی سی سے کم نہیں ہو۔"

زمرد نے پراٹھا اتار کر توے سے الگ کیا اور اس کی طرف مڑ کر سرگوشی کی۔ "رات کو یہ شہ پارہ سے کہہ رہا تھا کہ اسے راستے میں کھڑکی سے سر باہر نکال کر ہوا محسوس کرنا بہت پسند ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بال خراب ہو جاتے ہیں۔ اب منصوبہ یہ ہے کہ شہ پارہ اسے اپنا چھوٹا آئینہ اور برش دے گی، جو یہ اپنے پاس بآسانی رکھ سکے اور جب چاہے حلیہ درست کر لے۔"

اسلام آباد کی حدود سے نکلتے ہی زوہیب نے گاڑی ایک وسیع و عریض پیٹرول پمپ کی طرف موڑ دی۔

آج وہ اپنی روایتی نیلی اسپورٹس کار کے بجائے ارمغان کی ہدایت پر سفید رنگ کی لینڈ کروزر 'وی ایٹ' لے کر نکلا تھا۔

ارمغان کا اصرار تھا کہ طویل سفر اور میانوالی کی کچی پکی سڑکوں کے لیے یہی مضبوط گاڑی موزوں رہے گی، یہاں تک کہ اس نے گارڈ ساتھ لے جانے کا مشورہ بھی دیا جسے زوہیب نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ وہ ایک ایسے علاقے میں جا رہے ہیں جہاں انہیں کوئی نہیں جانتا، اور ویسے بھی اس دورے کو جاننے والوں سے خفیہ رکھا گیا تھا۔

گاڑی رکتے ہی سیف پھرتی سے اترا اور پمپ پر بنے اسٹور کی طرف لپک گیا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں ہاتھوں میں بڑے بڑے شاپر تھامے فاتحانہ انداز میں واپس آیا، اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور سامان شہ پارہ کو پکڑاتے ہوئے دبی آواز میں بولا۔ "آپی! میں صرف اشارہ کروں گا تاکہ 'حوالدار' کو پتہ لگے بغیر۔" اس نے کن

اکھیوں سے برابر میں بیٹھی ماں کی طرف دیکھا جو اسے ہی گھور رہی تھیں، پھر بولا۔

"آپ مجھے میری مطلوبہ شے پکڑا دیجیے گا۔"

شہ پارہ اپنی ہنسی روکتے ہوئے بولی۔ "مگر مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ تم کس وقت کون سی چیز مانگ رہے ہو؟"

فہمیدہ بیگم کے چہرے پر اس وقت جو تغیر برپا ہو رہا تھا، شہ پارہ انہیں دیکھے بغیر ہی اس کا اندازہ کر سکتی تھی۔

اس نے تجسس سے پہلا شاپر کھولا اور سامان کا جائزہ لینے لگی۔ "ان میں تو چپس بھی ہیں، نمکو، جیلی اور چاکلیٹ بسکٹس بھی۔" اس نے دوسرا شاپر کھولا تو حیرت سے آنکھیں پھیل گئیں۔ "اور اس میں انرجی ڈرنکس اور۔۔۔"

سیف نے جان بوجھ کر ماں کی طرف دیکھنے سے گریز کیا، جو غصے سے بھری نظروں کے ساتھ اب کچھ کہنے ہی والی تھیں۔ سیف نے بیچارگی سے شہ پارہ کی طرف دیکھ کر جملہ اچھالا۔ "شہ پارہ آپی! آج میں مشکل میں ہوں، یاد رکھیے گا کل کو آپ پر بھی کڑا وقت آسکتا ہے۔"

اس بلیک میلنگ پر مبنی 'درخواست' نے گاڑی کے بوجھل ماحول میں مسکراہٹ بکھیر دی، جبکہ زوہیب نے اسٹیئرنگ پر سر جھکا کر اپنی ہنسی ضبط کرنے کی ناکام کوشش کی۔

گاڑی کی ونڈ اسکرین پر وائپرز کی رفتار اب بے کار ہو رہی تھی۔

دن کی روشنی ابھی باقی تھی، مگر کالی گھٹاؤں نے وقت سے پہلے ہی ایک ہیبت ناک شام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔

ایم-14 (ہکلہ-ڈی آئی خان موٹروے) پر حدِ نگاہ ختم ہو چکی تھی جب کنڈل انٹر چینج سے پہلے موٹروے پولیس کی چمکتی روشنیوں نے انہیں رکنے کا اشارہ کیا۔

زوہیب نے شیشہ نیچے کیا تو بارش کی ایک تند و تیز بوچھاڑ اندر داخل ہوئی اور ساتھ ہی موٹروے پولیس اہلکار نے چلاتے ہوئے کہا۔ "شدید آندھی ہے اور کچے حصوں میں مٹی کھسکنے کا خطرہ ہے۔ آپ لوگ انٹر چینج سے نیچے اتر جائیں، آج رات سفر ممکن نہیں۔"

زوہیب نے پریشانی سے پوچھا۔ "مگر نیچے تو بنجر علاقہ ہے، ہم رکیں گے کہاں؟"

مگر اہلکار نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں موٹر وے سے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔

جیسے ہی وہ موٹر وے کے محفوظ ٹریک سے نیچے اترے، منظر بالکل بدل گیا۔

یہ میانوالی اور عیسیٰ خیل کے درمیان پھیلا وہ ویران خطہ تھا جہاں ایک سمت سنگلاخ پہاڑی سلسلے ابھرتے تھے اور دوسری طرف ریتلے میدان دور تک پھیلے تھے۔

سڑک کے دونوں طرف سرکنڈوں اور آک کے پودوں کے جھنڈ آندھی میں کسی آسیب کی طرح جھول رہے تھے۔

گرد آلود مٹی بارش کے ساتھ مل کر کیچڑ بن چکی تھی اور انڈس ہائی وے کے سنسان پھیلاؤ پر دور دور تک کسی پیٹرول پمپ کی روشنی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

سیف نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ جما کر باہر کے ہیبت ناک سناٹے کو دیکھ کر پریشانی سے کہا۔ "بھائی! یہ تو بالکل ریگستان جیسا علاقہ ہے، گاڑی کہیں پھنس نہ جائے۔"

زمرد نے کھڑکی کے دھندلے شیشے پر انگلی رکھی اور اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "وہ دیکھو! شاید کوئی ریسٹ ہاؤس ہے۔"

دور کچھ قدیم اور قد آور درختوں کے جھنڈ کے پیچھے ایک پرانی، مخروطی چھت والی عمارت کا مٹیالا سایہ نظر آیا۔

زوہیب نے گاڑی جھاڑیوں سے رگڑ کھاتے ہوئے کچے راستے پر اتار دی اور جب وہ اس قدیم 'ایریگیشن ریسٹ ہاؤس' کے پورچ میں پہنچے تو ویرانی کا رعب دل پر بیٹھنے لگا۔

برآمدے میں برطانوی دور کے بھاری ستونوں پر جمی کائی بارش میں چمک رہی تھی اور چاروں طرف خودرو گھاس کا جنگل اگا تھا۔

زوہیب اور سیف بارش میں بھیگتے ہوئے برآمدے میں پہنچے جہاں ایک بوڑھا چوکیدار میلی سی چادر اوڑھے بینچ پر پڑا تھا۔

دستک پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کی دھندلی آنکھوں میں پہلے خوف اور پھر شک ابھرا، پھر اس نے کرخت آواز میں کہا۔ "یہ سرکاری جگہ ہے صاحب، یہاں رکنے کی اجازت نہیں۔"

زوہیب نے منت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "چاچا! ساتھ میں خواتین ہیں، بوڑھی ماں ہے، اتنے طوفان میں کہاں جائیں؟"

چوکیدار نے دور کھڑی گاڑی اور اس کے اندر سے جھانکتے شہ پارہ اور زمرد کے پریشان چہروں کو دیکھا، کچھ دیر وہ خاموش رہا، پھر جیسے اس کے اندر کا انسان جاگ گیا، اس نے بڑبڑاتے ہوئے اپنی واسکٹ کی جیب سے پرانی چابیوں کا ایک بھاری گچھا نکالا اور وزنی لکڑی کا تالا کھولا۔

برآمدے کا دروازہ ہوا کے زور سے چرچرایا اور خود بخود ہلنے لگا تو چند لمحوں کے لیے سب کی نظریں ایک ساتھ اس کی طرف اٹھ گئیں۔

"رات کو باہر مت نکلنا صاحب، یہاں ہوا کبھی کبھی راستہ بھلا دیتی ہے۔" چوکیدار نے جاتے ہوئے خبردار کیا۔

اندر داخل ہوتے ہی گرد اور سیلن کی ایک بھاری بو نے ان کا استقبال کیا۔

کمرے میں موجود فرنیچر شاید قیامِ پاکستان کے وقت کا تھا۔ مخمل کے بوسیدہ صوفے جن کا رنگ اڑ چکا تھا اور دیواروں پر لگی پرانی تصویریں جن کے شیشے گرد کی دبیز تہہ تلے دبے تھے۔

شہ پارہ نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے شکایت کی۔ "زوہیب، یہاں تو کوئی بلب بھی نہیں جل رہا۔"

زوہیب نے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ "بجلی کا نام و نشان نہیں ہے یہاں، سب اپنے موبائل کی ٹارچز نکالو۔"

پانچ موبائلوں کی مدھم روشنیاں جب کمرے میں پھیلیں تو ہوا میں اڑتے گرد کے ذرات یوں چمکے جیسے فضا میں بے شمار ننھے ذرّے معلق ہوں۔

اوپر کی منزل سے جیسے کسی کے قدم گھسیٹنے کی مدھم آواز آئی، مگر اگلے ہی لمحے سب کچھ پھر پہلے جیسا ساکت ہو گیا۔

زوہیب نے صوفے سے گرد جھاڑتے ہوئے کہا۔ "سیف! باہر برآمدے میں لکڑیاں پڑی دیکھی تھیں میں نے، اٹھالاؤ، امی کو سردی لگ رہی ہے۔"

کچھ دیر بعد سیف چند موٹی لکڑیاں گھسیٹ لایا۔ "بھائی، یہ تو ٹوٹ ہی نہیں رہی ہیں۔"

زوہیب نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "ایسے نہیں ٹوٹیں گی، ایک سرا اس بھاری میز کے پائے کے نیچے پھنسالو اور پھر دوسرے سرے پر زور سے پیر مارو۔"

دونوں بھائیوں کی تگ ودو اور لکڑیوں کے ٹوٹنے کی 'کڑاخ' کی آوازوں نے خاموش ریسٹ ہاؤس میں زندگی کی لہر دوڑائی۔

جب انگیٹھی میں آگ دہکی تو دھواں نکلنے کے بجائے کمرے میں بھرنے لگا اور شہ پارہ نے چلاتے ہوئے کہا۔ "زوہیب! کھڑکی کھولو ورنہ دم گھٹ جائے گا۔"

وہ خود لپک کر کھڑکی کے پاس پہنچی مگر لوہے کے پرانے قبضے جیسے صدیوں سے ایک ہی جگہ جم گئے تھے، اس پر زوہیب نے کہا۔ "ہٹو، میں دیکھتا ہوں۔" پھر وہ شہ پارہ کے برابر آ کھڑا ہوا۔ "تم ادھر سے دھکا دو، میں اس ہینڈل کو کھینچتا ہوں۔"

دونوں نے ایک ساتھ زور لگایا، شہ پارہ کے ہاتھ پھسلے تو زوہیب نے اسے سہارا دیا، اور ایک چیخ نما آواز کے ساتھ کھڑکی کھلی۔

بارش کی ٹھنڈی بوچھاڑ اور مٹی کی خوشبو نے کمرے سے دھوئیں کا بوجھل پن کم کر دیا۔

زمرد کچھ دیر کھڑکی کے پاس کھڑی باہر پھیلے اندھیرے کو دیکھتی رہی۔ بجلی کی ایک چمک نے لمحہ بھر کو اس کا چہرہ روشن کیا تو اسے پہلی بار شدت سے احساس ہوا کہ وہ واقعی اپنی پرانی زندگی سے بہت دور نکل آئی ہے۔

سیف نے انگیٹھی کے پاس بیٹھتے ہوئے معصومیت سے کہا۔ "زمرد آپی! بھوک سے تو میرا برا حال ہے۔"

زمرد مسکرائی اور بارش میں بھیگتی ہوئی گاڑی تک گئی اور وہ ٹوکرا اٹھا لائی جسے سب بھول چکے تھے۔ جب برتن کھلے تو پراٹھوں اور قیمے کی اشتہا انگیز خوشبو نے کمرے کی سیلن بھری باس کو ایک لمحے میں شکست دے دی۔

زوہیب نے دیکھا کہ زمرد سب کو پلیٹیں دے رہی تھی اور خود آخر میں بیٹھی، اس کے لبوں پر بے اختیار ایک ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

زوہیب نے دوسرا لقمہ توڑتے ہوئے اعتراف کیا۔ "زمرد، تم اس وقت واقعی کسی فرشتے سے کم نہیں لگ رہی۔"

موبائل کی لرزتی روشنیوں اور انگیٹھی کی نارنجی تپش میں وہ سب ایک دائرے میں بیٹھے ایسے محسوس ہو رہے تھے جیسے اس ویران رات میں انہوں نے اپنے لیے ایک چھوٹی سی محفوظ دنیا بنالی ہو۔

زوہیب نے موبائل نکال کر کہا۔ "ایک تصویر تو بنتی ہے۔"

سیف نے چھیڑتے ہوئے کہا: "بھائی، سیلفی لیں، ورنہ آپ باہر رہ جائیں گے اور یہ ادھورا سا خاندان لگے گا۔"

زوہیب نے ہنس کر بازو لمبا کر کے کہا۔ "سب قریب آؤ، فریم چھوٹا ہے۔"

شہ پارہ اور زمرد فہمیدہ بیگم کے گرد سمٹ گئیں، سیف نے زوہیب کے کندھے پر سر ٹکایا اور موبائل کی ٹارچ کی چمک میں پانچ ہنستے ہوئے چہرے قید ہو گئے۔

"بھائی، یہ تصویر دوبارہ لیں۔۔۔ پیچھے کچھ عجیب سا آرہا ہے۔" سیف نے سکرین کو گھورتے ہوئے کہا تو سب بے اختیار پلٹ کر پیچھے دیکھنے لگے۔

یہ تصویر سنبھال کر رکھیں گے، کبھی ڈیلیٹ نہیں کرنی۔" زوہیب نے مسکراتے "ہوئے کہا۔ "ایسی راتیں بار بار نہیں آتیں۔

باہر طوفان اپنی پوری قوت سے چیخ رہا تھا، مگر اس بوسیدہ کمرے کے اندر ایک مضبوط رشتہ جنم لے چکا تھا۔

فہمیدہ بیگم انگیٹھی کی نارنجی تپش میں ہاتھ سینکتے ہوئے کہنے لگیں۔" بیٹے! یہ جو پرانے سرکاری ریسٹ ہاؤس ہوتے ہیں نا، ان کی دیواریں بھی کان رکھتی ہیں۔ میری نانی سناتی تھیں کہ میانوالی کے ان سنسان علاقوں میں 'راہیوں کا سایہ 'ملتا ہے۔ ایک بار، بالکل ایسی ہی طوفانی رات تھی اور ایک مسافر قافلہ راستہ بھٹک کر ایک پرانی سرائے میں جا رکا۔ وہاں ایک بوڑھی عورت چراغ جلائے بیٹھی تھی، اس نے سب کو گرم کھانا کھلایا اور سوکھے بستر دیے۔ صبح جب قافلہ روانہ ہوا اور شکریہ ادا کرنے کے خیال سے واپس مڑا، تو وہاں نہ کوئی سرائے تھی اور نہ وہ بوڑھی عورت، صرف کھلے آسمان تلے ریت

کے ٹیلے تھے اور ان کے ہاتھوں میں وہی گرم روٹیوں کی خوشبو باقی تھی جو اس نے رات دی تھیں۔"

فہمیدہ بیگم کی بات ختم ہوتے ہی سیف تھوڑا سہم کر کھڑکی سے باہر دیکھے گا، اور شہ پارہ ہنستے ہوئے بولی۔ "آنٹی! اب ہمیں یہ نہ کہیے گا کہ یہ ریسٹ ہاؤس بھی صبح تک غائب ہو جائے گا اور ہمارے ہاتھ میں صرف زمرد کے پراٹھوں کی خوشبو رہ جائے گی۔"

اچانک چھت پر کسی بھاری چیز کے ٹکرانے کی آواز گونجی تو سب چونک اٹھے، جیسے طوفان نے بھی اپنی موجودگی جتا دی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح آنکھ کھلی تو بارش تھم چکی تھی اور فضا میں بھیگی مٹی کی ہلکی سی مہک باقی تھی۔

کھڑکی سے چھن کر آتی دھوپ کمرے کی نمی اور اڑی ہوئی گرد پر دھیرے دھیرے بکھر رہی تھی۔ رات کا وہ اجنبی کمرہ اب اتنا اجنبی نہیں لگ رہا تھا۔ سب کے چہروں پر تھکن تو تھی، مگر ایک عجیب سا سکون بھی تھا جیسے وہ رات انہیں اندر سے کچھ بدل گئی ہو۔

زمرد نے چپ چاپ بچا ہوا سامان سمیٹا، ہاٹ پاٹ بند کیا اور ایک نظر کمرے پر ڈالی، جیسے وہ اس مختصر قیام کی یاد بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہو۔

شہ پارہ کھڑکی کے پاس کھڑی باہر دیکھتی رہی، پھر بغیر کچھ کہے پلٹ آئی۔

زوہیب نے دروازہ کھولا تو باہر کی ہوا میں رات کی شدت باقی نہ رہی تھی، صرف گیلی مٹی اور ٹھنڈک تھی۔

تھوڑی دیر بعد سب گاڑی میں بیٹھ گئے اور کچے راستے سے نکل کر سڑک پر آ گئے۔ کچھ فاصلے تک کسی نے بات نہیں کی۔ سیف غیر معمولی طور پر خاموش تھا اور کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ فہمیدہ بیگم تسبیح کے دانے آہستہ آہستہ پھیر رہی تھیں۔ شہ پارہ نے سر سیٹ سے ٹکا رکھا تھا، آنکھیں بند تھیں مگر نیند کا کوئی نشان نہیں تھا۔ زوہیب کی نظریں سڑک پر تھیں، مگر کبھی کبھار وہ آئینے میں پیچھے کی طرف دیکھ لیتا۔ زمرد نے شیشے پر جمی نمی پر انگلی سے ایک آدھ بے معنی سی لکیر کھینچی اور پھر اسے مٹا دیا۔ گاڑی اپنی رفتار سے آگے بڑھتی رہی اور رات کا ذکر کیے بغیر وہ سب اس سے نکلتے چلے گئے۔

ماموں کے گھر میں داخل ہوتے ہی شہ پارہ کی نظریں نادانستہ طور پر ادھر ادھر گھوم گئیں۔اسے محسوس ہوا کہ چیزیں پہلے جیسی نہیں رہی تھیں۔دیوار کے ساتھ رکھا جدید ڈیزائن کا بڑا سا ریفریجریٹر اور قدموں تلے بچھے ایرانی قالین، جو پہلے سے موجود کارپٹ کے اوپر قرینے سے بچھائے گئے تھے، گھر کی بدلی ہوئی حالت کا پتہ دے رہے تھے۔ڈرائنگ روم میں رکھا نیا قیمتی صوفہ بھی اس خوشحالی کا گواہ تھا۔

شہ پارہ نے زمرد کے قریب ہو کر بہت دبی آواز میں سرگوشی کی۔"کہتے ہیں آسیہ کی شادی کے لیے پیسے نہیں ہیں، اس لیے تاریخ آگے بڑھادی ہے۔مجھے تو لگتا ہے کہ ماموں کا اسٹور اب کافی منافع دے رہا ہے یا پھر کاشان کا امریکہ سے ہاتھ ذرا زیادہ ہی کھلا آرہا ہے۔"

زمرد نے جواب دینے کے بجائے اسے بس خاموشی سے دیکھا، لیکن شہ پارہ کی کہنی نے اسے کمرے کے دوسرے کونے کی جانب متوجہ کر دیا جہاں آسیہ، زوہیب کو بیٹھنے کا کہہ رہی تھی۔دروازہ بھی اسی نے کھولا تھا اور اب وہ غیر معمولی توجہ کے ساتھ زوہیب کی خاطر مدارت میں لگی ہوئی تھی۔

"لگتا ہے اس کی دلچسپیاں اب تک ویسی ہی ہیں۔" شہ پارہ نے ایک بار پھر زمرد کے کان میں سرگوشی کی۔ زمرد نے بھی اب غور سے آسیہ کو دیکھا جو بڑے لگاوٹ بھرے انداز میں زوہیب سے اس کے کام کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ آسیہ کے چہرے پر ایک مستقل مسکراہٹ تھی اور وہ اس کی ساری توجہ زوہیب کی باتوں پر مرکوز تھی۔ اسی دوران ممانی اندر داخل ہوئیں اور بڑے تپاک سے فہمیدہ بیگم کو اپنی باتوں میں لگا لیا۔

ممانی نے باتوں باتوں میں آسیہ کی شادی ملتوی ہونے کا ذکر کیا تو فہمیدہ نے افسردگی سے سر ہلایا اور زوہیب کے چہرے پر ایک پرسوچ سایہ لہرایا۔

کچھ ہی دیر بعد ماموں بھی آ گئے، وہ غالباً سٹور کے لیے نکلنے والے تھے، ان کی تیاری تو یہی بتا رہی تھی؛ حالانکہ انہوں نے دو ملازم رکھ چھوڑے تھے، مگر کاروبار پر اپنی نظر رکھنے کا اطمینان ہی الگ تھا۔ وہ سب سے نہایت پرجوش انداز میں ملے اور زوہیب کو ایک کونے میں لے کر بیٹھ گئے۔

جب کافی دیر گزر گئی تو انہوں نے رخصت لینی چاہی لیکن ماموں بولے۔ "بھئی ہماری بیٹیاں تو یہیں ٹھہریں گی جب تک تم لوگ گھر کا کچھ فائنل نہیں کر لیتے۔"

"ارے نہیں ماموں!" شہ پارہ بول اٹھی۔ "ابھی گھر کا حتمی فیصلہ ہونے میں وقت ہے، بس چند چھٹیاں اکٹھی مل گئی تھیں تو سوچا زمرد کے کام اور اپنی مصروفیات سے تھوڑا وقت نکال لیا جائے۔"

زمرد نے تائید کی۔ "ہمارا اصل مقصد گھر کا جائزہ لینا ہے۔"

فہمیدہ نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ "بس بچوں نے نئی جگہ کا چکر لگا لیا، ساتھ کام بھی ہو جائے گا۔"

زوہیب نے ماموں سے ہاتھ ملایا۔ "چائے تو آپ نے اچھی پلا دی، اب اگلے چکر پر ہی ملاقات ہو گی۔"

آسیہ نے پرا شتیاق نگاہیں زوہیب کی جانب اٹھائیں۔ "آپ کیا آج ہی روانہ ہو جائیں گے؟"

زوہیب نے الوداعی نگاہ ماموں اور ممانی دونوں پر ڈالتے ہوئے آسیہ کو یکسر نظرانداز کر دیا۔ "ہم شاید ایک رات ہوٹل میں ٹھہر جائیں۔" اس نے ساتھ ہی سیف پر نظر ڈالی جو حیرت انگیز طور پر تمیز و تہذیب کی انوکھی مثال بنا بیٹھا تھا۔ "ذرا گھوم پھر لیں گے اور اگلی صبح روانہ ہو جائیں گے۔"

باہر نکلتے ہوئے آسیہ نے دبی آواز میں زمرد سے پوچھا، سوال زوہیب کے بارے میں تھا۔ "اس کا کوئی شادی کا ارادہ بھی ہے یا نہیں؟"

زمرد کو بھی شرارت سوجھی۔ "ہاں ہے نا، اپنی منگیتر سے!"

☆☆☆☆☆☆☆

ہوٹل کی طرف بڑھتے ہوئے شہ پارہ نے اگلی سیٹ سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ "ایک کمرے میں تم دونوں رہ لو گے۔" اس نے سیف اور زوہیب کو مخاطب کیا۔ "اور ایک میں ہم تین۔"

سیف نے حیرت سے گردن گھمائی۔ "زیادہ رش نہیں ہو جائے گا آپ لوگوں کے کمرے میں؟"

"نہیں، دو سنگل بیڈ ہوئے تو میں اور زمرد ایک بیڈ پر سو لیں گے۔" شہ پارہ نے سادگی سے حل پیش کیا۔

زوہیب نے اسٹیرنگ گھماتے ہوئے مشورہ دیا۔ "الگ کمرے ٹھیک رہیں گے۔"

"پھر ہم اکٹھے وقت کیسے گزاریں گے؟" زمرد نے معصومیت سے پوچھا۔

فہمیدہ بیگم نے اپنی چادر درست کی۔ "تم لوگ تو شاید دیر تک ٹی وی دیکھو یا کوئی اور کھیل کھیلو، میں تو جلدی سونے کی عادی ہوں۔"

"آج میرا دل ذرا سست اور بے کار سی چیزیں دیکھنے کا ہے۔" سیف نے ایک معنی خیز نظر ماں پر ڈالی۔ "اس لیے کوئی پرانے زمانے کی فلم لگائیں گے۔

"یہ بھی ٹھیک ہے، کبھی کبھار ذوق بدل لینا چاہیے۔" شہ پارہ نے تائید کی۔

سیف نے ناک سکوڑی۔ "ذائقہ تو کریلا بھی بدل دیتا ہے لیکن منہ کڑوا ہو جاتا ہے۔"

فہمیدہ بیگم نے اسے تنبیہی نگاہوں سے دیکھا تو وہ فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"چلو، میں بھی کچھ لچک دکھا سکتی ہوں اس صورت میں کہ فلم میری پسند کی ہو۔"
فہمیدہ بیگم نے اپنی شرط رکھی۔

زوہیب ہنس پڑا "اوہ پلیز امی! اسی فلم کا نہ کہیے گا جو آپ ہمیں پہلے بھی تین بار دکھوا چکی ہیں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "ناشتہ تو ویسے ہی رہ گیا تھا، اور تمہارے ماموں نے چائے کے ساتھ جو کچھ رکھوادیا تھا، اس کے بعد دوبارہ کھانے کی کسی میں گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔"

ہوٹل پہنچ کر سب نے کچھ دیر کے لیے خود کو کمروں تک محدود کر لیا، مگر دوپہر ڈھلتے ہی سیف سب سے پہلے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ "چلیں؟ اب تو واقعی بھوک لگ رہی ہے۔"

زوہیب انہیں میان والی کے مشہور 'بلوچ ہوٹل' لے گیا۔

"یہاں کا دم پخت کھائے بغیر واپس گئے تو سمجھیں میانوالی آئے ہی نہیں۔" زوہیب نے گاڑی روکتے ہوئے کہا۔

مٹی کی ہانڈی میں پکتے گوشت کی خوشبو ایسی تھی کہ اب تک بور ہونے کا دعویٰ کرنے والا سیف سب سے پہلے پلیٹ کی طرف بڑھا۔

"یہاں آج بھی کئی سالن مٹی کی ہانڈیوں میں دم کیے جاتے ہیں اور اکثر اسی میں پیش بھی کیے جاتے ہیں۔" زوہیب نے معلومات دیں توشہ پارہ نے بڑے غور سے اس روایتی پیشکش کو نوٹ کیا۔

زمرد نے ساگ اور مکھن کے ساتھ ڈھوڈار وٹی کا پہلا نوالہ لیا تو اس کے چہرے کا اطمینان بتا رہا تھا کہ یہ سادہ سا دیسی کھانا اسے غیر رسمی محبت کا زیادہ خوبصورت احساس دے رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

نمل جھیل کے کنارے پہاڑوں کا عکس اور پانی کی نیلاہٹ ایک سحر انگیز منظر پیش کر رہی تھی۔

زوہیب سب کو جھیل کے ایک اونچے مقام پر لے آیا جہاں سے برطانوی دور کے بنے ہوئے نمل ڈیم کا ڈھانچہ صاف نظر آ رہا تھا۔

"یہ 1913 کا شاہکار ہے۔" زوہیب نے جھیل کے پھیلاؤ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ "برطانوی انجینئرز نے اسے اس لیے بنایا تھا تاکہ اس بنجر علاقے کی تقدیر بدلی جاسکے۔ پہاڑوں کے دامن میں یہ مصنوعی جھیل اب میاں والی کی پہچان ہے۔ وہ دور کنارے پر جو پرانے قبرستان نظر آرہے ہیں، وہ اس جگہ کی قدامت کے خاموش گواہ ہیں۔"

"تاریخ تو اپنی جگہ، مگر یہ جگہ کتنی پرسکون ہے۔" شہ پارہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تھوڑا ڈراؤنا بھی ہے۔" سیف نے جھیل کی گہرائی میں جھانکتے ہوئے تبصرہ کیا۔

اسی دوران اس کی نظر دور کھڑی ایک چمکتی ہوئی سیاہ لگژری جیپ پر پڑی، جس کے پاس تین مرد کھڑے گہری گفتگو میں مصروف تھے۔

"بھائی! وہ فراز بھائی تو نہیں؟" سیف نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دھوپ سے بچتے ہوئے پوچھا۔

زوہیب کی نظریں اس سمت اٹھیں تو اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

فراز میر اپنے مخصوص سیاہ چشمے اور قیمتی سوٹ میں ملبوس دو دراز قامت آدمیوں کے ساتھ کھڑا کسی نقشے نما کاغذ پر گفتگو کر رہا تھا۔

"یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟" فہمیدہ بیگم نے ناگواری سے پوچھا۔

مجھے تو ان کے کام کبھی سمجھ نہیں آئے۔" زوہیب نے دبی آواز میں کہا، فراز اس سے عمر میں پانچ سال بڑا، ارمغان کا ہم عمر تھا۔ "لیکن ان کا یہاں ہونا کوئی اتفاق نہیں لگتا۔"

ابھی وہ لوگ مڑنے ہی والے تھے کہ فراز میر کی نظر ان پر پڑ گئی۔

اس نے اپنے ساتھیوں کو وہیں چھوڑا اور فاتحانہ چال چلتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔

"کمال فیملی! میانوالی کے اس سنسان گوشے میں آپ لوگوں سے ملاقات ہو جائے گی، یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔" فراز کا لہجہ شہد سا میٹھا تھا۔

اس نے زوہیب سے مصافحہ کیا، مگر اگلے ہی لمحے اس کی نگاہ زمرد کے چہرے پر ٹھہر گئی۔

"نمل جھیل دیکھ رہے ہیں آپ لوگ؟"اس نے زمرد کو مخاطب کیا۔"اس جھیل کی سطح جتنی پر سکون ہے، تہہ میں اتنے ہی پرانے پتھر اور راز چھپے ہیں، بالکل ہم انسانوں کی طرح۔ کچھ راز وقت کی لہروں کے ساتھ اوپر آجاتے ہیں اور کچھ ہمیشہ کے لیے دفن رہتے ہیں۔"

زمرد نے ایک لمحے کے لیے فراز کی آنکھوں میں دیکھا، جہاں ایک غیر واضح سی گہرائی اسے بے چین کر گئی۔

زوہیب فوراً دو قدم آگے بڑھا اور زمرد کے پہلو میں یوں جا کھڑا ہوا کہ فراز اسے ٹھیک سے دیکھ نہ پائے۔

"ہمیں اب نکلنا چاہیے، شام ہونے والی ہے۔"زوہیب کا لہجہ دوٹوک تھا۔

فراز میر کے لبوں پر وہی معنی خیز مسکراہٹ برقرار رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

رات کے پچھلے پہر، سوئمنگ پول کے ساکن پانی پر چاندنی تیر رہی تھی۔ پول کے کنارے رکھی آرام دہ کرسی پر فراز میر نہایت بے فکری سے نیم دراز تھا۔ گہرے نیلے رنگ کا ٹراؤزر اور ہم رنگ قمیص اس کے کسرتی بدن پر خوب جچ رہی تھی۔ فراز کے نقوش اگرچہ عام سے تھے، مگر اس کی طویل قامت اور شخصیت میں چھپی ایک خاص قسم کی کاٹ اسے بے حد پرکشش اور بارعب بناتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سیاہ گلاس تھا، جس سے وہ وقتاً فوقتاً چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا۔ پانی کی سطح پر پڑتی چاندنی اس کے چہرے کے نقوش کو کبھی نرم اور کبھی پراسرار بنا دیتی۔

شاہ میر صاحب قدموں کی چاپ دباتے ہوئے وہاں آئے اور اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئے۔ "کیا پی رہے ہو؟" انہوں نے بہت عام سے لہجے میں سوال کیا۔

فراز نے گلاس کے اندر موجود شفاف مائع کو گھما کر دیکھا اور پھر باپ کی طرف نظر اٹھائی۔ اس کا جواب ہمیشہ کی طرح سیدھا نہیں تھا۔ "جوس پی رہا ہوں ڈیڈ! رات کو زیادہ توانائی دینے والی چیزیں نیند اڑا دیتی ہیں۔"

"تمہاری ممی گلہ کر رہی تھیں کہ تمہارے آنے جانے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔"

شاہ میر صاحب نے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

فراز نے ایک گھونٹ لیا، پھر گلاس سامنے رکھے میز پر ٹکاتے ہوئے بڑی متانت سے بولا۔ "ڈیڈ! یونیورسٹی کے کام ہوتے ہیں۔"

شاہ میر صاحب کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آئی۔ "ایسے کون سے کام ہیں جو یونیورسٹی کے اوقات کے بعد بھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتے؟"

"بس ذرا وقت گزارتا ہوں، دوستوں کے ساتھ کہیں نکل جاتا ہوں۔" فراز نے کندھے اچکائے۔

شاہ میر صاحب نے اسے ٹوکا۔ "لیکن تمہارا تو کہنا تھا کہ اس یونیورسٹی میں تمہارا کوئی دوست نہیں ہے۔"

ان کی اس معصومیت پر فراز کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ "ابو! یہاں تو ابھی اعلیٰ تعلیم کا نیا مرحلہ شروع ہوا ہے، دوست بناؤں گا مگر وہ بھی ذرا دیکھ بھال کر۔ فی الحال تو پرانے دوستوں کے ساتھ وقت گزار لیتا ہوں۔"

شاہ میر صاحب نے اسے ایک گہری اور تنبیہی نگاہ سے دیکھا۔ ماضی کی تلخیاں ان کی آنکھوں میں لہرانے لگی تھیں۔ "یاد ہے نافراز؟ بی ایس کے دوران تمہاری وجہ سے ہمیں کتنے مشکل حالات سے گزرنا پڑا تھا۔"

ایک لمحے کے لیے فضا میں خاموشی ٹھہر گئی، جیسے ماضی کا کوئی دروازہ ہلکا سا کھل کر پھر بند ہو گیا ہو۔

فراز کرسی پر ذرا آگے کو جھکا، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اور عزم تھا۔ "ابو! میں منشیات سے توبہ کر چکا ہوں۔ اب کسی ایسے کام میں ہاتھ نہیں ڈالنا جس میں اپنا فائدہ نہ ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

فہمیدہ بیگم نے سکرین پر ایک ناراض سی نگاہ ڈالی۔ "یہ وہ فلم تو نہیں، جو مجھے دیکھنی تھی۔"

سیف نے فوراً موقع پا کر چٹکلہ چھوڑا۔ "امی! اتنی ہی بے رنگ، بے مقصد اور بے بنیاد کہانی۔۔۔ گانے بھی ایسے کہ نیند آ جائے، ذرا غور سے دیکھیں سب ویسا ہی تو ہے۔"

فہمیدہ بیگم نے پیار بھرے غصے سے اس کے ماتھے پر بکھرے بال پکڑ کر ہلکا سا جھٹکا دیا تو وہ بلبلا اٹھا۔ "گھریلو تشدد! خاموش تماشائی۔۔۔انسانیت کے نام پر دھبا۔"

بقیہ سب اس اداکاری پر ہنس دیے، مگر شہ پارہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "یہ انسانیت "جیسے موضوع پر تم کب سے بات کرنے لگے؟"

سیف نے ماں سے ذرا فاصلہ بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔ "جب سے یہ نصیحت آموز فلم دیکھ رہا ہوں۔" اس نے سکرین پر روتی ہیروئن کی طرف اشارہ کیا۔ "کاش میں گن رہا ہوتا کہ یہ کتنی بار اپنی توہین خاموشی سے سہتے ہوئے مسکرائی ہے یا پھر کونوں میں گھس کر ٹسوے بہائے ہیں۔ کچھ بھی ہو جائے، پلٹ کر جواب نہیں دینا، ورنہ ہیروئن کیسے کہلائے گی۔"

"بات میں وزن ہے۔" زوہیب بھی بول اٹھا۔

سیف فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ "میرے تو ہر کام میں دم ہے۔" وہ ان سب کو دیکھتے ہوئے عجیب پراسرار انداز میں مسکرایا۔ "ابھی دیکھنا ذرا میرا جلوہ!"

زوہیب نے فوراً اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ "پلیز سیف! شرٹ اتار کر باڈی نہ دکھانا، مجھے ڈراؤنے خواب آئیں گے۔"

شہ پارہ کھل کر ہنسی۔ "ڈراؤنے خواب؟"

سیف کچھ دیر بعد اپنے کمرے سے لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑا شاپر تھا۔ اس نے اپنا 'مواد' سب کے بیچ میں رکھا تو سب سے پہلے فہمیدہ بیگم نے جھانک کر دیکھا۔ "مونگ پھلیاں؟" انہوں نے مسکرا کر سیف کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "اس کے علاوہ کچھ بھی ہوتا "تو میرے غصے میں اضافہ ہی ہونا تھا۔"

مان لیں آپ ہمہ وقت ہلکے پھلکے غصے میں ہی رہتی ہیں۔" سیف نے پینترا "بدلا۔" یہاں میرے منہ سے کوئی بات نکلی نہیں کہ آپ جارحیت پر اتر آتی ہیں۔

زمرد نے سامان ٹٹولتے ہوئے شہ پارہ کو آواز دی۔ "شہ پارہ، ٹوکری سے کاغذی پلیٹیں نکال لو۔"

سیف نے فاتحانہ انداز میں زوہیب کو دیکھا۔ "آپ پیچھے رہ گئے بھائی، اب کی باری آپ کی۔"

زوہیب بھی چیلنج قبول کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "جو میرے پاس ہے وہ کہیں زیادہ رنگین ہے۔" اس نے ماں پر ایک شرارتی نظر ڈالی۔ "اور سنگین بھی۔"

وہ جب کمرے سے لوٹا تو سب سے ذرا فاصلے پر بیٹھ کر ایک بڑے شاپر سے رنگ برنگے پیکٹ نکالنے لگا۔ "اب جو میں سلاد بناؤں گا اس سے آپ سب کی صحت پر تو کوئی اچھا اثر نہیں پڑنے والا، لیکن مزہ ضرور آئے گا۔"

زمرد نے بھی آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ بٹایا۔ زوہیب نے اسے ہدایت دی۔ "زمرد، وہ قیمے والا ہاٹ پاٹ نکالو جو تم دھو چکی تھی، وہی سب سے بڑا ہے۔"

دونوں نے مل کر اس میں کیرامل پاپ کارنز، رنگین جیلی کیوبز، چھوٹے چاکلیٹ بائٹس، مارش میلوز اور چاکلیٹ بنٹیز کا ایک عجیب و غریب امتزاج تیار کرنا شروع کیا۔

فہمیدہ بیگم اس سب پر انہیں گھور کر رہ گئیں۔ "اب میں چھوٹے کو کیا کہوں جب منجھلا ہی قابو میں نہیں۔"

انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری تو شہ پارہ اپنی ہنسی روک نہ پائی۔

☆☆☆☆☆☆☆

زوہیب نے جب زنگ آلود تالے میں چابی گھمائی تو ایک خشک سی چرچراہٹ خاموش گلی میں گونج اٹھی، دروازہ کھلتے ہی گرد اور پرانی لکڑی کی وہ مخصوص مہک باہر آئی جو وقت کے ساتھ صرف خالی مکانوں میں باقی رہ جاتی ہے۔

شہ پارہ اور زمرد دہلیز پر ہی رک گئیں، صحن میں دھوپ کا ایک ٹکڑا خاموشی سے پڑا تھا، جہاں اب گھاس کی جگہ ریت اور سوکھے پتوں نے لے لی تھی۔

زمرد دھیرے دھیرے صحن کے اس گوشے کی طرف بڑھی جہاں مٹی کچھ ابھری ہوئی تھی اور دھیمی آواز میں بولی جیسے خود سے کلام کر رہی ہو۔ "یہاں میرا وہ لیموں کا پودا ہوا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے میں بھر بھر کر اس میں پانی ڈالتی تھی، اس خواہش میں کہ یہ ایک ہی رات میں قد نکال لے اور اس پر پھل آ جائیں۔"

وہ مسکرائی، مگر اس مسکراہٹ میں ایک کسک تھی۔ "ابو نے ایک شام میرا ہاتھ پکڑ لیا، کہنے لگے، زمرد، زندگی میں کسی پودے یا کسی رشتے کو ضرورت سے زیادہ سینچو تو اس کی جڑیں گل جاتی ہیں۔ ہر چیز اپنے وقت پر ہی پنپتی ہے، اسے زبردستی بڑا نہیں کیا

جاتا۔ "اس نے خالی جگہ کو ایسے دیکھا جیسے وہاں اب بھی وہ جڑیں موجود ہوں۔ "بعد میں سمجھ آئی کہ وہ مجھے محبت میں حد قائم کرنا سکھا رہے تھے۔"

سب اندرونی حصے کی جانب بڑھے۔

شہ پارہ، اب اپنے باپ کا خالی کمرہ دیکھ رہی تھی جہاں رجسٹروں کا ڈھیر ہوا کرتا تھا۔ پھر وہ اس دیوار کی جانب بڑھی جہاں اکیلی کیل لگی ہوئی تھی،، یہاں داؤد فیاض اپنا پرانا چمڑے کا بیگ لٹکایا کرتے تھے۔

"مجھے انہوں نے سچ کا بوجھ اٹھانا سکھایا۔ "شہ پارہ کے لہجے میں نمی گھلی ہوئی تھی۔

"جب میں روتی تو وہ اس کیل کی طرف اشارہ کرتے تھے، جہاں ان کے دفتری کاغذات لٹکے ہوتے۔ ان کا کہنا تھا کہ سچ ثابت کرنے کے لیے دلیل چاہیے، آنسو نہیں۔"

فہمیدہ بیگم، جو خاموشی سے ان دونوں بہنوں کے چہروں پر لکھی تحریر پڑھ رہی تھیں، ایک قدم آگے بڑھیں اور بولیں۔ "شہ پارہ! کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ گھر بیچنے کا فیصلہ

بالکل فائنل ہے؟" ان کے لہجے میں فکر مندی تھی۔ "یادیں بہت مہنگی ہوتی ہیں، ایک بار سودا ہو جائے تو واپسی کا راستہ نہیں ملتا۔"

شہ پارہ نے اپنی نظریں کمرے کی دیوار سے ہٹا کر فہمیدہ بیگم پر جمائیں۔ "آنٹی! میں اب آگے بڑھنا چاہتی ہوں۔ یہ دراڑیں اور خالی پن مجھے تھکانے لگا ہے۔ میں اس بوجھ کو یہیں چھوڑ کر نئی سمت میں چلنا چاہتی ہوں۔"

جاتے ہوئے زمرد نے صحن کی دیوار پر ہاتھ رکھا، جیسے وہ اس ملبے سے الوداعی مصافحہ کر رہی ہو۔ "میں اس گھر کو اپنی یادوں میں ویسا ہی محفوظ رکھنا چاہتی ہوں جیسا یہ میرے والدین کی زندگی میں تھا۔" اس کی آواز میں ایک عجیب سی قطعیت تھی۔ "مجھے یہاں اب کوئی نئی یاد نہیں بنانی، کوئی نیا نقش نہیں ابھارنا۔ مجھے کہیں اور، کسی نئی جگہ پر اپنا کوئی نیا گھر بنانا ہے۔"

زوہیب، جو اب تک خاموشی سے ان کے درمیان کا یہ جذباتی تبادلہ سن رہا تھا، زمرد کے اس آخری جملے پر چونک اٹھا۔ اس نے سر اٹھا کر زمرد کی طرف دیکھا۔ اس کی

آنکھوں میں ایک سوال تھا، الجھن تھی، یا شاید ایک نئی پہچان کی شروعات، جو لفظوں کی محتاج نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 21

ارمغان کمال

چند سال قبل

یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں شور و غل اپنے عروج پر تھا، مگر ارمغان کونے والی میز پر بیٹھا کھڑکی سے باہر پھیلے منظر میں گم تھا۔

"یہاں داخلہ لے کر صحیح کیا یا غلط؟" یہ سوال پچھلے کئی دنوں سے اس کے ذہن میں مسلسل گونج رہا تھا، ابو تو اسے ہر صورت بیرونِ ملک بھیجنا چاہتے تھے، مگر وہ ضد کر کے یہیں رک گیا تھا۔

اسی لمحے اپنے بچپن کے دوست ستار کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ "میں تو وہاں نہیں جا رہا۔۔۔" ان الفاظ پر ارمغان بری طرح گھبرایا تھا۔ "لیکن یار! اگر تم نہ گئے تو معید بھی نہیں جائے گا۔" ارمغان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کیونکہ معید دراصل ستار کا کزن تھا اور یہ طے پایا تھا کہ دونوں ایک ہی ادارے میں داخلہ لیں گے۔

ستار نے بے بسی سے کندھے اچکائے تھے۔ "مالی حالات کچھ ٹھیک نہیں ہیں، سکالر شپ کا بھی کچھ بن نہیں سکا۔ مجھے اب جاب کرنی ہو گی، بہنوں کا بھی ساتھ دینا ہے۔۔۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا، جس پر ارمغان نے تڑپ کر کہا تھا۔ "میں بنا کسی کو بتائے تمہاری مدد کر سکتا ہوں، فیس کا انتظام بھی کر دوں گا اور۔۔۔" مگر ستار نے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی تھی۔ "مسئلہ صرف فیس کا نہیں ہے ارمغان! تم نہیں سمجھو گے، یہ ہماری طرح کے لوگوں کے مسائل ہیں۔"

قریب ہی آہٹ ہوئی، اس نے چونک کر دیکھا، سامنے فراز میر کا پُر اعتماد اور مسکراتا چہرہ تھا۔

فراز نے ہاتھ سے سامنے والی خالی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ "بیٹھ سکتا ہوں؟" اس کی آواز میں ایک خاص قسم کی نرمی اور اپنائیت تھی جس نے ارمغان کو کچھ دیر کے لیے سوچوں کے بھنور سے باہر نکال دیا۔

ارمغان کو زندگی میں کوئی نیا دوست شامل کیے ایک عرصہ بیت چکا تھا۔

اس نے سر اثبات میں ہلایا اور ہلکا سا مسکرایا، مبادا سامنے والا یہ نہ سمجھے کہ وہ کسی خاندانی عداوت کے زیرِ اثر اس کی صحبت سے ہچکچا رہا ہے۔

"میں نے تمہیں اوریئنٹیشن ڈے پر دیکھتے ہی دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ تم میرے دوستوں کی فہرست میں شامل ہونے والے ہو۔" فراز نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

یہ بات ارمغان کو ذرا عجیب لگی۔

وہ فوراً بول پڑا۔ "فہرست؟"

فراز لمحے بھر کو چوکنا ہوا۔

"میرا مطلب ہے کہ ویسے تو بہت دوست ہیں، لیکن اس یونیورسٹی میں تو میں بھی تمہاری طرح اکیلا ہوں۔"

اس پر ارمغان نے پلٹ کر پوچھا۔ "تمہیں کیسے پتہ کہ میں اکیلا ہوں؟ ہو سکتا ہے کہ میرے دوستوں نے ابھی تک جوائن نہ کیا ہو۔"

جواب میں فراز لمحے بھر کو سٹپٹایا، پھر جیسے اپنے تاثرات سنبھالتے ہوئے بولا۔ "اگر ایسا ہے تو میں ان سے بھی دوستی کرنے کو تیار ہوں۔"

ارمغان نے پوچھا۔ "لیکن کیوں؟"

وہ ایسا ہی تھا، جو بات ہوتی صاف کہہ دیتا، کچھ غیر منطقی لگتا تو پوچھ لیتا۔

شاید اسی لیے میں زیادہ دوست بنا نہیں پاتا۔ اس نے دل میں سوچا۔

فراز کی مسکراہٹ اب بھی قائم تھی۔ "کیونکہ میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

جواب میں ارمغان نے ایک بار پھر تعجب کا اظہار کیا۔ "وہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ آخر کیوں؟" اس نے تھوڑا توقف لیا اور پھر سنجیدگی سے کہا۔ "تمہارے گھر والوں کو پتہ چلا تو انہیں یہ بات کچھ خاص پسند نہیں آئے گی۔"

فراز نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"ہم خاندانی دعوتوں اور محفلوں میں بھی تو ملتے رہے ہیں، اب دوستی بھی کر لینی چاہیے۔" اس نے ایک نظر کیفے ٹیریا کی گہما گہمی پر ڈالی اور پھر ارمغان کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ "ویسے بھی میرے گھر والوں کو میرے فیصلوں پر پورا اعتماد ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کمرے میں ائر کنڈیشنر کی دھیمی سائیں سائیں اور سرورز کی آوازوں کے درمیان ایک خاموش سا تناؤ تھا۔ شاہ ویز اپنی کرسی پر بیٹھا سامنے موجود اسکرینز کو دیکھ رہا تھا، جہاں ایک سبز رنگ کا نقطہ دھیرے دھیرے نقشے پر رینگ رہا تھا۔ یہ 'گولڈن ایگل' تھی، بکتر بند گاڑی جس میں بینک کا کروڑوں کا سونا منتقل کیا جا رہا تھا۔ اس نے کرسی کی

پشت سے ٹیک ہٹائی اور ذرا آگے جھک کر اس نقطے کو ایسے دیکھا جیسے صرف ایک نقطہ نہیں بلکہ اپنی ساکھ کو حرکت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہو۔

"سر! جی پی ایس سگنل بالکل مستحکم ہے، گاڑی مقررہ وقت پر ہائی وے کراس کر رہی ہے۔" آئی ٹی آپریٹر نے اسکرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑے فخر سے کہا۔ اس کی آواز میں وہی بے فکری تھی جو اکثر مکمل نظام پر اندھا اعتماد رکھنے والوں میں ہوتی ہے۔

شاہ ویز نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور آپریٹر کی طرف دیکھ کر دھیمے مگر دوٹوک لہجے میں بولا۔ "تم لوگ جس ٹیکنالوجی پر اتنا اتراتے ہو، وہ ایک سیکنڈ میں دھوکہ دے سکتی ہے۔ بدلتے دور کے تقاضوں نے مجھ جیسے آئی ٹی سے چڑ کھانے والے کو بھی ان اسکرینز کے سامنے لا بٹھایا ہے، ورنہ میرا بھروسہ آج بھی اپنے ان جوانوں پر ہے جو گاڑی میں موجود ہیں۔" اس نے وائرلیس سیٹ اٹھایا۔

ایک لمحے کے لیے اس کی نظر اسکرین کے ایک کونے پر ٹھہری جہاں ویڈیو فیڈ معمول کے مطابق چل رہی تھی، مگر اسے جیسے بے سبب ہی اس تسلسل میں ایک خفیف سی بے ربطی محسوس ہوئی، جسے اس نے فوراً نظر انداز کر دیا۔

"سیف اللہ! سب ٹھیک ہے؟" شاہ ویز کی آواز پر سکون تھی، اس میں کوئی غیر ضروری رعب نہیں بلکہ ایک ذمہ دار سربراہ کی فکر تھی۔

"جی سر! سب کلیئر ہے۔ ہم انڈر پاس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ بکتر بند کے تمام ڈیڈ لاکس چیک کر لیے گئے ہیں، آپ بے فکر رہیں۔" دوسری طرف سے گارڈ کی پر اعتماد آواز آئی۔ پس منظر میں انجن کی مسلسل گڑگڑاہٹ کے ساتھ ہلکی سی سرسراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی، جیسے ہوا کسی تنگ راستے سے گزر رہی ہو۔

شاہ ویز نے اسکرین پر چلتی براہِ راست ویڈیو فیڈ پر نظر ڈالی۔ اس نے خود اس سونے کی منتقلی کے لیے تھری لیئر سیکیورٹی ڈیزائن کی تھی۔۔۔ جی پی ایس، ویڈیو فیڈ اور وہ مخصوص 'پینک بٹن'۔ اسے ٹیکنالوجی سے چڑ ضرور تھی، مگر وہ بینک کے اس سونے کی اہمیت سے واقف تھا، اس لیے اس نے سیکیورٹی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس

نے غیر شعوری طور پر میز پر رکھا ایک چھوٹا سا ریموٹ نما آلہ انگلیوں میں گھمایا، جیسے ہر چیز کو اپنے قابو میں محسوس کرنا چاہتا ہو۔

"الرٹ رہنا سیف اللہ! سگنلز سے زیادہ اپنی آنکھوں پر یقین رکھنا۔" اس نے نرمی سے تاکید کی اور کال ختم کر کے کافی کا مگ اٹھایا اور دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایک عارضی اطمینان تھا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے ہر ممکن احتیاط کر لی ہے، اس کا لاشعور اسے کسی انجانے خطرے کی آگاہی دے رہا تھا۔ اس نے مگ ہونٹوں تک لے جا کر روک لیا، جیسے دل نے ایک لمحے کو ہاتھ تھام لیا ہو، پھر اس نے مسکرا کر اپنی ہی بے چینی کو جھٹک دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بکتر بند گاڑی جیسے ہی انڈر پاس کی ٹھنڈی اور نیم تاریک فضا میں داخل ہوئی، پہیوں کی آواز کنکریٹ کی دیواروں سے ٹکرا کر گونجنے لگی۔ اوپر سے گزرتی گاڑیوں کی مدھم گڑگڑاہٹ اس گونج میں گھل کر ایک عجیب دباؤ پیدا کر رہی تھی، جیسے فضا خود کسی آنے والے حادثے کی خبر دے رہی ہو۔

ڈرائیور نے ابھی رفتار بڑھانے کا سوچا ہی تھا کہ سامنے سڑک کے عین وسط میں چمکتی ہوئی نارنجی بتیاں اور 'راستہ بند ہے' کے بڑے بڑے تختے نظر آئے جنھوں نے اسے بریک لگانے پر مجبور کر دیا۔

انڈر پاس کے اس تنگ حصے میں دو افراد ٹریفک پولیس کی مخصوص جیکٹس پہنے، ہاتھوں میں چمکتی ہوئی لائٹ اسٹکس لہراتے ہوئے گاڑی کو بائیں جانب مڑنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ وہاں ایک بڑا بورڈ بھی نصب تھا جس پر تحریر تھا کہ 'تعمیراتی کام کی وجہ سے مین شاہراہ بند ہے، متبادل راستہ اختیار کریں'۔ ان کے پیچھے کھڑی ایک سرکاری طرز کی گاڑی کی نیلی بتی مدھم مدھم جل بجھ رہی تھی، جس نے منظر کو مزید مستند بنا دیا تھا۔

ڈرائیور نے وائرلیس کا بٹن دبایا۔ "سیف اللہ! آگے مرکزی راستہ بند ہے، پولیس والے راستہ بدلنے کا کہہ رہے ہیں۔"

سیف اللہ نے گاڑی کے چھوٹے سے گولی باری سے محفوظ شیشے سے باہر جھانکا۔ باہر کھڑے افراد کا انداز اتنا پیشہ ورانہ تھا کہ شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ایک لمحے کو

اس کی نظر ان میں سے ایک کے جوتوں پر پڑی جو عام پولیس اہلکاروں سے مختلف تھے، مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو یقین دلا دیا کہ شاید وہم ہو"۔ ٹھیک ہے، وقت کم ہے، جو بھی دوسرا راستہ ہے اس پر گاڑی ڈالو۔"

گاڑی جیسے ہی بائیں جانب مڑی، اس سنسان راستے پر گرد اڑنے لگی۔

ابھی گاڑی چند سو میٹر ہی آگے گئی تھی کہ پیچھے سے ایک بھاری ٹرک نے آ کر اس متبادل راستے کے دہانے کو بھی اس طرح بلاک کر دیا جیسے وہ اچانک خراب ہو گیا ہو۔ ٹرک کے انجن سے دھواں اٹھ رہا تھا اور ڈرائیور بظاہر بے بسی سے نیچے اتر کر ٹائر کو لات مار رہا تھا، مگر اس کی نظریں بار بار بکتر بند گاڑی پر جا ٹھہرتی تھیں۔

اب بکتر بند گاڑی نہ آگے جا سکتی تھی نہ پیچھے؛ وہ ایک ایسے علاقے میں داخل ہو چکی تھی جہاں کوئی تیسرا دیکھ نہیں سکتا تھا۔

اوپر انڈر پاس کی دیواروں پر لگی کیمرہ نما آنکھیں خاموش تھیں، جیسے اس لمحے نے خود کو ریکارڈ ہونے سے بھی روک لیا ہو۔

ادھر 'ایاز سیکیورٹی' کے کنٹرول روم میں، شاہ ویز کی آنکھیں اب بھی اسکرین پر جمی تھیں۔ اسکرین پر سب کچھ معمول کے مطابق دکھائی دے رہا تھا؛ رفتار، راستہ اور ویڈیو فیڈ۔۔۔ جیسے بکتر بند گاڑی اب بھی مرکزی شاہراہ پر ہی رواں ہو۔

شاہ ویز نے کافی کا مگ میز پر رکھا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر ایک مطمئن مسکراہٹ تھی، "منزل سے صرف پانچ کلو میٹر دور۔۔۔" اس نے خود کلامی کی۔ اسے خبر نہ تھی کہ اسی لمحے اس کے سامنے رکھی اسکرین پر چلتی دنیا اور حقیقت کے درمیان ایک مکمل جھوٹ کھڑا ہو چکا ہے۔

اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کے گارڈز اس وقت ایک سنسان گلی کے بند سرے پر کھڑے تھے جہاں موبائل سگنلز بالکل غائب ہو چکے تھے۔ گاڑی کے اندر وائرلیس سیٹ سے صرف خاموش شور سنائی دے رہا تھا، جیسے کوئی بہت دور سے مدد کے لیے پکار رہا ہو مگر آواز راستہ بھول گئی ہو۔

ٹیکنالوجی نے اسے ایک ایسے متوازی فریب میں قید کر دیا تھا جہاں اصل راستہ اور اس کا ڈیجیٹل عکس ایک دوسرے سے بالکل الگ ہو چکے تھے۔

گاڑی کے گرداب خاموش سائے منڈلانے لگے تھے۔اوران سایوں میں سے ایک نے آہستگی سے جیب سے دستانے نکال کر پہن لیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

ایڈمنسٹریشن بلاک کے کانفرنس روم میں بوجھل خاموشی طاری تھی۔

ارمغان میز کے ایک طرف اکیلا کھڑا تھا، جبکہ سامنے طلبہ امور کے نگران اور دو سینیئر پروفیسروں کے چہروں پر برہمی عیاں تھی۔میز پر وہ احتجاجی درخواست پڑی تھی جس پر ارمغان نے سمسٹر فیس میں حالیہ اضافے کے خلاف پچاس طلبہ کے دستخط کروائے تھے۔

"مسٹر ارمغان! یونیورسٹی نظم وضبط کے معاملے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرتی۔آپ کا یہ اقدام اشتعال انگیزی کے زمرے میں آتا ہے۔"ڈین کی آواز میں سختی تھی۔"ہم آپ کے خلاف تادیبی کارروائی کا سوچ رہے ہیں، جس کا نتیجہ آپ کے داخلے کی منسوخی بھی ہو سکتا ہے۔"

ارمغان نے اپنی پشت سیدھی کی، اس کی آنکھوں میں کوئی پشیمانی نہیں تھی۔ "سر! میں نے صرف ان طلبہ کی آواز اٹھائی ہے جو اس بوجھ تلے دب رہے ہیں۔ اگر حق بات کہنا اشتعال انگیزی ہے، تو۔۔۔"

اس سے پہلے کہ ارمغان اپنی بات مکمل کرتا، دروازے پر دستک ہوئی اور فراز میر اندر داخل ہوا۔ طلبہ امور کے نگران نے اسے دیکھ کر حیرت ظاہر نہیں کی، جیسے اس کی آمد متوقع ہو۔

"معذرت چاہتا ہوں سر! کیا میں کچھ عرض کر سکتا ہوں؟" فراز نے بڑے ادب سے ڈین کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

ڈین نے ایک گہرا سانس لیا، فراز کے خاندانی پس منظر اور اس کی علمی قابلیت کی وجہ سے وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ "جی فراز، کہیے۔"

فراز ارمغان کے برابر آ کھڑا ہوا اور بڑی مہارت سے بات کا رخ موڑ دیا۔ "سر! ارمغان کا انداز شاید تھوڑا جذباتی رہا ہو، لیکن اس کی نیت دراصل یونیورسٹی کے وقار کو بچانا ہے۔ وہ ڈر رہا تھا کہ اگر خاموشی سے یہ فیس بڑھا دی گئی تو طلبہ میں بے چینی پھیلے

گی اور سماجی ذرائع ابلاغ پر یونیورسٹی کی ساکھ متاثر ہو گی۔ اس نے یہ درخواست آپ کے پاس لا کر دراصل یہ ثابت کیا ہے کہ ہمیں انتظامیہ کے انصاف پر کتنا بھروسہ ہے۔"

ڈین اور پروفیسرز کے تیور کچھ نرم پڑے۔ فراز نے جاری رکھا۔ "گر اس اضافے کو یک مشت نافذ کرنے کے بجائے اقساط یا کسی وظیفہ فنڈ کے ذریعے متوازن کر دیا جائے تو اس کا کریڈٹ انتظامیہ کی بصیرت کو جائے گا، نہ کہ کسی احتجاج کو۔ ارمغان نے تو بس آپ تک وہ آرا پہنچائی ہیں جو ہم سب محسوس کر رہے تھے۔" وہ بولتے ہوئے ایک لمحے کو رکا، جیسے جان بوجھ کر الفاظ کا اثر گہرا ہونے دے رہا ہو۔

کمرے کا درجہ حرارت یکدم معمول پر آ گیا۔

ڈین نے ایک نظر دوسرے پروفیسروں پر ڈالی اور پھر ارمغان کی طرف دیکھ کر بولے۔ "فراز کی بات میں وزن ہے۔ ہم اس پالیسی پر نظرِ ثانی کریں گے۔ ارمغان! آپ جا سکتے ہیں، لیکن آئندہ محتاط رہیے گا۔"

باہر راہداری میں نکلتے ہی ارمغان نے ایک لمبا سانس لیا۔ اس نے دیکھا کہ فراز نہایت اطمینان سے اپنی فائل درست کر رہا تھا۔ ارمغان کو پہلی بار احساس ہوا کہ جس بات کو وہ 'حق اور سچ کی جنگ' سمجھ کر لڑ رہا تھا، فراز نے اپنی سماجی مہارت اور الفاظ کے جادو سے اسے ایک 'کاروباری معاملہ' بنا کر جیت لیا تھا۔ اور شاید یہی فرق تھا—ارمغان حق کے لیے لڑ رہا تھا، جبکہ فراز نتیجے کے لیے کھیل رہا تھا۔

تم نے یہ سب کیوں کیا؟" ارمغان نے رک کر پوچھا۔"

فراز نے کندھے اچکائے، "کیونکہ کبھی کبھی سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلتا ارمغان! اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارا کیریئر ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی نذر ہو جائے۔ آخر ہم "دوست ہیں، ہے نا؟

اس نے آخری جملہ کہتے ہوئے ہلکا سا توقف کیا، جیسے وہ اس لفظ "دوست" کا وزن خود بھی تول رہا ہو۔

ارمغان خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ فراز کی 'سماجی مہارت' نے اسے نہ صرف ایک بڑے نقصان سے بچا لیا تھا بلکہ اسے یہ سوچنے پر بھی مجبور کر دیا تھا کہ یہ لڑکا جتنا سادہ نظر آتا ہے، اس سے کہیں زیادہ گہرا ہے۔

☆☆☆

یونیورسٹی میں ارمغان اور فراز ایک بنچ پر بیٹھے ہلکے پھلکے موڈ میں باتیں کر رہے تھے۔

یار، ایک سمسٹر گزرنے کا تو پتہ ہی نہیں چلا۔" ارمغان نے فائل بنچ پر رکھتے ہوئے "
"کہا۔ "ایسا لگ رہا ہے جیسے کل ہی کی بات ہو۔

فراز مسکرایا۔ "وقت تبھی تیز گزرتا ہے جب ساتھ اچھی کمپنی ہو۔ ویسے بھی، اب تو تم اس یونیورسٹی کے ہیرو بن چکے ہو۔ وہ فیس والا معاملہ تم نے جس طرح ہینڈل کیا۔"
فراز کی آنکھوں میں ایک لمحے کو ایسی "سب تمہاری جرات کی مثالیں دیتے ہیں۔"
چمک ابھری جیسے وہ ارمغان کو صرف سراہ نہیں رہا، بلکہ اسے پرکھ بھی رہا ہو۔

کچھ دیر بعد انہیں احساس ہوا کہ یونیورسٹی کی گہما گہمی مدھم پڑ چکی ہے اور ہر طرف سناٹا اترنے لگا ہے۔ دور کہیں کسی دروازے کے بند ہونے کی دھیمی سی آواز گونجی جس نے ماحول کو اور بھی سنسان بنا دیا۔

ارمغان نے موبائل نکال کر وقت دیکھا تو چونک اٹھا۔ "اوہ! وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔ چلو، اس وقت تو ہاسٹل والے بھی جا چکے ہیں، لگتا ہے ہم ہی رہ گئے ہیں۔"

اٹھتے ہوئے ارمغان کو اچانک کچھ یاد آیا۔ "فراز، میری فائل آخری لیکچر والی کلاس میں ہی رہ گئی ہے، اس میں میری حل شدہ اسائنمنٹ ہے۔ پتہ نہیں مجھ سے یہ غفلت کیسے ہو گئی۔"

"چلو، پہلے وہاں سے فائل اٹھا لیتے ہیں۔" فراز نے کہا اور دونوں تیز قدموں سے کلاس روم کی طرف چل دیے۔

جب وہ کلاس کے قریب عقبی راہداری سے گزر رہے تھے تو ارمغان کے قدم یکدم رک گئے، کچھ فاصلے پر ایک لڑکی اور دو لڑکے دکھائی دے رہے تھے، راہداری کے آخری سرے پر وہ لڑکی دیوار سے لگی سہمے ہوئے انداز میں کھڑی تھی، جبکہ ایک لڑکے

نے اس کے سر کے پاس دیوار پر ہاتھ رکھ کر بازو تانا ہوا تھا، اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر اسے خوف زدہ کرنا چاہتا ہو۔ وہ دھیمی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا، جبکہ ساتھ کھڑے دوسرے لڑکے کی تضحیک آمیز مسکراہٹ ارمغان کو یہاں سے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ لڑکی کی نظریں ایک لمحے کو مدد کی امید میں اِدھر اُدھر بھٹکیں، مگر راہداری کی خاموشی نے اسے مزید بے بس کر دیا۔

ارمغان کے خون میں ابال آ گیا، اس نے مٹھیاں بھینچیں اور تیزی سے ان کی طرف قدم بڑھائے، فراز نے لپک کر اس کا بازو پکڑ لیا اور اسے روکنے کی کوشش کی۔

"ارمغان! کیا کر رہے ہو؟ رک جاؤ، یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔"

ارمغان نے ایک جھٹکے سے مڑ کر شاک بھری نظروں سے فراز کو دیکھا۔ "یہ میرا معاملہ نہیں ہے؟ تو کیا میں بے غیرت بن کر یہاں تماشہ دیکھوں؟"

فراز نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟" اس کا اشارہ غالباً اس لڑکی کی طرف تھا۔ اس کے لہجے میں عجیب سی بے حسی تھی، جیسے وہ صورتحال کو جذبات سے نہیں بلکہ کسی اور زاویے سے دیکھ رہا ہو۔

ارمغان کی آنکھوں میں غصہ اور بڑھ گیا: "میں اسے جانتا تک نہیں۔"

"تو پھر کیا لگتی ہے وہ تمہاری؟" فراز نے الجھن سے سوال کیا۔

ارمغان نے طیش کے عالم میں اپنا بازو فراز کی گرفت سے چھڑوایا۔ "یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا کہ وہ میری کیا لگتی ہے، پہلے ان دونوں سے پوچھ لوں کہ وہ کون ہیں۔"

یہ کہہ کر ارمغان جارحانہ انداز میں ان کی طرف بڑھ گیا، فراز نے وہیں کھڑے تیزی سے اپنا موبائل نکالا اور انگلیاں اسکرین پر دوڑاتے ہوئے ایک میسج ٹائپ کرنا شروع کر دیا۔

اسے اپنے قریب آتے دیکھ کر وہ لڑکا دو قدم پیچھے ہٹا۔ اب وہ سیدھا ارمغان کی جانب دیکھ رہا تھا۔

ساتھ کھڑے لڑکے کی مسکراہٹ بھی غائب ہو گئی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" ارمغان نے چبھتی ہوئی نگاہیں اس کے چہرے پر جمائیں۔ وہ ایک خوش شکل نوجوان تھا۔

"وہ جس سے تمہارا کوئی لینا دینا نہیں۔" اس کا لہجے کی تیزی بتا رہی تھی کہ وہ دبنے والوں میں سے نہیں۔

"مجھے دور سے ہی اندازہ ہو گیا تھا۔" ارمغان ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہاں کوئی دوستانہ گفتگو نہیں ہو رہی۔" ایک نظر لڑکی پر ڈالی جواب نیچے دیکھ رہی تھی۔ "ایک لڑکی کو یوں ویرانے میں گھیر کر جو ڈراوے تم دے رہے ہو۔۔۔ بہت مردانگی محسوس ہو رہی ہو گی، ہے نا؟"

ارمغان کے لہجے میں وہ کاٹ تھی کہ وہ لڑکا بھی دو قدم دھمکی آمیز انداز میں اس کی جانب بڑھا۔ "گرل فرینڈ رہ چکی ہے میری۔"

ارمغان نے سر ترچھا کر کے اسے دیکھا، انداز مذاق اڑانے والا تھا۔ "تو تم بس اس کے ماضی کا حصہ بن کر رہ گئے۔۔۔ قصہ پارینہ! اس بات کا غصہ ہے؟"

"امید ہے تم میری بات سمجھ گئی ہو گی۔" اب وہ ارمغان کو بازو سے ایک طرف کرتا ایک بار پھر اس لڑکی سے مخاطب تھا۔ جیسے اس کی موجودگی کوئی معنی نہ رکھتی ہو۔ "تم دیکھ تو چکی ہو، سارے پیغامات، وائس نوٹس اور کال ریکارڈنگ اب بھی میرے موبائل میں محفوظ ہیں۔" ایک آخری بار پھر اس نے پینٹ کی جیب سے موبائل نکال کر اس لڑکی کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

اگلا لمحہ ان سب کے لیے شاک بھرا تھا۔

ارمغان تیزی سے اس کے موبائل پر جھپٹا اور ہاتھ آتے ہی اسے پوری قوت سے دور راہداری کے بے درد فرش پر پھینک دیا۔ وہ دور تک لڑھکتا گیا۔ جہاں رکا، وہیں سے کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی۔

یہ سب پلک جھپکنے سے بھی کم وقت میں ہوا۔

اس لڑکے نے شاک بھری نظروں سے ارمغان کو دیکھا اور اگلے ہی لمحے بھرپور جارحانہ انداز میں اسے گریبان سے پکڑ لیا۔ "تمہاری یہ جرات؟" اس کا سرخ ہوتا چہرہ ارمغان کے بے حد قریب تھا۔

ارمغان نے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھتے اسے پرے دھکیلا۔

وہ لڑکھڑاتے قدموں پیچھے گیا۔

"اسے احساس ہوا کہ اس نے غلط انتخاب کیا تھا، اس نے اپنی سمت بدل لی۔" ارمغان تیز ہوتی سانسوں کے بیچ بولا۔ "تم نے قیامت برپا کر دی، اس کا اعمال نامہ لے کر کھڑے ہو گئے؟ تم خود کو اس کا منصف سمجھنے لگے ہو؟"

اس لڑکے نے ایک نفرت بھری نگاہ سامنے کھڑی لڑکی پر ڈالی، جواب بری طرح لرز رہی تھی۔

ارمغان اس سے نظریں چار کرنے کے قابل نہ رہا۔ یہ سب یوں نہیں ہونا چاہیے تھا۔

اب وہ لڑکا دور پڑے اپنے موبائل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کا دوست بھی اس کے پیچھے چل پڑا، جیسے اپنی مرضی نام کی کوئی چیز ہی نہ رکھتا ہو۔

"سوری۔" ارمغان نے سر جھکائے معذرت کی۔

اس لڑکی نے تشکر بھری نگاہ اس پر ڈالی اور سوچا۔ ہیرو وہی ہوتا ہے جس کا باطن بھی اس کے ظاہر جتنا صاف ہو۔

"آپ مجھے اس کا نام پتہ بتائیں، میں اس کا علاج کرواؤں گا۔"

اس نے نام، پتہ بتایا اور بے ساختہ مسکرائی۔ "علاج؟"

"باطنی بیماری کا علاج تو میرے بس میں نہیں، ہاں اس کی اکڑ دور کروائی جا سکتی ہے۔ اس کے گھر میں خبر کرنی پڑے گی۔"

اتنے میں فراز میر ایک سیکیورٹی گارڈ کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔

"ہمیں راستے میں ملے تھے وہ دونوں۔" فراز نے قریب آتے ہی وضاحت دی۔ "دونوں کے نام وغیرہ نوٹ کر لیے گئے ہیں، آپ کی گواہی۔" اس نے لڑکی کو مخاطب کیا۔ "اور کل انتظامیہ ان دونوں کی موجودگی میں فیصلہ کرے گی۔"

"میں اس کی دشمنی نہیں مول لے سکتی۔" لڑکی کی آنکھوں میں خوف تھا۔

"آپ کو کچھ نہیں کرنا پڑے گا، سامنے آنے کی بھی ضرورت نہیں۔" ارمغان نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے فراز کو روکا جو کچھ کہنے ہی والا تھا۔ "کل تک انتظار نہیں کیا جا سکتا، میں آج ہی کچھ کروں گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

چند لمحوں بعد گاڑی کی وینٹیلیشن لائن سے ایک باریک سی غیر محسوس سیٹی ابھری، جیسے ہوا کے ساتھ کوئی اجنبی بہاؤ بھی اندر داخل ہو رہا ہو۔

ڈرائیور نے چونک کر اوپر دیکھا۔ "یہ کیسا پریشر ہے؟"

مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور سمجھ پاتا، فضا بھاری ہونے لگی۔

وینٹیلیشن سسٹم کے ذریعے ایک ہلکی، غیر محسوس گیس اندر آنے لگی۔ گاڑی میں ہوا کی آمد و رفت کا نظام مشترک تھا، اسی لیے یہ لمحوں میں اگلے اور پچھلے دونوں حصوں میں پھیل گئی۔

سیف اللہ نے رائفل سنبھالنے کی کوشش کی، مگر اس کے ہاتھ میں لرزش آ گئی۔ اس کی نظر چند لمحوں میں دھندلانے لگی اور جسم بے اختیار ہو کر کرسی کی پشت سے ڈھلک گیا۔ ڈرائیور کا سر پہلے ہی اسٹیرنگ وہیل پر جھک چکا تھا، جبکہ پچھلی نشستوں پر بیٹھے گارڈز بغیر کسی مزاحمت کے بے ہوشی میں چلے گئے۔ چند ہی سیکنڈ میں پوری گاڑی خاموش ہو گئی، صرف انجن کی مدھم گڑگڑاہٹ باقی رہ گئی۔

باہر سے نقاب پوش سائے ابھرے۔ فوری طور پر گاڑی کے دروازے کھولے گئے۔ چند افراد نے پہلے ڈرائیور کو سنبھال کر نکالا اور پچھلی نشست پر منتقل کیا تاکہ فرنٹ کنٹرول مکمل طور پر خالی ہو جائے، جبکہ انہی میں سے ایک شخص فوراً ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

انجن پہلے سے چل رہا تھا۔ چند لمحوں میں اس نے کنٹرول سنبھالا اور گاڑی کو مکمل اعتماد کے ساتھ آگے بڑھا دیا۔

بکتر بند گاڑی اب ڈاکوؤں کے کنٹرول میں تھی۔

کچھ فاصلے پر ایک بڑی سیاہ وین پہلے سے موجود تھی، جبکہ اس کے ساتھ ہی دو دیگر سیاہ گاڑیاں بھی خاموشی سے کھڑی تھیں۔ غالباً یہ انہی سے اتر کر آئے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص کے علاوہ باقی سبھی نے ان گاڑیوں کا رخ کیا۔

قافلہ ایک ویران اور غیر آباد مقام کی طرف بڑھا، جہاں نہ کیمرے تھے، نہ کسی کی موجودگی کا اندیشہ۔

گاڑی رکنے کے فوراً بعد کارروائی شروع ہوئی۔ سیاہ وین کے دروازے کھولے گئے اور دستانے پہنے افراد نے سونے کے باکس ایک ایک کر کے انتہائی مہارت سے منتقل کرنا شروع کیے۔

ہر حرکت نپی تلی، خاموش اور منظم تھی۔

کچھ ہی دیر بعد سونا مکمل طور پر منتقل ہو چکا تھا۔ سیاہ گاڑیاں خاموشی سے واپس مڑ گئیں۔

بکتر بند گاڑی وہیں سنسان مقام پر کھڑی رہ گئی۔

اندر بے ہوش افراد، اور فضا میں ایک مکمل واردات کی گواہی۔

☆☆☆☆☆☆☆

شہر کے مضافات میں، جہاں آبادی کے آثار ختم ہو جاتے اور حدِ نظر تک صرف جھاڑیاں ہی دکھائی دیتیں، پولیس کی تین گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی بکتر بند گاڑی کے گرد آ کر رک گئی تھیں۔

نیلی اور سرخ بتیاں ویرانے میں ایسے گھوم رہی تھیں جیسے اندھیرے کو ٹکڑوں میں کاٹ رہی ہوں۔

زمین پر ایاز سیکیورٹی کے گارڈز نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑے تھے، جیسے کسی گہری بے ہوشی میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ ایک سپاہی نے جھک کر ایک گارڈ کی نبض چیک کی اور دوسرے سے دبی آواز میں بولا۔ "سانس تو چل رہی ہے، مگر یہ خود ہوش میں آنے والے نہیں لگتے۔"

انسپکٹر نے گاڑی کے کھلے ہوئے عقبی دروازے کو دیکھا اور پھر فون نکال کر شاہ ویز ایاز کا نمبر ملایا۔

ادھر کنٹرول روم میں شاہ ویز ابھی تک اسکرین پر نظر آنے والے اس حرکت کرتے سبز نقطے کو دیکھ رہا تھا کہ اس کا ذاتی فون بج اٹھا۔ اس نے ایک لمحے کو اسکرین اور فون کے درمیان دیکھا، جیسے وہ یہ طے نہ کر پا رہا ہو کہ کس خبر کو حقیقت مانے۔ اسکرین پر پولیس افسر کا نام دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"جی انسپکٹر؟" شاہ ویز نے فون کان سے لگایا۔

"شاہ ویز صاحب! آپ کا عملہ دھر لیا گیا ہے۔" انسپکٹر کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔ "بینک کا سونا غائب ہے اور آپ کے یہ سورما یہاں بڑی سہولت سے خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ ہمیں ایک قریب سے گزرتے شہری نے گمنام کال پر مطلع کیا تو ہم یہاں آن پہنچے۔"

شاہ ویز کو لگا جیسے کسی نے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔

اس کی نظریں بے اختیار دوبارہ اسکرین پر گئیں جہاں سبز نقطہ اب بھی سکون سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، اس کا پہلا خیال سونے سے زیادہ اپنے آدمیوں کی سلامتی کا تھا۔

"انسپکٹر۔۔۔میرے بندوں میں سے کوئی زخمی تو نہیں؟"اس کی آواز میں حقیقی فکر تھی۔

دوسری طرف سے انسپکٹر کے قہقہے نے شاہ ویز کے وجود میں آگ لگادی۔"گولی؟شاہ ویز صاحب، کس کے ساتھ کھیل رہے ہیں؟کارروائی کرنے یا کروانے والوں کو بھلا کون زخمی کرے گا؟یہاں تو کسی کو خراش تک نہیں آئی۔یہ سب اتنے اطمینان سے سو رہے ہیں جیسے کروڑوں کا سونا نہیں،ردی لاد کر لائے ہوں۔"

پس منظر میں کسی نے آواز دی۔"سر!گاڑی کے اندر واقعی کچھ نہیں،سب صاف ہے۔"

شاہ ویز کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

انسپکٹر کا اشارہ صاف تھا کہ یہ سب ایک سوچی سمجھی ملی بھگت ہے۔

"ابھی ہم ان سب کو تھانے منتقل کر رہے ہیں۔"انسپکٹر نے اپنی بات جاری رکھی۔"باقی اب دیکھیں تفتیش آگے کس موڑ پر قدم رکھتی ہے،شاید اگلی بار ہم آپ کے گرفتاری کے وارنٹ لے کر ہی حاضر ہو جائیں۔"

رابطہ منقطع ہو چکا تھا، مگر شاہ ویز اب بھی فون کان سے لگائے ساکت تھا۔اس نے آہستگی سے فون نیچے کیا مگر اس کی گرفت ابھی تک مضبوط تھی، جیسے وہ اس ایک آلے کو چھوڑے گا تو سب کچھ بکھر جائے گا۔

کنٹرول روم کی وہ تمام اسکرینیں، جن پر وہ تھوڑی دیر پہلے ناز کر رہا تھا، اب اسے اپنی ناکامی کا تمسخر اڑاتی محسوس ہوئیں۔ہر اسکرین کی روشنی اب اسے سیدھی آنکھوں میں چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

ارمغان اس وقت 'میر ہاؤس' کے عالیشان گیٹ سے کچھ فاصلے پر اپنی گاڑی میں بیٹھا فراز کی آمد کا منتظر تھا۔

اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

ابھی وہ دوبارہ فون نکالنے ہی والا تھا کہ گیٹ کھلا اور فراز باہر آتا دکھائی دیا۔

فراز نے اگلی پیسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھتے ہی ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "معذرت یار، میں عموماً گارڈز کے بغیر کہیں نہیں جایا کرتا، بس انہیں بتانے میں وقت لگ گیا۔"

ارمغان نے اسے تعجب سے دیکھا: "وہ کیوں بھلا؟ ابھی تو تم باقاعدہ اپنے ڈیڈ کے بزنس کا حصہ بھی نہیں بنے، پھر اتنی سیکیورٹی؟"

فراز کے لبوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ آئی۔ "تم نہیں سمجھو گے ارمغان! مجھ جیسے ذہین لوگوں کے کئی دشمن ہوا کرتے ہیں۔"

ارمغان نے جواب دینے کے بجائے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور مین روڈ کی طرف بڑھ گیا۔

کچھ دور جانے کے بعد فراز نے خاموشی توڑی۔ "تم نے بتایا نہیں تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

حیرت ہے! تمہیں نہیں معلوم؟" ارمغان نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "یونیورسٹی" "سے واپسی پر بتایا تو تھا کہ آج دانش کے ہاں چلیں گے۔

فراز کی نظروں کے سامنے ایک پلک میں یونیورسٹی والا واقعہ گھوم گیا، پھر وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "اوہ! تو اب سمجھا۔ دیکھو ارمغان، میں ایسے کسی بھی اقدام کو بیوقوفی ہی کہوں گا۔"

ارمغان نے کچھ کہنا چاہا مگر فراز نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک کر اپنی منطق پیش کرنا شروع کی۔ "تم اس کے گھر جاؤ گے، وہ جھوٹ بول دے گا، بات بڑھے گی اور بدنامی اس لڑکی کی ہو گی۔ جذباتی ہو کر 'گرم جوش' دکھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن اگر ایڈمنسٹریشن کے ذریعے اسے خاموشی سے یونیورسٹی سے نکلوایا جائے تو یہ بہتر ہو گا۔ وہ زندگی بھر کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔"

ارمغان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "یونیورسٹی والے معاملے میں تو اس لڑکی کو سب کے سامنے آنا پڑے گا فراز، اس کی انکوائری ہو گی تو وہ بدنام ہو گی۔ میں اس کے گھر والوں کو بتا کر اسے وہیں سے لگام ڈلوانا چاہتا ہوں۔"

فراز نے نہایت اطمینان سے کہا۔ "تم یہ سب مجھ پر چھوڑ دو، میں جانتا ہوں سانپ کو کیسے مارنا ہے کہ لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

☆☆☆

آخری لیکچر کے بعد جب ارمغان اور فراز راہداری سے گزر رہے تھے تو فراز نے اشتیاق سے پوچھا۔ "دانش نظر نہیں آیا آج؟"

ارمغان نے پر سکون انداز میں جواب دیا۔ "میں کل شام اس کے گھر گیا تھا۔"

فراز یکدم رکا اور حیرت سے اسے دیکھا۔ "یہ کیا بیوقوفی کی تم نے؟ میں نے تمہیں منع کیا تھا، ارمغان۔"

"کوئی بیوقوفی نہیں تھی، فراز۔ اس کے والد ایک وضع دار انسان ہیں۔ انہوں نے میرے سامنے اسے بلا کر سخت سرزنش کی اور چند پابندیاں بھی لگائیں۔ اب وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا۔"

فراز کے چہرے پر ناگواری کی لہر دوڑ گئی۔ "تم نے بلاوجہ اپنا ایک دشمن بنالیا، وہ بھی بنا کسی فائدے کے۔"

"فائدہ؟"

"تمہیں حاصل بھی کچھ نہیں ہوا اور اب وہ کبھی بھی، کچھ بھی کر سکتا ہے۔" فراز نے دوٹوک انداز میں کہا۔

ارمغان سنجیدگی سے بولا۔ "فراز، ہر کام فائدے کے لیے نہیں کیا جاتا، کچھ کام ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے بھی کیے جاتے ہیں۔"

فراز نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔ "وہ لڑکی آئی ہے آج؟"

"ہاں، اس سے بات ہوئی تھی، کافی فکرمند تھی مگر شکر یہ بھی ادا کر رہی تھی۔ حالانکہ میں نے اس دن معاملہ اتنی سمجھداری سے ہینڈل نہیں کیا جتنا کرنا چاہیے تھا، لیکن۔۔ اس وقت کچھ اور سمجھ ہی نہیں آیا۔" ارمغان نے اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا۔

فراز کچھ دیر سوچ میں گم رہا، پھر اچانک بولا۔ "اس لڑکے کی اب اس یونیورسٹی میں موجودگی ٹھیک نہیں ہے۔ نہ صرف تمہارے لیے، بلکہ میرے لیے بھی۔"

"تمہارے لیے کیوں بھلا؟"

فراز نے اسے بہت غور سے دیکھا، مگر ارمغان اپنی بات پر قائم رہا۔ "موبائل اس کا ٹوٹ چکا ہے اور اب اس کے پاس کوئی ڈیٹا بھی نہیں رہا۔ ساتھ ہی باپ نے بھی سختی کی ہے۔ مجھے نہیں لگتا وہ آئندہ اس لڑکی کو کچھ بھی کہنے کی جرات کر پائے گا۔"

فراز نے تلخی سے مسکرا کر سر جھٹکا۔ "تم مسلسل اس لڑکی کا سوچے جا رہے ہو، اپنا نہیں سوچا؟ جانتے ہو وہ کس کا بیٹا ہے اور تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہے؟"

ارمغان نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔ "مجھے اب اس سے مزید کوئی لینا دینا نہیں۔ اگر اس نے پھر سے کوئی پنگا لیا، تو دیکھ لوں گا۔"

فراز نے اسے اپنی تیکھی نظروں کے حصار میں لیا اور سرد لہجے میں بولا۔

تم بات کی گہرائی کو نہیں سمجھ رہے، ہے نا؟ وہ ایک ادھوری کڑی ہے۔۔۔اور"

"ادھوری کڑیاں کبھی بھی خطرہ بن سکتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

بینک کے چیف آپریٹنگ آفیسر، معظم علی، اپنی کرسی پر بیٹھے میز پر پھیلی ہوئی ابتدائی پولیس رپورٹ کو دیکھ رہے تھے۔

سامنے شاہ ویز موجود تھا۔

اس کی انگلیاں کرسی کے بازو پر بے اختیار ایک ہی ردھم میں تھپک رہی تھیں، جیسے وہ خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

کمرے میں موجود بھاری خاموشی کو معظم علی کی سپاٹ آواز نے توڑا۔

"شاہ ویز صاحب، ایاز سیکیورٹی کے ساتھ ہمارا دس سالہ معاہدہ اس ایک واقعے کی وجہ سے داؤ پر لگ گیا ہے۔ کروڑوں کا سونا غائب ہے، آپ کے گارڈز پولیس کی حراست

میں ہیں اور ابتدائی رپورٹ کے مطابق گاڑی کا سیکیورٹی سسٹم کسی بھی قسم کی بیرونی مداخلت کی اطلاع دینے میں ناکام رہا۔"

وہ فائل بند کرنے سے پہلے ایک لمحے کو رکے، جیسے الفاظ کا وزن خود بھی محسوس کر رہے ہوں، پھر فائل کو میز پر دبا کر بند کیا۔

"معظم صاحب، میں اعتراف کرتا ہوں کہ کہیں نہ کہیں خلارہ گیا ہے، لیکن میرے گارڈز پر 'اندرونی ملی بھگت' کا الزام لگانا قبل از وقت ہے۔ وہ بے ہوش پائے گئے ہیں، جس کا مطلب ہے کہ ان پر کسی کیمیکل کا استعمال کیا گیا ہے۔" شاہ ویز نے اپنا موقف متانت سے پیش کیا۔

اس کی آواز قابو میں تھی مگر آخری جملے میں ہلکی سی سختی در آئی، جیسے وہ ایک حد کھینچ رہا ہو۔

"قانون کی زبان میں 'بے ہوشی' کو 'سہولت کاری' بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔" معظم علی نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "انشورنس کمپنی نے واضح کر دیا ہے کہ جب تک کوئی آزادانہ تحقیقاتی ٹیم اس ڈکیتی کو 'کلین چٹ' نہیں دیتی، وہ کلیم کی رقم جاری نہیں کریں

گے۔ ہمیں اس معاملے کی تہہ تک پہنچنا ہے کہ آیا یہ واقعی کوئی جدید طریقے سے کی گئی ڈکیتی تھی یا آپ کے ادارے کی نااہلی۔"

شاہ ویز جانتا تھا کہ کارپوریٹ دنیا میں صرف نتائج کی اہمیت ہوتی ہے۔اس نے ایک لمحے کو نظریں جھکا کر میز کی لکیر پر دیکھنا شروع کیا، جیسے اپنے خیالات کو ترتیب دے رہا ہو، پھر سر اٹھایا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"بینک کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کیس کا تفصیلی تفتیشی جائزہ کروایا جائے۔ ہم نے اس مقصد کے لیے فارنزک ادارے کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ان کی ٹیم کل سے آپ کے کنٹرول روم اور ڈیٹا لاگز کا معائنہ شروع کرے گی۔"

شاہ ویز کے ماتھے پر ایک لمحے کے لیے بل پڑے، مگر اس نے خود پر قابو پایا۔

"اگر سچ تک پہنچنے کا یہی واحد راستہ ہے تو میری ٹیم ان کے ساتھ مکمل تعاون کرے گی۔"

"تعاون ہی آپ کے پاس واحد راستہ ہے، شاہ ویز صاحب۔" معظم علی اٹھتے ہوئے بولے۔ کرسی پیچھے سرکنے کی آواز اس کمرے میں غیر معمولی طور پر نمایاں محسوس ہوئی۔ "کیونکہ اگر اس آڈٹ میں آپ کی کمپنی کی غفلت ثابت ہو گئی، تو بینک نہ صرف معاہدہ ختم کرے گا بلکہ ہرجانے کا دعویٰ بھی دائر کرے گا

شاہ ویز خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آیا۔

دروازہ بند ہونے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ جیسے گفتگو کا سارا وزن اس کے کندھوں پر آ گیا تھا۔

اب یہ جنگ صرف سونا تلاش کرنے کی نہیں تھی، بلکہ اپنی ساکھ اور 'ایاز سیکیورٹی' کے وجود کو بچانے کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

شہ پارہ جب شاہ ویز کے دفتر میں داخل ہوئی تو شاہ ویز اپنی میز پر پھیلے نقشوں اور رپورٹس کے درمیان بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ اس کے داخل ہونے پر اس نے نظریں اٹھائیں اور ایک تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ استقبال کیا۔

"کہاں سے شروع کرنا چاہو گی؟" شاہ ویز نے مختصراً پوچھا، اس کی نظر ایک لمحہ شہ پارہ پر ٹھہری اور پھر سنبھل گئی۔

شہ پارہ نے اپنے ہینڈ بیگ سے ٹیب نکالا اور پیشہ ورانہ لہجے میں بولی۔ "پہلے تم مجھے کنٹرول روم لے چلو، میں اس دن کے لاگز اور فوٹیج اسی ماحول میں دیکھنا چاہتی ہوں جہاں یہ سب مانیٹر ہو رہا تھا۔"

شاہ ویز اسے کنٹرول روم تک لے آیا۔

شہ پارہ نے وہاں داخل ہوتے ہی دیوار پر لگی بڑی اسکرینز، آپریٹرز کے بیٹھنے کی جگہ اور سرور روم کے دروازے کو غور سے دیکھا۔ اس نے نوٹ کیا کہ یہاں ہر چیز کیمروں کی نگرانی میں تھی، یعنی کسی اندرونی بندے کے لیے سسٹم سے چھیڑ چھاڑ کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی، جیسے ترتیب جوڑ رہی ہو، پھر آہستہ سے آگے بڑھی۔

"تم نے کب محسوس کیا کہ کچھ غیر معمولی ہو رہا ہے؟" شہ پارہ نے پوچھا۔

شاہ ویز نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ "یہی تو سب سے بڑی الجھن ہے۔ نقشے پر وہ سبز نقطہ بالکل ٹھیک رفتار سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب پولیس نے مجھے فون کیا کہ گاڑی خالی ملی ہے، تب بھی میرے سسٹم کے مطابق وہ بینک سے دو گلیوں کی دوری پر تھی۔"

شہ پارہ نے شاہ ویز کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔ "اور کیمرہ فیڈ؟ کیا اس وقت گاڑی کے اندرونی کیمرے کام کر رہے تھے؟"

شاہ ویز نے نفی میں سر ہلایا۔ "انڈر پاس ایک مردہ علاقہ ہے، وہاں اکثر براہِ راست ویڈیو فیڈ کٹ جاتی ہے۔ جیسے ہی سگنل بحال ہوا، سسٹم نے خود کار طور پر ریکارڈ شدہ فوٹیج چلانا شروع کر دی۔ ہمیں لگا کہ گارڈز خاموشی سے بیٹھے ہیں، جبکہ وہ اس وقت بے ہوش ہو چکے تھے۔"

شہ پارہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تمہیں وہی منظر دکھایا گیا جو وہ دکھانا چاہتے تھے۔"

شاہ ویز نے تعجب سے شہ پارہ کو دیکھا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ انہوں نے میرے سسٹم میں گھس کر لائیو فیڈ کو ریکارڈنگ سے بدل دیا؟"

شہ پارہ نے اپنا ٹیب بیگ میں رکھا اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "اصل مسئلہ تمہارے گارڈز کے ساتھ نہیں، بلکہ تمہارے سسٹم میں ہے۔ اسے ہیک نہیں کیا گیا، اسے کنٹرول کیا گیا تھا۔ میں کسی پر اعتبار نہیں کرتی شاہ ویز، میں صرف دکھائی دینے والے حقائق اور ثبوتوں پر یقین کرتی ہوں، اور ابھی تک کے حقائق دو باتیں کھل کر سامنے لا رہے ہیں۔ پہلی یہ کہ نقشے پر چلتا ہوا سبز نقطہ مسلسل حرکت میں رہ کر آپ کو دھوکا دیتا رہا، اور دوسری یہ کہ اندرونی کیمرے کی فیڈ رک کر وہی پچھلی ریکارڈنگ دکھاتی رہی، یعنی ایک طرف راستہ جھوٹا تھا اور دوسری طرف وقت۔۔۔ تمہارے سسٹم کو ایک ساتھ دو سمتوں سے اندھا کیا گیا تھا۔"

شاہ ویز کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔ "شکر ہے! کسی نے تو میرے گارڈز پر اعتبار کیا۔"

اور ابھی تک کے حقائق بتا رہے ہیں کہ تمہارے گارڈز بھی اتنے ہی بے خبر تھے جتنے "
"تم خود۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

رمغان نے نوٹ کیا کہ اُس دن کے بعد دانش اسے یونیورسٹی میں کہیں دکھائی نہیں
دیا۔

ایک دن جب وہ گراؤنڈ کی گھاس پر بیٹھا اپنے نوٹس پر ایک گہری نظر دوڑا رہا تھا، وہی لڑکی اس کے پاس آئی اور اجازت لیتے ہوئے کچھ فاصلے پر گھاس پر بیٹھ گئی۔ "میں نے کچھ عجیب چہ مگوئیاں سنی ہیں۔"

ارمغان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"دانش نے یونیورسٹی چھوڑ دی ہے۔"

یہ خبر واقعی ارمغان کے لیے کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔

"لیکن کیوں؟"

وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ "میں تو سمجھی تھی آپ کا ہی کوئی فیصلہ ہو گا۔"

یہ سن کر وہ بری طرح چونک گیا، سر تیزی سے نفی میں ہلاتے ہوئے بولا۔ "میرا اس میں کوئی ہاتھ نہیں، میں ایسا کیوں چاہوں گا بھلا؟"

"آپ اس کے گھر تو گئے تھے نا؟"

"ہاں بالکل، میں نے آپ کو پوری تفصیل بھی بتائی تھی۔"

"ہو سکتا ہے اس کے والد کو یہی مناسب لگا ہو۔" سارہ نے اندازہ لگایا۔

"ایسا ہوتا تو وہ اس شام کچھ کہتے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "وہ تو اُسے صرف اپنی تعلیم پر توجہ رکھنے کا کہہ رہے تھے۔"

"شاید اسی لیے انہوں نے یہ قدم اٹھایا؟" وہ یوں بولی جیسے ارمغان کی تائید اس مفروضے کو تقویت دے گی۔

اتنے میں فراز بھی وہیں چلا آیا، ارمغان نے اسے مختصراً ساری بات بتائی۔

فراز بڑی بے نیازی سے بولا۔ "کچھ معاملات کو ادھورا چھوڑ دیا جائے تو وہ پلٹ کر مسئلہ بن جاتے ہیں... بہتر یہی ہوتا ہے کہ انہیں مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔"

ارمغان چند لمحے کچھ بول ہی نہ سکا۔ پہلی بار اسے احساس ہو کہ فراز صرف مختلف نہیں۔۔۔ خطرناک حد تک مختلف ہے۔

سارہ اور ارمغان نے شاک بھری نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

سارہ نے دھیرے سے کہا۔ "مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ مجھے سکون محسوس ہونا چاہیے۔۔۔ یا ڈرنا چاہیے۔"

"یہ سب تم نے کروایا؟" ارمغان نے اپنے دوست کو دیکھا، جسے وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"میں نے ایسا کب کہا؟" اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی جبکہ نگاہیں سامنے کسی غیر مرئی نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔ "ہاں، اتنا ضرور جانتا ہوں کہ کچھ لوگوں کی غیر موجودگی بھی اتنی ہی فرحت بخش ثابت ہوتی ہے جیسی کچھ لوگوں کی موجودگی۔"

☆☆☆

کلاس ختم ہو چکی تھی اور لیکچر ہال سے طلبہ کا شور مچاتا ریلا تیزی سے باہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔

ارمغان نے نہایت آہستگی سے اپنی کتاب بند کی اور برابر میں بیٹھے فراز کی طرف رخ کیا۔ "کل رانیہ آ رہی ہے۔" ارمغان نے اطلاع دی۔

فراز، جو اپنا بیگ کندھے پر ڈال رہا تھا، ایک لمحے کو رکا۔ "رانیہ؟ کون رانیہ؟"

ارمغان نے اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے تفصیل بتانا شروع کی۔ "میرے بابا کے بہت پرانے دوست ہیں، شکیل صاحب۔ وہ اب مستقل طور پر امریکہ سے پاکستان شفٹ ہو رہے ہیں۔ رانیہ ان کی اکلوتی بیٹی ہے۔ شکیل صاحب کا سارا بزنس اور جائیداد اب پاکستان میں منتقل ہو چکی ہے اور ان کی خواہش ہے کہ رانیہ اپنی باقی کی تعلیم بھی یہیں سے حاصل کرے تاکہ وہ اس ماحول سے ہم آہنگ ہو سکے۔"

فراز نے دلچسپی سے بھنویں اچکائیں تو ارمغان نے جاری رکھا۔ "شکیل صاحب کا ارادہ پاکستان میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کرنے کا بھی ہے۔ وہ کچھ نیا اور بڑا بزنس

شروع کرنا چاہتے ہیں۔ بابا نے مجھے خاص طور پر رانیہ کا خیال رکھنے کو کہا ہے تاکہ اسے یہاں گھلنے ملنے اور نئے ماحول سے مانوس ہونے میں آسانی رہے۔ ابھی جو ایم ایس کے داخلے ہوئے ہیں، اس کا ایڈمیشن بھی اسی میں ہوا ہے۔"

فراز نے اپنے ذہن میں تیزی سے حساب لگایا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "پھر تو وہ ہم سے ایک سمسٹر جونیئر ہو گی۔" اس نے ارمغان کی آنکھوں میں جھانکا۔ "تو پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"میرا ارادہ بس اتنا ہی ہے کہ اگر اسے کبھی کسی مدد یا رہنمائی کی ضرورت ہو تو میں اس کے کام آسکوں۔" ارمغان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "باقی میرا اسے یہی مشورہ ہو گا کہ وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں سے دوستی کرے اور خود کو اس ماحول میں ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرے۔ باقی اپنے حصے کا سفر تو اسے خود ہی طے کرنا ہو گا، میں ہر وقت اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔"

فراز نے ارمغان کے چہرے کے تاثرات کا گہرائی سے جائزہ لیا اور ایک تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "یعنی تم اس کی بیساکھی نہیں بننا چاہتے؟"

☆☆☆☆☆☆☆

ادارے کی گاڑی جب اس سنسان انڈر پاس کے دہانے پر پہنچی تو جاوید صاحب نے ڈرائیور کو رکنے کا اشارہ کیا۔ "تم یہیں انتظار کرو، ہمیں کچھ وقت لگے گا۔" انہوں نے دھیمے لہجے میں ہدایت دی اور شہ پارہ کے ساتھ باہر نکل آئے۔ انڈر پاس کے اندر کی فضا میں ایک خاص قسم کا حبس اور گونجتی ہوئی خاموشی تھی۔ شہ پارہ نے اپنے جوتوں کی آہٹ کو محسوس کرتے ہوئے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ جاوید صاحب خاموشی سے سڑک کے کناروں پر بچھے ٹریفک کے نشانات اور وہاں پڑے ریت کے ذرات کو دیکھ رہے تھے۔ اوپر سے گزرتی گاڑیوں کی مدھم گونج اس جگہ کو اور زیادہ ویران بنا رہی تھی، جیسے یہ مقام چند لمحوں کے لیے دنیا سے کٹ گیا ہو۔

"شہ پارہ، یہاں دیکھو۔" جاوید صاحب نے ایک مخصوص جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں سڑک پر رگڑ کے ہلکے نشانات واضح تھے۔ "یہاں کوئی بھاری رکاوٹ رکھی گئی تھی جو واردات کے فوراً بعد ہٹائی گئی۔" شہ پارہ نے جھک کر معائنہ کیا اور پھر اوپر کی

طرف دیکھا جہاں کیمرے کے نیچے لگی جوڑنے والی تاروں کے حفاظتی خول کھلے ہوئے تھے، جیسے کسی نے عجلت میں انہیں چھیڑا ہو۔

اس نے اپنے ٹیب میں کچھ نوٹ کیا۔ "یہ سب کچھ اتنے اعتماد سے کیا گیا ہے جیسے وہ پہلے ہی ہر ردِ عمل کا اندازہ لگا چکے تھے۔"، اسے وہاں سے ایک چھوٹی سی نارنجی رنگ کی پلاسٹک کی کرچی ملی، جو شاید اس جعلی پولیس بیریئر کا حصہ تھی جو ڈاکو اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس نے کرچی کو انگلیوں میں گھما کر دیکھا، جیسے اس معمولی شے میں بھی کسی بڑے راز کی جھلک تلاش کر رہی ہو۔

تھانے کے صدر دروازے پر پہنچے تو وہاں موجود سنتری نے انہیں روکا۔ جاوید صاحب نے اطمینان سے اپنا والٹ نکالا، مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنا شناختی کارڈ دکھاتے، اندر سے آتے ہوئے ڈی ایس پی صاحب رک گئے اور مسکرا کر بولے۔ "جاوید صاحب! آپ کا تو یہاں آنا جانا لگا ہی رہتا ہے، کارڈ دکھا کر ہمیں شرمندہ نہ کریں۔"

جاوید صاحب نے بھی جواباً مسکراہٹ کا تبادلہ کیا اور شہ پارہ کا تعارف کروایا۔ "یہ ہماری جونیئر فرانزک انویسٹی گیٹر، شہ پارہ ہیں۔ بینک نے ہمیں ایاز سیکیورٹی کے

ریکارڈز اور عملے کی تفتیش کے لیے نامزد کیا ہے۔ ہمیں ان گارڈز سے بات کرنی ہے۔"

ڈی ایس پی نے اپنا نظریہ بیان کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ "دیکھیے صاحب! میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ سو فیصد اندرونی ملی بھگت ہے۔ گارڈز اتنے اطمینان سے بے ہوش پائے گئے ہیں کہ جیسے کسی نے انہیں لوری سنائی ہو۔ ہمیں تو لگتا ہے کہ سونا کہیں قریب ہی چھپایا گیا ہے اور یہ سب اداکاری کر رہے ہیں۔"

شہ پارہ نے ایک لمحے کے لیے اس کی بات سنی، مگر اس کے چہرے پر تائید تھی نہ اختلاف۔ جاوید صاحب نے شہ پارہ کی طرف ایک معنی خیز نظر ڈالی اور پھر ڈی ایس پی سے پوچھا۔ "کیا ان کا کوئی طبّی معائنہ کروایا گیا؟"

ڈی ایس پی نے سر ہلایا۔ "ہاں، ہسپتال سے ابتدائی رپورٹ آئی ہے۔ ان کے خون میں کسی بے ہوش کرنے والی گیس کے اثرات ملے ہیں، مگر صاحب! آج کل یہ کیمیکل حاصل کرنا کون سا مشکل کام ہے؟ یہ خود بھی تو سونگھ سکتے ہیں تاکہ ہم جیسے پولیس والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک سکیں۔" اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بات ختم

کی، جیسے معاملہ اس کے نزدیک پہلے ہی حل ہو چکا ہو۔ جاوید صاحب نے اس کی بات پر بحث نہیں کی، بس اتنا کہا کہ بینک نے پہلے ہی پولیس کو ان کی آمد اور تفتیش کے قانونی حق کے بارے میں مطلع کر رکھا ہے۔ ڈی ایس پی نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک سپاہی کو تفتیشی کمرے کی طرف رہنمائی کا حکم دیا۔

تفتیشی کمرے میں ایاز سیکیورٹی کی اس بکتر بند گاڑی کے چاروں گارڈز کو باری باری لایا گیا۔ جاوید صاحب نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ہر ایک سے الگ سوال کریں گے۔ پہلے گارڈ، سیف اللہ نے بتایا کہ جب گاڑی انڈر پاس میں مڑی تو اسے صرف ایک عجیب سی خاموشی محسوس ہوئی تھی جیسے اچانک زندگی رک گئی ہو۔ "سر، ایسا لگا جیسے آوازیں بھی دیواروں میں جذب ہو گئی ہوں۔" اس نے پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

ڈرائیور اکبر کا بیان مختلف تھا، اس کا سارا دھیان ان پولیس والوں پر تھا جنہوں نے راستہ بدلوایا تھا۔ "سر ان کی جیکٹس اور وہ چمکتی ہوئی بتیاں بالکل اصلی لگ رہی تھیں، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی انڈر پاس میں ناکہ لگا کر ہمیں پھنسا سکتا ہے۔"

اس نے بوکھلا کر جواب دیا۔ "انہوں نے ہمیں رکنے کا وقت بھی نہیں دیا، بس ہاتھ کے اشارے سے موڑ دیا، جیسے سب کچھ معمول کا ہو۔"

تیسرا گارڈ، حامد، جو سب سے آخر میں بے ہوش ہوا تھا، اس کا بیان سب سے اہم ثابت ہوا۔ "سر! جب اکبر کا سر اسٹیرنگ پر گرا، تو مجھے وینٹیلیشن کے خانوں کے قریب ہوا غیر معمولی لگی۔۔۔ جیسے اندر کچھ چھوڑا گیا ہو۔ میں نے سیف اللہ کو پکارا مگر وہ پہلے ہی ڈھیر ہو چکا تھا۔ اس کے بعد کچھ یاد نہیں۔ ہسپتال ڈاکٹروں کے پاس لے جایا گیا تو معائنے سے پتہ چلا کہ ہم پر کوئی خاص گیس چھوڑی گئی تھی۔" اس نے لرزتی آواز میں جیسے خود سے کہا۔

جاوید صاحب نے شہ پارہ کی طرف دیکھا جس نے یہ نکتہ خاموشی سے نوٹ کر لیا تھا۔

ان گارڈز کے بیانات سے یہ واضح ہو رہا تھا کہ ان پر کسی منظم طریقے سے کیمیکل کا استعمال کیا گیا تھا اور انہوں نے واقعی نقلی پولیس دیکھی تھی۔ شہ پارہ نے ٹیب بند کرتے ہوئے ایک لمحے کو آنکھیں موندیں، جیسے تمام ٹکڑوں کو ایک تصویر میں جوڑ رہی ہو۔

جاوید صاحب نے اپنی ڈائری بند کی اور تفتیشی کمرے سے باہر نکل آئے، اب ان کے پاس پولیس کے نظریے کے برعکس ایک الگ کہانی جنم لے رہی تھی۔ اور اس کہانی میں سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ ہر سراغ انہیں ایک ہی سمت میں لے جا رہا تھا۔ ایک ایسے منصوبے کی طرف جس میں غلطی کی گنجائش شاید شروع سے رکھی ہی نہیں گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

جاوید صاحب کے دفتر میں فائلیں میز پر پھیلی ہوئی تھیں اور دیوار پر لگی اسکرین پر میڈیکل رپورٹ کے چند حصے نمایاں تھے۔ شہ پارہ اپنے لیپ ٹاپ پر مختلف ڈیٹا بیس اور ریکارڈز کا جائزہ لے رہی تھی۔

"سر، یہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا۔" شہ پارہ نے کہا۔ "رپورٹ میں جس بے ہوش کرنے والے مرکب کا ذکر ہے، وہ ایک طاقتور میڈیکل گریڈ اینستھیٹک ایجنٹ ہے جو عام طور پر صرف آپریشن تھیٹرز میں استعمال ہوتا ہے۔ اسے عام مارکیٹ یا کسی فارمیسی سے حاصل کرنا ممکن نہیں۔"

جاوید صاحب نے عینک ٹھیک کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ "درست، مگر سوال یہ ہے کہ یہ ان تک پہنچا کیسے؟"

شہ پارہ نے لیپ ٹاپ پر ڈیٹا کھولتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس کیمیکل کی سپلائی چین کا جائزہ لیا ہے۔ یہ صرف مخصوص اسپتالوں اور محدود کیمیکل سپلائرز کو فراہم کیا جاتا ہے۔ ریگولیٹری ریکارڈز کے مطابق دو ماہ پہلے ایک کنسائنمنٹ راستے میں حادثے کا شکار ہوئی تھی، مگر اس کی ٹائمنگ اس واردات سے غیر معمولی طور پر میل کھاتی ہے۔"

وہ "یہ کوئی عام چوری نہیں لگتی، بلکہ پہلے سے پلان کیا گیا حصول معلوم ہوتا ہے۔" ایک لمحے کو رکی، پھر بولی۔

جاوید صاحب نے سر ہلایا۔ "یعنی مجرموں نے پہلے ذریعہ حاصل کیا، پھر اسے استعمال کرنے کا پورا منصوبہ بنایا۔"

"بالکل سر۔اور یہ بھی اہم ہے کہ اس گیس کو گاڑی کے اندر پہنچانے کے لیے مخصوص تکنیکی مہارت درکار تھی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف حملہ آور نہیں تھے بلکہ سسٹم کے اندرونی ڈھانچے سے بھی واقف تھے۔"

جاوید صاحب نے کرسی سے ٹیک لگائی۔"یہ اب ایک عام ڈکیتی نہیں رہی، یہ ایک منظم آپریشن ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

ارمغان اور فراز ڈیپارٹمنٹ کے مرکزی گراؤنڈ میں کھڑے کسی بحث میں مصروف تھے کہ اچانک ایک کھنکتی ہوئی نسوانی آواز نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔

"معذرت! کیا آپ ارمغان کمال ہیں؟"

ارمغان نے پلٹ کر دیکھا۔

سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی جس کے چہرے پر غیر معمولی اعتماد تھا، سفید شرٹ، نیلی بیگی جینز اور کندھوں تک کٹے ہوئے بال۔ اس کی موجودگی میں ایک مضبوط تاثر تھا جو توجہ اپنی طرف کھینچتا تھا۔

انداز میں ایسی خود اعتمادی تھی جو نظر ہٹنے نہ دے۔

"جی، میں ہی ارمغان ہوں۔" ارمغان کے لہجے میں شناسائی کی تپش تھی۔

"میں رانیہ شکیل ہوں۔ ڈیڈ نے آپ کا بتایا تھا۔" رانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آج تو ہر طرف سب سے تعارف ہی کروایا جا رہا ہے، اس لیے سوچا آپ کو خود ہی ڈھونڈ لوں۔"

ارمغان فوراً اس سے تعارف اور ابتدائی گفتگو میں مشغول ہو گیا، وہ اسے یونیورسٹی کے بنیادی ڈھانچے اور کلاسوں کے بارے میں بتانے لگا۔ اس دوران فراز میر خاموش تماشائی بنا کھڑا رہا۔

رانیہ کی شخصیت میں کچھ ایسا تھا کہ فراز نے پہلی بار ایک غیر معمولی توجہ محسوس کی، ایسی کیفیت جس سے وہ پہلے کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ وہ مسحور کن نظروں سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو ارمغان سے بے تکلفی سے بات کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد جب اسے لگا کہ وہ اس منظر سے بالکل باہر ہو گیا ہے، تو وہ اچانک ریشمی لہجے میں بول اٹھا۔ "ارمغان! میں بھی یہیں ہوں۔ یا میں اب غیر ضروری ہو گیا ہوں؟"

اس نرم انداز میں کچھ ایسی شکایت تھی کہ ارمغان بری طرح شرمندہ ہوا۔ "اوہ، معذرت خواہ ہوں، مجھے تعارف کروانا چاہیے تھا۔ رانیہ، یہ میرا بہت قریبی دوست اور رشتہ دار ہے، فراز میر۔"

رانیہ نے فوراً مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، اس کی دونوں کلائیوں میں رنگین بینڈز تھے، جو اس کی حرکات و سکنات کے ساتھ ایک خاص تال پیدا کر رہے تھے۔

فراز کی نظریں ایک لمحے کو ان رنگین بینڈز میں اٹک کر رہ گئیں، پھر اس نے رانیہ کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا، یہ وہی ہاتھ تھا جسے کچھ دیر قبل ارمغان نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ وہ لڑکیوں سے ہاتھ نہیں ملایا کرتا۔

رانیہ نے ارمغان کی بات کا برا نہیں منایا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ دونوں ملکوں کے ماحول اور رہن سہن میں جو فرق ہے، اسے سمجھنے میں وقت لگے گا۔

فراز کو بغور دیکھتے ہوئے رانیہ کے لبوں پر ایک سوالیہ مسکراہٹ آئی۔ "تو میر سٹریٹیجک کنسلٹنسی آپ کے ڈیڈ کی ہے؟"

فراز ہلکا سا ہنسا، اس کی آنکھوں میں ایک فاتحانہ چمک تھی۔ "جی ہاں بالکل! ہمیں لوگوں کے راز جاننا ہوتے ہیں۔۔۔ یا یوں سمجھ لیں کہ ہم بس اتنا کرتے ہیں کہ صحیح معلومات۔۔۔ صحیح وقت پر، صحیح جگہ تک پہنچ جائے۔"

رانیہ کے ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھری۔ "یعنی آپ اداروں کو معلومات فراہم کرتے ہیں تاکہ وہ تمام حقائق سامنے رکھ کر بہتر طور پر فیصلہ کر سکیں؟"

"جی، کچھ ایسا ہی سمجھ لیں۔"

فراز کی نگاہ ایک لمحے کو رانیہ پر ٹھہری، پھر ارمغان کی طرف گئی۔

اس کے ذہن میں پہلی بار یہ سوال ابھرا۔

کیاہر چیز واقعی اتنی سادہ ہے جتنی نظر آتی ہے؟

☆☆☆

ارمغان اور فراز کیفے ٹیریا میں داخل ہوئے تو وہ دونوں اپنی مخصوص ٹیبل کی طرف بڑھے، ابھی بیٹھے ہی تھے کہ اچانک فراز کی نظر کچھ فاصلے پر موجود ایک میز پر جا کر ٹھہر گئی۔

ارمغان نے فراز کی نظروں کا تعاقب کیا تو دیکھا کہ انہی کی کلاس کے چند لڑکے لڑکیوں کے ایک مخصوص گروپ کے وسط میں بیٹھی رانیہ کوئی دلچسپ واقعہ سنا رہی ہے۔

واقعہ دلچسپ ہو نہ ہو، وہاں موجود لڑکے جن اشتیاق بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے، ارمغان کو اپنے خون میں ابال سا محسوس ہوا۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ وہ معصوم ہے۔" ارمغان نے دبی آواز میں کہا۔

فراز نے گہری نظروں سے ارمغان کے تاثرات کو جانچا، پھر بولا۔ "لیکن یہ امریکہ پلٹ لڑکی تمہاری بات سمجھے گی کہاں؟ حالانکہ دیکھا جائے تو تمہارا فرض بنتا ہے کہ اسے ایسی غلط صحبت میں بیٹھنے سے روکو۔"

اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور بات جاری رکھی۔ "مگر ڈر ہے کہ وہ تمہاری اس نصیحت کو کوئی اور ہی رنگ دے گی۔"

ارمغان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں اسے روکوں گا نہیں، صرف یہ بتاؤں گا کہ یہ کس قماش کے لوگ ہیں، آگے اس کی مرضی۔"

یہ کہہ کر وہ اس میز کی جانب بڑھ گیا جبکہ فراز کرسی پر یوں پھیل کر بیٹھ گیا جیسے کسی ڈرامے کی پوری قسط دیکھ کر ہی یہاں سے اٹھنے کا ارادہ ہو۔

ٹیبل کے پاس پہنچ کر ارمغان نہایت شائستگی سے رانیہ سے مخاطب ہوا۔ "آؤ رانیہ، ہم کچھ دیر سے تمہیں ہی ڈھونڈ رہے تھے۔"

اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس میز کی جانب اشارہ کیا جہاں فراز بیٹھا تھا۔ "یہاں آئے تو تم دکھائی دے گئیں۔"

رانیہ نے اپنا بیگ کندھے پر جمایا اور کسی اعتراض کے بغیر اس کے ساتھ چل دی۔

اپنی میز پر آتے ہی ارمغان نے سنجیدگی سے بات شروع کی۔ "رانیہ، تم یہاں کے لوگوں کو نہیں جانتیں۔ ہر کسی کے ساتھ گھلنے ملنے سے پہلے تھوڑا سمجھ لینا بہتر ہوتا ہے، سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔"

رانیہ نے اپنے بازو میز پر ٹکائے اور ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر شرارتی نظروں سے ارمغان کو دیکھا۔ "تمہیں کیا معلوم کہ میرے ٹائپ کے کون سے لوگ ہیں؟"

اس کا انداز قدرے غیر سنجیدہ تھا، جیسے ارمغان کو چھیڑنا ہی اس کا مقصد ہو۔

ارمغان نے ایک لمحے کے لیے مدد طلب نظروں سے فراز کو دیکھا کہ شاید وہ بھی کچھ کہے، مگر وہ بالکل خاموش رہا۔

"دیکھو رانیہ،" ارمغان نے قدرے ٹھہرے ہوئے اور محتاط لہجے میں دوبارہ آغاز کیا۔ "میری خواہش ہے کہ تم اپنی یونیورسٹی لائف کو بھرپور انداز میں گزارو، پڑھائی بھی کرو اور دوست بھی بناؤ، باقی تم اپنا برا بھلا خوب سمجھتی ہو۔ بس اتنا جان لو کہ اس

گروپ کے کچھ لڑکے نشہ آور اشیاء کا استعمال کرتے ہیں اور کچھ کو ان کے غلط برتاؤ پر انتظامیہ سے وارننگ بھی مل چکی ہے۔"

رانیہ نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ "تم ڈیڈ کے کہنے پر مجھ پر نظر رکھ رہے ہو؟"

ارمغان نے فوراً تردید کی۔ "نہیں رانیہ! تم ایک اچھی لڑکی ہو اور یقیناً تمہارے والدین کو بھی تم پر پورا اعتماد ہو گا، لیکن یقین جانو ایسے لوگوں کو بہت چکنی چپڑی باتیں بنانا آتی ہیں۔ انہیں اپنی خطاؤں کا الزام بھی دوسروں پر دھرنے کا فن آتا ہے۔"

اس نے ایک نظر مڑ کر اس گروپ کی طرف دیکھا اور پھر رانیہ کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "دوستی اس سے کرنی چاہیے جو کسی نا کسی لحاظ سے آپ کو خود سے بہتر لگے تاکہ اس کا ساتھ آپ کے لیے روحانی ارتقاء کا باعث بنے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کمرے میں تناؤ کی فضا واضح تھی۔ ایک طرف بینک کے اعلیٰ حکام اور انشورنس کمپنی کے نمائندے بیٹھے تھے، دوسری طرف پولیس کے تفتیشی افسران جو اب تک اسی مؤقف پر قائم تھے کہ یہ ڈکیتی اندرونی ملی بھگت کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ شاہ ویز

قدرے فاصلے پر کھڑا تھا، چہرہ سخت مگر آنکھوں میں وہی بے یقینی تھی جو کسی مضبوط نظام کے اچانک ٹوٹنے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

جاوید صاحب نے شہ پارہ کو اشارہ کیا۔ اس نے اپنا لیپ ٹاپ بڑی اسکرین سے منسلک کیا اور ایک ڈیٹا ویژولائزیشن کھول دیا۔ نقشہ، وقت اور گاڑی کی حرکت کے نقاط۔

"ہمیں مسئلہ اس بات سے ہے کہ سسٹم کے مطابق گاڑی پورے وقت درست راستے پر تھی۔" شہ پارہ نے صاف لہجے میں کہا۔ "لیکن جب ہم نے ٹریکنگ سسٹم کے خام ڈیٹا لاگز دیکھے، تو ایک اہم تضاد سامنے آیا۔"

اس نے اسکرین پر ایک مخصوص ٹائم اسٹیمپ ہائی لائٹ کیا۔

"دوپہر دو بج کر بائیس منٹ کے قریب، گاڑی کے جی پی ایس ماڈیول نے اچانک ایک مختصر وقفے کے لیے اصل سیٹلائٹ سگنلز کھو دیے۔ یہ وقفہ صرف چند سیکنڈ کا تھا، مگر اسی دوران ڈیوائس نے مختصر وقفے کے دوران اپنی لوکیشن اپڈیٹ بند کر دی اور آخری موصول شدہ درست ڈیٹا کو وقتی طور پر برقرار رکھا۔"

انشورنس نمائندے نے فوراً سوال کیا۔ "یہ تو عام نیٹ ورک گلچ بھی ہو سکتا ہے؟"

شہ پارہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"اگر یہ صرف گلچ ہوتا تو ڈیوائس خود کو دوبارہ اصل سیٹلائٹ سے سنکرونائز کر لیتی۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہوا۔ اسی وقفے کے دوران گاڑی کے قریب ایک غیر مجاز ریڈیو سگنل موجود تھا، جس نے فریکوئنسی پر مضبوط مداخلت کی۔"

کمرے میں خاموشی گہری ہو گئی۔

شہ پارہ نے ایک اور گراف کھولا۔

"یہ دیکھیں، اسی وقفے کے دوران ایک متبادل جی پی ایس سگنل کا نمونہ ریکارڈ ہوا جو سرکاری سیٹلائٹ نظام کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تھا۔"

اس نے وضاحت جاری رکھی۔

"اس ڈیوائس نے مصنوعی سیٹلائٹ سگنلز کی نقل کی اور گاڑی کے ٹریکنگ سسٹم کو یہ یقین دلایا کہ وہ اب بھی صحیح راستے پر ہے۔ اسی وجہ سے کنٹرول روم میں سبز نقطہ بغیر

رکاوٹ کے حرکت کرتا رہا، حالانکہ گاڑی اصل میں اس وقت کنٹرولڈ موڑ سے ہٹ چکی تھی۔"

شاہ ویز کے چہرے پر پہلی بار سختی کے ساتھ سمجھ کی جھلک آئی۔

"یعنی ہم جو دیکھ رہے تھے وہ اصل راستہ نہیں تھا؟" اس نے دھیرے سے کہا۔

"جی نہیں،" شہ پارہ نے لیپ ٹاپ بند کیے بغیر جواب دیا۔ "وہ صرف جعلی لوکیشن فیڈ تھی جو اصل سگنل کی جگہ انجیکٹ کی گئی تھی۔ یہ کوئی عام جی پی ایس خرابی نہیں، بلکہ منظم اسپوفنگ اٹیک تھا۔ اور جس طرح یہ اسپوفنگ کی گئی ہے، یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حملہ آوروں نے ریڈیو فریکوئنسی لیول پر مداخلت کی صلاحیت استعمال کی، اور ممکنہ طور پر ٹریکنگ سسٹم کے پروٹوکولز سے بھی واقف تھے۔"

کمرے میں ایک لمحے کے لیے مکمل خاموشی چھا گئی۔

یہ ایک ایسا منظم سائبر حملہ تھا جس نے زمین پر موجود ایک بکتر بند گاڑی کو اس کے اپنے ہی ڈیجیٹل سسٹم کے اندر اندھا کر دیا تھا۔

شہ پارہ نے اپنی فائل بند کی اور مختصر سی سانس لی۔

اور پہلی بار سب کو احساس ہوا کہ یہ کیس کسی بندوق سے نہیں، بلکہ ڈیٹا اور سگنلز کی خاموش جنگ سے جیتا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

نیکسس فارنزک انویسٹی گیشن سروسز کی گاڑی ایاز سیکیورٹی کے دفتر سے نکل کر شہر کی مرکزی شاہراہ کی طرف رواں تھی کہ ایک سنسان موڑ پر صورتحال اچانک بدل گئی۔

شہ پارہ پچھلی نشست پر تھی، جب ڈرائیور نے عقب بینی کے آئینے میں دیکھا کہ نقاب پوش موٹر سائیکل سوار تیزی سے ان کا تعاقب کر رہے ہیں۔ ڈرائیور نے خطرہ بھانپتے ہی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

ایک موٹر سائیکل سوار نے جھک کر فائر کیا جو سیدھا پچھلے ٹائر میں لگا۔

شہ پارہ نے جانوید صاحب کو اشارہ کیا اور خود بھی جھک گئی، ساتھ ہی ذہنی طور پر اگلے ممکنہ راستوں کا نقشہ بنایا۔

شاہ ویز، جو اپنی جیپ میں ان سے کچھ فاصلے پر پیچھے آ رہا تھا، موٹر سائیکل سواروں کے نقاب اور مشکوک حرکات دیکھ کر چوکنا ہو چکا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر جمایا اور بائیں ہاتھ سے تیزی سے ڈیش بورڈ کھول کر اپنا لائسنس یافتہ ریوالور نکال لیا۔ جیسے ہی اس نے جیپ کی رفتار بڑھائی، اس کی آنکھوں کے سامنے ایک موٹر سائیکل سوار نے جھک کر پے در پے دو فائر کیے جو سیدھے جاوید صاحب کی گاڑی کے پچھلے ٹائروں میں پیوست ہو گئے۔

ٹائر پھٹنے کے باوجود ڈرائیور نے بڑی مہارت سے گاڑی کو سڑک پر سنبھالے رکھا، مگر رفتار کم کرنا مجبوری بن گیا۔ شاہ ویز نے اپنی جیپ ان کے بالکل قریب لا کر کھڑکی سے ہاتھ باہر نکالا اور فضا میں دو ہوائی فائر کیے۔ فائرنگ کی گونج سنتے ہی حملہ آوروں کو اندازہ ہو گیا کہ اب شکار اکیلا نہیں رہا، جوابی کاروائی بھی ممکن ہے۔ وہ فوراً موٹر سائیکلوں کی رفتار بڑھاتے آگے نکل گئے۔

کچھ ہی دیر میں ان سب کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

گاڑی کے اندر کے ماحول میں ایک لمحے کے لیے دباؤاور تناؤنے جگہ لے لی، شہ پارہ نے اپنی سانسیں گہری کیں اور اپنی ذہنی تیاری مکمل کی کہ اب اگلا حملہ کس طرح کا ہو سکتا ہے۔

شاہ ویز نے اپنی جیپ جاوید صاحب کی گاڑی کے برابر لا کر روکی۔ اس نے فوراً فون نکال کر اپنے بندوں کو لوکیشن بھیجی اور گاڑیوں کے ساتھ پہنچنے کی ہدایت دی۔ دونوں گاڑیاں سڑک کے کنارے رکیں تو جاوید صاحب اور شہ پارہ باہر نکل آئے۔

شہ پارہ کا چہرہ سپاٹ تھا مگر اس کی آنکھوں میں اس اچانک حملے کی تپش صاف دیکھی جا سکتی تھی۔

"آپ لوگ ابھی احتیاط کریں، وہ دوبارہ بھی آ سکتے ہیں۔" شاہ ویز نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

جاوید صاحب نے گرد جھاڑتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں۔۔۔ وہ دوبارہ نہیں آئیں گے۔ یہ صرف ایک ڈراوا تھا، وارننگ تھی کہ ہم اس کیس سے دور رہیں۔"

"وارننگ ہو یا ڈکیتی، میں آپ کو اس حال میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔" شاہ ویز نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ "میرے بندے ابھی آ جائیں گے، وہ یہ گاڑی لے جائیں گے اور ٹائر بھی لگوا دیں گے۔ اس وقت آپ لوگ میرے ساتھ چلیں۔"

اس نے بات مکمل کر کے ایک گہری اور فکر مند نگاہ شہ پارہ پر ڈالی۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

اتوار کے لنچ کی میز شکیل صاحب کے عالیشان ڈائننگ ہال میں لگی ہوئی تھی جہاں ارمغان کے والدین، شاہ میر صاحب اور ان کی بیگم، اور فراز میر سبھی اکٹھے تھے۔

فضا میں قہقہوں اور خوشبوؤں کا امتزاج تھا۔

شکیل صاحب نے اپنی پلیٹ میں سے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے ارمغان کی طرف دیکھا۔ "میں بہت خوش اور مطمئن ہوں کہ ارمغان رانیہ کے لیے اتنا مددگار ثابت ہو رہا ہے۔"

یہ بہت پاپولر ہے ڈیڈ!" رانیہ نے فوراً کہا۔ "سب اسے اتنا پسند کرتے ہیں، میں نے "
"تو اپنی کلاس کی سبھی لڑکیوں سے اس کی تعریف سن رکھی ہے۔

فراز چونک اٹھا اور اس نے رانیہ کے چمکتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

رانیہ نے اپنی بات جاری رکھی۔ "یہ کچھ نا کچھ ایسا کر گزرتا ہے جو لوگوں کو چونکا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ صرف ذہین نہیں، بلکہ حساس اور ہمدرد طبیعت کا مالک شخص ہے۔"

شکیل صاحب اور افتخار کمال نے ایک دوسرے کو ایک خاص معنی خیز نظر سے دیکھا جو فراز کی زیرک نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

اس کے اندر ایک عجیب سی چبھن جاگی۔

کافی دیر بعد جب سب رخصت لے رہے تھے، ارمغان، فراز اور رانیہ ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں کھڑے تھے۔

ارمغان نے رانیہ کو مخاطب کیا۔ "رانیہ! اب تمہیں اپنی کلاس میں بھی کوئی سہیلیاں بنانی چاہئیں۔ یہ کنکشنز آگے بھی تمہارے کام آئیں گے۔ ایسی دوستیاں جذباتی سہارے کے طور پر کام آتی ہیں۔ صرف ہمارے ساتھ فارغ وقت گزارنا کافی نہیں، تمہاری اس کے علاوہ بھی کوئی سماجی زندگی ہونی چاہیے۔"

رانیہ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے تو تم لوگوں کی ہی کمپنی کافی ہے۔"

ارمغان نے فراز کی طرف دیکھا۔ "تم ہی اسے کچھ سمجھاؤ۔"

فراز صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اسی رات جب رانیہ نے اپنی اسائنمنٹ میں مدد کی خاطر فراز کو فون کیا تو اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

جب جواب میں وہ بولی کہ 'کیا کرتی؟ ارمغان کال نہیں اٹھا رہا تھا' تو فراز اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔

اچانک گفتگو کا رخ دوستی کی جانب مڑا۔

رانیہ نے شکوہ کیا۔ "ارمغان سمجھتا ہے مجھے دوست بنانے نہیں آتے، جبکہ میری کلاس کی سبھی لڑکیوں سے اچھی بات چیت ہے۔ بس فارغ ہوتے ہی پہلی ترجیح تم دونوں کو ڈھونڈنا ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اسی میں میری خوشی ہے۔"

فراز نے موقع غنیمت جانا۔ "شاید ارمغان غیر آرام دہ محسوس کرتا ہے۔"

رانیہ جواباً کچھ دیر خاموش رہی، پھر دبی آواز میں بولی۔ "لیکن کیوں؟"

"دیکھو کچھ کہا نہیں جا سکتا۔۔۔ ہو سکتا ہے تمہاری موجودگی اسے بوجھ سی لگتی ہو۔"

دوسری طرف ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ رانیہ نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ جیسے گلے میں ہی اٹک گئے۔

فراز نے ہچکچاہٹ بھرے انداز میں بات ختم کی۔ "میں غلط بھی ہو سکتا ہوں۔۔۔ تم خود بہتر جانتی ہو، ہو سکتا ہے یہ محض ایک غلط مفروضہ ثابت ہو۔"

☆☆☆

اگلے دن وہ دونوں پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ رہے تھے جب رانیہ انہیں پکارتی ہوئی، ہانپتی کانپتی آ پہنچی۔

"کیوں؟ لفٹ چاہیے؟" فراز نے اسے دیکھتے ہی مسکرا کر پوچھا۔

نہیں، شکریہ۔" رانیہ نے ایک جتاتی ہوئی نظر ارمغان پر ڈالی اور قدرے تیکھے لہجے "

"میں بولی۔ "اب میں سہیلیاں بنا چکی ہوں، مجھے کسی پر بوجھ نہیں بننا۔

فراز نے ہنس کر کہا۔ "کسی اور کا تو نہیں معلوم، پر میرے لیے تم بوجھ نہیں ہو۔"

ارمغان نے ان دونوں کو حیرت سے دیکھا۔ "تم لوگ ثابت کیا کرنا چاہتے ہو؟"

اب چھوڑو بھی، جو اصل بات تھی وہ بیچ میں رہ گئی۔" رانیہ نے چند لمحے اپنا سانس "

"ہموار کرنے میں صرف کیے، پھر چہکتے ہوئے بولی۔ "کل میری سالگرہ ہے

"گفٹ بھی کل ہی ملے گا۔" فراز نے شوخی سے کہا تو تینوں ہنس دیے۔

"بات تو پوری سن لو۔" رانیہ نے جوش سے بتایا۔ "میں چاہتی ہوں اسے بہت خاص انداز میں منایا جائے۔ ہم تینوں صبح کہیں گھومنے نکلیں گے، وہ جگہ میری منتخب کردہ ہو گی۔ پھر لنچ کریں گے فراز کے پسندیدہ ہوٹل میں، کیونکہ بل بھی یہ ادا کرے گا۔"

فراز نے مسکرا کر سر جھکاتے ہوئے دعوت اور ذمہ داری دونوں قبول کر لیں۔

رانیہ اب ارمغان کی جانب مڑی۔ "اس کے بعد ہم ایک بار پھر آوارہ گردی کے لیے نکلیں گے اور وہ جگہ تمہاری تجویز کردہ ہو گی۔"

ارمغان نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ رانیہ نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر دیے۔ "ابھی نہیں بتانا، اسے سرپرائز رہنے دو۔"

ارمغان نے ایک لمحے کو ہونٹ بھینچے، پھر سنجیدگی سے بولا۔ "رانیہ، کل اسائنمنٹ کی آخری تاریخ ہے، اور میں ابھی تک آدھے سے زیادہ مکمل نہیں کر سکا۔ اگر آ بھی جاؤں تو ذہن وہیں اٹکا رہے گا۔" وہ رکا۔ "ہاں، اگر تم کل شام لیٹ یا رات کے ڈنر پر دعوت دو تو تمہارے گھر حاضر ہو جاؤں گا۔ ویسے بھی تمہیں سالگرہ اپنے والدین کے ساتھ منانی چاہیے۔"

یہ کہہ کر وہ ان دونوں کی جانب دیکھے بغیر وہاں سے مڑا اور اپنی گاڑی کی سمت بڑھ گیا۔

رانیہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر الفاظ جیسے اس کے ساتھ ہی چلے گئے۔

رانیہ نے تعجب اور دکھ سے فراز کو دیکھا۔ "اسے کیا ہوا؟"

فراز نے لاعلمی سے کندھے اچکائے۔

رانیہ کے لہجے میں نمی اتر آئی۔ "اسے بالکل احساس نہیں کہ کل میری سالگرہ ہے۔ کتنا کھردرا انداز تھا اس کا۔"

اسی رات فراز نے ارمغان کو فون کیا اور وہی سوال دہرایا۔ "یار! کسی اور طرح بھی انکار کر سکتے تھے۔"

"انکار ہمیشہ مشکل ہی ہوتا ہے، فراز۔" ارمغان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"اسائنمنٹ کا کچھ کر ہی لیتے، ایک سالگرہ ہی تو ہے۔ وہ یہ دن ہمارے ساتھ گزار لیتی تو کون سی قیامت برپا ہو جاتی؟ تم نے محسوس نہیں کیا؟ اسے واقعی فرق پڑا تھا۔" فراز نے جیسے اسے جتایا۔

"میں اسے دکھی ہونے سے ہی بچانا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" فراز چونکا۔

"مجھے کچھ دنوں سے لگنے لگا ہے کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے۔۔۔ شاید مجھے تم سے یہ بات نہیں کرنی چاہیے اور ہو سکتا ہے میرا اندازہ غلط ہو، لیکن بہتر یہی ہے کہ اسے شروع میں ہی ٹوک دوں تاکہ بات زیادہ آگے نہ بڑھے۔ وہ جتنا وقت میری کمپنی میں گزارے گی، بعد میں انکار سہنا اتنا ہی مشکل ہو جائے گا۔ میں چاہتا ہوں اس سے پہلے کہ بات اظہار تک پہنچے، وہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے۔"

فراز کو اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ "اور تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟"

ارمغان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "کیونکہ میرے دل میں اس کے لیے ایک دوست سے بڑھ کر کوئی جگہ نہیں ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

شہ پارہ آفس کی عمارت سے نکل کر باہر آئی تو اس کی سیدھی نظر اس گاڑی پر پڑی جو گھر سے اسے لینے آئی تھی۔

ڈرائیور اور گارڈ دونوں اسے وہاں سے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

وہ اس جانب بڑھنے ہی والی تھی کہ اچانک سامنے سے آتی ایک سفید ایس یو وی اس کے بالکل قریب آکر رکی۔

وہ چونک کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"گھبراؤ نہیں۔۔۔میں ہوں!" شاہ ویز کی آواز پر اس نے غور سے دیکھا۔

وہ شاہ ویز ہی تھا جو اب گاڑی سے باہر نکل کر اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ کچھ دیر اسے یوں دیکھتا رہا جیسے یقین کر رہا ہو کہ وہ واقعی ٹھیک ہے، پھر نظریں ہٹا لیں۔

"تم یہاں؟" شہ پارہ نے پوچھا۔

اس کے لہجے میں حیرت کم، احتیاط زیادہ تھی۔۔۔ جیسے اس کی موجودگی خود ایک سوال ہو۔

"میں چند احتیاطی تدابیر شیئر کرنا چاہتا ہوں، جو تمہارے لیے موجودہ حالات میں اپنانا بہت ضروری ہیں۔" شاہ ویز نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم یہ سب کہنے اس وقت، یہاں آ پہنچے؟"

"ضروری ہے، شہ پارہ و۔"

شہ پارہ نے چند لمحے سوچا، پھر اپنے موبائل سے ڈرائیور کو کال ملائی۔ "تم لوگ واپس جاؤ، میں شاہ ویز صاحب کے ساتھ ایک ضروری میٹنگ کے لیے جا رہی ہوں۔ وہ مجھے ڈراپ کر دیں گے۔ گھر میں بتا دینا۔"

کال ختم ہوتے ہی کچھ فاصلے پر کھڑی کمال ہاؤس کی گاڑی وہاں سے روانہ ہو گئی۔

شہ پارہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند ہی کرنے والی تھی کہ ایک لمحے کو اس کا ہاتھ سامنے ڈیش بورڈ پر ٹھہرا، اور شاہ ویز کی نظر اسی لمحے اس کے چہرے پر آ کر رک گئی۔

پھر فائرنگ کی آواز نے سب توڑ دیا۔

دور سے آتی ایک گاڑی سے اچانک فائرنگ ہوئی تھی۔

شاہ ویز نے ایک جھٹکے سے دروازہ بند کیا اور اسی حرکت میں اس کا ہاتھ شہ پارہ کے کندھے سے ٹکرایا۔

محض ایک لمحہ، مگر گرفت میں ایک غیر ارادی حفاظت تھی۔

خود ڈرائیونگ سیٹ پر لپکا اور گاڑی پوری قوت سے دوڑا دی۔

تعاقب کرنے والی گاڑی اب فائرنگ نہیں کر رہی تھی، مگر وہ سائے کی طرح ان کے پیچھے لگی تھی۔

شاہ ویز نے شہر کی مرکزی شاہراہ کے بجائے مضافاتی لنک روڈ کا رخ کیا۔

وہ جانتا تھا کہ رش میں وہ آسانی سے گھیرے جا سکتے ہیں۔

تعاقب کرنے والے ماہر ڈرائیور تھے۔ وہ شاہ ویز کی گاڑی کو سڑک سے اتارنے کے لیے مسلسل اس کے بمپر سے گاڑی ٹکرا رہے تھے۔

کچی سڑک پر دھول کے بادل اڑ رہے تھے۔

شاہ ویز نے ایک تیز موڑ کاٹا، مگر سامنے سے ریت سے بھرا ایک ٹرک راستہ بلاک کر رہا تھا۔

تعاقب کرنے والی گاڑی اب بالکل قریب آ چکی تھی۔

ان سے بچنے کے چکر میں شاہ ویز نے گاڑی ایک کچے راستے پر موڑی، جہاں سڑک اچانک ختم ہو کر ایک ڈھلان میں بدل گئی۔

ٹائروں کے گھسنے کی خوفناک آواز آئی اور گاڑی تیزی سے نیچے پھسلتی ہوئی جھاڑیوں کے ایک گھنے جھنڈ میں جا پھنسی۔

شہ پارہ کا ہاتھ بے اختیار ڈیش بورڈ کی بجائے شاہ ویز کے بازو پر جا پڑا اور اس نے اسے ہٹایا نہیں۔

انجن بند ہو چکا تھا۔

شاہ ویز نے فوراً باہر کا جائزہ لیا۔ "شہ پارہ، ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا۔ گاڑی اب یہاں سے ہل نہیں سکتی اور وہ لوگ اوپر پہنچ چکے ہیں۔"

وہ گاڑی سے نکلے اور جھاڑیوں کی اوٹ لیتے ہوئے ڈھلان کی دوسری طرف بھاگے۔

سامنے لوہے کی چادروں والا ایک وسیع گودام نظر آ رہا تھا جو بظاہر برسوں سے بند پڑا تھا۔

شاہ ویز نے اسے پناہ کے لیے اس لیے چنا کیونکہ وہاں سے فرار کے کئی راستے نکل سکتے تھے اور دھات کی دیواریں تھرمل سکینرز سے بچنے میں مددگار ثابت ہوتی تھیں۔

اندر داخل ہوتے ہی شاہ ویز نے ایک وزنی زنجیر سے دروازہ مقفل کر دیا۔

گودام کے بند ماحول میں ان کی سانسیں حد سے زیادہ واضح سنائی دے رہی تھیں۔

اتنا قریب کہ ایک دوسرے کی موجودگی کو نظرانداز کرنا ممکن نہیں تھا۔

شاہ ویز نے کوئی الزام تراشی نہیں کی، بلکہ خاموشی سے شہ پارہ کی طرف دیکھا جو ابھی تک اس اچانک حملے کے صدمے میں تھی۔

یہ جگہ محفوظ ہے۔" شاہ ویز نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ہمیں بس چند منٹ خاموش رہنا" "ہو گا تاکہ وہ ہمیں ڈھونڈ نہ پائیں۔

وہ شہ پارہ کے ساتھ ایک بھاری مشینری کے پیچھے بیٹھ گیا، جہاں سے وہ بیرونی دروازے پر نظر رکھ سکتا تھا۔

اس کی توجہ اب صرف اس ڈیٹا کو بچانے پر تھی جو ان کی سچائی ثابت کر سکتا تھا۔

شاہ ویز نے گودام کی آہنی دیوار سے ٹیک لگا کر باہر کے سناٹے کا جائزہ لیا، پھر رخ شہ پارہ کی طرف موڑا۔

اس کا لہجہ اب مکمل طور پر پیشہ ورانہ اور دوٹوک تھا۔ "ہمیں یہاں کچھ دیر رکنا ہو گا تاکہ وہ لوگ ہمیں آگے ڈھونڈتے ہوئے نکل جائیں۔ میں باہر نکل کر دیکھوں گا، مجھے چاروں طرف چکر لگا کر تسلی کرنی ہو گی۔"

اس نے شہ پارہ کی آنکھوں میں دیکھ کر اسے تاکید کی۔ "جیسے ہی مجھے گرین سگنل ملا، میں اندر آ کر تمہیں بتاؤں گا۔ جب تک میں نہ آؤں، تم یہیں رکی رہنا۔ اور اگر۔۔۔ اگر میں

لوٹ کر نہ آؤں۔" وہ ایک لمحہ رکا، جیسے یہ جملہ مکمل کرنا بھی اس کے لیے غیر ضروری تھا۔ "تو تم رکے بغیر نکل جانا۔"

مگر شہ پارہ کی نظریں ایک لمحے کے لیے اس پر ٹھہریں۔۔۔ جیسے وہ پہلی بار اسے صرف مسئلہ نہیں، ایک امکان سمجھ رہی ہو۔

اس کی خاموشی میں ایک عجیب سا اضطراب تھا۔

شاہ ویزد بے قدموں گودام کے عقبی دروازے سے باہر نکل گیا۔

وقت جیسے تھم گیا تھا۔

شہ پارہ گودام کے حبس زدہ سناٹے میں ایک ایک لمحہ گنتی رہی۔

باہر کی ہر آہٹ اسے چونکا دیتی۔

تقریباً دس منٹ گزر چکے تھے جب اسے دروازے کی سمت سے وہی شناسا آہٹ سنائی دی۔

شہ پارہ کا ہاتھ بے اختیار اپنے فون پر کس گیا، مگر اگلے ہی لمحے شاہ ویز کی پر اعتماد آواز گونجی۔ "راستہ صاف ہے۔"

اس کی آواز سنتے ہی شہ پارہ نے سانس چھوڑی، جسے وہ خود بھی محسوس نہیں کر پائی کہ کب سے روکے ہوئے تھی۔

وہ شہ پارہ کے قریب آیا، اس کے چہرے پر اب وہ پہلے والا سکون لوٹ آیا تھا۔ "اب ہمیں واپس گاڑی تک پہنچنا ہے، وہی ہمارا یہاں سے نکلنے کا واحد ذریعہ ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

ارمغان کو یونیورسٹی میں رانیہ کا رویہ اب صاف طور پر بدلا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ لڑکی جو پہلے ارمغان کو ڈھونڈتی پھرتی تھی، اب کہیں سامنا ہونے پر بھی صرف ایک سرسری سی 'ہائے ہیلو' کرتی اور نظریں چرا کر تیزی سے آگے بڑھ جاتی۔

ارمغان نے کئی بار سوالیہ نظروں سے فراز کی طرف دیکھا، مگر وہ بھی لاپروائی سے کندھے اچکا کر خاموش ہو جاتا جیسے اسے بھی کچھ علم نہ ہو۔

آخر ایک رات ارمغان کے فون کی گھنٹی بجی۔

اسکرین پر شکیل صاحب کا نام دیکھ کر اس نے فوراً کال اٹھائی۔

"بیٹا! رانیہ ابھی تک گھر نہیں آئی، کیا وہ تم لوگوں کے ساتھ ہے؟" شکیل صاحب کے لہجے میں فکر مندی تھی۔ "یونیورسٹی سے آئے ابھی آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ فراز کی گاڑی اسے لینے گیٹ پر آ پہنچی، وہ کہہ کر گئی تھی کہ تم لوگوں کے ساتھ کہیں جا رہی ہے۔"

ارمغان کو اپنا وجود سن ہوتا محسوس ہوا۔

اس نے اپنا لہجہ سنبھالتے ہوئے پوچھا۔ "انکل، آپ نے فراز کو فون کیوں نہیں کیا؟"

"بیٹا، کیا تھا۔ اس نے کہا کہ بس ہم پہنچنے ہی والے ہیں۔ تمہیں تو میں نے اس لیے فون کیا کہ بیٹا۔۔۔ یہ بار بار شام کو یوں باہر نکلنا اچھا نہیں لگتا۔"

بے ارادہ ہی اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

شکیل صاحب اس کے بعد بھی کافی دیر تک نصیحتیں کرتے رہے، مگر ارمغان کو اب کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

اس کا دماغ تیزی سے ماضی کی کڑیاں جوڑنے لگا۔

اسے یاد آیا کہ اسائنمنٹ والے واقعے کے بعد رانیہ نے اسے مدعو کیا تھا نہ ہی کوئی دوسرا پروگرام بنایا تھا۔

اس دن کے بعد سے وہ ارمغان سے دور رہنے لگی تھی، چونکہ وہ خود بھی یہی چاہتا تھا، اس لیے اس نے زیادہ غور نہیں کیا تھا۔

لیکن اب اسے وہ شام یاد آ رہی تھی جب اس نے فراز کو کئی بار کالز کی تھیں کیونکہ وہ اس کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا، لیکن ہر بار فون بج کر بند ہو جاتا تھا۔

ارمغان بستر پر بیٹھ گیا۔

اس کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا، یہ دونوں۔۔۔ آخر اس سے کیا چھپا رہے تھے؟

☆☆☆

ڈپارٹمنٹ کے اندرونی حصے میں لگے پرانے پیپل کے درخت تلے ارمغان اور فراز خاموشی سے کھڑے تھے۔

ہوا کے ایک جھونکے نے ارمغان کے بالوں کو بکھیر دیا۔

رانیہ تیزی سے قدم اٹھاتی ان کے قریب پہنچی تو اس کے چہرے پر ایک ہلکا سا اضطراب تھا۔

اس نے براہِ راست ارمغان سے پوچھا۔ "ڈیڈ نے کل شام تمہیں کال کی تھی؟"

ارمغان نے عام سے انداز میں سر ہلایا، جیسے اسے کسی بات کی خبر نہ ہو۔ "ہاں، پوچھ رہے تھے کہ رانیہ تمہارے ساتھ ہے؟ میں نے کہہ دیا کہ نہیں، میں تو یونیورسٹی کے ایک پروجیکٹ میں مصروف ہوں۔"

ارمغان نے اپنی بات مکمل کر کے خاموشی سے ایک نظر رانیہ پر ڈالی، جس نے فوراً فراز کی طرف دیکھا۔

ارمغان نے اس نظر اور اس کے پیچھے چھپی گھبراہٹ کو پوری طرح نوٹ کیا، مگر ظاہر یوں کیا جیسے سب کچھ معمول کے مطابق ہو۔

رانیہ کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی کیونکہ اس کے ڈیڈ نے اسے محض اتنا بتایا تھا کہ دیر ہونے کی وجہ سے انہوں نے ارمغان سے خیریت پوچھی تھی، رانیہ نہیں چاہتی تھی کہ ارمغان کو ان کی ملاقات کا پتہ چلے اس لیے اسے اپنے ڈیڈ کا ارمغان کو کال کرنا بھی برا لگا تھا۔ مگر آج ارمغان کے لہجے نے اسے یقین دلا دیا کہ اسے واقعی کوئی شک نہیں ہوا۔

رانیہ کی نظروں کے سامنے اپنی سالگرہ کا وہ منظر گھوم گیا جب ارمغان کے صاف انکار کے بعد اسے فراز کی کال آئی تھی۔ "اب کچھ کہنا باقی ہے؟" رانیہ نے کال اٹھاتے ہی دکھ بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

"میں تمہارے گیٹ کے باہر انتظار کر رہا ہوں۔ آج کے دن کو خاص بنانا اب میری ذمہ داری ہے۔" فراز کے لہجے میں وہ مخصوص نرمی تھی جو رانیہ نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔

"اور وہ ارمغان؟" رانیہ نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ اس خوشی کا حصہ نہیں بننا چاہتا تو ہم تم کون ہوتے ہیں زبردستی کرنے والے؟" فراز تھوڑی دیر کو رکا۔ "لیکن اب اس کی وجہ سے ہم یہ موقع ضائع بھی تو نہیں کر سکتے نا؟"

اس کے بعد انکار کی کوئی گنجائش نہ رہی، شکیل صاحب کے پوچھنے پر وہ جلدی میں 'ہاں، ارمغان ساتھ ہے' کہہ کر نکل گئی تھی۔

وہ شام واقعی یادگار تھی اور فراز کا دیا ہوا تحفہ بھی، اس دن کے بعد سے ملاقاتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلا تھا۔

"بس تم ارمغان کو کچھ نہ بتانا۔" ایسی ہی ایک شام کیفے میں چائے پیتے ہوئے فراز نے اسے تاکید کی تھی۔

"میں کب تک تمہاری ہدایت پر عمل کرتی، گھر والوں کو تم دونوں کا نام دے کر نکلتی رہوں گی؟" رانیہ نے پریشانی سے کہا تھا۔ "ممی کو اب تمہاری گاڑی کا گیٹ پر آکر رکنا

اچھا نہیں لگتا۔ وہ کہتی ہیں یونیورسٹی کی حد تک تو ٹھیک ہے، مگر ان شام کی ملاقاتوں کا مقصد کیا ہے؟"

"تم جانتی ہو کہ مقصد کیا ہے رانیہ، تمہارے ساتھ بہترین وقت گزارنا۔" فراز نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا۔

رانیہ ایسے موقع پر خاموش ہو جاتی۔

جو محبت وہ ارمغان سے چاہتی تھی، وہ اب اسے فراز سے مل رہی تھی۔

فراز اسے بتا چکا تھا کہ وہ ایم ایس مکمل ہوتے ہی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس نے یہ کڑوا سچ بھی رانیہ کے گوش گزار کر دیا تھا کہ ارمغان کو محسوس ہونے لگا تھا کہ رانیہ اسے چاہتی ہے، اسی وجہ سے وہ اس سے دور رہنے لگا تھا۔

رانیہ کا دل ٹوٹا ضرور تھا، مگر اسے جوڑنے والا فراز میر تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح، فراز، رانیہ کی کلاس کے باہر کھڑا اس کے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

جیسے ہی رانیہ باہر آئی، وہ تیزی سے اس کی جانب لپکا۔ "جانتی ہو، آج ارمغان غیر حاضر ہے؟" فراز نے ساتھ چلتے ہوئے اسے مطلع کیا۔

"لیکن کیوں؟" رانیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اس نے تمہیں وجہ تو بتائی ہو گی، آخر تم اس کے بہترین دوست ہو!"

اس بات پر دونوں کے درمیان ایک معنی خیز مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا۔

فراز بولا۔ "ہاں، آدھی رات کو پیغام آیا تھا کہ طبیعت ناساز ہے، نہیں آسکوں گا۔"

"ہمم۔۔۔ ویسے میں نے اسے کبھی غیر حاضر نہیں پایا۔" رانیہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

ہاں، ہے تو بہت ذمہ دار، لیاقت بھی اسی پر تمام ہے۔" فراز نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

رانیہ نے اسے پہلو سے دیکھا۔ "کہیں تم اس سے حسد تو نہیں کرتے؟"

فراز نے قہقہہ لگایا، مگر رانیہ کو اس کی ہنسی قدرے کھوکھلی لگی۔ "میرے گریڈز کبھی اس سے پیچھے نہیں رہے، رانیہ۔"

"میں تو مذاق کر رہی تھی، ویسے حسد صرف گریڈز کی بنا پر نہیں ہوا کرتا۔" رانیہ نے تصحیح کی۔

"حسد تب ہو جب میں کسی کو خود سے بہتر سمجھوں۔" فراز نے اعتماد سے کہا۔

رانیہ نے سر نفی میں ہلایا۔ "واقعی، یہ تم سے ہو گا نہیں!"

اس بات پر دونوں کھل کر ہنس پڑے۔

اگلی رات جب فراز نے رانیہ کو فون کیا تو اسے حیرت نہیں ہوئی، وہ اکثر رات کے کھانے کے بعد اس سے فون پر بات کیا کرتا تھا۔

"جانتی ہو؟ آج بھی ارمغان یونیورسٹی نہیں آیا۔" فراز کی آواز میں تشویش تھی۔

رانیہ بولی۔ "ہاں، تم نے بتایا تھا۔"

"میں نے یونیورسٹی سے نکلتے ہوئے دفتر سے معلوم کرایا تھا، اس نے چند دن کی غیر حاضری کی درخواست دے رکھی ہے۔ بس یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کتنے دنوں کی اور وجہ کیا ہے،" فراز نے تفصیل بتائی۔

"تم اسے کال کر لو نا!" رانیہ نے مشورہ دیا۔

"میں نے کئی بار کوشش کی، نمبر مصروف مل رہا ہے۔" فراز نے جھنجھلا کر کہا۔

کہیں اس نے تمہیں بلاک تو نہیں کر دیا؟" رانیہ نے ہنستے ہوئے پوچھا، پھر سنجیدہ ہو کر "

"بولی۔" ویسے تم نے اس سے دوستی کی کیوں تھی؟

"کیا مطلب؟ میں تمہارے سوال کا مقصد نہیں سمجھا۔"

"دیکھو نا! تمہیں اپنا آپ اس سے اتنا چھپانا پڑ رہا ہے، اس کا مطلب ہے اس دوستی کی بنیاد ہی مضبوط نہیں تھی۔" رانیہ نے اپنی رائے دی۔

فراز نے بات بدلتے ہوئے کہا۔ "تمہیں نہیں لگتا ہمیں اس کے گھر جانا چاہیے؟"

"موضوع تمہاری پسند کا نہ ہو تو بہت مہارت سے بات کا رخ بدل لیتے ہو۔" رانیہ نے اسے چھیڑا۔

"واقعی میں سنجیدہ ہوں، اگر ہم نہ گئے تو عجیب لگے گا۔ اور میں تھوڑا متجسس بھی ہوں،"

آخر چل کیا رہا ہے؟ عجیب بات ہے، وہ بغیر بتائے غائب ہو جائے؟

"مجھ سے تو وہ دور ہی ہے، تم اپنی بات کرو۔"

☆☆☆

اگلے دن فراز اور رانیہ، ارمغان کی خیریت جاننے اس کے گھر پہنچے، جہاں ارمغان کی والدہ نے ان کا استقبال کیا۔

"آنٹی، ارمغان کیسا ہے؟ یونیورسٹی میں تو اس کی بیماری کی درخواست آئی ہے۔" فراز نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔

فہمیدہ آنٹی نے متبسم نظروں سے ان دونوں کو دیکھا اور کرسی سنبھالتے ہوئے بولیں۔ "بیماری کی درخواست؟ کیا تم نے خود وہ درخواست دیکھی ہے، فراز؟"

فراز لمحے بھر کو گڑبڑا گیا۔ "نہیں، بس آفس سے پتہ چلا تھا کہ اس کی چھٹی کی درخواست آئی ہے۔"

"ارمغان تو اپنے کزنز سے ملنے کراچی گیا ہوا ہے۔" فہمیدہ آنٹی نے انکشاف کیا۔ "بس" تھوڑا سا ماحول بدلنا چاہتا تھا، کہہ رہا تھا دم گھٹ رہا ہے پڑھائی میں۔

رانیہ، جواب تک خاموشی سے سن رہی تھی، چونک کر بولی۔ "بس یہی وجہ تھی؟"

"کہہ کر گیا تھا کہ کچھ دن کراچی رہے گا، اب کب لوٹے گا، یہ نہیں بتایا۔"

فراز کی الجھن مزید بڑھ گئی۔ "مجھے اس نے بتایا تھا کہ طبیعت ناساز ہونے کے باعث یونیورسٹی نہیں آ رہا؟"

"کہہ رہا تھا پھر نکل نہیں پائے گا، امتحانات قریب ہوں گے۔ اسی لیے ابھی چکر لگانے کی سوجھی تاکہ بعد میں پڑھائی پر توجہ دے سکے۔" فہمیدہ آنٹی نے اطمینان سے جواب دیا۔

رانیہ اور فراز نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، دونوں کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا کہ یہ کیا چکر ہے؟ ارمغان نے فراز کو بیماری کا میسج کیوں بھیجا جبکہ اصل وجہ کچھ اور تھی؟ اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ فراز کی کالز کا جواب کیوں نہیں دے رہا تھا؟

فراز خاموش بیٹھا رہا، مگر پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ ارمغان جان بوجھ کر اسے اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

☆☆☆

کلاس میں پہلا لیکچر شروع ہونے والا تھا۔

فراز اندر داخل ہوا اور نظریں دوڑائیں تو کچھ فاصلے پر ارمغان اپنا رجسٹر کھول رہا تھا۔

فراز کے چہرے پر ایک دم چمک آئی اور وہ پر جوش انداز میں اس کے پاس پہنچا۔ "شکر ہے تم لوٹ آئے!" فراز نے اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تم نے بتایا ہی نہیں کہ کراچی سے واپس آ گئے ہو؟ ابھی بھی میں نے تمہیں کلاس میں ہی دریافت کیا ہے۔"

ارمغان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، اس کی مسکراہٹ میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔ "مجھے پتہ تھا ملاقات ہو ہی جانی ہے۔"

فراز کو ارمغان کے لہجے میں کچھ بدلا ہوا سا محسوس ہوا، مگر وہ کیا تھا، یہ وہ خود سے بھی بیان نہ کر پایا۔

ارمغان اس سے پڑھائی کے متعلق پوچھنے لگا کہ پچھلے دنوں کیا ہوتا رہا اور وہ اب کیسے کمی پوری کرے گا۔ کلاس سے باہر ارمغان کی رانیہ سے بھی تھوڑی بہت بات چیت ہوئی اور فراز بھی ساتھ ہی رہا۔

شام میں جب وہ تینوں اپنے گھروں کو جا چکے تھے، اچانک فراز کے موبائل پر ارمغان کا نام چمکا۔

"آج شام کہیں باہر چلیں؟ بہت دل چاہ رہا ہے۔" ارمغان نے دوسری طرف سے پوچھا۔

فراز انکار کرتے ہوئے لمحے بھر کو ہچکچایا۔ "آج تو نہیں، کل کا دن رکھ لیتے ہیں۔ میں ٹھیک اسی وقت تمہیں لینے آ جاؤں گا۔"

ارمغان نے حامی بھر لی اور فون رکھ دیا۔

فراز نے ایک رکی ہوئی سانس خارج کی، اسے اطمینان ہوا کہ ارمغان اب بھی وہی پرانا دوست ہے۔

دوسری طرف ارمغان، جو پہلے سے تیار بیٹھا تھا، اپنا والٹ اور گاڑی کی چابی اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ شکیل صاحب کے سامنے بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا، ملازمہ چائے اور لوازمات لا کر سامنے سینٹرل ٹیبل پر رکھ رہی تھی کہ آنٹی بھی وہاں آ گئیں۔

"یوں ہمیں بھی وقت دے دیا کرو، تم دوست تو کسی اور کو اپنے گروپ میں شامل ہی نہیں کرتے۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتیں سامنے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"بس آنٹی! کراچی سے لوٹا تو سوچا آپ لوگوں کو کچھ تحائف دے دوں۔" "ارمغان نے" قریب رکھے چمڑے کے بیگ سے پیکٹ نکالنا شروع کیے۔

"ارے اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟" شکیل صاحب کچھ ہچکچائے۔

بس وہی چیزیں ہیں جو خاص کراچی سے ملتی ہیں، آپ تینوں کے لیے چھوٹے موٹے ٹوکنز "آف لو۔"

ابھی وہ بات کر ہی رہا تھا کہ ملازم نے دروازے پر دستک دی اور اجازت ملتے ہی اندر آ کر اطلاع دی۔ "وہ فراز صاحب کی گاڑی آئی ہے، کہہ رہے ہیں رانیہ میڈم سے کہو جلدی آئیں۔"

شکیل صاحب کے ماتھے پر سلوٹیں ابھریں۔ "ایک تو رانیہ بھی اکثر نکلنے میں دیر لگا دیتی ہے۔ تمہارے نہ ہونے سے ہمیں پتہ چلا کہ ان دونوں کی ملاقاتیں چل رہی ہیں۔"

ارمغان نے چائے کا سپ لیا اور ملازم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "فراز سے کہو یہیں آ جائے، میں بھی یہیں ہوں۔"

باب نمبر 22

زمرد شہ پارہ

ایک دن یونہی سیف کچن میں زمرد کو بسکٹ بیک کرتے دیکھ رہا تھا جب اچانک خیال آنے پر پوچھ بیٹھا۔ "آپی، آپ دونوں کا ہیر سٹائل بھی مختلف ہے اور کپڑوں کے رنگ بھی الگ ہوتے ہیں، پھر بھی اجنبی لوگوں کو پہچاننے میں غلطی تو ہوتی ہو گی۔"

قریب ہی شہ پارہ بھی کھڑی تھی، اس پر دونوں بہنیں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیں۔

"آپ دونوں نے مل کر کبھی کسی کو بے وقوف بنایا؟" صرف سوال نہیں، سیف کا انداز بھی شرارت سے بھرپور تھا۔

"ہم نے کسی کو کافی پلائی تھی۔" شہ پارہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "لیکن اسے اس کافی کا مزہ نہیں آیا۔"

سیف نے دونوں کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی، جیسے یہ پہیلی بوجھنا چاہتا ہو۔

"شہ پارہ کی شرارت تھی۔" زمرد نے ساری بات بہن پر ڈال دی۔

"زمرد کی جان چھڑوائی تھی ورنہ وہ پیچھے ہی پڑ جاتا۔"

دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"اس نے دوبارہ کوئی دعوت نہیں دی۔" زمرد کا لہجہ اطمینان بھرا تھا۔

کامران پچھلے کئی ہفتوں سے ہمت مجتمع کر رہا تھا۔

وہ ہر منگل اور جمعرات یونیورسٹی کی لائبریری میں زمرد کو دیکھتا تھا۔ ہمیشہ اسی کونے والی نشست پر بیٹھی ہوئی، وہی جانی پہچانی گرمجوش مسکراہٹ جو ہر ملنے والی نظر کا استقبال کرتی۔

وہ ان لوگوں میں سے تھی جو دوسروں کی کتاب ڈھونڈنے میں مدد کرنے یا کسی کے لیے دروازہ کھلا تھامے رکھنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے۔

آج آخر کار وہ دن آ ہی گیا تھا۔

کامران نے کہے جانے والے جملے ذہن میں کئی بار دہرا لیے تھے۔

اپنا پسندیدہ جیکٹ پہن کر وہ خود کو پر اعتماد محسوس کر رہا تھا۔

اس نے اسے فکشن کے شیلف کے پاس دیکھا۔

اس کی پشت کامران کی طرف تھی، سیاہ بال ایک ڈھیلی سی چوٹی میں بندھے ہوئے تھے اور سرسوں رنگ کا دوپٹہ کندھوں پر ڈھلکا ہوا تھا۔

سب کچھ بالکل ویسا ہی تھا جیسا وہ روز دیکھتا تھا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا، اپنی جیکٹ کو ٹھیک کیا اور قدم اس کی طرف بڑھا دیے۔

"زمرد؟" اس نے پکارا۔

اس کی اپنی آواز اس کی توقع سے زیادہ پر سکون تھی۔

وہ لڑکی آہستگی سے مڑی۔

وہی چہرہ تھا، چوٹی اور وہی سرسوں رنگ دوپٹہ۔۔۔

مگر آنکھیں؟

آنکھیں مختلف تھیں۔

ان میں وہ روایتی نرمی نہیں تھی، بلکہ ایک عجیب سی تیزی اور حساب لگاتی ہوئی چمک تھی۔

اس کے لبوں پر پھیلنے والی مسکراہٹ میں کچھ ایسا تھا جیسے کامران کسی ایسے جال میں قدم رکھ چکا ہو جسے بنتے ہوئے اس نے دیکھا ہی نہ تھا۔

"جی؟" اس نے لفظ کو ذرا کھینچتے ہوئے کہا۔

کامران پلک جھپک کر رہ گیا۔

اسے لگا جیسے کچھ غلط ہے، مگر وہ سمجھ نہ پایا کہ کیا؟

اس نے ہچکچاتے ہوئے بات جاری رکھی۔

"میں۔۔۔میں نے آپ کو اکثر یہاں دیکھا ہے۔بس یہی کہنا چاہتا تھا کہ آپ بہت مہربان طبیعت کی مالک ہیں۔پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا آپ کبھی میرے ساتھ کافی پینا پسند کریں گی؟"

لڑکی نے سر کو ایک طرف جھکایا۔

اس کے چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

یہ زمرد کی وہ سادہ مسکراہٹ نہیں تھی، بلکہ اس میں ایک خاص قسم کی کاٹ اور گہرائی تھی۔

"مہربان؟"اس نے لفظ کو دہرایا۔

"میں؟"

جی، میرا مطلب ہے۔۔۔آپ ہمیشہ لوگوں کی مدد کرتی ہیں، بہت ملنسار۔۔۔"

"ہیں۔۔۔

"میں نے ایک سٹوڈنٹ سے کہا کہ اس کا تھیسس محض وقت کا ضیاع ہے، اس کے منہ پر !"اس نے نہایت خوشگوار انداز میں انکشاف کیا۔

کامران ہکا بکا اسے دیکھتا رہ گیا۔"میں۔۔۔کیا؟"

"اور پچھلے ہفتے میں نے پروفیسر حیدر سے کہا کہ ان کے لیکچر نوٹس دس سال پرانے ہو" "چکے ہیں۔"وہ لمحہ بھر کو رکی۔"ویسے انہوں نے یہ بات مان لی تھی، لیکن پھر بھی۔۔۔

"میں۔۔۔"

کامران نے کچھ کہنا چاہا، مگر الفاظ جیسے اس کے حلق میں پھنس گئے۔

"کیا۔۔۔کیا آپ واقعی زمرد ہی ہیں؟"

"مجھے تو پورا یقین ہے کہ میں نہیں ہوں۔"اس نے نہایت اعتماد سے جواب دیا۔

اسی لمحے شیلف کے پیچھے سے دبی دبی ہنسی کی آواز آئی اور ایک لڑکی باہر نکل آئی۔

وہی چہرہ، سرسوں رنگ کا دوپٹہ، مگر آنکھوں میں وہی جانی پہچانی نرمی اور خوشی کی چمک۔

یہ زمرد تھی۔

"کامران!" وہ اپنی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔ "مجھے بہت افسوس ہے، دراصل میں نے تمہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو یکدم گھبرا کر چھپ گئی اور پھر شہ پارہ نے بس۔۔۔"

"معاملہ سنبھال لیا۔" شہ پارہ نے یوں بات کاٹ کر کہا، جیسے اس نے کوئی غیر معمولی کام نہ کیا ہو۔

کامران اب بغور ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

وہی نقوش، قد و قامت، مگر دو بالکل الگ دنیائیں۔

"کیا تم دونوں نے یہ سب پہلے سے پلان کر رکھا تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔" زمرد نے فوراً تردید کی۔

"ہاں۔" شہ پارہ نے عین اسی وقت جواب دیا۔

زمرد نے مڑ کر بہن کو گھورا، مگر شہ پارہ نے بڑی بے نیازی سے کندھے اچکا دیے جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

کامران نے ایک لمبا سانس لیا اور پھر اپنی ہی اس صورتِ حال پر ہنس پڑا۔

ایک بھرپور اور سچی ہنسی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا، "یہ واقعی ایک شاندار تجربہ تھا۔"

شہ پارہ نے ہلکا سا سر جھکایا، جیسے وہ کسی ایسی تعریف کو قبول کر رہی ہو جس کی اسے پہلے سے توقع تھی۔

زمرد نے کہنی سے بہن کو ہلکا سا دھکا دیا اور کامران کی طرف مڑی۔

اس کے چہرے پر وہی پرانی گرمجوشی اور حقیقی معذرت کے تاثرات تھے۔

کافی؟" زمرد نے پیشکش کی۔ "میری طرف سے۔۔۔ میری بہن کے 'اپنی ہی طرح'"

"ہونے کا جرمانہ سمجھ لو۔

جب وہ دونوں کینٹین کی طرف چل پڑے تو شہ پارہ کی عقب سے آواز آئی۔ "میں اس کے لیے 'موثر' کا لفظ زیادہ پسند کروں گی۔"

زمرد نہیں پلٹی، مگر کامران نے ایک بار مڑ کر ضرور دیکھا۔

شہ پارہ بے فکری سے شیلف سے دوسری کتاب نکال رہی تھی جیسے اسے پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ سب اسی طرح ہونا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

رانیہ گھر کے گیٹ سے باہر نکلی تو حسبِ توقع فراز اپنی گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

رانیہ دروازہ بند ہی کر رہی تھی کہ فراز نے ضبط کھو دیا۔

"دیکھا کل ارمغان نے کیا کیا؟"

رانیہ نے ہلکا سا سر ہلایا۔ "واقعی، یہ تو میری توقع سے زیادہ چالاک نکلا۔ کیسے ہمارے ہی ڈرائنگ روم میں ہم دونوں کو ڈیڈ کے سامنے شرمندہ کیا۔"

"اور وہ بھی بنا کچھ کہے!" فراز نے لقمہ دیا۔

رانیہ تائیدی انداز میں بولی۔ "اس نے بھی خوب چال چلی۔ پہلے کراچی گیا، یہاں سے غائب ہو گیا یوں میرا گھر والوں کے سامنے یہ بہانہ بھی رہ گیا کہ ہم تینوں ساتھ باہر نکلا کرتے ہیں۔"

اس نے مجھے باہر چلنے کو کہا اور انکار پر سیدھا" فراز نے غصے میں اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔

"تمہارے گھر پہنچ گیا۔

وہ ہمیں پکڑنے نہیں آیا تھا، فراز، وہ بس چاہتا تھا کہ ہمیں خود سمجھ آ جائے کہ وہ جان چکا ہے۔"

رانیہ نے حیرت کا اظہار کیا۔ "عجیب بات یہ ہے کہ اس نے الزام بھی نہیں لگایا۔"

فراز نے تلخی سے جواب دیا۔ "اسے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ جب ہم تینوں تمہارے ڈیڈ کے سامنے موجود تھے تو بس۔۔۔ پھر کیا تھا، تمہارے ڈیڈ خود شروع ہو گئے کہ یہ دونوں پہلے تمہارا نام استعمال کرتے رہے اور جب تم شہر سے باہر گئے تو ساری بات کھلی۔"

رانیہ نے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"شاید بہتر یہی ہوا، اب کم از کم بات چھپی تو نہیں رہی۔" اس نے فراز کی طرف مڑ کر دیکھا اور دو ٹوک لہجے میں کہا۔ "اب پیچھے ہٹنے کا وقت نہیں رہا، فراز۔ تم اپنے گھر والوں کو رشتے کے لیے بھیجو۔"

☆☆☆

اگلے دن پہلی کلاس میں داخل ہوتے ہی فراز کی نظر سیدھی ارمغان پر جا ٹھہری۔ وہ ایک نئے لڑکے کے ساتھ بیٹھا باتوں میں یوں مشغول تھا کہ فراز کی طرف دیکھا تک نہیں۔

یہ لڑکا، خیام، چند دن قبل دوسرے شہر سے مائیگریشن کروا کر آیا تھا۔

چند دن پہلے یہی خیام انہیں اتنا غیر نمایاں لگا تھا کہ رانیہ نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''ایسے لوگ اپنی موجودگی صرف نمبروں سے محسوس کرواتے ہیں۔''

"ہاں، سنا ہے سکالرشپ پر ہے۔" فراز نے بتایا۔

ان کی جانب قدم بڑھاتے فراز کے کانوں میں وہی پرانی گفتگو گونج رہی تھی۔

قریب پہنچا تو خیام کے اشارے پر ارمغان نے رخ موڑ کر سامنے کھڑے فراز کو دیکھا اور سوالیہ انداز میں ابرو اچکائے۔ "آؤ ارمغان!" فراز نے ہاتھ کے اشارے سے اس طرف اشارہ کیا جہاں عموماً وہ دونوں بیٹھا کرتے تھے۔

ارمغان نے ایک خاص انداز سے خیام کی طرف اشارہ کیا۔ "خیام کی باتیں خاصی دلچسپ ہیں، میں یہیں بیٹھوں گا۔"

فراز نے دیکھا ان کے آس پاس کوئی کرسی خالی نہیں تھی اور سچ تو یہ تھا کہ خیام جیسے لڑکے کے ساتھ وقت گزارنے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ "اوکے، اگلی کلاس میں سہی۔" وہ یہ کہتا وہاں سے چل دیا۔

لیکن اس کے بعد ہر کلاس میں ارمغان اس کے بجائے خیام کے ساتھ ہی بیٹھا۔

جب لیکچرز کے بیچ ایک وقفہ ملا تو اس نے ارمغان کو راہداری میں دھر لیا، وہ خیام کو لیے کیفے ٹیریا کی جانب جا رہا تھا۔ "مجھے ارمغان سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔" اس نے خیام کو یوں مخاطب کیا جیسے اطلاع دے رہا ہو۔

تمہیں ہو کیا گیا ہے؟" تنہائی میسر آتے ہی اس نے ارمغان سے پوچھا۔ "ناراض ہو،"
"میں سمجھ سکتا ہوں۔ غصہ کر لو، چار باتیں سنا لو لیکن یوں۔۔۔

فراز نے مڑ کر وہاں دیکھا جہاں خیام ایک کونے میں کھڑا ارمغان کا انتظار کر رہا تھا۔ "کسی
ایسے شخص کی کمپنی میں بیٹھ کر خود کو اذیت تو مت دو۔"

ارمغان بولا۔ "تم اور رانیہ اپنے فیصلوں میں آزاد تھے، میں اس پر شکوہ نہیں کروں گا۔ مگر
میرے دوست کی توہین مت کرو۔ میں کسی کے ساتھ صرف کسی کو کچھ ثابت کرنے کے
لیے وقت نہیں گزارتا۔" پھر وہ ٹھہر کر بولا۔ "اور شاید اب میں کسی ایسے شخص کے ساتھ
بیٹھنے لگا ہوں، جو مجھے استعمال نہیں کر رہا۔"

آخر میں اس نے ایک جتاتی ہوئی نگاہ فراز کے سر سے پیر تک ڈالی۔

وہ جانے لگا تو فراز کی اس بات پر رکنا پڑا۔ "تم دوست بدل رہے ہو؟"

ارمغان نے مڑ کر اسے دیکھا۔ "غلط دوست کو صحیح وقت پر چھوڑ دینا ہی عقلمندی ہے۔"

☆☆☆

رانیہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی چہرے سے نرمی سے میک اپ ہٹا رہی تھی، جبکہ فراز بیڈ پر نیم دراز موبائل پر کچھ دیکھ رہا تھا۔

"یاور کی فیملی بھی دلچسپ ہے۔" وہ اچانک بولی تو فراز کے اعصاب میں تناؤ بڑھ گیا۔ "اس کی آنکھیں جانے کس پر گئیں، ماں باپ میں سے تو کوئی بھی اتنا خاص نہیں۔۔۔ لیکن یاور!" اس نے آخر میں آہ بھری۔

فراز نے اس کی طرف دیکھا۔ "جانتی ہو اس کی عمر کیا ہے؟"

وہ ہلکے سے مسکرائی۔ "کافی چھوٹا ہے۔ بس عمر میں ذرا بڑا ہوتا تو میری فہرست میں ٹاپ پر ہوتا۔"

فراز جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔ "میں اکثر تمہارے منہ سے ایسے ہی تبصرے سنتا ہوں، کبھی میرے کسی دوست کے بارے میں اور کبھی تمہارے کسی کزن کو لے کر۔۔۔"

رانیہ نے بات کاٹی۔ "ہاں تو کیا تم ایسا نہیں کرتے؟"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "تم مرد دوسری عورتوں کے حسن کی تعریف کر سکتے ہو تو ہم عورتیں کیوں نہ کریں، برداشت کی عادت ڈالو۔"

فراز بھی بیڈ سے اتر کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ "مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ تم یہ سب جان کر کرتی ہو؟"

وہ تلخی سے ہنس دی۔ "جان بوجھ کر؟"

وہ بولا۔ "ہاں، کچھ تو ہے جو تمہارے دل میں میرے خلاف چل رہا ہے۔"

وہ دو قدم مزید قریب آتے سرگوشی میں بولی۔ "اب جب سوچتی ہوں تو لگتا ہے تم نے بہت سوچ سمجھ کر مجھے ارمغان سے متنفر کیا، ورنہ وہ اچھا خاصا انسان ہے، اس سے شادی کی ہوتی تو۔۔۔"

جواب میں فراز نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔

رانیہ چند لمحے ساکت کھڑی رہی، پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ "تمہارے پاس اپنی ہر حرکت کا جواز موجود ہوتا ہے فراز، مجھ پر ہاتھ اٹھانے کو بھی تم صحیح ثابت کر دو گے۔"

اس کی آواز بلند ہونے لگی۔ "تم کسی کو بھی غلط ثابت کر سکتے ہو۔ افسوس، تمہیں پہچاننے میں مجھے بہت دیر ہو گئی۔"

فراز نے اسے بالوں سے پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ "آواز نیچی رکھو، کسی نے سن لیا تو وہ کروں گا جو تمہاری سوچ سے کہیں بڑھ کر ہو گا۔"

وہ اب کی بار سرگوشی میں بولی۔ "تم وہ سانپ ہو جو ڈس لینے کے بعد ہی دکھائی دیتا ہے۔"

☆☆☆

رات کی خنکی بڑھ چکی تھی۔ فراز اور رانیہ دوست کی دعوت سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے، جہاں ڈرائیور اور گارڈ مستعد کھڑے ان کا انتظار کر رہے تھے۔

"اچھا وقت گزرا۔" فراز نے گاڑی کی طرف چلتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

رانیہ نے سر اثبات میں ہلایا۔ "ہاں، کمپنی بھی اچھی تھی۔"

"شاہ ویز کام کا بندہ ہے۔" فراز نے اچانک موضوع بدلتے ہوئے تبصرہ کیا۔

رانیہ نے تعجب سے اسے دیکھا، "کام کا؟"

"دیکھو نا، کبیر کے کتنے اختیارات ہیں۔ بیوروکریٹ خاندان سے تعلق ہے اس کا، ہر کسی کو دوست نہیں بناتا، لیکن اس کی بھی شاہ ویز سے گہری دوستی ہے۔" فراز نے وضاحت کی۔

رانیہ نے اسے بغور دیکھا۔ "اس گفتگو کا رخ کس طرف مڑنے والا ہے، میں سمجھ نہیں پائی۔"

فراز ہلکا سا ہنسا۔ "امبر کے حوالے سے مجھے شاہ ویز پسند ہے۔"

رانیہ چلتے ہوئے اچانک رک سی گئی۔ "لیکن فراز۔۔۔ وہ یاور؟"

فراز نے نہایت سرد مہری سے اس کی بات کاٹی۔ "اب اس (یاور) کی بات آئندہ کبھی نہیں ہو گی۔"

تمہیں یہ حق "رانیہ نے ایک بار پھر قدم آگے بڑھائے، مگر اس کا لہجہ اب تھوڑا تلخ تھا۔

"کس نے دیا کہ کسی اور کے دل کا راستہ بھی تم خود طے کرو؟

"مجھے زیادہ محنت بھی نہیں کرنی پڑے گی۔ دیکھا نہیں وہ کیسے ہر وقت اس کی باتیں کرتی ہے؟ جو مجھے راس نہ آئے، اسے بدلنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں۔ "فراز نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"وجہ یہ ہے کہ وہ دونوں کلاس فیلو ہیں اور ایک سی دلچسپیاں رکھتے ہیں۔"

"کیا یہ کافی نہیں؟"

"مجھے لگتا ہے وہ اچھے دوست ہیں۔"

"دوستی اکثر وہ پہلا نام ہوتا ہے جو لوگ اپنے اصل جذبات کو دیتے ہیں۔"

رانیہ نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ "امبر ایک جیتی جاگتی انسان ہے، اب کیا تم اس کی قسمت کا فیصلہ کرو گے؟"

وہ اب گاڑی کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔

اندر بیٹھنے سے پہلے فراز نے مڑ کر رانیہ کی آنکھوں میں جھانکا۔ "میں اس سے زیادہ سمجھ رکھتا ہوں، رانیہ۔"

رانیہ نے فراز کو بغور دیکھتے ہوئے سوچا۔

ہمیں زندگی میں انہی لوگوں کی سمجھ اتنی دیر سے کیوں آتی ہے، جو اپنے لہجے نرم رکھتے ہیں۔

رانیہ گاڑی میں بیٹھ گئی، جبکہ فراز کے چہرے پر وہی پراسرار اور ناقابلِ فہم مسکراہٹ برقرار رہی۔

☆☆☆

شاہ ویز بستر پر لیٹا موبائل کو سائلنٹ موڈ پر لگانے ہی والا تھا کہ یاور کی کال آنے لگی۔

اس نے مسکراتے ہوئے سبز بٹن دبایا۔ "ہاں بھئی، آج یاد آ ہی گئی؟"

دوسری جانب کچھ دیر کو ایک بے نام خاموشی چھائی رہی، پھر جیسے یاور نے خود کو سنبھالا اور حال چال پوچھنے لگا۔ یہ پاکستان سے جانے کے بعد شاہ ویز کو موصول ہونے والی پہلی کال تھی، خود وہ بھی پہلے سمسٹر کی مصروفیات کی وجہ سے رابطہ نہیں کر پایا تھا۔

یاور اب امریکہ میں قیام پذیر تھا، پی ایچ ڈی کی خواہش اسے کالٹیک لے گئی تھی۔ شاہ ویز کو حیرت تھی کہ امریکہ اور پاکستان کے اوقات کا فرق اتنا زیادہ تھا کہ یوں کال کرنا یاور کے لیے آسان نہیں رہا ہو گا۔

"سنا ہے پڑھائی نے تمہیں پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا ہے؟" یاور نے انداز ہلکا پھلکا رکھتے ہوئے پوچھا۔

"صحیح سنا ہے، لیکن بھلا کس سے؟" شاہ ویز نے چھیڑنے والے انداز میں پوچھا۔

جواباً یاور کی ایک کھوکھلی سی ہنسی سنائی دی۔ "امی بتا رہی تھیں، ان کی غالباً آنٹی سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا تم بہت پرجوش ہو۔"

شاہ ویز کو لگا وہ تمہید باندھ رہا ہے، لیکن وہ کیا جاننا چاہتا تھا، یہ شاہ ویز کوشش کے باوجود سمجھ نہ پایا۔

ہاں، تاریخ اور بین الاقوامی تعلقات میں۔ تم جانتے تو ہو تاریخ میں کتنی دلچسپی ہے"
"مجھے۔

دوسری طرف ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

شاہ ویز کو لگا اس کے جواب میں کچھ تھا جو یاور کے لیے غیر معمولی تھا۔

"یاور! تم ٹھیک تو ہو؟" وہ فوراً بولا۔

ہاں، بس تم سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ کچھ اپنی پڑھائی کا بتاؤ، یونیورسٹی میں کوئی"
"نئے دوست بنے؟

شاہ ویز اچانک بولا۔ "ہاں یاد آیا! میں تو تمہیں بتانا ہی بھول گیا، امبر نے بھی وہیں داخلہ لیا
ہے۔"

دوسری طرف سناٹا چھا گیا۔ شاہ ویز کو لگا لائن کٹ گئی ہے، اس نے موبائل کان سے ہٹا کر
سکرین دیکھی، کال جاری تھی۔

"یاور؟"

ہاں، میں یہیں ہوں۔" اس بار یاور کی آواز بہت آہستہ تھی۔

بہت اچھی ہے وہ تاریخ میں، ہر بات کو کھنگال کر رکھ دیتی ہے۔ ہر سوال پر اسی کا ہاتھ"

"سب سے پہلے کھڑا ہوتا ہے۔

"شاہ ویز؟" یاور کا اگلا سوال تھا۔

"ہاں؟"

"وہ خوش ہے نا؟" شاہ ویز کو یہ سوال کچھ عجیب لگا۔

"ہاں، شروع میں خاموش رہتی تھی، اب پڑھائی میں مشغول رہتی ہے۔ بس پچھلے"

دنوں اس کا حادثہ ہو گیا تھا۔

یاور کا ردِ عمل فوراً سامنے آیا۔ "حادثہ؟ امبر کا؟"

"ہاں۔" شاہ ویز کو حیرت ہوئی۔ "تمہیں کسی نے نہیں بتایا؟"

نہیں، ہم میں سے کسی کو ایسی کوئی خبر نہیں ملی۔" اس کے اگلے سوال میں بے تابی"

"تھی۔ "وہ ٹھیک تو ہے؟

ہاں اب تو شکر ہے تندرست ہے، کوئی ایسا سنگین حادثہ نہیں تھا۔ یاد ہے جب تم یہاں ٹھہرے تھے، تم نے ایک بات کہی تھی امبر کے متعلق؟"

ایک بار پھر شاہ ویز کو جواب میں خاموشی ملی، پھر دھیمی آواز میں سوال آیا۔ "کیا کہا تھا؟"

شاہ ویز مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم نے کہا تھا اسے سرخ گلاب یوں پسند ہیں کہ سفید گلابوں کے ہالے میں ہوں، اور یہ بات امبر نے بھی کہی تھی لیکن مجھے تمہاری بات یاد رہ گئی۔ عجیب بات ہے، جب میں اس کے لیے پھول لینے لگا تو اس کی وجہ ذہن میں گونجتی تمہاری آواز تھی، اس کی نہیں۔"

"اچھا کیا تم نے۔" یاور نے جواب میں بس اتنا کہا۔

"میں نے کچھ ایسا خاص نہیں کیا، یاور۔"

"بس۔۔۔ اگر کبھی وہ تنہا لگے تو اسے اکیلا مت چھوڑنا۔" یاور بولا۔

فون بند ہونے کے بعد شاہ ویز کچھ دیر اسی طرح موبائل ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔

پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ یاور نے پوری گفتگو میں امبر کا نام چند بار لیا تھا، مگر بات شروع سے آخر تک صرف اسی کے بارے میں تھی۔

☆☆☆

رانیہ اور فراز کی شادی کی سالگرہ کی تقریب اپنے عروج پر تھی۔ کیک کٹنے کے بعد اب لان میں عشائیے کا آغاز ہو چکا تھا اور مہمان خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ رانیہ، جو آج کے انتظامات کی خود نگرانی کر رہی تھی، چہکتی ہوئی سب کے درمیان آئی۔ اس کے ہاتھ میں موبائل تھا جس کا رخ اس نے سب کی طرف کر رکھا تھا، خاص طور پر اس جگہ جہاں امبر اپنی ماں کے ساتھ کھڑی تھی۔

"میں نے سوچا یاور کو ویڈیو کال کر کے ایک نظر دعوت کا انتظام دکھاؤں، آخر کو یہ سب آج میں نے ارینج کیا ہے۔" رانیہ نے خوشی سے اعلان کیا۔

امبر نے بمشکل نظریں سکرین کی طرف اٹھائیں۔

وہاں اپنے بیڈ پر بیٹھا یاور، گہری جامنی شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر میں ملبوس، اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

نظریں ملتے ہی امبر نے اگلے ہی پل آنکھیں جھکالیں۔ اگلے ہی لمحے اسے اپنی ماں کی پر جوش آواز سنائی دی۔ "ہاں دیکھو یاور! اس دفعہ کسی ایونٹ مینیجر کی بھی ضرورت نہیں پڑی، رانیہ بہت زرخیز دماغ رکھتی ہے۔"

رانیہ نے موبائل کی سکرین کا رخ مسلسل ان ہی کی جانب رکھتے ہوئے ایک نظر امبر کے چہرے پر ڈالی۔ "امبر! تم بھی یاور سے دو باتیں کرلو، وہ کیا کہے گا کہ اتنی دور سے بات ہو رہی ہے اور کوئی اس سے مخاطب ہی نہیں ہو رہا۔"

امبر کو ماں کی پر تجسس نگاہیں اپنے چہرے پر محسوس تو ہوئیں، لیکن اس وقت وہ واقعی یاور سے بات کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ہمت جمع کی اور دھیمے لہجے میں پوچھا۔ "کیا کر رہے ہو آج کل؟"

یاور کے چہرے پر پہلی بار ایک مدھم سی مسکراہٹ آئی۔

وہ بتانے لگا کہ کالٹیک سے پی ایچ ڈی کر رہا ہے وہ بھی سگنل انٹیگریٹی میں۔ اس بارے میں تو امبر نے بھی دوسروں سے سن رکھا تھا لیکن یاور سے جاننا زیادہ اچھا لگا۔ اسے یوں اپنی منزل کی طرف بڑھتا دیکھ کر ایک ہلکی سی مسکراہٹ امبر کے چہرے پر بھی آ ٹھہری۔

رانیہ نے جب دور سے فراز کو اپنی طرف آتے دیکھا تو فوراً موبائل کا رخ اپنی جانب پھیر لیا اور بات سمیٹنے لگی۔ یاور کا چہرہ سکرین سے غائب ہوتے ہی امبر کا دل بوجھل ہونے لگا۔ وہ مزید وہاں رکنا نہیں چاہتی تھی، چنانچہ تیز قدم اٹھاتی ہوئی گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔

امبر کو لگا اس وقت صحیح جگہ وہی ٹیرس رہے گا جہاں اس نے کئی بار یاور کے ساتھ ستارے دیکھے تھے۔

ریلنگ پر ہاتھ رکھے اس نے ذرا سا نیچے جھک کر دیکھا تو اسے شاہ ویز دکھائی دیا۔ اس کی بھی نظر عین اسی وقت اوپر گئی، وہ ہلکا سا مسکرایا اور ایک جانب بڑھ گیا۔ امبر نے ایک گہری سانس بھرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔

"جانتی ہو آسمان دیکھنے میں اتنا خوبصورت کیوں ہے؟" ماضی کے یاور نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔

امبر نے بے اختیار آنکھیں مینچ لیں۔

"یہ آسمان ہمیں نیلا اس لیے دکھائی دیتا ہے کیونکہ سورج کی روشنی جب ہماری فضا سے ٹکراتی ہے تو نیلے رنگ کی لہریں سب سے زیادہ بکھرتی ہیں۔ لیکن جیسے ہی ہم اس نیلی چادر سے پار دیکھتے ہیں، وہاں صرف لامتناہی سیاہ وسعت اور ستارے ہیں۔ ہم جسے چھونا چاہتے ہیں وہ محض روشنی کا ایک دھوکا ہے، اصل حقیقت تو اس کے پیچھے چھپی وہ خاموشی ہے جو ستاروں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔"

اسے لگا یہ جگہ غلط انتخاب تھی۔

اتنے میں اسے کسی کے کھنکارنے کی آواز آئی۔

اس نے مڑ کر دیکھا تو ٹیرس کی مدھم روشنیوں میں شاہ ویز کھڑا تھا۔

"تمہیں اکیلے رہنا ہے یا میں رک سکتا ہوں؟"

امبر مسکرا دی۔ "بعض اوقات تنہائی مشکل سوال اٹھانے لگتی ہے، ایسے میں کسی کا آ جانا بھی کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا۔"

"تو میں ہاں سمجھوں؟" وہ یہ کہتا ہوا آگے آیا اور کچھ فاصلے پر اسی کی طرح ریلنگ پر ہاتھ ٹکاتا کھڑا ہو گیا۔ "پہلی بار وہ لوگ یوں ہمارے ہاں ٹھہرے تو ہمیں بھی دوستی کرنے کا موقع ملا۔ اب جب بھی رات میں آسمان دیکھوں تو یاور یاد آتا ہے۔"

امبر اس کے ذکر پر کم از کم ویسا تو محسوس نہیں کرتی تھی جیسا کسی اور کے حوالے سے کرتی۔

ایک لمحے کو ٹھٹک جاتی، پھر جیسے وہ دل کو بہلاتی۔

یہ کیا ایک نام پر ٹھہر جانا؟ ایک شخص ہی تو ہے، ایک ذکر ہی تو ہے۔ عام انداز میں لو۔

شاہ ویز نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "کہتا ہے امریکہ برطانیہ سے بہت مختلف سہی، خواب تو وہی پرانے ہیں۔"

امبر کو لگا اب کی بار وہ دل سے مسکرائی ہے۔ اس نے پوچھا۔ "وہ خوش ہے نا؟"

شاہ ویز نے چونک کر اسے دیکھا۔ "حیرت کی بات ہے، اس نے بھی تمہارے بارے میں یہی پوچھا۔"

"اس نے میرا پوچھا؟" امبر نے عام سے انداز میں کہا۔

"ہاں، تمہارا ذکر چھڑا تھا، میں نے بتایا کہ ہم یونیورسٹی میں ساتھ ہیں۔"

"امید ہے جتنی میں اپنے انتخاب سے مطمئن ہوں، وہ بھی ہو گا۔" وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کس بارے میں بات کر رہی ہے۔

شاہ ویز ہنس دیا۔ "نہیں! ہم اس جیسے دیوانے نہیں۔"

وہ مصنوعی حیرت سے بولی۔ "کیوں؟ تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ اس کی فلکیاتی طبعیات کے لیے دیوانگی، ہماری تاریخ سے محبت سے کہیں بڑھ کر ہے؟"

"ہاں! مجھے تو کبھی کبھار وہ ایک جنونی شخص لگتا ہے۔"

اب کی بار شاہ ویز کے قہقہے میں امبر کی ہنسی بھی شامل تھی۔

"بتا رہا تھا اب زیادہ مصروف رہتا ہے، نئے لوگوں میں رہنے لگا ہے۔"

"اور پرانے؟" امبر نے تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

اب وہ باقاعدہ یونیورسٹی جوائن کر چکا ہے۔" شاہ ویز رکا، پھر جیسے خیال آنے پر پوچھ "بیٹھا۔" کیا تم لوگوں کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں؟

وہ بری طرح چونکی۔" نہیں، ابھی کچھ دیر پہلے رانیہ بھابھی نے کال ملائی تھی، بات بھی کروائی۔"

"مجھے لگا شاید تم دونوں کا آپس میں رابطہ نہیں، اس کی باتوں سے بھی یہی لگا۔"

"وہ کیسے؟"

شاہ ویز نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" بس ایک بات کہی تھی، امبر کا خیال رکھنا۔"

☆☆☆

ڈرائنگ روم میں شام کی چائے کا اہتمام تھا، فضا میں چائے کی مہک اور دھیمی گفتگو رچی ہوئی تھی۔

رانیہ نفاست سے چائے پیش کر رہی تھی، جب اس نے شاہ ویز کی طرف پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔ "فراز نے خاص طور پر کہا تھا کہ شاہ ویز کو چائے پر بلاؤ۔ شاہ ویز، تمہیں چائے پسند بھی ہے؟"

شاہ ویز ایک لمحے کو ٹھٹکا، اسے رانیہ کا سوال ذرا غیر روایتی لگا۔

اس نے سنبھل کر جواب دیا۔ "جی بھابھی، پی لیتا ہوں پر زیادہ شوقین نہیں ہوں۔"

رانیہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی اور اگلا سوال اس کے مستقبل کے متعلق کیا۔ "آگے تمہارا بھی اکرام صاحب کا سیکیورٹی والا کام سنبھالنے کا ارادہ ہے؟"

شاہ ویز نے اثبات میں سر ہلایا۔ "جی ہاں، میں تو اب بھی اکثر فارغ وقت وہیں گزارتا ہوں۔"

اسی دوران امبر اور فراز کے والدین بھی وہاں آ گئے، پھر کچھ دیر شاہ ویز کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اجازت لیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ فراز نے معذرت خواہانہ انداز میں شاہ ویز کی طرف دیکھا۔ "آج دونوں کے چیک اپ کے لیے جانا ہے اور یہ ذمہ داری عموماً میری ہی ہوتی ہے۔"

شاہ ویز نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ "جی بالکل، آپ جائیں۔"

والدین کی معیت میں باہر نکلتے ہوئے فراز نے رانیہ کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

رانیہ پہلے سے جانتی تھی کہ یہ فراز کی ایک سوچی سمجھی چال ہے؛ وہ شاہ ویز اور امبر کو کچھ وقت تنہائی میں دینا چاہتا تھا۔ پورچ میں کھڑے ہو کر رانیہ نے ضبط سے کہا۔ "فراز! آپ کے بھی اصول اور معیار دونوں وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔"

جواب میں فراز نے اسے گھورتے ہوئے تنبیہ کی۔ "تمہارے منہ سے شاہ ویز کے سامنے ایک بھی غلط لفظ نکلا تو نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔"

رانیہ کے لہجے میں بیزاری تھی۔ "فراز، مجھے آپ کی کسی چال کا حصہ نہیں بننا، مجھے اس سب سے الگ ہی رکھیں۔"

فراز گاڑی کی طرف بڑھا اور والدین کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

رانیہ نے گاڑی کو گیٹ سے باہر جاتے دیکھا تو ایک گہرا سانس لیا اور دوبارہ ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔

اس کا مقصد اب واضح تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی اس نے وقت ضائع کیے بغیر شاہ ویز سے پوچھا۔ "کچھ یاور کی سناؤ، کیا کر رہا ہے آج کل؟"

اس نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ امبر پر ڈالی، جس کا رنگ ذکر پر یکلخت بدلا تھا۔

شاہ ویز نے چائے کا سپ لیا اور بتانے لگا۔ "یاور سے کل رات بات ہوئی تھی، وہ بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ وہ ایک ایسے ریاضیاتی ماڈل پر کام کر رہا ہے جو ستاروں کے بکھرنے کی وجوہات بیان کرتا ہے۔ اس نے کئی دن سے ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا، بس کافی اور کتابیں ہی اس کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔"

رانیہ نے اطمینان سے پلیٹ میں اپنے لیے کیک کا ٹکڑا لیا اور سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے لقمہ دیا۔ "شاہ ویز، یاور ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ اسے جب کوئی دھن سوار ہوتی ہے تو وہ اپنی ذات تک کو بھول جاتا ہے۔ لیکن اتنی دور، تنہائی میں اس طرح خود کو ہلکان کرنا۔۔۔ کیا اسے وہاں کوئی سمجھانے والا نہیں ہے؟"

شاہ ویز نے چائے کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "عجیب بات ہے، اس نے مجھے اپنے کمرے کی ایک تصویر بھیجی تھی جس میں اس کی میز بھی دکھائی دے رہی تھی۔ وہاں اس کی ضخیم کتابوں کے ڈھیر میں تاریخ کی ایک پرانی کتاب بھی پڑی تھی۔ میں نے حیرت سے پوچھا تو کہنے لگا کہ کبھی کبھی ستاروں کے مستقبل سے تھک کر وہ ماضی کی پناہ لیتا ہے۔"

دلچسپ ہے۔۔۔اسے تاریخ سے کبھی خاص "رانیہ نے کن اکھیوں سے امبر کو دیکھا۔ "شغف نہیں تھا۔

رانیہ کا یہ جملہ امبر کے دل پر ایک دستک کی طرح لگا۔

رانیہ نے بات کا رخ موڑتے ہوئے پوچھا۔ "جب پچھلے سال ان کی فیملی تمہارے ہاں رہی "تو کافی قریب ہوئے ہو گے تم دونوں؟"

اس پر شاہ ویز پرجوش انداز میں بولا۔ "بھابھی! ہم نے خوب ہائیکنگ کی، اکثر رات میں جاگنگ پر نکل جایا کرتے تھے۔ ایک بار میں نے اسے چیلنج بھی کیا۔ جہاں سے ہم

گزرتے تھے، وہاں راستے میں ایک گھر کا چوکیدار بہت نک چڑا تھا اور مالی تو اس سے بھی بڑھ کر سخت مزاج تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟" رانیہ نے امبر کے تاثرات جانچتے ہوئے اشتیاق سے پوچھا۔

"میں نے کہا، یہ جو دیوار سے پھول لٹکتے دکھائی دے رہے ہیں، دو توڑ کر دکھاؤ۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی امبر کے ہونٹوں پر مسکان آ ٹھہری۔

"اس نے کہا تم دو کا کہتے ہو، میں تین توڑ کر دکھاؤں گا۔" شاہ ویز نے بات مکمل کی۔

امبر بے ساختہ ہنس دی۔ "ایسا ہی ہے وہ، چیلنج تو اسے کوئی بھول کر بھی نہ کرے، وہ چار قدم آگے نکل جاتا ہے!"

پھر جیسے ہی اسے احساس ہوا، اس نے فوراً چائے کا کپ منہ سے لگا لیا، مبادا زبان سے کچھ اور نہ نکل جائے۔

"انجام کیا ہوا؟" رانیہ اب تفصیل جاننا چاہتی تھی۔

"وہ جیسے ہی پھول توڑ کر آگے بڑھا، چوکیدار اندر سے باہر نکل آیا اور اسے غصے سے" آواز دی۔"

"اب وہ سب ہنس رہے تھے اور رانیہ کی زبان پر ایک ہی تکرار تھی۔ "پھر؟ پھر؟" مجھے کیا معلوم پھر کیا ہوا!" شاہ ویز نے بمشکل ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "میں تو" "پوری رفتار سے بھاگ رہا تھا۔

کچھ ہنسی تھمی تو وہ بولا۔ "مجھے لگا میرے گردے الگ ہو کر باہر نکل آئیں گے، ویسا درد مجھے کبھی نہیں ہوا۔"

"دونوں بچ تو گئے تھے نا؟" رانیہ نے شرارت سے پوچھا۔

اس نے مجھ سے دوگنا جرمانہ (ٹریٹ) لیا تھا، کیونکہ میں نے اسے دھوکا دے کر اکیلا" "چھوڑ دیا تھا۔

"کیا لیا تھا اس نے؟" رانیہ نے پوچھا۔

"لیا نہیں، یہ پوچھیں کہ کیا کچھ نہیں کروایا! ایک تو اپنے پورے قیام کے دوران" اپنے کپڑے مجھ سے دھلوائے۔" شاہ ویز نے انگلیوں پر گننا شروع کیا۔

"اور؟" یہ سوال امبر کی طرف سے آیا تھا۔

"جب بھی جاگنگ یا ہائیکنگ سے لوٹتے، اپنے جوتے مجھے صاف کرنے کو دیتا۔"

رانیہ اور امبر دونوں کو ایک بار پھر ہنسی کا دورہ پڑا۔

آخر میں امبر نے صرف اتنا کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ اس کا تم لوگوں کے ہاں وقت کافی اچھا گزرا تھا۔" اس کے دل سے جیسے کوئی بوجھل گرہ کھل گئی۔

"ہاں، یوں اسے ایک نیا دوست بھی تو ملا۔" رانیہ نے مسکراتے ہوئے بات ختم کی۔

☆☆☆

فلکیاتی حقیقت

کائنات میں 'گریویٹیشنل لینسنگ' ایک ایسا مظہر ہے جہاں ایک بڑی کہکشاں کی کششِ ثقل اپنے پیچھے چھپے ستارے کی روشنی کو موڑ کر اسے سامنے لے آتی ہے۔ انسانی

تعلقات میں بھی کچھ لوگ ان کہکشاؤں کی طرح ہوتے ہیں، جو حالات کا رخ یوں موڑ دیتے ہیں کہ چھپے ہوئے جذبات اچانک سامنے آکر سب کو حیران کر دیتے ہیں۔

شاہ ویز اپنی گاڑی میں رانیہ اور امبر کو لینے پہنچا۔

یونیورسٹی میں آج سالانہ 'ثقافتی میلے' کی دھوم تھی، جہاں رنگوں، موسیقی اور کھانوں کے اسٹالز نے ایک میلے کا سماں باندھ رکھا تھا۔ یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہی رانیہ کی فرمائش پر سب نے پہلے میلے کا چکر لگانے کا فیصلہ کیا۔

میلے میں انہوں نے خوب انجوائے کیا۔ رانیہ نے زبردستی انہیں مختلف اسٹالز سے چاٹ اور جوس پلوایا، شاہ ویز کی سنجیدہ گفتگو اور امبر کے تاریخی تبصروں نے اس شام کو بہت یادگار بنا دیا تھا۔ واپسی کے سفر میں جب شاہ ویز گاڑی شاہراہِ دستور پر دوڑا رہا تھا، تو رانیہ نے بہت خاموشی سے اپنا انٹرنیٹ آن کیا اور یاور کو وہ مختصر پیغام بھیجا جو اس نے پہلے سے سوچ رکھا تھا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد، رانیہ کے فون کی گھنٹی بجی۔

اس نے سکرین دیکھ کر ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کال اٹھائی۔ "اوہ! دیکھو کس کی کال آ گئی!"

یہ ویڈیو کال تھی۔

کیسے ہو؟" رانیہ نے چہک کر پوچھا۔ "ہم ابھی فنکشن سے نکلے ہیں، تمہیں نہیں پتہ ہم نے کتنا انجوائے کیا۔"

دوسری طرف سے یاور کی آواز آئی۔ "آپ نے پیغام بھیجا تھا، میں ذرا مصروف تھا اس لیے اب کال کی۔"

اس آواز کے کانوں میں پڑتے ہی امبر کے ہاتھ کی پوریں ٹھنڈی ہونے لگیں، اس نے بے اختیار رانیہ کی طرف دیکھا۔

شاہ ویز نے بھی مسکراتے ہوئے آئینے میں پیچھے نظر ڈالی۔ "یاور ہے نا؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں! دیکھو یاور، تمہارے دونوں دوست اس وقت میرے ساتھ ہیں۔" رانیہ نے موبائل کا رخ پہلے شاہ ویز کی طرف کیا جو سامنے سڑک پر نظریں جمائے ڈرائیونگ کر رہا تھا، اس نے سائیڈ سے ہی مسکرا کر سلام کیا۔ پھر رانیہ نے اچانک موبائل امبر کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

امبر، جو اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی، سکرین پر یاور کا چہرہ دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گئی۔

یاور کی نظریں ساکت ہو گئیں۔

امبر نے آج گہرے بھورے رنگ کے جوڑے کے ساتھ وہ روایتی بڑی بالیاں پہن رکھی تھیں جن پر اس کی امی ہمیشہ کہتیں کہ 'اب ان کا فیشن نہیں رہا'، مگر امبر کا جواب ہمیشہ ایک ہی ہوتا، 'مجھے اچھی لگتی ہیں'۔

اور یاور نے سوچا تھا "مجھے تم پر اچھی لگتی ہیں'۔

"کیسی ہو امبر؟" یاور نے بہت دھیرے سے پوچھا۔

امبر نے ایک پل کے لیے ان سبز آنکھوں میں جھانکا، جہاں اسے وہی پرانی تڑپ نظر آئی۔

"اچھی ہوں۔"

یاور کے اگلے الفاظ سے اسے دھچکا لگا۔

"تم اس لمحے سے آگے نہیں بڑھ سکتی؟"

امبر نے فوراً شاہ ویز اور رانیہ کی طرف دیکھا، دونوں اب اس کی جانب دیکھنے سے اجتناب برت رہے تھے۔

"یاور سپیکر آن ہے۔" اس نے لہجہ نارمل رکھنے کی کوشش کی، اس لمحے یاور کو اس کی آنکھوں میں سختی اترتی دکھائی دی۔

"مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں!" یاور کی آواز میں دبا دبا غصہ تھا۔ "میں تم سے معافی مانگنے کو تیار ہوں، تم کہو تو تمہارے قدموں میں بیٹھ جاؤں۔"

"میں تمہیں معاف کر چکی ہوں، تم جانتے ہو بات صرف اتنی سی نہیں۔"

یاور چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم مجھ سے صرف فون پر بات کر لیا کرو، میں کبھی تمہیں ملنے کو نہیں کہوں گا۔"

امبر نے پل بھر کو آنکھیں بند کر لیں۔

یاور نے شاہ ویز اور رانیہ کے سامنے اسے یہ سب کہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ سب کھول کر رکھ دیا تھا۔ اسے عجیب بے بسی محسوس ہوئی۔

یہ کوئی خوشگوار احساس ہر گز نہ تھا۔

جانے وہ آگے کیا کچھ کرتا!

"تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو، یاور۔" اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ "بہت عجیب سا برتاؤ ہوا جا رہا ہے تمہارا۔"

"ہاں نہیں ہو رہا۔" یاور کے لہجے میں بے چینی، تڑپ سب کچھ ایک ساتھ موجود تھا۔ "کچھ بھی ٹھیک سے ہینڈل نہیں کر پا رہا۔ کیا کروں؟ کیسے کروں؟ تم بتاؤ!"

"اب مجھے لگ رہا ہے کہ واقعی میں نے صحیح فیصلہ کیا تھا۔" وہ بہت آہستگی سے بولی۔ "میں اپنے زخم سب کے سامنے نہیں کھول سکتی، یاور۔"

یاور نے دو تین بار تیزی سے پلکیں جھپکیں۔

اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔

"بھابی آئندہ مجھے اس کی کال نہیں پکڑانا۔" وہ دل کڑا کر کے بولی۔ "اور شاہ ویز، مجھے اس کی کوئی خبر بھی نہیں دینی۔"

یہ سب اس نے یاور کے سامنے کہا اور پھر کال کاٹ دی۔

رانیہ نے بوجھل دل سے موبائل اس کے ہاتھ سے لیا۔

شاہ ویز بنا کچھ کہے گاڑی کو گھر کی طرف موڑنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆

میرسٹریٹیجک کا آپریشنل ہیڈ کوارٹر

کمرے میں موجود بڑی اسکرینوں پر شہر کا ڈیجیٹل نقشہ کسی زندہ جال کی طرح دھڑک رہا تھا۔ فراز کافی کا مگ تھامے میز پر جھکا ہوا تھا جہاں تین مختلف رنگوں کے 'ڈیٹا سٹریمز' مسلسل اپ ڈیٹ ہو رہے تھے۔

"ذرائع مستحکم ہیں؟" فراز نے بغیر گردن موڑے پوچھا۔

کمرے میں نصب خودکار نظام نے جواب دیا۔ "تینوں چینلز فعال ہیں۔"

'سگنل انٹیلیجنس'

یہ میر کمپنی کا پہلا ذریعہ تھا۔

ہوا میں تیرتی معلومات۔

فراز کی نظریں پہلے مانیٹر پر جم گئیں جہاں اسکرین پر لہریں ابھر رہی تھیں جو دراصل شہر کے حساس ترین زون سے گزرنے والی 'سیٹلائٹ ای میلز' تھیں۔ میر کمپنی کا سسٹم ان سگنلز کو زمین پر گرنے سے پہلے ہی 'اغوا' کر لیتا تھا۔ فراز نے دیکھا کہ ایک اہم

تجارتی معاہدے کی فائل اس وقت ان کے سرور پر ڈاؤن لوڈ ہو رہی تھی۔ بغیر اس کے کہ بھیجنے والے یا پانے والے کو ذرا سا بھی شک ہو۔

دوسرے مانیٹر پر 'ڈیجیٹل فارنزکس' کا عمل جاری تھا۔

یہ میر کمپنی کا دوسرا ذریعہ تھا، جاسوسی سافٹ ویئر۔

اسکرین پر ایک بااثر بیوروکریٹ کے فون کا ہوم پیج لائیو چل رہا تھا۔ اس افسر کو علم بھی نہ تھا کہ اس کے فون میں موجود ایک 'معصوم سی گیم' دراصل میر کمپنی کا 'جاسوس' ہے جو اس کا مائیکروفون اور کیمرہ کسی بھی وقت آن کر سکتا ہے۔ فراز نے ایک کلک کیا تو اس افسر کے کمرے میں ہونے والی خفیہ میٹنگ کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔

فراز کے فون پر ایک مخصوص نوٹیفکیشن چمکا۔۔۔ یہ تیسرا اور سب سے پرانا ذریعہ تھا، 'انسانی اثاثہ'۔

ایک نامعلوم نمبر سے میسج آیا تھا جس میں ایک حساس فائل کی تصویر تھی۔ یہ ادارہ کے اندر موجود کسی 'کالی بھیڑ' کا کام تھا جس نے چند روپوں کے عوض اپنے ہی محکمے کا راز بیچ دیا تھا۔

فراز نے ایک گہرا سانس لیا۔

معلومات حاصل کرنے کے یہ تینوں طریقے، سگنل چرانا، فون ہیک کرنا اور ضمیر خریدنا، میر سٹریٹیجک کو ہر خبر سے باخبر رکھتے تھے۔ اس نے ان تمام معلومات کو ایک آف لائن سرور (جو انٹرنیٹ سے نہیں جڑا تھا) میں منتقل کر دیا۔

یہ وہ 'ڈیجیٹل تجوری' تھی جس کی چابی صرف اس کے پاس تھی۔

☆☆☆

اتوار کا دن تھا اور گھر میں ایک عجیب سی بیزاری پھیلی ہوئی تھی۔

رانیہ اپنے لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی الجھی ہوئی دکھائی دے رہی تھی، جبکہ فراز آرام کرسی پر بیٹھا اخبار کے مطالعے میں مصروف تھا۔

اس نے ایک بار پھر رانیہ کی طرف دیکھا جو بار بار سکرین کو ری فریش کر رہی تھی۔

"کیا مسئلہ ہے؟ لاؤ مجھے دکھاؤ، میں ٹھیک کر دیتا ہوں۔" فراز نے اخبار تہہ کرتے ہوئے کہا۔

رانیہ نے بیزاری سے سر جھٹکا۔ "پتہ نہیں کیا ہوا ہے، امی کے گھر کے بجلی کے بل اور کچھ کاغذات آن لائن جمع کروانے تھے، مگر یہ براؤزر بار بار ہینگ ہو رہا ہے۔ میرا موبائل بھی چارجنگ پر لگا ہے، بیٹری بالکل ختم ہے، ورنہ وہیں سے کر لیتی۔"

فراز مسکرایا، اسے رانیہ کی ٹیکنالوجی سے اس 'جنگ' پر ہمیشہ پیار آتا تھا۔ "تو میرے سسٹم سے کر لو۔" اس نے فراخدلی سے پیشکش کی۔

"تمہارے اس ہوم آفس والے سسٹم سے؟ کہیں تم یہ تو نہیں سمجھو گے کہ میں تمہارا پاس ورڈ چرانے کا بہانہ کر رہی ہوں؟" اس نے مذاقاً ابرو اچکائے۔

فراز نے قہقہہ لگایا۔ "ارے نہیں! تم پاس ورڈ لے کر کرو گی بھی کیا؟ آؤ، میں اسے ان لاک کر دیتا ہوں۔"

وہ اسے اپنے ہوم آفس لے گیا اور اپنا پیچیدہ پاس ورڈ لگا کر سسٹم اس کے حوالے کر دیا۔ "کتنی دیر لگے گی؟"

زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ۔" رانیہ نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔ "کیا تم میرے سر پر کھڑے رہو گے؟ جاؤ اپنی چائے ختم کرو، میں بس یہ کام کر کے آتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں ٹھیک پندرہ منٹ بعد آؤں گا۔" فراز یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی رانیہ کے چہرے سے وہ گھریلو بیچارگی غائب ہو گئی۔

اس نے بائیں ہاتھ کی مٹھی میں چھپائی ہوئی چھوٹی سی سیاہ یو ایس بی نکالی اور اسے سسٹم کے پورٹ میں پیوست کر دیا۔ اس کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ اسے اپنے کانوں میں آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے تیزی سے 'مائی کمپیوٹر' کھولا اور ان پوشیدہ ڈرائیوز کی طرف بڑھی جو عام طور پر نظر نہیں آتی تھیں۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے ایک فولڈر کھولا جس کا عنوان 'انٹیلیجنس آربیٹریج — کارپوریٹ' تھا۔

اندر موجود فائلز کسی عام ڈیٹا بیس کی طرح منظم نہیں تھیں، بلکہ مختلف سطحوں پر بکھری ہوئی معلومات کا ایک جال تھیں۔ ای میلز، چیٹ لاگز، کال ریکارڈنگز اور میٹنگ نوٹس، سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے۔

رانیہ نے ایک فائل کھولی تو سامنے ایک بڑی کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی بند کمرے میں ہونے والی گفتگو کا ٹرانسکرپٹ تھا۔ اس میں آئندہ مالی فیصلوں، سرمایہ کاری کے رجحانات اور ممکنہ معاہدوں کا ذکر تھا۔

ایسی معلومات جو عام طور پر کئی دن یا ہفتے بعد مارکیٹ تک پہنچتی ہیں۔ مگر یہاں وہ پہلے ہی محفوظ تھیں۔

ایک اور سیکشن میں اسٹاک ایکسچینج میں لسٹڈ کمپنیوں کے 'اندرونی نوٹس' موجود تھے، وہ فیصلے جو ابھی باضابطہ اعلان نہیں بنے تھے۔ ان فائلز کے ساتھ تجزیاتی رپورٹس بھی تھیں جن میں لکھا تھا کہ کون سا شیئر کب اوپر جائے گا اور کب گرے گا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ کو پہلے ہی کسی خفیہ ہاتھ نے لکھ دیا ہو۔

اس سے آگے ایک الگ فولڈر تھا۔ کمپرومائزڈ ڈوزیئرز۔

یہ حصہ اور بھی خطرناک تھا۔

اس میں شہر کے بااثر افراد کی الگ الگ پروفائلز تھیں۔ بیوروکریٹس، ججز، اور بڑے کاروباری نام۔ ہر پروفائل کے ساتھ کال ریکارڈنگز کے اقتباسات، ای میل تھریڈز،

اور نجی ملاقاتوں کی آڈیو ٹرانسکرپٹس شامل تھیں۔ کہیں کسی نے ذاتی فائدے کی بات کی تھی، کہیں دباؤ میں دیا گیا وعدہ، اور کہیں کسی غلطی کا ایسا ریکارڈ جو عام ہونے کی صورت میں پورا کیریئر ختم کر سکتا تھا۔

ایک فولڈر میں ایک وفاقی سیکرٹری کی مالی ٹرانزیکشنز کا ریکارڈ تھا۔ اس کے ساتھ ایک غیر سرکاری اکاؤنٹ کا ذکر تھا جس میں رقم کی منتقلی ایک بڑے ٹھیکے کی منظوری کے فوراً بعد ہونی تھی۔ نیچے ایک لائن میں لکھا تھا۔ 'منظوری کے بعد عملدرآمد۔'

رانیہ نے جیسے ہی سکرول کیا، اسے اندازہ ہوا کہ یہ صرف معلومات کا ذخیرہ نہیں تھا، بلکہ ایک ایسا نظام تھا جو فیصلوں کو ہونے سے پہلے پڑھ بھی لیتا تھا اور ضرورت پڑنے پر ان کی سمت بھی بدل دیتا تھا۔

یہاں بااثر شخصیات کی کمزوریاں بھی رکھی گئی تھیں۔

گھڑی کی ٹک ٹک اس کے اعصاب پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔ آٹھ منٹ بیت چکے تھے۔ اس نے تیزی سے 'کاپی-پیسٹ' کا عمل شروع کیا۔ کچھ فائلز منتقل ہوئیں، مگر ایک اہم ڈائریکٹری کافی وقت لے رہی تھی۔

دس منٹ۔۔۔ گیارہ منٹ۔۔۔ رانیہ کی نظریں مسلسل دروازے اور سکرین کے درمیان گھوم رہی تھیں۔

اس نے دیکھا کہ آدھا ڈیٹا باقی ہے، مگر اسے مزید خطرہ مول لینا خودکشی کے مترادف لگا۔

ٹھیک بارہ منٹ پر اس نے کاپی کا عمل روکا، یو ایس بی کو جھٹکے سے نکالا اور اپنی آستین کے کف میں چھپا لیا۔ اس نے تمام ٹیبز بند کیے اور بجلی کے بل کی ویب سائٹ کھول کر بیٹھ گئی۔

دروازہ کھلا اور فراز اندر داخل ہوا۔ رانیہ نے پرسکون انداز میں کرسی پیچھے کی۔ "شکر ہے! یہاں انٹرنیٹ بہت تیز ہے، بل جمع ہو گئے۔"

وہ نہایت اعتماد سے فراز کے پاس سے گزر کر باہر نکل گئی، مگر اس کی مٹھی میں دبی وہ یو ایس بی اب ایک ایسے دہکتے ہوئے کوئلے کی طرح تھی جو پورے میر خاندان کے تخت کو جلا کر راکھ کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 23

سائفر

فراز میر کو دفتر میں معمول سے زیادہ دیر ہو گئی تھی۔

جب وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھا تو ڈرائیور نے مستعدی سے دروازہ کھولا، جبکہ مسلح گارڈز میں سے ایک اگلی اور دوسرا پچھلی نشست پر اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ شہر کی مرکزی شاہراہوں پر ٹریفک اب کافی کم ہو چکی تھی۔

گاڑی جیسے ہی مرکزی سڑک سے مڑ کر ایک متمول رہائشی علاقے میں داخل ہوئی، اچانک سناٹا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے ٹوٹ گیا۔

پیچھے سے آتی دو تیز رفتار موٹر سائیکلوں پر سوار چار نقاب پوشوں نے گاڑی کو نشانے پر لے لیا تھا۔ ایک گولی سیدھی سامنے کے شیشے کو چیرتی ہوئی ڈرائیور کے سر میں لگی اور گاڑی ایک جھٹکے سے سڑک کے کنارے لگے درخت سے جا ٹکرائی۔

فراز نے جیسے ہی اپنے کندھے میں ایک شدید جلن محسوس کی، وہ بجلی کی تیزی سے نشست کے نیچے جھک گیا، اس طرح کہ اس کا جسم کھڑکی کے سامنے سے بالکل ہٹ گیا۔ فائرنگ کا سلسلہ چند سیکنڈ جاری رہا اور پھر موٹر سائیکلیں فراٹے بھرتی ہوئی اندھیرے میں غائب ہو گئیں۔

فراز نے کپکپاتے ہاتھوں سے فون نکالا۔

کندھے سے بہتا خون اس کی سفید قمیض کو سرخ کر رہا تھا۔ اس نے پہلا میسج اپنے باپ کو بھیجا۔ "مجھ پر حملہ ہوا ہے۔" ساتھ ہی لوکیشن بھیج دی۔

اس کے فوراً بعد اس نے ایمرجنسی نمبر پر کال ملائی۔

جب تک ایمبولینس اور پولیس وہاں پہنچی، ڈرائیور دم توڑ چکا تھا، جبکہ دونوں گارڈ شدید زخمی حالت میں تڑپ رہے تھے۔ فراز خوش قسمت تھا کہ اسے صرف ایک گولی لگی تھی جو کندھے کو چھو کر گزر گئی تھی۔

دو دن ہسپتال میں رہنے کے بعد جب وہ گھر واپس آیا تو شاہ میر صاحب اس کے کمرے میں اسے گھیر کر بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے پر فکر سے زیادہ تفتیش کے تاثرات تھے۔

"تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ 'سائفر' والوں کا کام ہے؟ پولیس کے سامنے بھی اتنے دھڑلے سے ان کا نام لے بیٹھے؟" شاہ میر نے سخت لہجے میں پوچھا۔

فراز نے پٹی بندھے کندھے کو آہستہ سے حرکت دی، "ڈیڈ، آپ نہیں جانتے۔۔۔"

"تو مجھے بتاؤ! کیا چھپا رہے ہو مجھ سے؟" شاہ میر کی آواز میں گھن گرج تھی۔

"ڈیڈ، ہماری کاروباری دنیا ایسی ہے کہ قدم قدم پر دشمن بن جاتے ہیں۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔"

شاہ میر نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ "سب جانتے ہیں کہ اب میر سٹریٹیجک مکمل طور پر تمہارے ہاتھ میں آچکی ہے۔ کچھ بھی الٹا سیدھا کرو گے، وبال تم پر آئے گا۔"

"وہی تو بھگت رہا ہوں۔" فراز نے تلخی سے جواب دیا۔

شاہ میر صاحب اٹھتے ہوئے سرد لہجے میں بولے۔ "عقلمند انسان غیر ضروری دشمن بنانے سے پرہیز کرتا ہے، فراز۔ یاد رکھو، جو آگ تم لگاؤ گے وہ کسی بھی دن پلٹ کر تمہیں جھلسا سکتی ہے۔"

اس تنبیہہ کے ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

چند ماہ قبل

کمپنی۔ سائفر انالیٹیکا

رات کافی گزر چکی تھی، مگر سائفر انالیٹیکا کے مرکزی دفتر کی چند روشن کھڑکیاں اب بھی جاگ رہی تھیں۔ عمارت کے باقی حصے میں خاموشی تھی، جیسے پورا فلور صرف چند مخصوص لوگوں کے لیے کھلا چھوڑا گیا ہو۔

اظہر فیروز اپنے دفتر میں بیٹھا سامنے موجود فائل پر نظریں جمائے ہوئے تھا جب دروازہ کھلا اور کاشف اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر وہ اعتماد نہیں تھا جو عام طور پر کاروباری ملاقاتوں میں ہوتا ہے۔ وہ سیدھا آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

اظہر نے اسے چند لمحے خاموشی سے دیکھا، پھر بولا۔ "تم نے فون پر کہا تھا معاملہ ضروری ہے۔"

کامران نے تھکے ہوئے انداز میں ہاتھ چہرے پر پھیرا۔

"ضروری نہیں، سمجھو آخری حد ہے۔"

یہ تعلق کسی عام کلائنٹ اور کمپنی کا نہیں تھا۔ دونوں ایک ہی محلے میں پلے بڑھے تھے۔ اسکول سے لے کر کاروبار تک، زندگی کے کئی مرحلے ساتھ گزارے تھے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ کاشف آج اس طرح یہاں بیٹھا تھا، ورنہ سائفر انالیٹیکا اپنے کلائنٹس کے معاملات میں ایک حد سے آگے نہیں جاتی تھی۔

"اگر یہ سرکاری ٹھیکہ ہاتھ سے نکل گیا تو سرمایہ کار مزید پیسہ نہیں لگائیں گے۔""

کاشف فکرمندی سے بولا۔ "پچھلے دو منصوبے پہلے ہی ہمیں بہت نقصان دے چکے

"ہیں۔

اظہر نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"اور تمہیں یقین ہے کہ تمہاری حریف کمپنی تم سے بہتر پوزیشن میں ہے؟"

وہ ہم سے کم قیمت پر جا رہے ہیں۔" کامران نے فوراً جواب دیا۔ "اور عجیب بات یہ"

"ہے کہ انہیں ہماری حکمتِ عملی کا اندازہ بھی ہوتا جا رہا ہے۔

اظہر کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس نے میز پر رکھا قلم آہستگی سے گھمایا۔

سائفر عام حالات میں صرف معلومات فراہم کرتی ہے، کاشف۔ ہم قانونی حدود کے"

"اندر رہ کر خطرات، کاروباری رجحانات اور مسابقتی تجزیے دیتے ہیں۔

"لیکن ہم دونوں جانتے ہیں کہ میں آج یہاں صرف تجزیہ لینے نہیں آیا۔"

اظہر نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھا۔ "اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ

اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو شاید یہی درخواست کرتا۔"

کمرے میں ایک دباؤ بھری خاموشی پھیل گئی۔

اظہر نے میز پر رکھا ٹیبلٹ اپنی طرف کھینچا، اسکرین پر چند مختصر نوٹس دیکھے، پھر اسے فوراً بند کر دیا۔

بس اتنا سمجھ لو کہ ہمیں ان کی تیاری کا اندازہ ہے۔" اس نے محتاط لہجے میں کہا۔ "اور" "غالب امکان یہی ہے کہ کل صبح حالات تمہارے حق میں ہوں گے۔

کامران نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تم واقعی یہ سب میرے لیے کرو گے؟"

اظہر نے جواب دینے سے پہلے چند لمحے لیے۔ "تم پر اعتماد ہے اسی لیے آخری حد تک جا رہا ہوں۔"

یہ جملہ سن کر کاشف کو اپنے کندھوں سے بوجھ سرکتا محسوس ہوا، مگر اس کے باوجود اس کی آنکھوں میں بے یقینی باقی تھی۔

"اگر کچھ غلط ہو گیا تو؟"

اظہر کے چہرے پر ہلکی سی بے تاثر مسکراہٹ ابھری۔ "سائفر میں کوئی بھی قدم بغیر حساب کے نہیں اٹھایا جاتا۔"

کاشف خاموش ہو گیا۔

وہ شاید یہ نہیں جانتا تھا کہ معلومات فراہم کرنے والی کمپنیاں ہمیشہ قانونی حدود کا پاس نہیں رکھتیں۔۔۔خاص طور پر جب معاملہ کسی اپنے کا ہو۔

اظہر نے گفتگو کے دوران ایک بار بھی کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا تھا جو بعد میں اس کے خلاف ثبوت بن سکتا۔

چند لمحوں بعد کاشف اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی اظہر کے چہرے کی سنجیدگی مزید گہری ہو گئی۔اس نے دوبارہ ٹیبلٹ آن کیا۔اسکرین پر چند تکنیکی رپورٹس، نیٹ ورک کے خاکے اور وقت کے حساب سے ترتیب دیے گئے نوٹس کھلے ہوئے تھے۔

اس نے ایک مختصر پیغام ٹائپ کیا۔

"عمل شروع کیا جائے۔"

پیغام بھیجنے کے بعد وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

اگلے دن کی صبح اظہر کے لیے وہ خبر لائی جس کی اس نے کبھی توقع نہیں کی تھی۔ کاشف طوفانی انداز میں دفتر کے اندر داخل ہوا، اس کے گردن پر غصے کی شدت سے رگیں تن گئی تھیں۔

"تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ٹھیکہ میرا ہو گا!" کاشف نے میز پر اپنی فائل پٹختے ہوئے دھاڑ کر کہا۔ "لیکن آج صبح معلوم ہوا کہ حریف کمپنی نے نہ صرف ہم سے کم بولی جمع کروائی، بلکہ ان کی دستاویزات میں وہ تمام نجی رعایتیں بھی شامل تھیں جو صرف میں نے تمہیں بتائی تھیں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ ہم نے صرف ان کے رابطے کی رفتار" اظہر کی کرسی ساکت ہو گئی۔ نہیں روکی تھی، ان کے داخلی نیٹ ورک میں ایسا دباؤ پیدا کیا گیا تھا کہ بولی جمع کروانے

والے وقت میں ان کے تصدیقی سرور خود بخود ردِ عمل دینا بند کر دیتے۔ ہمارے اندازے کے مطابق ان کی دستاویزات آخری مرحلے تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھیں۔"

منجمد؟" کاشف نے تلخی سے کہا۔ "ان کا نظام تو اس رفتار سے چل رہا تھا جیسے کسی نے "پہلے ہی ان کے لیے متبادل راستہ تیار کر رکھا ہو ایک لمحے کی رکاوٹ بھی نہیں آئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی بولی میں ان تمام سوالات کے جوابات پہلے سے موجود تھے جو میں نے ان کے خلاف اٹھانے تھے۔ تمہاری کمپنی نے نہ صرف مجھے ہروایا ہے بلکہ میرا وہ تمام حساس ڈیٹا بھی خطرے میں ڈال دیا ہے جو تم نے مجھ سے لیا تھا۔ مجھے اب تمہارے ساتھ کوئی کام نہیں کرنا، اور میں تمہیں کاروباری حلقوں میں بدنام کر کے چھوڑوں گا۔"

وہ غصے میں پیر پٹختا ہوا دفتر سے باہر نکل گیا۔ اظہر کے ماتھے پر پسینہ آ چکا تھا۔ اس نے فوراً اپنے پی اے کو اندر بلایا۔

"معلوم کرو کہ کاشف کی حریف کمپنی، جس نے آج ٹھیکہ جیتا ہے، وہ کس سے " مشاورتی خدمات لے رہی تھی؟" اظہر کی آواز میں ایک ان جانی گھبراہٹ تھی۔

سیکرٹری نے ٹیبلٹ پر کچھ دیر انگلیاں چلانے کے بعد جواب دیا، "جناب، وہ حریف کے ساتھ منسلک ہے۔ تمام ڈیٹا کی منتقلی اور معلومات کی 'میر سٹریٹیجک' کمپنی تو "فراہمی کا کام وہی دیکھ رہے تھے۔

اظہر کو شاک لگا۔ اب اسے اندازہ ہوا کہ میر سٹریٹیجک نے صرف ان کی رکاوٹ ناکام نہیں بنائی تھی، بلکہ خاموشی سے ان کی پوری حکمتِ عملی پڑھ کر اپنے کلائنٹ کو پہلے ہی تیار کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حریف کمپنی ہر قدم پہلے سے سوچا ہوا کھیل رہی تھی۔

"تو یہ فراز میر کا کام ہے۔۔۔" اظہر نے دانت پیستے ہوئے مٹھیاں بھینچ لیں۔

اس نے صرف میری چال نہیں توڑی۔۔" اظہر کی آواز میں پہلی بار ذاتی نفرت" ابھری۔ "اس نے میرے ہی کھیل کو میرے خلاف استعمال کیا ہے۔

اب یہ صرف کاروبار نہیں تھا، یہ ایک ایسی آگ تھی جو اب میر خاندان کے سکون کو راکھ کرنے والی تھی۔

☆☆☆

فراز بیڈ پر نیم دراز لیٹا موبائل پر سوشل میڈیا سکرول کر رہا تھا کہ رانیہ کے موبائل پر ایک کال آنے لگی۔ موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا اور رانیہ نہانے گئی ہوئی تھی۔ فراز نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھایا، کسی 'فرینک' کا نام اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی کال ریسیو کر کے ہیلو کہا، دوسری طرف سے فوراً رابطہ کاٹ دیا گیا۔

فراز کا دماغ سنسنانے لگا۔ کچھ دیر بعد رانیہ باہر آئی تو فراز کے ہاتھ میں اپنا موبائل دیکھ کر چونکی۔ فراز نے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے صرف اتنا پوچھا۔ "یہ فرینک کون ہے؟"

"اس جرح کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟" رانیہ نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر لوشن ہاتھوں پر لگاتے ہوئے بے نیازی سے پوچھا۔

کال آ رہی تھی، جیسے ہی میری آواز سنی، دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ "فراز" "کا لہجہ کاٹ دار تھا۔ "تمہارا کوئی سابقہ بوائے فرینڈ تو نہیں؟

رانیہ کے ہاتھ پل بھر کو ساکت ہوئے، پھر وہ سنبھل کر بولی۔ "میری دوست کا شوہر ہے۔ کبھی کبھار وہ اس کے موبائل سے کال کر لیا کرتی ہے۔"

"اچھا! اگر اتنی ہی معصوم ہو تو ذرا پاس ورڈ بتاؤ، آج تمہارا موبائل چیک کر لوں۔"

فراز نے شک بھرے لہجے میں کہا۔

رانیہ تیزی سے اس سے موبائل لینے کو جھپٹی تو فراز نے نہ صرف موبائل والا ہاتھ کمر کے پیچھے کر لیا بلکہ دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو گرفت میں لے لیا۔ وہ درد سے چلا اٹھی۔

"پاس ورڈ بتائے بغیر آج تمہاری جان نہیں چھوٹے گی!" فراز غصے سے دھاڑا۔

رانیہ نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں پاس ورڈ بتایا تو فراز نے بال چھوڑ دیے۔ اس نے موبائل کھولا اور سیدھا پیغامات میں گیا۔ اچانک یاور کا نام سامنے آیا تو وہ ٹھٹک کر رکا۔

اس نے ریکارڈ کھول کر دیکھا تو پچھلے چند دنوں میں دو ویڈیو کالز موجود تھیں، جن کا دورانیہ کچھ کم نہ تھا۔

وہ شعلے اگلتی نظروں سے رانیہ کو دیکھنے لگا۔

"یاور سے ویڈیو کالز پر کیا گفتگو ہوتی ہے؟"

رانیہ کا رنگ فق ہو گیا۔ "اسے سالگرہ کی رات کال کی تھی تاکہ انتظامات دکھا سکوں۔ چاہو تو آنٹی سے پوچھ لو، سب کے سامنے بات ہوئی تھی۔"

"چلو مان لیا، لیکن یہ دوسری کال جو دو دن پہلے کی ہے؟ وہ بھی اس وقت جب میں گھر پر نہیں تھا؟" فراز نے جرح جاری رکھی۔

"ہم ثقافتی میلے سے واپس آ رہے تھے تو شاہ ویز کو اس سے بات کرنی تھی۔ وہ ڈرائیو کر رہا تھا اس لیے میں نے اپنے موبائل سے کال ملائی۔" رانیہ نے وضاحت دی۔

"اس وقت امبر بھی وہیں موجود تھی؟" فراز نے بھانپتے ہوئے پوچھا۔

رانیہ نے گھبرا کر سر جھکا لیا۔

فراز طیش سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں کیا پوچھ رہا ہوں، جواب دو!" پھر وہ پرسوچ انداز میں بڑبڑایا۔ "سالگرہ کی رات بھی سب سے بات کروائی اور شاہ ویز، امبر کی موجودگی میں۔۔۔" اس نے جیسے کچھ سمجھ آنے پر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ "تم امبر سے اس کی بات کروا رہی تھی؟"

رانیہ نے سر نفی میں ہلایا۔

وہ دو قدم پاس آیا تو وہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔ "تم ان دونوں کو ملوانا چاہتی ہو؟ کیوں؟"

رانیہ کی برداشت اب جواب دینے لگی تھی۔ "ہاں! کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ وہ میری طرح پچھتائے۔"

"ارمغان تم سے محبت نہیں کرتا!" وہ دھاڑا۔

"میں اسے کھونے پر نہیں پچھتا رہی۔" رانیہ نے تیکھے لہجے میں جواب دیا۔

"سچ بتاؤ، بات کیا ہے؟"

"میں نہیں چاہتی کہ وہ اپنی محبت کو بھلانے کی خاطر میری طرح کسی غلط شخص سے شادی کر لے۔" رانیہ کے الفاظ ابھی ہوا میں ہی تھے کہ فراز نے ایک تھپڑ اس کے گال پر دے مارا۔

☆☆☆

فراز جب اگلی رات اپنے ہوم آفس میں کام کرنے آیا تو اچانک اس کے ذہن میں ایک شک نے سر اٹھایا۔

اس نے سوچا کہ انٹرنیٹ ہسٹری کھول کر دیکھے کہ آخر رانیہ اپنے کہے میں کتنی سچی تھی۔

جب اس نے ہسٹری کھولی تو وہ صرف وہی مصروفیات بتا رہی تھی جو رانیہ کے کمپیوٹر استعمال کرنے سے پہلے تک کی تھیں۔ فراز کی نظریں سسٹم لاگز پر گئیں تو اسے ایک زوردار جھٹکا لگا۔ وہاں واضح طور پر ایک بیرونی آلے (یو ایس بی) کے منسلک ہونے کا اندراج موجود تھا۔

اس کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔

آخر وہ یہاں سے کیا کاپی کرنا چاہتی تھی؟ اور اسے کیا معلوم کہ اس سسٹم میں کس قسم کی حساس معلومات رکھی ہوئی ہیں؟

'لیکن دوسری طرف یہ بھی سچ تھا کہ وہ بھلا اس کمپیوٹر سے کیا لے سکتی تھی؟

وہ تیزی سے وہاں سے باہر نکلااور بیڈ روم میں آیاتورانیہ کو بیڈ پر ایک میگزین کی ورق گردانی کرتے پایا۔

فراز کا چہرہ غصے سے تپاہوا تھا۔

"تم نے میرے سسٹم سے کیاکاپی کیاہے؟"اس نے گرج کر پوچھا۔

رانیہ کی اڑتی ہوئی رنگت ہی جواب دینے کے لیے کافی تھی۔وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہو بیٹھی۔"مجھے۔۔۔مجھے بھلا کیاضرورت تھی کچھ کاپی کرنے کی؟"

فراز پھنکارتے ہوئے اس کے قریب آیا۔"تم نے یوایس بی لگائی تھی،آخر کس مقصد سے؟"

رانیہ اپنی انگلیاں مروڑتے ہوئے نظریں چرانے لگی۔"وہ۔۔۔میں۔۔۔کچھ ڈاؤن لوڈ کرناچاہتی تھی لیکن نہیں کر پائی۔"

فرازاب بیڈ پر اس کے بالکل سامنے بیٹھ چکا تھا۔

اس کاانداز اتنا تیکھا تھاکہ رانیہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی۔

فراز نے اچنبھے سے کہا۔ "انٹرنیٹ ہسٹری میں تو کچھ نہیں ہے۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بمشکل بولی۔ "میں نے اپنی ڈیلیٹ کر دی تھی۔"

فراز نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ فوراً بولی۔ "میں نے صرف اپنی سرچ ڈیلیٹ کی تھی اور کچھ نہیں۔"

فراز دھیرے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

رانیہ ہمت مجتمع کر کے بولی۔ "ویسے بھی تمہارے سسٹم میں ایسا کیا ہے جو میں یو ایس بی کا سہارا لوں گی؟"

فراز نے چند لمحے پر سوچ انداز میں اپنی بیوی کو دیکھا اور پھر ایک لفظ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

رانیہ اب کافی الجھ چکی تھی، یو ایس بی کو لے کر فوراً کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ اس کے والدین یہاں سیٹل ہو چکے تھے، وہ میر کمپنی کی حقیقت سامنے لاتی تو وہ بھی خطرے میں

پڑ جاتے۔ شاید فراز کو بھی شک ہو چکا تھا۔ کچھ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ کمرے میں بے چینی سے چکر لگا رہی تھی کہ اچانک ایک سوچ کا در وا ہوا۔

وہ خاموشی سے دبے پیر امبر کے کمرے میں گئی، اس وقت وہ یونیورسٹی میں تھی۔ اس نے سٹڈی ٹیبل سے قلمدان اٹھایا اور واپس اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ ابھی وہ اسے ٹٹول رہی تھی کہ فراز چلا آیا۔

"آج جلدی آ گئے؟" اس نے غیر محسوس انداز میں وہ قلمدان سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور اپنے شوہر کی طرف دیکھا جو آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی ڈھیلی کر رہا تھا۔ فراز کی یوں اچانک آمد پر اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، مگر اس نے چہرے پر سکون طاری رکھا۔

فراز کے کمرے سے جانے کے بعد ہی اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

شام کے وقت جب امبر گھر آئی، تو رانیہ ایک بار پھر اس کے کمرے میں گئی۔ اسے اپنا کمرہ اب محفوظ نہیں لگ رہا تھا، اسے کوئی ایسی جگہ چاہیے تھی جہاں فراز کی نظر کبھی نہ جائے۔ امبر کا وہ لکڑی کا قدیم قلمدان، جس کی بنیاد میں ایک خفیہ دوہری تہہ بنی ہوئی تھی، اس کام کے لیے بہترین تھا۔

رانیہ نے نہایت مہارت سے اس قلمدان کی نچلی تہہ میں یو ایس بی رکھ کر اسے سکاچ ٹیپ سے چپکا دیا۔ ابھی وہ اسے حتمی شکل دے رہی تھی کہ امبر کمرے میں داخل ہوئی۔

"امبر، تمہارے اس قلمدان کا نیچے والا حصہ تھوڑا اکھڑا ہوا تھا، میں نے اسے 'فکس' کر دیا ہے۔" رانیہ نے بہت نارمل انداز میں کہا جیسے وہ واقعی کسی معمولی مرمت میں مصروف ہو۔ "اب یہ بالکل ٹھیک ہے، اسے یہیں میز کے کونے پر پڑا رہنے دو۔"

امبر نے میز کے کونے پر رکھے اس قلمدان کو دیکھا اور مسکرا دی۔ "شکریہ بھابھی! آپ ناحق زحمت کرتی ہیں، یہ تو ویسے بھی وہیں پڑا رہتا ہے۔"

امبر اسے ایک عام سی مرمت سمجھ کر بھول گئی، اسے اندازہ ہی نہ ہوا کہ رانیہ نے اس معمولی سے دکھنے والے قلمدان کو ایک سیف میں بدل دیا ہے جس کے اندر میر خاندان کی تباہی کا سامان چھپا تھا۔ رانیہ نے ایک گہری نظر امبر پر ڈالی، وہ اس پر وہ بوجھ نہیں لادنا چاہتی تھی جو وہ خود اٹھائے ہوئے تھی، مگر حالات اسے ایسے مقام پر لے آئے تھے جہاں اب واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا۔

☆☆☆

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔رانیہ اور امبر مال کے ایگزٹ گیٹ سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھیں جو پارکنگ کے ایک قدرے دور گوشے میں کھڑی تھی۔گارڈ اور ڈرائیور دونوں ہی گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے۔

وہ ابھی اپنی گاڑی سے کافی فاصلے پر تھیں کہ ایک بھاری انجن والی گاڑی ان کے قریب آ کر رکی۔اس سے پہلے کہ امبر کچھ سمجھ پاتی،اس گاڑی سے دو چاک و چوبند افراد برآمد ہوئے جن کے پاس جدید ترین خودکار پستول تھے۔ایک نے امبر کو ہدف بنایا جبکہ دوسرے نے رانیہ کا بازو تھام کر اسے تیزی سے گاڑی کے اندر کھینچ لیا۔

"امبر!" رانیہ چلائی۔" قلمدان توڑ دینا!"

امبر ساکت کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔

اس نے کوئی چیخ و پکار نہیں کی،بس اس کا پورا وجود برف کی طرح ٹھنڈا پڑ گیا۔یہ سب کچھ اتنا پروفیشنل اور برق رفتار تھا کہ کسی مزاحمت کی گنجائش ہی نہ تھی۔اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے وہ بندہ بھی تیزی سے گاڑی میں بیٹھا اور پلک جھپکنے میں وہ گاڑی وہاں سے نکل گئی۔

پوری پارکنگ میں ایک پراسرار خاموشی چھا گئی۔

وہ جب گھر پہنچی تو گھر کا ماحول بوجھل ہو چکا تھا۔ گارڈ نے راستے میں ہی فون کر کے گھر والوں کو رانیہ کے اغوا کی اطلاع دے دی تھی۔

امبر لاؤنج کے صوفے پر خاموش بیٹھی تھی، اس کی آنکھیں اب بھی اسی منظر پر جمی تھیں۔ اس کی چپ اس کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ کی گواہی دے رہی تھی۔

فراز ہوم آفس سے باہر نکلا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ "امبر، تم ٹھیک تو ہو؟ کیا ہوا وہاں؟" اس نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

امبر نے نظریں اٹھا کر بھائی کو دیکھا۔ "انہیں کوئی لے گیا بھائی۔ بہت خاموشی سے۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا، جیسے وہ صدمے کی اس کیفیت میں ہو جہاں آنسو خشک ہو جاتے ہیں۔

اسی لمحے فراز کے موبائل پر ایک میسج کی بیپ سنائی دی۔ اس نے فون اٹھایا تو اس پر ایک مختصر تحریر درج تھی۔ "پانچ کروڑ۔ کل صبح جگہ اور وقت بتا دیں گے، اکیلے آنا۔ پولیس کو بتایا تو رانیہ کی موت کے ذمہ دار تم پر خود ہو گے۔"

فراز نے فون شاہ میر صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ شاہ میر نے فوراً پولیس سے رابطہ کرنے کا کہا، مگر فراز نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں ڈیڈ۔ یہ کاروباری دشمنی ہے، پولیس کے آنے سے بات بگڑ جائے گی۔ وہ اسے مار دیں گے۔" اس کے لہجے میں ایک عجیب سی فیصلہ کن بیچارگی تھی۔

☆☆☆

اگلی رات، فراز ایک پرانے چمڑے کے بیگ میں مطلوبہ رقم بھر کر اس بنجر جگہ کی طرف روانہ ہوا جس کا پتہ اسے دیا گیا تھا۔ شاہ میر اور امبر نے اسے روکنے کی کوشش کی، مگر وہ 'ایک وفادار شوہر' کا لبادہ اوڑھے اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے پر تلا ہوا تھا۔

ویران سڑک کے کنارے، جہاں اسٹریٹ لائٹس دھندلا رہی تھیں، فراز اکیلا کھڑا تھا۔

دور سے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔

گاڑی اس کے قریب آ کر رکی۔

فراز نے بیگ زمین پر رکھ دیا۔

گاڑی کا پچھلی نشست والا دروازہ کھلا اور ایک وجود کو بے رحمی سے باہر سڑک پر لڑھکا دیا گیا۔

گاڑی ٹائروں کا شور مچاتی ہوئی اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

فراز 'رانیہ !رانیہ !' پکارتا ہوا آگے بڑھا۔رانیہ سڑک پر اوندھے منہ پڑی تھی،اس کے آنکھوں پر پٹی بندھی تھی اور وہ ساکت تھی۔

فراز نے جھک کر اس کے چہرے سے پٹی ہٹائی،اس کے گال تھپتھپائے، مگر وہاں کوئی جنبش نہ تھی۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے اس کی نبض ٹٹولی،اور پھر ایک گہرا سانس لے کر وہیں سڑک پر بیٹھ گیا۔

سب کچھ ساکت ہو چکا تھا۔

☆☆☆

رانیہ کی وفات کو ایک برس بیت چکا تھا، مگر گھر کی فضا میں چھائی وہ بوجھل خاموشی آج بھی کہیں نا کہیں موجود تھی۔ شام کے ڈھلتے سائے پورچ سے ہوتے ہوئے لاؤنج تک پھیل رہے تھے جہاں فراز اور اس کی والدہ دردانہ خاموشی سے چائے پی رہے تھے۔

"اب امبر کی حالت کافی سنبھلنے لگی ہے۔" دردانہ بیگم نے پیالی میز پر رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ "رانیہ کے کافی قریب تھی، اس صدمے نے اسے بالکل خاموش کر دیا تھا، مگر اب وہ زندگی کی طرف لوٹ رہی ہے۔"

فراز کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ وقت ہم سب کے لیے بہت کٹھن تھا ،امی۔"

دردانہ بیگم نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ "شاہ ویز نے بھی اس دوران امبر کا بہت ساتھ دیا، حالانکہ وہ خود بھی اس حادثے سے بہت متاثر ہوا تھا، مگر وہ جس طرح ہر مشکل گھڑی میں امبر کے ساتھ کھڑا رہا، وہ دیکھ کر تسلی ہوتی ہے۔"

فراز نے اچانک مڑ کر اپنی ماں سے پوچھا۔ "امی، آپ کو شاہ ویز کیسا لگتا ہے؟"

دردانہ نے چونک کر اسے دیکھا، ان کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھرے۔ "یہ تم اچانک کیوں پوچھ رہے ہو؟

فراز نے چائے کا کپ سامنے پڑی میز پر رکھا اور صوفے پر سرک کر ان کے بالکل پاس آ بیٹھا۔ اس نے بہت نرمی سے ماں کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور دھیمی آواز میں کہا، "مجھے وہ امبر کے لیے بہت پسند ہے۔"

دردانہ اسے غور سے دیکھنے لگیں، جیسے اس کے چہرے کے پیچھے چھپی سوچ کو پڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ "فراز، تم جانتے بھی ہو کہ ہمارے خاندانوں کی آپس میں کچھ اتنی خاص نہیں بنتی۔ شاہ میر اور اکرام ایاز کے درمیان پرانی رنجشیں کسی سے چھپی نہیں ہیں۔"

"ہم محفلیں تو یکجا رکھتے ہی ہیں امی، ہر موقع پر ساتھ ہوتے ہیں۔" فراز نے بہت پختہ لہجے میں دلیل دی۔ "اور رہی بات پرانی رنجشوں کی، تو اس سے بہتر اور کیا ہو گا کہ ایک نیا رشتہ جوڑ کر ان تلخیوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔"

دردانہ ابھی کچھ کہنا ہی چاہتی تھیں کہ فراز نے انہیں سوچ میں ڈوبا دیکھ کر بروقت اگلا مہرہ چلا۔ "آخر امبر اس گھر کی لاڈلی ہے، اسے کسی غیر کے حوالے کر کے ہم خود کو بے چین ہی کریں گے۔ شاہ ویز اپنا ہے، اور امبر کی طبیعت کو سمجھتا بھی ہے۔"

دردانہ خاموش ہو گئیں، ان کی نظریں خلا میں کسی نئے امکان کو تلاش کرنے لگیں، جبکہ فراز کے چہرے پر وہی مانوس اور پراسرار اطمینان واپس لوٹ آیا تھا۔

☆☆☆

شاہ ویز اپنی فیملی کے ساتھ اس وقت میر فیملی کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔

شاہ میر انہیں کھانے پر بلانا چاہ رہے تھے لیکن مصروفیت کے باعث اکرام ایاز اور رعنا چائے پر ہی مانے۔ باتوں کے دوران اچانک زرقا اور لقمان سنگرام کا ذکر نکل آیا۔

رعنا بولیں۔ "پچھلے سال چکر لگایا بھی تو یاور ساتھ نہیں آیا۔"

امبر کو اپنا وجود منجمد ہوتا محسوس ہوا۔

زر قابتار ہی تھی کہ اب اس کا ارادہ نہیں۔ "دردانہ کے کہنے پر رعنا کے ساتھ اکرام" نے بھی حیرت سے انہیں دیکھا۔

رعنا پوچھے بنا نہ رہ پائیں۔ "پاکستان آنے کا؟"

جواب شاہ میر نے دیا۔ "ہاں، لقمان بھی کہہ رہا تھا کہ اب اس کی پڑھائی کافی توجہ طلب ہے، شاید اسی لیے نہ آنا چاہتا ہو۔"

شاہ ویز بولا۔ "میرا فون پر رابطہ رہتا ہے۔ رانیہ بھابھی کے انتقال پر بھی اسی لیے نہیں آ پایا، ضروری ٹیسٹ تھا اس کا۔"

امبر نے چائے کا بھرا کپ میز پر رکھا اور غیر محسوس انداز میں ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

کچن میں جا کر وہ کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی۔

اس وقت یہاں کوئی نہیں تھا اور اسے اپنے ساتھ چند لمحے درکار تھے۔

اس نے چند گہرے سانس لیے۔

آہٹ پر پلٹ کر دیکھا تو دروازے میں شاہ ویز کھڑا تھا۔

"تم کہو تو میں اس سے بات کروں؟" شاہ ویز نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

امبر نے ایک بار پھر رخ کھڑکی کی جانب پھیر لیا۔ "کیا بات؟" پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس کی طرف پلٹی۔ "شاہ ویز، تم جانتے ہو میں نے منع کیا تھا کہ مجھ سے کبھی اس کا ذکر مت کرنا۔"

شاہ ویز بولا۔ "لیکن۔۔۔"

وہ بھابھی کی موت پر بھی نہیں آیا، میں نے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ اب میرا اس کے نہ "آنے سے کیا لینا دینا؟"

شاہ ویز نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "تمہیں نہیں لگتا کہ تم دونوں کو مل بیٹھ کر یہ معاملہ سلجھانا چاہیے؟"

اس نے ایک بار پھر رخ کھڑکی کی طرف پھیر لیا۔ "شاہ ویز، ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ لاتعلق ہو کر رہیں۔"

شاہ ویز ہچکچایا۔ "اس نے مجھے بتایا ہے کہ۔۔۔" اتنا ہی کہنے پر امبر اس تیزی سے شاہ ویز کی طرف مڑی کہ اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

وہ بمشکل ضبط کرتے ہوئے بولی۔ "کیا بتایا ہے اس نے تمہیں؟"

بس اتنا ہی کہ تم دونوں کے بیچ کچھ ایسا اختلاف آیا کہ بچپن کی دوستی بھی اس تعلق کو نہیں بچا پائی۔"

اس نے چند لمحے شاہ ویز کو دیکھا، پھر بولی۔ "میں نہیں جانتی اس نے تمہیں کتنا بتایا ہے، لیکن زندگی کو دیکھنے کا ہمارا انداز مختلف ہے اور الگ ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔"

،"میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ کوئی بیچ کی راہ نکل آئے تاکہ وہ جو پاکستان نہ آنے کی قسم کھا چکا ہے، اسے توڑ دے۔"

امبر نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ "شاید اس کا یہی فیصلہ ہم سب کے حق میں بہتر ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 24

امبر شاہ ویز

چند سال قبل

امبر ٹیرس کی ریلنگ پر ہاتھ رکھے دور آسمان کے دھندلے ستاروں کو دیکھ رہی تھی۔ایسا لگتا تھا جیسے آج آسمان کی وسعتیں بھی اس کے دل کی طرح کسی گرد آلود اداسی میں لپٹی ہوئی ہیں۔

عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی، فراز آکر اس کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔اس نے ہمدردی بھرے لہجے میں بات کا آغاز کیا۔

"امبر، میں نے اور امی نے شاہ ویز کے بارے میں سوچا ہے۔وہ تمہارا بہترین دوست ہے، تمہیں اور تمہارے مزاج کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہے۔ہمارا خیال ہے کہ تم دونوں کا رشتہ زندگی کا ایک اچھا فیصلہ ثابت ہو گا۔"

امبر کی نظریں آسمان کے اسی نقطے پر جمی رہیں۔اس نے مڑے بغیر نہایت برفیلے لہجے میں جواب دیا۔

"بھائی، شاہ ویز میرا دوست ہے، اسی لیے اس کا مقام میرے ذہن میں بہت واضح ہے۔ آپ اسے ایک سمجھوتا بنانا چاہتے ہیں، اور میں اسے اپنا بہترین دوست ہی رکھنا چاہتی ہوں۔ میں اپنی زندگی کا ایک اور باب کسی دوسرے کے کہنے پر شروع نہیں کروں گی۔" پھر وہ ذرا ٹھہر کر بولی۔ "اور اس معاملے میں میرا جواب نہیں بدلے گا۔"

فراز کچھ پل کے لیے بالکل لاجواب ہو گیا۔

اسے امبر سے ایسے بدلے ہوئے اور غیر معمولی حد تک مضبوط لہجے کی توقع ہر گز نہ تھی۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ رانیہ کی موت کے صدمے نے اسے توڑ دیا ہو گا اور وہ موم کی طرح پگھل جائے گی۔ پہلی بار فراز کو محسوس ہوا کہ امبر اب اس کی ہر بات ماننے والی بہن نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

ایاز ہاؤس کے کشادہ لان میں دھوپ کی تمازت کے درمیان اکرام ایاز اور شاہ ویز آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

اکرام ایاز اپنے بیٹے کو میر خاندان سے رشتہ جوڑنے کے تمام سیاسی اور سماجی فائدے گنوا رہے تھے کہ کس طرح یہ رشتہ ان کے کاروبار اور اثر ورسوخ کو نئی بلندیوں پر لے جا سکتا ہے۔

شاہ ویز نے نہایت تحمل سے ان کی بات سنی، پھر ہاتھ میں تھما اخبار ایک طرف رکھ کر نہایت پر سکون آواز میں بولا۔

"ڈیڈ، کچھ رشتے کاغذ پر اچھے لگتے ہیں، زندگی میں نہیں۔ امبر اس وقت جس کیفیت سے گزر رہی ہے، اسے ایک شوہر کی نہیں، ایسے دوست کی ضرورت ہے جو اس پر کوئی نیا بوجھ نہ ڈالے۔ میں اسے حاصل کرنے کی کوشش میں اسے ہمیشہ کے لیے کھونا نہیں چاہتا۔ اس لیے میں اس رشتے کے لیے ہامی نہیں بھر سکتا۔"

اکرام ایاز پہلی بار اپنے بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا کی رونق ان دونوں کے درمیان موجود سنجیدہ گفتگو کے لیے ایک دھندلے پس منظر کا کام کر رہا تھا۔

"محبت کو منوانا جتنا مشکل ہے، اتنا ہی کٹھن لوگوں پر یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ کے کسی شخص کے لیے کوئی رومانوی جذبات نہیں۔" امبر نے چاٹ کا ایک چمچ منہ میں رکھا اور کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لے کر جیسے اس کی تائید چاہی۔

"شاید لوگ ان دونوں کے درمیان فرق سمجھ ہی نہیں پاتے۔" شاہ ویز نے ٹشو سے انگلیوں کے کنارے صاف کرتے ہوئے کہا۔ "یا پھر یہ ان کے نزدیک اتنی اہم بات نہیں۔"

امبر نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "شاہ ویز، تمہیں نہیں لگتا زندگی میں سب سے مشکل یہی ہے؟"

"کیا؟"

"اپنے جذبات کو صرف منوانا نہیں۔۔۔ بلکہ ان کے عین مطابق زندگی گزارنا۔" امبر نے دھیمے مگر واضح لہجے میں کہا۔

"یعنی اپنے اصل کے ساتھ جینا؟" شاہ ویز نے اس کی بات کی تہہ میں اترتے ہوئے کہا۔

"میں نے اکثر لوگوں کو وہ زندگی جیتے دیکھا ہے جس کی دوسرے ان سے توقع کرتے ہیں۔" امبر نے میز پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "انسان زندہ تو ہوتا ہے مگر اپنے آپ سے بہت دور۔"

"اہمیت آخر میں اسی بات کی رہ جاتی ہے کہ آپ اپنے نزدیک کتنے سچے ہیں۔" شاہ ویز نے نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیونکہ دنیا کی تسلی انسان کے اندر کا خلا نہیں بھر سکتی۔"

"اور جو لوگ اپنی اصلیت کے ساتھ جیتے ہیں، مانا انہیں زیادہ لڑنا" یا پھر بکھرتے نہیں۔" پڑتا ہے، مگر شاید ٹوٹتے کم ہیں۔" امبر نے آہستہ سے کہا۔

شاہ ویز نے خاموش مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بوتل اٹھائی اور اسے امبر کی بوتل سے ہلکے سے ٹکرایا۔

" اپنی اصل شناخت پر قائم رہنے کے نام!"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر25

نایاب صدیقی

"نایاب، یہ نیا جوڑا لیا ہے؟" زمرد نے اس کے سامنے چائے کی ٹرے رکھتے ہوئے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا، کیونکہ اسے یاد تھا کہ اس نے یہ لباس نایاب کو پہلے کبھی پہنے نہیں دیکھا تھا۔

اس وقت نایاب قالین پر اذان کے ساتھ بیٹھی اس کا ہوم ورک کروا رہی تھی۔ اذان اپنی کاپی پر جھکا پنسل سے لکھنے میں مصروف تھا جبکہ کچھ فاصلے پر ارمغان صوفے کے ایک کونے میں لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی صوفے پر ایک کھلی ہوئی فائل رکھی تھی، مگر زمرد کے سوال پر اس کی توجہ بے اختیار اس جانب منتقل ہوئی۔

نایاب نے ایک لمحے کو اپنی بینگنی رنگ کی آستین پر نظر ڈالی، پھر ہلکا سا جھینپ کر بولی۔ "نہیں، بس ایک پرانی چیز کو ذرا نیا بنا لیا ہے۔"

"وہ کیسے ؟"زمرد نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

نایاب کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔"یہ جی نائن کے لنڈا بازار سے لی ہوئی شرٹ تھی۔ بٹن بدل کر، سائیڈ فٹنگ اندر لے جا کر اور نیچے کا کٹ ری شیپ کر کے میں نے اسے بالکل نئی شکل دے دی۔"

زمرد نے ایک بار پھر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔"اور اب دیکھنے والا یہی سمجھے گا کہ کسی مہنگے درزی سے سلوایا ہے۔"

اذان نے اسی دوران سر اٹھا کر معصومیت سے کہا۔"ڈیڈ، نایاب آنٹی کو پرانی چیزوں کو نیا کرنا بھی آتا ہے۔"

نایاب نے فوراً اس کے بال ہلکے سے بکھیر دیے۔"اچھا؟اب تم ہوم ورک کرو، ورنہ تمہاری ٹیچر کو بتا دوں گی کہ تم بھی ہر روز نئے بہانے بنا لیتے ہو۔"

اذان ہنس پڑا۔"میں بہانے نہیں بناتا۔"

"تو یہ جوہر دوسرے دن کہتے ہو پنسل خود ہی کہیں غائب ہو گئی، وہ کیا ہوتا ہے؟" نایاب نے مصنوعی سنجیدگی سے پوچھا۔

اذان نے فوراً اپنی کاپی پر جھکتے ہوئے کہا۔ "وہ الگ بات ہے۔"

زمرد اور نایاب دونوں ہنس دیں۔

ارمغان نے پہلی بار غور سے نایاب کی طرف دیکھا۔ اس کی نظر لباس پر کم اور ان انگلیوں پر زیادہ ٹھہری جو ابھی اذان کے بال درست کر کے دوبارہ اس کی کاپی سیدھی کر رہی تھیں۔ بینگنی کپڑے پر لگے چھوٹے موتی کے بٹن واقعی عام نہیں لگ رہے تھے۔ اسے شاید پہلی بار محسوس ہوا کہ خوبصورتی ہمیشہ چیز میں نہیں ہوتی، کبھی کبھی اسے دیکھنے والے کے ذوق میں بھی ہوتی ہے۔

"سچ میں لنڈا بازار سے لی تھی؟" ارمغان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

نایاب نے اس کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔ "جی۔ وہاں ڈھیروں میں سے ڈھونڈنا پڑتا ہے، لیکن بہت اچھی چیزیں مل جاتی ہیں۔" پھر ایک لمحہ رک کر اس نے آہستہ سے کہا۔ "ہر اچھی چیز مہنگی نہیں ہوتی، بعض چیزیں صرف پہچانی نہیں جاتیں۔"

ارمغان کی انگلی فائل کے صفحے پر وہیں رک گئی۔

زمرد نے فوراً کہا۔ "بی بی، کسی دن مجھے بھی ساتھ لے کر چلو۔ میں بھی دیکھوں وہ کون سا بازار ہے جہاں اتنے سے روپوں میں اتنا نفیس جوڑا مل جاتا ہے۔"

نایاب کی آنکھیں ہلکے سے چمک اٹھیں۔ "جوڑا نہیں ملتا، صرف کپڑا ملتا ہے۔ جوڑا تو بعد میں سوچنا پڑتا ہے۔"

"یعنی انتخاب اور سلیقہ۔" زمرد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی کوشش کرنی ہے۔"

نایاب کھڑی ہوئی تو اپنے لباس کے ساتھ پہنے ہوئے ہلکے سنہری سینڈل کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "یہ بھی وہیں سے لیے تھے۔"

"یہ بھی؟" زمرد جھک کر دیکھنے لگی۔ "تم تو واقعی کمال کرتی ہو۔"

اذان نے فخر سے کہا۔ "میں نے بتایا تھا نا، نایاب آنٹی سب کچھ ٹھیک کر دیتی ہیں۔"

نایاب نے مسکرا کر اس کے گال کو ہلکے سے چھوا۔ "سب کچھ نہیں، صرف وہ چیزیں جنہیں پھینکنے سے پہلے ایک موقع دیا جائے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ دوبارہ اذان کے پاس بیٹھ گئی اور اس کی کاپی اپنی طرف کھینچ لی۔

ارمغان کی نظر چند لمحے اس پر ٹھہری رہی۔

سامنے کھلی فائل میں اعداد و شمار اب بھی ویسے ہی تھے، مگر اس کا دھیان پہلی بار ان پر نہیں رہا تھا۔

اسے اچانک یہ خیال آیا کہ کچھ لوگ واقعی عام چیزوں کو خوبصورت نہیں بناتے، بلکہ ان میں چھپی ہوئی خوبصورتی دوسروں سے پہلے دیکھ لیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

نایاب کی خالہ زاد کزن منیبہ آئی ہوئی تھی اور دونوں بیٹھی گپیں لگا رہی تھیں۔ چھوٹے سے صحن میں ان کی ہنسی گونج رہی تھی۔

"اب کی بار بھائی کو بہت اچھی نوکری ملی ہے۔" منیبہ کے کہنے پر نایاب بولی۔

"اس نے مجھے تو بتایا نہیں۔"

منیبہ چہک کر بولی۔ "تو کیا ہوا، بہن جو بتا رہی ہے۔" پھر اس نے نایاب کو کہنی سے ٹہوکا دیا۔ "کہیں تمہاری بھائی سے کچھ زیادہ ہی توقعات تو وابستہ نہیں؟"

نایاب ہنس دی۔ "یہ تم لوگوں کا خواب بس خواب ہی رہ جائے گا۔"

اس پر منیبہ نے قہقہہ لگایا۔ "اگر میں تمہیں اتنے قریب سے نہ جانتی تو مجھے لگتا کہ تمہیں اپنے حسن پر ناز ہے۔"

نایاب اٹھلا کر بولی۔ "بھئی، حسن والوں پر کئی بے بنیاد الزام لگا کرتے ہیں، ہم عادی ہیں ایسی باتوں کے۔"

فضا میں ایک بار پھر ان کی ہنسی گونجی۔

"کچھ تم بھی ڈھولکی بجواؤ، ہمیں بھی لطف اندوز ہونے کا موقع دو۔" نایاب نے اسے چٹکی کاٹی تو منیبہ نے مصنوعی غصے سے کہا۔ "تم مجھ سے دو سال بڑی ہو، پہلی باری تمہاری ہونی چاہیے۔"

نایاب نے چھیڑا۔ "شاید! لیکن شوق دلہن بننے کا تمہیں زیادہ ہے، کیا کیا جائے؟"

اس پر منیبہ نے اسے چوٹی سے پکڑ لیا، پھر کچھ دیر بعد سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ "واقعی نایاب، سنجیدگی سے کچھ سوچو۔ بھائی کی بہت اچھی ملازمت لگی ہے، صرف تنخواہ نہیں دیگر مراعات بھی ہوں گی۔"

نایاب نے مسکرا کر دیکھا۔ "تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے شادی نہیں کوئی کاروباری سودا ہو کہ سب ناپ تول کر دیکھ لیا جائے۔"

"تو یہی دیکھا جاتا ہے نا۔ لڑکا دیکھنے میں کیسا ہے، اپنے پیروں پر کھڑا ہے یا نہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کردار مضبوط ہو۔"

نایاب نے دور خلا میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ اپنی جگہ بہترین ہو گا، مگر میرے دل نے اسے کبھی اپنے حصے کی کہانی نہیں سمجھا۔"

اس دوٹوک جواب کے ساتھ ہی گفتگو کا رخ بدل گیا، مگر منیبہ کی آنکھوں میں اب بھی کئی سوال باقی تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

نایاب نے گیٹ کھٹکھٹایا تو اندر سے حمزہ کے دوڑنے کی آواز آئی۔

جیسے ہی گیٹ کھلا، نایاب نے اندر قدم رکھتے ہی کہا۔ "بوجھو تو بھلا آج کیا لائی ہوں؟"

وہ اس کے پیچھے آتے ہوئے بولا۔ "ایسا ہر روز نہیں ہوتا، اس لیے اندازہ لگانا بھی ذرا مشکل ہے۔"

وہ چلتے ہوئے رکی اور مصنوعی خفگی سے اسے مڑ کر دیکھا۔ "کتنے مطلبی ہو تم! اب بھلا بہن اتنی امیر ہے کہ روز نت نئی چیزیں لائے؟"

اندر سے خالدہ کی آواز آئی۔ "پھر تم دونوں باہر ہی شروع ہو گئے؟"

نایاب نے وہیں سے آواز لگائی۔ "امی، گھر کے احاطے میں ہی ہیں ہم۔" پھر حمزہ کی جانب رخ کیا۔ "تمہیں اسٹیشنری کی کچھ چیزیں چاہیے تھیں نا؟ آج اذان کی بھی کچھ چیزیں لینی تھیں۔ سر اسے لے کر جانے لگے تو میں بھی ساتھ چل دی، بلکہ یوں سمجھو کہ مجھے تو جانا ہی تھا، بس وہیں سے تمہاری چیزیں بھی لے لیں۔"

اس نے بیگ سے رنگین مارکرز اور پوائنٹر پین کا سیٹ نکالا۔

حمزہ نے اشتیاق سے یہ چیزیں اس کے ہاتھ سے لیں۔ "آپ کے باس نے ادائیگی نہیں کرنے دی ہو گی۔"

بیگ کی زپ بند کرتے نایاب کے ہاتھ رک سے گئے۔ اس نے کن اکھیوں سے بھائی کو دیکھا۔ "تمہیں کیسے پتہ؟"

"اتنا تو میں بھی انہیں جان گیا ہوں۔ اس دن وہ اذان کے ساتھ آئے تھے نا آپ کو نکڑ تک چھوڑنے، میں نے دیکھا تھا۔ وہ تو بہت وجیہہ ہیں! وہ کون سا اداکار ہے ہالی ووڈ کا۔۔۔ ذہن میں نام نہیں آ رہا، بالکل اس جیسے ہیں۔"

نایاب کے گال دہکنے لگے۔ "اب یہ اداکاروں کی باتیں چھوڑو اور مجھے دم لینے دو۔" وہ یہ کہتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ ماں کے سامنے بیٹھی کھانا کھا رہی تھی کہ حمزہ ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ اٹھائے آیا اور اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ لو، فیضان بھائی کی نئی نوکری کی خوشی میں۔ ساتھ ہی اس نے اضافہ کیا۔ "میرے لیے نئے جوتے بھی لائے ہیں، میں لا کر دکھاتا ہوں۔"

نایاب کے منہ میں رکھانوالہ کڑواہونے لگا۔"جوتے خریدنے کی کیاضرورت تھی، کیاہم نہیں خرید سکتے ؟" یہ سوال اس نے ماں سے کیا۔

"اس نے دل کی خوشی سے دیے ہیں۔"

"امی اس سے تویوں لگتاہے جیسے وہ ہماری مالی مدد کرکے دل میں جگہ بناناچاہتاہے۔"

"اس نے تحفہ دیاہے۔"خالدہ غصے سے بولیں۔"اب کیامیرے بھانجے کو تحفہ دینے کے لیے بھی اجازت درکار ہو گی ؟"

"مجھے اس کی ترقی سے واقعی خوشی ہوئی ہے۔"نایاب نے بات کارخ موڑنے کی کوشش کی۔

"ہاں بھئی، قابل تووہ ہمیشہ سے تھا،اب چار پیسے بھی ہاتھ آئیں گے تولوگوں کی رائے بدل جائے گی۔"آخر میں انہوں نے ایک جتاتی ہوئی نظر نایاب پر ڈالی۔

"امی، میری اس کے لیے رائے ہمیشہ مثبت رہی ہے۔"نایاب نے صفائی دی۔

خالدہ بولیں۔"اب ایسا بھی نہیں ہے۔"

نایاب تڑپ کر بولی۔ "میں نے کبھی اس کے لیے کچھ برا کہا؟"

"لیکن تم اس کے ساتھ اچھا بھی تو نہیں کر رہیں۔"

اس رکی ہوئی گفتگو نے ماحول میں ایک خاموش بوجھ پیدا کر دیا اور نایاب نے نظریں جھکا لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

نایاب کمال ہاؤس کی گاڑی سے اپنی گلی کے نکڑ پر اتری اور ابھی چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ اسے اپنا فیضان وہاں کھڑا دکھائی دیا۔ اسے دیکھتے ہی نایاب کے قدم رک گئے۔ فیضان دو قدم آگے بڑھ کر اس کے قریب آیا۔

"کیسی ہو نایاب؟"

نایاب نے ابرو اچکاتے ہوئے کہا۔ "یہی جگہ ملی تھی پوچھنے کے لیے؟"

"تم آج کل ملتی ہی نہیں، نوکری جو کرنے لگی ہو۔" فیضان نے شکوہ کیا۔

وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "وہ تو تم بھی کرتے ہو۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اب ہم دونوں کافی مصروف رہنے لگے ہیں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے قدم گھر کی طرف بڑھا دیے۔

فیضان تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔ "میں نے خالہ سے پوچھ لیا ہے، تم میرے ساتھ چل رہی ہو۔"

نایاب حیرت سے پلٹی۔ "کہاں؟"

"آئس کریم کھانے، اور دل چاہا تو کچھ اور بھی۔" وہ امید بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

نایاب نے ٹوکا۔ "تم نے امی سے اجازت لی، مجھ سے تو نہیں پوچھا؟"

ہم بچپن سے ساتھ ہنستے کھیلتے بڑے ہوئے ہیں نایاب، اس میں اجازت والی کیا بات ہے؟"

وہ فیضان کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔ "ضرورت ہے فیضان! کیونکہ میری اپنی بھی کوئی مرضی ہے۔"

"مجھے لگا خالہ کی اجازت اہم ہے، اس لیے۔۔۔" فیضان نے بات مکمل کرنی چاہی۔

نایاب نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس کی ضرورت تب پڑتی اگر مجھے جانا ہوتا۔"

فیضان کے چہرے پر اداسی پھیل گئی۔ "میں اپنی خوشی تم سے شیئر کرنا چاہتا تھا۔"

وہ بے نیازی سے بولی۔ "ہمارے گھر مٹھائی بھیجی گئی، میں نے تمہاری بہن کو مبارکباد دی اور تمہیں بھی پیغام بھیجا۔ اتنا سب کافی نہیں؟"

"لیکن مجھے کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنا تھا۔" حنیف نے اپنی خواہش دہرائی۔

"مجھے آرام کرنا ہے، کافی تھک گئی ہوں۔" یہ کہہ کر نایاب مڑی اور اپنا گیٹ کھٹکھٹانے لگی۔

فیضان وہیں کھڑا اسے اندر جاتے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کا دن تھا اور نایاب بال کھولے اپنی ماں سے سر میں تیل کی مالش کروا رہی تھی۔ فضا پر سکون تھی کہ اچانک خالدہ نے اپنی بہن کا ذکر چھیڑ دیا۔

"نورین کو بالکل اچھا نہیں لگا جس طرح تم نے فیضان سے بات کی۔" خالدہ نے ہاتھ چلاتے ہوئے دبی آواز میں کہا۔

نایاب نے آنکھیں موندے ہی سوال کیا۔ "کیسے بات کی؟"

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میرا اشارہ کس طرف ہے۔"

وہ بیزاری سے بولی۔ "امی، مجھے اس کے ساتھ باہر جا کر کچھ بھی نہیں کھانا تھا۔" اگلے ہی پل خالدہ کے ہاتھ اپنے بالوں سے ہٹاتے ہوئے وہ ان کی طرف مڑی۔ "آپ نے اسے اجازت کیسے دے دی؟"

خالدہ نے نظریں چراتے ہوئے کمزور لہجے میں کہا۔ "شادی سے پہلے اگر لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو جان لیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

نایاب نے حیرت زدہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ "امی، آپ پھر سے شادی کی بات کرنے لگیں؟ ایک دفعہ پہلے بھی فیضان کی اس گھر میں بات ہو چکی ہے اور میں نے تب بھی انکار کیا تھا۔"

"تب بات اور تھی، وہ ایک معمولی نوکری پر تھا۔"

وہ تلخی سے بولی۔ "لیکن میرے لیے وہ اب بھی وہی فیضان ہے جسے میں نے ہمیشہ صرف کزن یا بڑے بھائی کے طور پر دیکھا ہے۔"

"وہ تمہارا بھائی نہیں ہے، کزن ہے تمہارا۔ ایک اچھا شوہر ثابت ہو سکتا ہے!" خالدہ نے سختی سے کہا۔

وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔ "یہ میں طے کروں گی کہ وہ میری زندگی میں کیا حیثیت اختیار کرتا ہے۔"

خالدہ کو بھی اب طیش آ گیا۔ "آخر اس میں کمی کیا ہے؟"

نایاب جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں اسے کبھی شوہر کی حیثیت سے قبول نہیں کر سکتی۔"

خالدہ نے قدرے بیزاری سے کہا۔ "تم جذباتی ہو رہی ہو۔"

نایاب نے کمرے سے جاتے ہوئے مڑ کر انہیں دیکھا اور قطعیت سے بولی۔ "میرے لیے میرے جذبات بہت اہمیت رکھتے ہیں، میں انہیں روند کر زندگی گزارنے پر یقین نہیں رکھتی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

نایاب گھر لوٹی تو دروازہ ابو نے ہی کھولا، پوچھنے پر پتہ چلا کہ خالدہ اور حمزہ خالہ کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔ وہ کچن میں جا کر کھانا گرم کرنے لگی، اسے اکیلے کھانا اچھا نہیں لگتا تھا اور یہ موقع بھی تھا کہ باپ کے ساتھ کچھ وقت گزار لیتی، اسی لیے کھانے کی ٹرے لیے انہی کے کمرے میں آ گئی۔

اس نے پہلا نوالہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ ابو نے سوال کر ڈالا۔ "تم نورین کے ہاں کیوں نہیں جاتی؟"

"ابو، جایا کرتی ہوں لیکن بہت کم۔ پہلے وقت زیادہ ہوتا تھا تو اکثر چلی جایا کرتی تھی۔" اس نے سادہ سا جواب دیا۔

ابو نے اسے غور سے دیکھا۔ "بیٹا، پہلے بھی میں نے تمہارا ہی ساتھ دیا تھا۔ تم نے فیضان " کے رشتے سے انکار کیا تو میں نے اصرار نہیں کیا، لیکن اب صورتحال کافی مختلف ہے۔"

نایاب کو اپنا گلا سوکھتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے پانی کا گلاس منہ سے لگایا اور ایک بڑا سا گھونٹ لینے کے بعد بولی۔ "ابو، میرے لیے کچھ بھی نہیں بدلا۔ وہ اب بھی وہی فیضان ہے جسے کل تک میں بھائی بولا کرتی تھی، اور آپ کو یاد ہو گا۔۔۔" وہ پل بھر کو رکی۔ "میں نے سولہ سال کی عمر میں ہی ایک بات کہہ دی تھی۔"

ابو نے استعجابیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔ "مجھے خاندان میں شادی نہیں کرنی۔"

وہ پہلی بار کھل کر مسکرائے۔ "یہ بات تمہاری ماں کو سمجھانا بہت مشکل ہو گی۔"

"ابو، مجھے لگتا ہے لڑکیوں کے لیے اپنی کوئی بھی بات منوانا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"لڑکا اپنے والدین سے کہہ سکتا ہے کہ مجھے لمبے قد کی لڑکیاں پسند ہیں، یا یہ کہ لڑکی کا رنگ گورا ہو، وہ گنوار نہ ہو، بات کرنے کا سلیقہ ہو، وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر اس میں اس کی ماں کی ترجیحات بھی شامل ہو جاتی ہیں، پھر ایک مخصوص قسم کی لڑکی کی تلاش میں سب نکل جاتے ہیں۔ لیکن ایسی کوئی بات لڑکی کرے تو اسے کیسے القابات سے نوازا جاتا ہے، یہ آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔"

وہ ہنس دیے۔ "اس کا مطلب ہے کہ فیضان تمہارے معیار پر پورا نہیں اترتا؟"

نایاب نے نفی میں سر ہلایا اور فیصلہ کن انداز میں بولی۔ "بات صرف فیضان کی نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ خاندان کے کسی بھی لڑکے میں مجھے وہ وہ وسعتِ سوچ نظر نہیں آتی جو میرے معیار کو چھو سکے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

کھانے کے بعد منیبہ نے آئس کریم کی فرمائش کی تو فیضان نایاب اور حمزہ کو بھی لینے آ گیا۔

جس جگہ لے کر گیا، وہاں سب کے اترتے ہی اس نے نایاب کو روک لیا۔ پھر کار کی کھڑکی سے منیبہ کو چند نوٹ پکڑا کر کہا۔ "تم لوگ کھالو، جب فارغ ہو جاؤ تو ہمارے لیے بھی لے آنا، مجھے نایاب سے ضروری بات کرنی ہے۔"

ان دونوں کے جاتے ہی گاڑی میں ایک بوجھل اور غیر آرام دہ خاموشی پھیل گئی۔

بالآخر نایاب ہی ہمت کر کے بولی۔ "کہو فیضان، تمہیں کچھ کہنا تھا؟"

حالانکہ وہ اچھی طرح جان گئی تھی کہ یہ سارا اہتمام محض اس لیے کیا گیا تھا کہ تنہائی میسر آنے پر اپنا مدعا بیان کیا جا سکے۔

فیضان نے دونوں ہاتھوں سے اسٹیئرنگ کو مضبوطی سے تھام لیا، جیسے وہ خود کو کسی بڑے فیصلے کے لیے مجتمع کر رہا ہو۔ "تم جانتی ہو نایاب، میرے تمہارے لیے کیا جذبات ہیں؟"

نایاب نے ایک گہرا سانس خارج کیا اور سپاٹ لہجے میں بولی۔ "یہ بھی جانتی ہوں کہ یہ گفتگو ہم پہلی بار نہیں کر رہے۔"

فیضان اس بار پیچھے مڑا۔

وہ اس کے بہت قریب بالکل سامنے بیٹھی تھی، لیکن اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ ذہنی طور پر بہت دور ہے۔ "تم مجھے ایک موقع تو دے کر دیکھو۔"

نایاب نے اسے تعجب سے دیکھا۔ "تم جسے موقع دینا کہہ رہے ہو، وہ میری زندگی کا سب سے اہم فیصلہ ہے۔"

"میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا، تمہاری ہر بات۔۔۔" فیضان نے وعدہ کرنا چاہا، مگر نایاب نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"اگر کوئی تمہارے ساتھ خوش ہی نہ رہ سکتا ہو، تو کیوں کرنا چاہو گے تم ایسی کوشش؟"

فیضان کے چہرے پر پھیلنے والی افسردگی دیکھ کر پل بھر کو نایاب کو اپنے سخت انداز پر پشیمانی بھی ہوئی، مگر وہ پیچھے نہیں ہٹی۔ "دیکھو فیضان، ہم اس موضوع پر کئی بار بات کر سکتے ہیں، لیکن صرف الفاظ بدلیں گے، انداز بدلیں گے، میرا جواب اب بھی 'نہ' ہے۔"

اس پر فیضان نے شک بھرے لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟"

نایاب تڑپ کر بولی۔ "یہ سوال تم نے پچھلی بار بھی پوچھا تھا، اور سچ کہوں تو یہ پوچھنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ پھر بھی تمہیں سمجھانے کی خاطر بتا رہی ہوں، اگر پسند سے تمہاری مراد یہ ہے کہ میرا کسی اور سے شادی کا ارادہ ہے، تو نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر26

امبر میر

چند سال قبل

ہوٹل کے ہال میں اس وقت ایسی پر رونق گہما گہمی تھی کہ ہر گوشہ زندہ محسوس ہو رہا تھا۔

امبر کی گریجویشن مکمل ہونے پر گھر والوں نے قریبی رشتہ داروں اور جان پہچان والوں کے لیے یہ دعوت رکھی تھی،اور تقریب اس وقت اپنے عروج پر تھی۔ مگر اس تمام شور اور رونق کے درمیان امبر خود کو عجیب حد تک الگ تھلگ محسوس کر رہی تھی۔ وہ ہال کے ایک نسبتاً خاموش کونے میں کھڑی، ہاتھ میں پکڑے مشروب کے گلاس پر نظریں جمائے ہوئے تھی، جیسے ارد گرد کی چمکتی ہوئی دنیا سے اپنی توجہ بچانا چاہتی ہو۔

ارمغان سیاہ ٹو پیس سوٹ میں ملبوس، نہایت پر وقار انداز میں چلتا ہوا اس کی طرف آیا۔ اس کے چہرے پر ایک ٹھہری ہوئی مسکراہٹ تھی۔ رسمی حال احوال کے بعد ارمغان نے

ایک لمحے کے لیے توقف کیااور پھر کہا۔ "اس موقع پر ایک روایتی سا سوال کرنے والا ہوں، امید ہے برا نہیں مناؤ گی۔"

امبر نے مسکراہٹ کے ساتھ سر نفی میں ہلایا۔

"آگے کا کیاارادہ ہے؟"

امبر کی گرفت گلاس پر کچھ سخت ہوئی۔اس نے دور کھڑے فراز پر ایک نظر ڈالی جو چند رشتہ داروں کے ساتھ کسی بحث میں مگن تھا۔ "لوگوں کے سامنے تو بہت سے راستے ہوتے ہیں۔کچھ کرنا بھی چاہتی ہوں اور سمجھ نہیں آرہی کہ شروعات کہاں سے کروں۔"

"کسی سے مشورہ بھی تو کیا جاسکتا ہے۔" ارمغان نے تجویز دی۔

امبر نے سر جھکایا۔ "مشورہ لینے جاؤ تو سامنے والا اپنی مرضی چلانے کی کوشش کرتا ہے، میں نہیں چاہتی کسی کے اثر میں آکر کوئی فیصلہ کروں۔"

"اپنے مضمون کے مطابق کچھ کرنا چاہو گی؟" ارمغان نے پوچھا۔

امبر نے انکار میں سر ہلایا۔ "مجھے کسی کالج یا یونیورسٹی میں نہیں پڑھانا۔"

ارمغان چند لمحے کچھ سوچتا رہا، پھر بولا۔ "اور اگر میں کچھ پیش کروں تو؟"

ارمغان کے یہ الفاظ امبر کو ایک سال پیچھے، اس سیاہ دن کی طرف لے گئے جب رانیہ کی اچانک موت نے زندگی کی بساط الٹ دی تھی۔

امبر کو وہ لمحہ یاد آیا جب اس نے رانیہ کو رخصتی کے لباس میں دیکھا اور یہ دکھ سہنا مشکل لگا۔ وہ وہاں سے بھاگنے والے انداز میں سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی اور ٹیرس پر پہنچ کر ہی اسے وہ تنہائی میسر آئی جس کی اس وقت ضرورت تھی۔

وہ ریلنگ کے پاس نہیں گئی تھی کیونکہ اسے ڈر تھا کہ نیچے لان میں بیٹھے لوگوں کی نظریں اس پر پڑیں گی، اس لیے وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر بہہ رہے تھے۔ ٹانگوں میں وہ طاقت نہ تھی جو اسے کھڑا رکھ پاتی، وہ وہیں فرش پر ڈھیر ہوتی چلی گئی۔

اچانک دروازے پر ایک ہلکی سی دستک ہوئی، امبر نے سر اٹھایا تو سامنے ارمغان کھڑا تھا۔

اس کی آنکھوں میں گہری تشویش تھی۔امبر اپنی جگہ سے نہیں ہلی، بس آنکھیں موند کر وہیں بیٹھی رہی۔ارمغان چند قدم آگے بڑھااور بغیر کچھ کہے، اس سے کچھ فاصلے پر اسی کے انداز میں فرش پر بیٹھ گیا۔

امبر خاموش نہ رہ سکی۔"ارے! آپ کے کپڑے گندے ہو جائیں گے۔"

ارمغان نے ایک اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔"زندگی بہت عجیب ہے، ہم بہت سی ناراضگیاں دل میں پالے رکھتے ہیں یہ جانے بنا کہ جس سے ہم ناراض ہیں، اگر وہ ہی چلا گیا تو پھر کیا کریں گے۔"

"ایسی صورت میں وہ ناراضگی اپنی ہی طرف رخ کر لیتی ہے۔"امبر نے بوجھل لہجے میں کہا۔

ارمغان نے جیب سے سفید رومال نکال کر اس کی طرف بڑھایا مگر اسے دیکھنے پر مجبور نہیں کیا۔

ارمغان نے تائید کی۔ "صحیح کہا۔ مجھے یقین نہیں آرہا کہ پولیس کے ہاتھ کوئی سراغ نہیں لگا۔ ایسے کیسے کوئی کسی کو اغوا کر کے۔۔۔" دکھ کی شدت سے ارمغان نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "جانتا ہوں یہ وقت اس سوال کے لیے مناسب نہیں، لیکن امبر، تمہیں کیا لگتا ہے؟"

اس نے تعجب سے ارمغان کو دیکھا۔ "کس بارے میں؟"

ارمغان نے پہلی بار مکمل طور پر اس کی طرف رخ کر کے دیکھا تو امبر کو اس کی سرخ آنکھوں پر حیرت ہوئی۔ پھر اسے یاد آیا کہ رانیہ اس کی ہم جماعت رہ چکی تھی اور باپ کے دوست کی بیٹی بھی تھی۔ یونیورسٹی کے دنوں میں ارمغان کئی بار ان کے ہاں آیا تھا، لیکن اس کے ساتھ رانیہ کبھی نہیں آئی تھی۔ وہ صرف فراز کے ساتھ ہی کبھی کبھار آیا کرتی۔

"یہ سب کس نے کروایا ہے؟ تمہارے ذہن میں کوئی نام ہے؟" ارمغان نے پوچھا۔

وہ بے بسی سے بولی، "کاش ہوتا۔"

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بتاتی ہے کہ گولیاں کافی قریب سے لگی ہیں اور۔۔۔"

"پلیز! یہ سب سننا میرے لیے ابھی بہت مشکل ہے۔" امبر نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔

"معذرت، مجھے احساس نہیں رہا۔ مجھے بس یہ سب بہت بے چین کیے دے رہا ہے۔"

"کیا؟" امبر نے سوال کیا۔

ارمغان نے پل بھر کو آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔ "ہم یہ نہیں جانتے کہ یہ سب کس نے کیا؟"

"یہ دہرا زخم ہے کہ ان کی جان یوں زبردستی لی گئی۔ طبعی موت کی بات اور ہوتی ہے۔"

ارمغان نے نفی میں سر ہلایا۔ "کسی اپنے کی موت کو تسلیم کرنا بہت مشکل ہے، خواہ طبعی ہو یا حادثاتی۔ قتل کی صورت میں یہ بات بہت تکلیف دہ ہوتی ہے کہ ہم قاتل کو شناخت نہیں کر پائے۔" پھر وہ کچھ دیر بعد اچانک بولا۔ "ایک بات ہے جو میرے ذہن سے نکل نہیں رہی؟"

وہ بولی۔ "وہ کیا۔۔۔؟"

انہوں نے کال بھی فراز کو کی اور رقم لے کر بھی فراز ہی گیا، اس کا کوئی اور عینی گواہ نہیں "۔"

امبر نے اسے اچنبھے سے دیکھا۔ "آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"فراز جو رقم لے کر گیا، وہ اس سے لینے کے بجائے مردہ جسم اس کے حوالے کر گئے۔"

امبر کو غصہ آنے لگا۔ "آپ بھائی پر شک کر رہے ہیں؟"

ارمغان نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے۔ "بالکل بھی نہیں، میں نے ایسا کچھ نہیں کہا ،بلکہ مجھے تو حیرت ہے کہ تم لوگوں نے ابھی تک ان پہلوؤں پر سوچا ہی نہیں، یہ تو بہت سامنے کی بات ہے۔"

اور اب وہی ارمغان اس کے سامنے کھڑا تھا جس کی باتوں نے اس وقت عجیب انداز میں اس کی سوچ کا رخ موڑ دیا تھا۔ وہ سوگ سے زیادہ اس فکر میں لگ گئی تھی کہ رانیہ کے ساتھ یہ سب آخر کیا کس نے؟ وہ فراز بھائی سے روز طرح طرح کے سوال کرتی یہاں تک کہ وہ چڑ جاتے، کبھی باپ سے پولیس کی تفتیش کے بارے میں پوچھتی کہ کہاں تک پہنچی ہے۔ لیکن جان لینے والوں نے پیچھے کوئی سراغ نہیں چھوڑا تھا۔

وہ ماضی سے نکل کر حال میں لوٹ آئی۔

"کیسی پیشکش؟"

"تم ہماری کمپنی جوائن کر لو۔"

"لیکن میرا تو آئی ٹی کا کوئی تجربہ نہیں۔"

"ہماری کمپنی صرف نگرانی کے نظام نہیں لگاتی، امبر۔ سیکیورٹی کا ایک اہم حصہ پرانے ریکارڈز کو سمجھنا بھی ہوتا ہے، یہ دیکھنا کہ ماضی میں کہاں خامیاں رہیں، کون سے واقعات بار بار دہرائے گئے، اور کس جگہ نظر انداز کی گئی تفصیل بعد میں مسئلہ بنی۔ ہمیں کسی ایسے شخص کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے جو بکھرے ہوئے ریکارڈز کو ترتیب دے سکے اور مختلف واقعات کے درمیان تعلق کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ایک لحاظ سے یہ ہماری پوری سیکیورٹی تاریخ کو منظم کرنے جیسا کام ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجھے لگا یہ ذمہ داری تم بہتر طریقے سے سنبھال سکتی ہو۔"

امبر نے کچھ دیر سوچا اور پھر پوچھا۔ "لیکن میں نے اس سے پہلے کوئی جاب نہیں کی۔"

ارمغان مسکرایا۔ "ایک ہفتے کی تربیت کی بات کی ہے۔ تمہیں صرف ہمارا مخصوص سافٹ ویئر استعمال کرنا سیکھنا ہے، باقی تمہاری عقل اور تاریخ سے لگاؤ خود راستہ بنالے گا۔"

امبر کی آنکھوں میں ایک چمک ابھری۔ اسے محسوس ہوا کہ ارمغان نے اسے محض نوکری نہیں دی تھی، بلکہ اسے گھر کی اس حبس زدہ فضا سے نکلنے کا ایک باعزت راستہ دکھایا تھا۔

"ٹھیک ہے، مجھے یہ منظور ہے۔" امبر نے حتمی لہجے میں کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"تم نے یوں کیسے جاب کی حامی بھر لی؟" فراز بمشکل اپنے لہجے کو ہموار رکھے ہوئے تھا لیکن پھر بھی ناگواری کو چہرے پر آنے سے نہ روک پایا۔

"کیوں ڈیڈ؟ اس میں حرج کیا ہے؟" امبر نے باپ سے پوچھا تو شاہ میر نے ایک محتاط نگاہ بڑے بیٹے پر ڈالی۔

"فراز تمہیں کیا برا لگ رہا ہے؟" انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

"آپ سب جانتے ہیں کہ ارمغان سے میرے ایک دور میں اچھے تعلقات رہے ہیں۔" اس نے والدین پر ایک جتاتی ہوئی نگاہ ڈالی۔

"وہ دوستی ختم ہو گئی تو کیا ہوا، امبر وہاں جاب ہی تو کرے گی۔" دردانہ نے بیٹی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تعلقات بحال ہو جائیں گے۔"

"اب یہ ناممکن ہے!" فراز کے ان الفاظ پر شاہ میر اور دردانہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"آخر ایسا بھی کیا ہوا تھا تم دونوں کے بیچ۔۔۔ جو ہمیں آج تک نہیں بتایا؟" شاہ میر کے لہجے میں سختی در آئی۔

"ہر بات بتائی نہیں جا سکتی۔" اب کی بار وہ قدرے دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

"اگر ایسا ہے تو امبر کو بھی نہیں روکا جا سکتا۔" شاہ میر نے دو ٹوک انداز میں فیصلہ سنایا۔ "کمالز ہمارے رشتہ دار ہیں، یوں دل میں کینہ رکھنا اچھی بات نہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

امبر جب صبح بیدار ہوئی تو اسے فضا میں ایک عجیب سے نئے پن کا احساس ہوا۔ ایچ آر کے ساتھ انٹرویو کے تمام مراحل طے ہو چکے تھے، تقرری کا خط اس کے پاس تھا اور آج نوکری کا پہلا دن تھا۔

"دیکھ لینا، کوئی چیز رہ نہ جائے۔" دردانہ نے ناشتے کی میز پر خوشی سے چہکتی امبر سے کہا تو وہ ہوا میں ہاتھ ہلا کر رہ گئی۔

"امی، میرا ہینڈ بیگ تو ویسے بھی تیار رہتا ہے، ہاں گاڑی کی چابی رکھ لی ہے۔"

شاہ میر نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے بیٹی کو دیکھا۔ "بیٹا! گارڈ اور ڈرائیور۔۔۔"

انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا، جیسے فیصلے کا پورا اختیار امبر کو ہی دینا چاہتے ہوں۔

"ڈیڈ، واپسی کا کوئی طے شدہ وقت نہیں ہوتا، کام کی وجہ سے وقت اوپر نیچے ہو سکتا ہے۔ میں خود گاڑی چلاؤں گی تو ذہنی طور پر بھی آزاد رہوں گی۔" امبر نے اعتماد سے جواب دیا۔

اتنے میں فراز بھی وہاں آ گیا، وہ دفتر جانے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ "کہو تو میں راستے میں چھوڑتا جاؤں؟"

امبر نے ترچھی نگاہوں سے بھائی کو دیکھا جواب ناشتے میں مشغول ہو چکا تھا۔ "وہ آپ کے راستے میں تو نہیں پڑتا۔" پھر جیسے شرارت سے کچھ سوچ کر مسکرائی۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ ہلکی پھلکی جاسوسی کی نیت سے جانا چاہتے ہوں؟"

امبر نے تو محض چھیڑ خانی کے طور پر کہا تھا، لیکن فراز کے ہاتھ ایک پل کو رک گئے۔

"چاہوں تو گھر بیٹھے کسی کی بھی معلومات حاصل کر سکتا ہوں۔" اس کے ہاتھ ایک بار پھر متحرک ہوئے۔ "لیکن یہ میرا انداز نہیں ہے۔"

اتنے میں ملازم نے آکر اطلاع دی۔ "ارمغان صاحب آئے ہیں، کہتے ہیں امبر بی بی تیار ہیں تو چلیں؟"

سب نے حیرت سے امبر کی طرف دیکھا۔

وہ خود بھی ایک لمحے کو ساکت رہ گئی۔

بالآخر وضاحت پیش کرنے کی غرض سے بولی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ یوں لینے آجائیں گے۔" اس نے باپ کی طرف دیکھا اور پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا۔ "ہاں، انہوں

نے کہاتو تھا کہ پہلے دن میرا انتظار کرنا، خود نہ نکل پڑنا۔ میں اس وقت ان کی بات کی گہرائی نہیں سمجھ پائی تھی۔"

فراز نے ملازم کو ہدایت دی۔ "اسے کہو اندر آ جائے۔"

ملازم بولا۔ "نہیں جی، انہوں نے کہا وہ جلدی میں ہیں، اس لیے پہلے ہی معذرت کر لی تھی۔"

امبر اگلے ہی لمحے تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے اب جانا چاہیے۔" وہ سب کو الوداع کہتی، بیگ کندھے سے لٹکاتی باہر نکل آئی۔

"آپ نے تو حیران کر دیا!" وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اگلی نشست پر بیٹھی اور ارمغان کو دیکھا، جو دھوپ کا چشمہ لگائے، ٹائی اور باضابطہ لباس میں پہلے سے بھی زیادہ وجیہہ لگ رہا تھا۔

فراز بھائی کی طرح وہ بھی اس سے چھ سال بڑا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا، میرا انتظار کرنا۔" ارمغان نے مسکرا کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

فراز ناشتے کی میز سے اٹھ کر کھڑکی تک آیا۔

پردے کی اوٹ سے اس نے دیکھا، امبر گاڑی میں بیٹھی کچھ کہہ کر مسکرائی تھی۔

ارمغان نے جواب میں سر ذرا سا اس کی طرف موڑا تھا۔

فراز کی انگلیاں پردے کے کنارے پر سخت ہو گئیں۔

اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ یہ محض ایک ملازمت نہیں رہی۔

عمارت میں پہنچ کر جب وہ اسے لیے اپنے دفتر میں داخل ہوا، تو امبر نے ایک نظر غور سے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ نہ صرف ہر چیز بہت سلیقے سے رکھی ہوئی تھی بلکہ سیاہ اور سفید کے امتزاج میں سجے اس کمرے میں ایک ہلکی اور مسحور کن مہک رچی بسی تھی۔

ارمغان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میز پر رکھی چند فائلوں کی طرف متوجہ ہوا۔

"امبر، آج تمہارا پہلا دن ہے۔" ارمغان نے فائل اس کی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

"ابتدائی طور پر تم ہمارے پرانے سیکیورٹی آڈٹس، واقعاتی رپورٹس اور ڈیجیٹل ریکارڈز کو منظم کرو گی۔"

"کیا مجھے آج ہی سے ذمہ داریاں سنبھالنی ہوں گی؟" امبر نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں، جس لڑکی کی جگہ تم آئی ہو، اس کی شادی ہونے والی ہے اور اس کے یہاں اب صرف دس دن رہتے ہیں۔ وہ اس مہینے کے اختتام تک یہاں موجود ہے۔ وہ نا صرف تمہیں کام سکھائے گی بلکہ تمہیں مختلف عملی منصوبوں میں بھی اپنے ساتھ لگائے گی تاکہ تم کام کی نوعیت کو بہتر طور پر سمجھ سکو۔" ارمغان نے تفصیل بتاتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ارمغان نے جب امبر کے کیبن پر دستک دی، اس وقت وہ اپنا کام سمیٹ رہی تھی کیونکہ اسے رمشہ کے ساتھ لنچ کے لیے نکلنا تھا۔ آہٹ پر پلٹ کر دیکھا تو سامنے مسکراتا ہوا ارمغان کھڑا تھا۔

"آج میرے پاس بھی کچھ وقت ہے، سوچا ساتھ میں لنچ کر لیں۔" ارمغان نے پیشکش کی۔

امبر کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ "کیوں نہیں۔"

وہ دونوں عمارت سے باہر نکلے تو ارمغان نے پوچھا۔ "تمہیں کہاں جانا پسند ہے؟"

امبر نے عملی سوچ کا اظہار کیا۔ "یہ تو دفتر کی بریک ہے نا، محدود وقت ہو گا۔ کسی قریبی جگہ ہی جایا جا سکتا ہے۔"

"بالکل نہیں! میں نے کہا نا کہ آج میرے پاس وقت ہے، جہاں تم کہو گی وہیں چلیں گے۔"

لنچ کے دوران ارمغان اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ "تم اب کیسا محسوس کر رہی ہو؟"

امبر نے کولڈ ڈرنک کا ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا، جیسے جواب دینے کے لیے اسے کچھ پل کا وقفہ درکار ہو۔ "اب پہلے سے بہت بہتر ہوں۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"رمشہ تمہارے کام کی کافی تعریف کر رہی تھی۔" ارمغان نے بتایا۔

امبر کو حیرت ہوئی۔ "واقعی؟"

ارمغان نے ابرو اچکائے۔ "تمہیں اپنی تعریف سن کر اتنا عجیب کیوں لگتا ہے؟"

وہ ذرا سٹپٹا گئی۔ "نہیں، ایسا تو کچھ نہیں۔"

"شاید مجھے یہ کہنا تو نہیں چاہیے، لیکن ایسا لگتا ہے جیسے تم اپنی تعریف کو قبول نہیں کر پاتیں۔" پھر موضوع بدلنے کی غرض سے بولا۔ "تمہیں اپنی اس ملازمت کا کون سا پہلو سب سے زیادہ دلچسپ لگا؟"

امبر نے لمحہ بھر کو سوچا اور پھر سنجیدگی سے بولی۔ "مجھے اس کا 'تلاشی' والا پہلو بہت متاثر کرتا ہے۔ جب میں پرانی فائلوں اور ڈیجیٹل ریکارڈز کو کھنگالتی ہوں، تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہر گزرے ہوئے واقعے کے پیچھے صرف اعداد و شمار نہیں بلکہ انسانی رویوں کی ایک پوری تاریخ چھپی ہے۔ ان بکھرے ہوئے حقائق کو جوڑ کر ایک مکمل تصویر بنانا ایسا ہی ہے جیسے کسی کھوئی ہوئی تہذیب کے آثارِ قدیمہ کو دریافت کرنا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ماضی کی ایک چھوٹی سی غلطی کس طرح حال کے بڑے سیکیورٹی مسائل کی بنیاد بنتی ہے۔"

ارمغان نے اس کی بات غور سے سنی۔ "میں نے اسی لیے کہا تھا کہ تمہارا تاریخ کا ذوق یہاں بہت کام آئے گا۔ تم صرف ڈیٹا پڑھتیں نہیں، اسے محسوس کرتی ہو۔"

واپسی کے سفر میں دونوں کے درمیان کچھ دیر خاموشی رہی۔

مگر یہ خاموشی عجیب نہیں تھی۔

امبر نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے محسوس کیا کہ کچھ لوگوں کے ساتھ باتیں ضروری نہیں ہوتیں، صرف ان کے ساتھ بیٹھنا بھی تھکن کم کر دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ارمغان کے دفتر میں وہ بھاری بھرکم، زنگ آلود لوہے کی تجوری رکھی تھی جو کمال ہاؤس کے اسٹور کی صفائی کے دوران ملی تھی۔ یہ دیوار کے اندر چھپے ایک خالی حصے کے پیچھے نصب تھی۔

ارمغان بیٹھا اس کے پیچیدہ مشینی ڈائل کو آہستگی سے گھما رہا تھا، جیسے ہر حرکت کسی پرانے نظام کو جگا رہی ہو۔ امبر قریب ہی بیٹھی ان دھندلی علامات کو غور سے دیکھ رہی تھی جو ہینڈل کے گرد کندہ تھیں۔

"یہ صرف ڈیزائن نہیں ہیں۔" امبر نے تجوری کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی سادہ ڈیزائن نہیں۔ یہ کسی پرانے کوڈنگ سسٹم جیسا لگتا ہے، شاید تاریخ یا نمبر چھپانے کے لیے۔"

ارمغان نے رک کر اسے دیکھا۔ "تمہیں واقعی یہ اتنا واضح لگ رہا ہے؟"

اگلے آدھے گھنٹے تک وہ دونوں اسی گتھی کو سلجھانے میں مگن رہے۔ امبر نے تاریخ کے حوالے سے اعداد جوڑے اور ارمغان نے اپنی تکنیکی مہارت سے ڈائل کو حرکت دی۔ بالآخر ایک بھاری 'کلک' کی آواز کے ساتھ دروازہ تھوڑا سا کھل گیا۔ اندر سے ایک بھاری سی سانس جیسی آواز نکلی، جیسے دھات نے برسوں بعد خود کو کھولا ہو۔

ارمغان کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ آئی۔

"تمہارے بغیر یہ ممکن نہیں تھا، امبر۔" اس نے اعتراف کیا۔

تجوری کے اندر سے کچھ پیلے پڑ چکے کاغذات برآمد ہوئے۔ چند فائلوں کے کنارے پر ایک دھندلا سا اسٹیمپ تھا جس پر صرف 'اندرونی نگرانی۔ محفوظ ریکارڈ' لکھا تھا، باقی حصہ وقت کے ساتھ مٹ چکا تھا۔

ارمغان نے انہیں باہر نکالا اور میز پر پھیلا دیا۔ ان دستاویزات میں کسی کمپنی کا نام درج نہیں تھا، مگر ان پر درج تحریریں انتہائی چونکا دینے والی تھیں۔

"یہ دیکھو، امبر۔" ارمغان نے ایک فائل کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ انیس سو اسّی کی دہائی کے مواصلاتی نگرانی سے متعلق ریکارڈز معلوم ہوتے ہیں۔ یہ اُس دور کے کاغذات ہیں جب مواصلاتی نظام زیادہ تر ٹیلی فون لائنوں اور وائرلیس رابطوں تک محدود تھا... مگر یہاں لگتا ہے جیسے کسی سطح پر ان رابطوں کی باقاعدہ نگرانی کی جا رہی تھی۔"

امبر نے ایک اور دستاویز اٹھائی جس پر ہاتھ سے لکھا تھا۔

اثرورسوخ۔ حکمتِ عملی

اس میں درج تھا کہ "معلومات کی طاقت، ہتھیار کی طاقت سے بڑی ہے۔ جس کے پاس راز ہیں، وہی بادشاہ ہے۔" ان کاغذات میں مختلف شہروں کے نقشے بنے تھے جن پر مخصوص 'مواصلاتی مراکز' کو نشان زد کیا گیا تھا۔ کچھ صفحات پر مختلف شہروں کے ساتھ مخصوص لائنیں کھینچی گئی تھیں، جیسے کوئی خاموش رابطوں کا نقشہ بنا رہا ہو۔

"یہ سب یہاں کیوں محفوظ رکھا گیا تھا؟ عجیب بات یہ ہے کہ کہیں کوئی واضح نام نہیں، صرف اشارے ہیں۔" امبر نے تعجب کا اظہار کیا۔ "ان میں کسی ادارے کا نام ہے نہ کسی شخص کا، بس یہ مبہم سے اشارے ہیں۔"

ارمغان نے گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ "جو بھی تھا، وہ محض ریکارڈ محفوظ نہیں کر رہا تھا... ایسا لگتا ہے جیسے معلومات کو کسی باقاعدہ حکمتِ عملی کے تحت جمع کیا جا رہا تھا۔ امبر، یہ تمام ڈیٹا بہت حساس ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ سب کسی سرکاری آرکائیو جیسا بھی نہیں لگتا... مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ ریکارڈ عام نوعیت کے نہیں تھے۔"

امبر کی نظریں ان پرانے کاغذات کی سیاہی پر جمی تھیں۔ اسے احساس ہوا کہ وہ کسی ایسی چیز کے قریب پہنچ گئی ہے جو بہت گہری اور خطرناک ہے۔ ارمغان نے فائلیں بند کیں اور امبر کو دیکھا۔ "آج کے لیے اتنا کافی ہے۔ ہم ان کو ابھی یہیں رکھ دیتے ہیں۔ بعد میں دوبارہ دیکھیں گے، آرام سے۔"

واپسی پر امبر خاموش تھی، اسے یاور کی وہ باتیں یاد آ رہی تھیں جو وہ ستاروں کے 'تاریک مادے' کے بارے میں کرتا تھا۔ وہ جو نظر نہیں آتا، مگر سب کچھ کنٹرول کرتا ہے۔ اسے لگا جیسے کچھ پرانی تہیں ابھی پوری طرح سامنے نہیں آئیں اور وہ صرف کنارے پر کھڑی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

دروازے پر دستک ہوئی تو ارمغان نے بھی موقع غنیمت جانتے ہوئے وہ فائل بند کر دی جو پچھلے آدھے گھنٹے سے اس کی توجہ سمیٹے ہوئے تھی۔

اجازت ملنے پر امبر نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"میں نے پہلے بتایا تھا کہ آؤں گی۔" وہ اپنے آنے کی وضاحت دے رہی تھی۔

وہ اس کے ہاتھ میں تھاما بڑے سائز کا لنچ باکس دیکھ کر بے ساختہ مسکرایا۔ "یہ اچھی ٹائمنگ ہے، مجھے پتہ بھی نہیں تھا کہ تم لنچ لائی ہو۔"

وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کے بالقابل کرسی پر بیٹھ گئی۔ لنچ باکس کھولا تو گرم کھانے کی مہک سارے میں پھیل گئی۔ "شکر ہے یہاں کچن بھی ہے اور گرم کرنے کی سہولت بھی۔"

"مجھے ٹھنڈا بھی قبول ہوتا۔" پھر میز کے دراز سے کچھ نکالنے لگا۔ دو پلیٹیں اور چمچ۔

"واہ آپ تو اچھے خاصے سگھڑ ہیں۔"

"امی کبھی کبھار گھر سے کچھ بھجوادیا کرتی ہیں، پھر زوہیب اور میں یہیں بیٹھ کر کھاتے ہیں۔"

"مجھے زوہیب کا خیال ہی نہیں آیا!" امبر کو پشیمانی ہوئی۔

"ارے چھوڑو، جو اسے معلوم ہی نہیں وہ اسے کیا ہرٹ کرے گا۔"

دونوں ہنس دیے۔

"اچھی جگہ کہاوت استعمال کی۔" وہ دونوں کے لیے پلیٹوں میں نکال چکی تو بولی۔ "میں نے خود بنایا ہے۔"

وہ ایک لمحہ رکا، پھر بغیر کچھ کہے چمچ اٹھالیا۔

"کبھی کبھار کچھ بنالیتی ہوں۔" اس نے تیزی سے پلکیں جھپکیں۔ "یہ رانیہ کی پسندیدہ ڈش نہیں تھی۔ بس جو اس وقت آسان تھا، وہی بنالیا۔"

ارمغان خاموش رہا۔

"سوری، مجھے یوں لنچ کے وقت ایسی باتیں۔۔۔"

"نہیں پلیز۔" ارمغان نے ہاتھ اٹھاتے اسے روکا۔ "شاید تم جتنا نہیں لیکن اس کی یوں اچانک موت سے مجھے بھی دھچکا لگا ہے۔"

"وہ یونیورسٹی کے دور میں کیسی تھی؟" پھر اسے اپنا ہی سوال تھوڑا عجیب لگا تو اضافہ کرتے ہوئے بولی۔ "میں یہ سمجھنا چاہتی ہوں کہ وہ تب کیسی تھی، جب آپ اسے یونیورسٹی سے جانتے تھے۔ وہ کچھ اور تھی یا یہی جو بعد میں بنی؟"

"میں اسے اتنا قریب سے نہیں جانتا تھا، بس یونیورسٹی فیلو تھے۔" اسے ارمغان کے انداز میں ایک مخصوص ہچکچاہٹ محسوس ہوئی۔ "بس تھوڑی جلد باز تھی، فیصلہ کرنے سے پہلے زیادہ وقت نہیں لیتی تھی۔"

"میں ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے فراز بھائی کے بھابی سے رشتے کی نوعیت نہیں سمجھ سکی۔"

"کاش فراز گاڑی کی نمبر پلیٹ دیکھ لیتا۔"

امبر نے افسردگی سے سر ہلایا۔ "ایسے لوگ نمبر پلیٹ کے معاملے میں بہت محتاط ہوا کرتے ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

دوپہر کے بعد کا وقت تھا اور دفتر کی مصروفیت اپنے معمول پر لوٹ آئی تھی، مگر امبر کی توجہ بار بار اپنے کام سے ہٹ کر فہد قریشی کی طرف جا رہی تھی۔ وہ کمپنی کا سینئر آئی ٹی انفراسٹرکچر منیجر تھا۔

پچھلے دو ہفتوں سے وہ کسی نہ کسی بہانے اس کے کیبن کے سامنے آ کھڑا ہوتا تھا۔

کبھی کسی فائل کے نام پر۔

کبھی سسٹم اپ ڈیٹ کے بہانے۔

اور کبھی صرف یہ پوچھنے، "لنچ ہو گیا؟"

شروع میں امبر نے اسے دفتر کی عام شائستگی سمجھ کر نظرانداز کیا، پھر اس نے مختصر جواب دینے شروع کر دیے، پھر واضح بے رخی بھی اختیار کی، مگر فہد ان لوگوں میں سے تھا جو عورت کی خاموشی کو انکار نہیں بلکہ موقع سمجھتے ہیں۔

اس روز وہ پھر اس کے کیبن کے دروازے میں آ کھڑا ہوا۔ "امبر، نیچے کافی بہت اچھی ملتی ہے، پانچ منٹ نکال سکتی ہو؟"

امبر نے نظریں سکرین سے نہ ہٹائیں۔ "مجھے یہ رپورٹ مکمل کرنی ہے۔"

فہد مسکرایا۔ "کام تو ہوتا رہے گا، میں انتظار کر لیتا ہوں۔"

امبر نے اب پہلی بار سر اٹھا کر اسے دیکھا، مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، وہ خود ہی ذرا سا جھک کر بولا۔ "اتنی سنجیدہ رہو گی تو لوگ تم سے ڈرنے لگیں گے۔"

امبر کو شدید جھنجھلاہٹ محسوس ہوئی۔

شام تک وہ یہی سوچتی رہی کہ بات کو زیادہ آگے بڑھنے سے پہلے ہی روک دینا چاہیے۔

آخر کار اس نے ارمغان کے دفتر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

ارمغان لیپ ٹاپ پر جھکا کچھ دیکھ رہا تھا۔ "آؤ۔"

امبر اندر آ کر کرسی پر بیٹھی اور چند لمحے انگلیوں سے بیگ کی زپ کے کنارے کو چھوتی رہی۔ "مجھے آپ سے ایک عجیب سی درخواست کرنی ہے۔"

ارمغان نے سکرین بند کر دی۔ "کتنی عجیب؟"

امبر نے ہلکی سی سانس لی۔ "بس کچھ یوں ہو کہ اس کی نوکری بھی محفوظ رہے اور آپ اسے ڈانٹیں بھی نہ۔"

ارمغان نے اب پوری طرح اس کی طرف دیکھا۔ "کون؟"

امبر نے مختصر جواب دیا۔ "فہد قریشی۔"

ارمغان کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آئی۔ "اس نے کیا کیا ہے؟"

امبر نے مختصر انداز میں سب بتا دیا۔

ارمغان خاموشی سے سنتا رہا، پھر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولا۔ "تم لڑکیوں کی یہی ہمدردیاں انہیں سمجھنے نہیں دیتیں۔"

امبر نے ابرو اٹھائے۔ "یعنی آپ کہنا چاہتے ہیں کہ مردوں کی اکثریت خاصی خوش فہم ہوتی ہے؟"

ارمغان نے بلا توقف جواب دیا۔ "ہاں، ایسا ہی ہے۔"

امبر کے لبوں پر بے اختیار ہلکی مسکراہٹ آگئی۔ "تو اب؟"

ارمغان نے گھڑی دیکھی اور پر سکون لہجے میں کہا۔ "اب تم کچھ نہیں کرو گی۔"

امبر نے قدرے جھک کر پوچھا۔ "اور آپ؟"

"میں صرف ایک غلط فہمی دور کروں گا۔"

تقریباً ایک گھنٹے بعد ارمغان نے دونوں کو کانفرنس روم میں بلوایا۔

ارمغان نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کیا۔

سربراہی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے میز پر ایک فائل رکھ دی۔

"فہد، ایک ذاتی رائے چاہیے تھی۔"

فہد کچھ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "جی سر؟"

ارمغان نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "میں امبر کو اگلے مہینے سے اپنے ساتھ ایک خصوصی منصوبے پر منتقل کرنے کا سوچ رہا ہوں۔"

فہد نے فوراً امبر کی طرف دیکھا۔

ارمغان نے بات جاری رکھی۔ "لیکن فیصلہ کرنے سے پہلے میں نے سوچا تم سے پوچھ لوں، کیونکہ تم پچھلے کچھ دنوں سے اس میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہو۔"

کمرے میں ایک لمحے کو مکمل سناٹا چھا گیا۔

"فہد کے چہرے کا رنگ بدلا۔ "نہیں سر، میرا مطلب وہ نہیں تھا۔"

ارمغان نے نرمی سے بات کاٹی۔ "اچھا؟"

فہد نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "میرا مطلب صرف پیشہ ورانہ تھا۔"

ارمغان نے بہت ہلکے سے سر ہلایا۔ "اچھا ہے، کیونکہ امبر نے تو اسے صرف پیشہ ورانہ ہی سمجھا تھا۔"

یہ جملہ اتنے نارمل انداز میں کہا گیا کہ اس میں ڈانٹ نہیں تھی، مگر معنی پورے تھے۔

فہد نے پہلی بار امبر کی طرف دیکھنے سے گریز کیا" سمجھ گیا، سر۔"

ارمغان نے فائل اٹھائی۔ "اچھی بات ہے، پھر ہم سب ایک ہی صفحے پر ہیں۔"

اس کے بعد ارمغان نے فہد کو دیکھتے ہوئے ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

فہد بنا کچھ کہے باہر نکل گیا۔

امبر پہلی بار کھل کر ہنس دی۔ "آپ خطرناک حد تک مہذب ہیں۔"

ارمغان نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں، میں صرف آواز بلند کیے بغیر بات سمجھانے کو بہتر سمجھتا ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ایک صبح امبر دفتر پہنچی تو اسے بتایا گیا کہ ارمغان ایک بین الاقوامی ٹیکنالوجی نمائش میں شرکت کے لیے پیشہ ورانہ دورے پر بیرونِ ملک گیا ہے۔ جہاں وہ مختلف سیکیورٹی سسٹمز اور نئے آلات دیکھنے اور سمجھنے گیا تھا، تاکہ کمپنی کو مارکیٹ میں موجود جدید رجحانات کا اندازہ رہے۔

پہلے دن امبر کو یہ خبر غیر معمولی نہیں لگی۔

آخر وہ کمپنی کا سربراہ تھا۔

اس کا اچانک سفر پر چلے جانا حیران کن نہیں ہونا چاہیے تھا۔

مگر پھر ایک دن دوسرے میں بدلا، اور دوسرا تیسرے میں۔

دفتر وہی تھا۔

لوگ بھی وہی تھے۔

لیکن نہ جانے کیوں ہر چیز جیسے بے رنگ سی دکھائی دینے لگی۔

اسے پہلی بار احساس ہوا کہ بعض لوگوں کی موجودگی شور سے نہیں، صرف ایک خاموش ترتیب سے محسوس ہوتی ہے، اور جب وہ نہ ہوں تو وہی ترتیب بکھری ہوئی لگنے لگتی ہے۔

ایک دو بار اس نے سوچا دردانہ آنٹی سے یونہی پوچھ لے کہ ارمغان کمال کی کوئی خبر آئی یا نہیں۔

آخر وہ خاندان کا فرد تھا، کسی اجنبی کا نام تو نہیں تھا۔

مگر ہر بار دل میں چھپے کسی ان دیکھے چور نے اسے روک لیا۔

وہ خود اپنے اندر اٹھنے والے اس سوال کی وجہ جاننا نہیں چاہتی تھی۔

کئی مرتبہ وہ موبائل کھولتی، اس کا نام سکرین پر لاتی، اور اس کا انگوٹھا وہیں رک جاتا۔

وہ فون بند کر دیتی۔

ان کے درمیان ایسی بے تکلفی بھی نہیں تھی کہ وہ کام کے سلسلے میں بیرونِ ملک گئے ہوئے شخص کو صرف یہ پوچھنے کے لیے کال کرتی کہ،

"آپ کب واپس آ رہے ہیں؟"

کئی دن یونہی گزر گئے۔

پھر ایک دوپہر وہ بے دلی سے اپنے کیبن میں بیٹھی ایک پرانی آڈٹ رپورٹ دیکھ رہی تھی کہ رافعہ نے آ کر یاد دلایا کہ دو ہزار اٹھارہ کے معاہدوں کی اصل فائلیں نیچے آرکائیو روم سے لینی ہیں کیونکہ شام کی میٹنگ سے پہلے ان کا حوالہ درکار ہو گا۔

امبر نے خاموشی سے فائل بند کی اور خود ہی نیچے چلی گئی۔

آرکائیو کا حصہ عمارت کے پچھلے ونگ میں تھا جہاں ہمیشہ نیم تاریکی رہتی تھی۔

لمبی دھاتی الماریاں، بند ڈبے، پرانی جلدوں کی بو، اور خاموشی ایسی کہ اپنے قدموں کی آواز بھی اجنبی لگے۔

وہ مطلوبہ شیلف کے سامنے کھڑی ہو کر اوپر رکھی فائل تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی جب پیچھے کہیں دھیمی سی آہٹ ہوئی۔

امبر نے سمجھا شاید کوئی معاون آیا ہو۔

مگر اگلے ہی لمحے ایک مانوس آواز سنائی دی۔

"تم اب بھی مشکل فائلیں ہمیشہ خود ہی نکالتی ہو؟"

امبر کا ہاتھ وہیں رک گیا۔

وہ آہستہ سے پلٹی۔

سامنے ارمغان کھڑا تھا۔

بھورا کوٹ ایک بازو پر ڈالا ہوا، سفید شرٹ کا اوپری بٹن کھلا ہوا، اور ٹائی ڈھیلی۔ سفر کی ہلکی سی تھکن کے باوجود وہ پہلے سے زیادہ نمایاں لگ رہا تھا۔ جیسے کئی دنوں کی غیر موجودگی نے اس کی موجودگی کو اور واضح کر دیا ہو۔

اس کے بال معمول سے کچھ زیادہ بکھرے ہوئے تھے اور کلائی پر گھڑی کی دھات دھیمی روشنی میں ہلکی سی چمک رہی تھی۔

"آپ واپس آ گئے؟" اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

ارمغان کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ آئی۔ "نہیں، یہ میرا اہم شکل ہے، جو سیدھا آرکائیو میں چلا آیا۔"

امبر کو اپنی بے ساختگی پر ہلکی سی شرمندگی ہوئی۔ "میرا مطلب ہے۔۔۔ کسی نے بتایا نہیں۔"

ارمغان نے چند قدم قریب آ کر اوپر کے شیلف سے وہ فائل آسانی سے اتار لی جس تک وہ پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "میں نے بھی ابھی دس منٹ پہلے قدم رکھا ہے۔"

پھر اس نے فائل اس کی طرف بڑھائی اور ایک لمحہ اسے دیکھ کر بولا۔ "البتہ یہ ضرور محسوس ہوا کہ میری غیر موجودگی میں کچھ لوگوں نے شکایت نہیں کی۔"

امبر نے فوراً نظریں فائل پر ٹکادیں۔ "آپ کو کیا لگتا ہے، ہر کوئی آپ کے جانے کا نوٹس لیتا پھرے گا؟"

ارمغان کے لہجے میں کچھ تھا۔ "ہر کوئی نہیں۔"

اس مختصر جواب کے بعد چند لمحے خاموشی رہی۔

امبر کو پہلی بار آرکائیو کی ٹھنڈی ہوا اپنے چہرے پر محسوس ہوئی۔

اسے یہ ماننے میں غیر معمولی دشواری ہو رہی تھی کہ چند دنوں سے جس خلا کو وہ صرف مصروفیت کی کمی سمجھ رہی تھی، وہ دراصل ایک شخص کی غیر موجودگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

فراز کسی ضروری کام سے ارمغان کے دفتر آیا تھا، مگر جاتے ہوئے وہ دانستہ ارمغان سے پوچھتا اُس کیبن کی طرف مڑ گیا جہاں امبر پرانی فائلوں کے درمیان بیٹھی تھی۔

اس کا وہی پرانا انداز تھا، جیسے وہ امبر کو یاد دلانے آیا ہو کہ یہ جگہ ابھی بھی اس کی دنیا نہیں تھی۔

امبر نے بھائی کی آمد پر خوشگوار حیرت کا اظہار کیا، جبکہ فراز نے میز پر پھیلی فائلوں کو دیکھا اور ہلکی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "ارمغان، میں سمجھا تھا تم نے امبر کو کسی سنجیدہ کام پر لگایا ہو گا، یہ تو محض پرانی فائلیں ترتیب دے رہی ہے۔"

امبر کے ہاتھ میں پکڑا ہوا صفحہ ایک لمحے کے لیے رک گیا اور اس نے نظریں فائل پر جما لیں۔

ارمغان کے لیے امبر کا چہرہ پڑھنا اب مشکل نہیں رہا تھا اور فراز کا تبصرہ۔۔۔اس سے کسی ایسی ہی بات کی توقع تھی۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے فراز، امبر یہاں فائلنگ نہیں کر رہی۔ ہم پچھلے دس سال کے سیکیورٹی ریکارڈز کو تاریخی تناظر میں پڑھ رہے ہیں، اور اس کام میں محض ڈیٹا نہیں، پس منظر سمجھنے والا ذہن چاہیے ہوتا ہے۔"

ارمغان نے ایک مختصر نظر امبر پر ڈالی، جیسے باقی بات اب اسے خود نبھانی تھی۔

امبر نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "جی بھائی، بعض اوقات ایک ہی غلطی سالوں کے فاصلے سے دہرائی جاتی ہے، اور ہمیں انہی دہرائے ہوئے نمونوں کو دیکھنا ہوتا ہے۔"

فراز کو خاموش ہونا پڑا، اسے لگا کہ وہ واقعی کوئی ایسی چیز دیکھ رہا ہے جو اس کی سمجھ سے باہر ہے۔

فراز کے جاتے ہی امبر نے دھیرے سے پوچھا۔ "آپ کو میرے لیے اتنا سب کہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

ارمغان نے میز پر ہاتھ ٹکایا اور جھکتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "کیونکہ وہ تمہارے کام کو نہیں، تمہارے اعتماد کو چھوٹا کرنا چاہتا تھا۔ میں نے صرف اسے یہ باور کرایا ہے کہ تمہارا کام 'منفرد' ہے اور تمہاری یہاں ضرورت ہے۔" اس نے ایک لمحہ توقف کیا۔ "کبھی کبھی دوسروں کی نظر میں اپنی 'اہمیت' بچانے کے لیے ہمیں اس سچ کا سہارا لینا پڑتا ہے جو ابھی ثابت ہونا باقی ہے۔"

کمرے میں چند لمحوں کے لیے صرف پرانے کاغذوں کی باسی مہک رہ گئی، مگر امبر کو پہلی بار محسوس ہوا کہ کسی نے اس کے وقار کو اپنے لفظوں سے سہارا دیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

دوپہر کے وقت کمپنی کے مرکزی کانفرنس ہال میں سالانہ سیکیورٹی آگاہی سیشن جاری تھا۔

یہ وہ لازمی تربیتی نشست تھی جس میں ہر شعبے کے ملازمین کو شرکت کرنا ہوتی تھی، چاہے ان کی دلچسپی ہو یا نہ ہو۔

امبر نے حسبِ معمول پچھلی قطار میں نشست چن لی تھی تاکہ خاموشی سے سیشن سن کر نکل جائے، مگر آخری مرحلے میں منتظم نے مائیک سنبھالتے ہوئے کہا۔ "اب ہم ایک مختصر عملی مشق کریں گے جس میں یہ دیکھا جائے گا کہ ہنگامی صورت میں صرف زبانی ہدایات کے ذریعے کسی ساتھی کو محفوظ راستہ کیسے دیا جاتا ہے۔"

امبر نے فوراً نظریں نیچی کر لیں، مگر اگلے ہی لمحے منتظم کی آواز دوبارہ ابھری۔ "مس امبر، اگر آپ ہماری مدد کر دیں؟"

وہ ابھی مؤدبانہ انکار کے لیے لب کھول ہی رہی تھی کہ منتظم نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور سر، اگر آپ بھی چند منٹ دے دیں تو مشق مکمل ہو جائے گی۔"

امبر نے چونک کر سر اٹھایا تو دروازے کے قریب کھڑے ارمغان نے بھی اسی لمحے اس طرف دیکھا۔ شاید وہ ابھی کسی میٹنگ سے نکلا تھا۔ ٹائی ذرا ڈھیلی تھی، کوٹ اتار رکھا تھا اور چہرے پر وہی سنجیدہ تحمل، جو اس وقت مزید نمایاں ہو جاتا جب اسے کوئی غیر ضروری صورتحال قبول کرنا پڑتی۔

چند ثانیوں بعد وہ اسٹیج کی طرف بڑھا تو امبر کے پاس بھی بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہ بچا۔

منتظم نے دونوں کو سامنے کھڑا کر کے وضاحت کی۔ "اس مشق میں شریک کی آنکھوں پر پٹی باندھی جائے گی، اور دوسرا شریک چند قدم کے فاصلے سے صرف آواز کے ذریعے اسے ان نشانات کے درمیان سے گزارے گا۔ جسمانی مدد صرف اسی صورت میں دی جا سکتی ہے جب شریک گرنے لگے۔"

امبر نے یہ سن کر ایک مختصر نظر ارمغان پر ڈالی اور کہا۔ "یہ سیکیورٹی ڈرل کم اور آزمائش زیادہ لگ رہی ہے۔"

ارمغان نے ہلکے پھلکے انداز میں جواب دیا۔ "اب پیچھے ہٹے تو سب کی دلچسپی اور بڑھ جائے گی۔"

چند لمحوں بعد سیاہ کپڑا امبر کی آنکھوں پر باندھ دیا گیا۔

روشنی یکدم غائب ہو گئی۔

منتظم نے ارمغان کو فرش پر لگائی گئی سفید لکیر کے پیچھے کھڑا کرتے ہوئے کہا۔ "سر، آپ اسی لائن سے ہدایات دیں گے۔"

ارمغان نے فاصلے پر کھڑے ہو کر کہا۔ "صرف میری آواز پر دھیان رکھنا۔"

امبر نے سر ہلا دیا۔

"دو قدم سیدھا۔"

امبر نے احتیاط سے قدم بڑھائے۔

"اب ایک قدم دائیں طرف۔"

وہ دائیں طرف مڑی مگر جوتے کا کنارہ فرش پر رکھی چھوٹی رکاوٹ سے چھوا، وہ لڑکھڑائی۔

سامنے کی قطار سے ایک دبی دبی ہنسی سنائی دی۔

امبر نے دبی آواز میں کہا۔ "مجھے یقین ہے پورا عملہ آج یہی منظر یاد رکھے گا۔"

ارمغان کے لہجے میں شرارت گھل گئی۔ "کم از کم سب کو معلوم ہو جائے گا کہ تم ہر وقت دوسروں کو ہی پریشان نہیں کرتی۔"

امبر نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "اس وقت آپ میرا حوصلہ بھی بڑھا سکتے تھے۔"

ارمغان نے اسی انداز میں جواب دیا۔ "میں تمہیں صحیح راستے سے نکال رہا ہوں، فی الحال یہی کافی ہے۔"

ہال کا شور دھیرے دھیرے پس منظر میں دھندلا گیا اور امبر کی توجہ صرف اس ایک آواز پر رہ گئی۔

"ایک قدم اور آگے۔"

امبر نے قدم بڑھایا مگر اس بار اس کا توازن معمولی سا بگڑ گیا۔

ارمغان نے حد توڑے بغیر فوراً کہا۔ "رک جاؤ، دائیں پاؤں وہیں رکھو۔"

امبر اسی لمحے ساکت ہو گئی۔

منتظم نے قریب کھڑے ہو کر رکاوٹ ایک طرف سرکا دی اور ارمغان نے نرم آواز میں کہا۔ "اب ایک چھوٹا سا قدم سیدھا۔"

اس بار وہ بغیر لڑکھڑائے آگے نکل گئی۔

منتظم نے مسکرا کر اعلان کیا۔ "مشق مکمل۔"

پٹی کھلی تو ہال میں تالیاں بجنے لگیں۔

امبر نے چند لمحوں کے لیے پلکیں جھپکیں، پھر سامنے دیکھا۔

ارمغان بدستور اپنی جگہ کھڑا تھا، دونوں ہاتھ جیبوں میں۔

کبھی کبھی کسی کے قریب آنے کے لیے لمس ضروری نہیں ہوتا، صرف ایک آواز کا مسلسل ساتھ بھی کافی ہوتا ہے۔ امبر سوچ کر رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح کے نو بج رہے تھے اور میر ہاؤس میں ناشتے کی میز سجی ہوئی تھی۔

شاہ میر اخبار کے ایک کونے پر نظریں جمائے بیٹھے تھے، دردانہ ملازمہ کو چائے دوبارہ گرم کرنے کا کہہ رہی تھیں اور فراز غیر معمولی خاموشی کے ساتھ کافی کا مگ ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا کہ ارمغان کی آمد نے اس سکوت کو توڑ دیا۔

ارمغان سوٹ میں ملبوس، ہاتھ میں گاڑی کی چابی تھامے اندر آیا اور دردانہ بیگم نے بے ساختہ کہا۔ "ارے ارمغان، تم اس وقت؟"

"معذرت آنٹی، بن بتائے آنا پڑا۔" ارمغان نے میز کے قریب رک کر کہا۔ "مجھے ایک گھنٹے میں لاہور نکلنا ہے اور جانے سے پہلے امبر سے ایک پرانی ریکارڈ فائل لینی تھی۔ ہمارا پرانا کلائنٹ برسوں بعد دوبارہ ہم سے رابطے میں آیا ہے، اس لیے وہ فائل میرے ساتھ ہونا ضروری ہے۔"

فراز نے اسے دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔

اسی لمحے سیڑھیوں سے اترتے، عجلت بھرے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

امبر جو اس کی آمد سے بے خبر تھی، تیزی سے ڈائننگ روم میں داخل ہوئی۔

وہ شاید نیند سے پوری طرح جاگی بھی نہیں تھی۔ ہلکے آسمانی رنگ کے سلیپنگ سوٹ میں، کھلے بکھرے بالوں اور نیند سے ہلکی گلابی آنکھوں کے ساتھ۔۔۔ وہ ارمغان پر نظر پڑتے ہی یکدم ساکت ہو گئی۔

ارمغان کی نگاہ اس کے بے ترتیب حلیے پر ایک پل کو ٹھہری، پھر اس نے فوراً نظریں ہٹا لیں، مگر اس ایک مختصر لمحے نے امبر کے کانوں تک حرارت پہنچا دی۔

"مجھے لگا آپ سیدھا دفتر پہنچیں گے۔" امبر نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

میرا بھی یہی ارادہ تھا، لیکن پھر وقت کی کمی کا اندازہ ہوا تو یہیں چلا آیا۔ مجھے جلدی نکلنا ہے۔"

دردانہ نے فوراً محبت سے کہا۔ "پہلے بیٹھو تو سہی بیٹا، ناشتے کے بغیر کہیں نہیں جانے دوں گی۔"

ارمغان نے کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ایک کپ چائے لوں گا، سیدھا گھر سے نکلا ہوں۔"

امبر پلٹنے لگی تو ارمغان نے اسے یاد دلایا۔ "اور اگر ممکن ہو تو وہ نیلی فائل بھی ساتھ لے آنا، ورنہ لاہور جا کر میری میٹنگ مجھ سے زیادہ ناراض ہو گی۔"

امبر نے سر ہلایا اور جلدی سے واپس اوپر چلی گئی۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے الماری کھولی، میز دیکھی، بیگ ٹٹولا، درازیں کھولیں، مگر فائل کہیں نہیں تھی۔

اس نے گھبرا کر موبائل اٹھایا اور پیغام بھیجا۔

نیچے بیٹھے ہوئے ارمغان کے فون پر پیغام آیا تو اس نے سکرین دیکھی۔

"فائل نہیں مل رہی۔ مجھے یاد ہے میں کل ساتھ لائی تھی۔"

اتنے میں ملازمہ قریب آ کر بولی۔ "امبر بی بی کہہ رہی ہیں اگر آپ ایک نظر اوپر آ کر دیکھ لیں تو شاید فائل مل ہی جائے۔"

فراز نے کافی کا مگ آہستہ سے میز پر رکھا۔

ارمغان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "نہیں، اسے کہو خود ہی دیکھ لے۔ اگر کمرے میں نہ ملی تو شاید دفتر میں رہ گئی ہو، پھر ہم وہیں دیکھ لیں گے۔"

کچھ دیر بعد امبر نیچے آئی تو اب وہ جانے کو تیار ہو چکی تھی، مگر اس کے چہرے پر پریشانی بھی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

وہ اوپر نہیں ہے۔" امبر نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے میں اسے اپنے" "ساتھ گھر لائی تھی۔

ارمغان نے چائے کا آخری گھونٹ لیا اور پر سکون لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے، چلتے ہیں۔ گھبراہٹ میں چیزیں عموماً اپنی جگہ سے نہیں جاتیں، صرف یادداشت ان کی جگہ بدل دیتی ہے۔"

دفتر پہنچتے ہی دونوں سیدھے امبر کے کیبن میں گئے۔

امبر نے میز کی درازیں دوبارہ کھولیں، فائلوں کے ڈھیر الٹے، کمپیوٹر کے پاس دیکھا، مگر نیلی فائل کہیں نہیں تھی۔

یہ ناممکن ہے۔"اس نے پریشان ہو کر کہا۔"میں نے کل شام آخری بار یہیں دیکھی"
"تھی۔

ارمغان دروازے کے قریب خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا، پھر بولا۔"کل شام تم نے یہاں بیٹھ کر کچھ کھایا تھا؟"

امبر نے الجھن سے اسے دیکھا۔"کیا؟"

تمہارے میز پر مکھن لگا ہوا نیپکن پڑا ہے۔"ارمغان نے نارمل سے لہجے میں کہا۔"اس"
"لیے پوچھ رہا ہوں۔

امبر ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی۔

اگلے ہی پل اس کی نظریں میز کے کونے پر رکھے اپنے کپڑے کے لنچ ٹوٹ بیگ پر جا ٹھہریں۔

کل شام وہ ریکارڈ دیکھتے ہوئے آدھی چکن پف پیسٹری کھا رہی تھی اور اسی دوران چند منٹ کے لیے فائل ہاتھ سے ہٹا کر وہیں رکھ دی تھی۔

اس نے جلدی سے ٹٹولا۔

نیپکن کے نیچے وہی نیلی فائل دبی ہوئی تھی۔

امبر نے شرمندگی سے آنکھیں بند کر لیں۔ "یااللہ۔"

ارمغان آہستہ سے اس کے قریب آیااور فائل اس کے ہاتھ سے لے کر بولا۔ "تو پوری صبح ہم ایک فائل کو تمہارے لنچ بیگ سے دور کہیں تلاش کرتے رہے، ہمارے ڈھونڈنے کا انداز غلط تھا۔"

امبر بمشکل بول پائی۔ "آپ چاہیں تو ہنس سکتے ہیں۔"

ارمغان نے فائل پر لگا ہلکا سا رو غنی نشان دیکھا، پھر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں ہنس ہی رہا ہوں، بس تمہیں محسوس نہیں ہونے دے رہا۔"

امبر پہلی بار کھل کر ہنس دی۔ "میں آئندہ کبھی دفتر میں کھاتے ہوئے کسی اہم چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔"

ارمغان نے فائل اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں، اہم چیزوں کو ہاتھ لگانا بند مت کرنا، بس انہیں سموسے کے ساتھ مت رکھنا۔"

امبر نے تصحیح کی۔ "وہ سموسہ نہیں تھا، چکن پف تھا۔"

ارمغان نے پہلی بار پوری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "معذرت، یہ فرق شاید صرف تمہیں معلوم ہو گا۔"

کیبنن میں چند لمحوں کے لیے صرف ان دونوں کی ہلکی سی ہنسی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

کمپنی کے اُس محدود رسائی والے حصے میں، جہاں پرانے ڈیجیٹل ریکارڈز کے سرورز محفوظ تھے، عام ملازمین کا داخلہ بھی انتہائی محدود تھا۔

چھت میں نصب چند روشنیاں وقفے وقفے سے مدھم ہو رہی تھیں، جس سے طویل راہداری میں ہلکی سی بے چینی پھیل رہی تھی۔

ارمغان نے بائیو میٹرک لاک پر انگوٹھا رکھا تو بھاری فولادی دروازہ ایک سسکی کے ساتھ کھل گیا۔ اندر درجہ حرارت معمول سے کافی کم تھا اور سرورز کی مسلسل مدھم آواز پورے ہال میں پھیلی ہوئی تھی۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں، ارمغان؟" امبر نے ارد گرد پھیلی خاموشی اور نیلی روشنیوں کو دیکھ کر پوچھا۔

ارمغان نے ایک بڑے مانیٹر کی طرف اشارہ کیا جہاں کچھ سرخ لکیریں ابھر رہی تھیں۔ "کسی نے ان پرانے آرکائیو ریکارڈز تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، امبر۔ یہاں ہمارے ابتدائی کلائنٹس کے سیکیورٹی لاگز اور بیک اپ ریکارڈز محفوظ ہیں، اُس دور کے جب ملک میں سائبر سیکیورٹی کا شعبہ ابھی نئی شکل اختیار کر رہا تھا۔ اس وقت سسٹمز آج جتنے جدید نہیں تھے، مگر ان ریکارڈز میں اب بھی بہت حساس معلومات موجود ہیں۔ کئی پرانی فائلیں ایسی ہیں جن کے مکمل بیک اپ آج بھی محفوظ ہیں، اسی لیے میں جاننا چاہتا ہوں کہ کوئی اچانک ان تک پہنچنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے۔"

امبر کی نظریں سرور ریکس پر جمی تھیں جہاں برسوں پرانے ریکارڈ خاموشی سے محفوظ پڑے تھے۔

اچانک بجلی کی سپلائی میں اتار چڑھاؤ آیا اور روشنیاں بالکل مدھم ہو گئیں۔ اس نیم تاریک ماحول میں صرف سرورز کی نیلی روشنیاں ان کے چہروں پر پڑ رہی تھیں۔ ارمغان اس کے قریب کھڑا مانیٹر پر نظریں جمائے ہوئے تھا، مگر اس خاموش ماحول میں اس کی موجودگی امبر کو غیر معمولی طور پر محسوس ہو رہی تھی۔

ارمغان نے مانیٹر سے نظریں ہٹا کر براہِ راست امبر کے چہرے کی طرف دیکھا۔ مدھم روشنی میں اس کے چہرے کے سنجیدہ تاثرات پہلے سے زیادہ نمایاں ہو گئے تھے۔

"امبر۔" ارمغان کا لہجہ اچانک بدل گیا۔ اس میں ایک عجیب سی دل آویزی تھی۔ "ہم دوسروں کے نظام محفوظ بناتے ہیں، مگر میں کچھ عرصے سے ایک بات نظرانداز کیے جا رہا ہوں۔"

امبر کے دل کی دھڑکن ان مشینوں کے شور سے بھی تیز ہو گئی تھی۔

"میں نہیں چاہتا کہ ہمارا تعلق ہمیشہ اسی غیر واضح جگہ پر رکا رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اسے باقاعدہ اور واضح نام دیں۔" وہ ایک قدم اس کی طرف بڑھا۔ ان کے درمیان فاصلہ اب بہت کم رہ گیا تھا، مگر اس کے انداز میں پہلے کی طرح ٹھہراؤ موجود تھا۔

"کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 27

یاور سنگرام

نیواڈا کی چوٹی اور ساکت لہریں

نیواڈا کی پہاڑی چوٹی پر نصب اورین اسپیس سسٹمز کا ڈیٹاٹرانسمیشن ٹاور زمین سے آٹھ سو فٹ کی بلندی پر یخ بستہ ہواؤں کے حصار میں تھا۔ اس کے اوپری حصے پر نصب ہائی گین کمیونیکیشن انٹینا مریخ مشن سے آنے والے ٹیلی میٹری ڈیٹا کے اہم ریلے سسٹمز میں سے ایک تھا، مگر پچھلے ایک گھنٹے سے سگنل مکمل طور پر منجمد تھا۔

"یاور! سگنل غائب ہے! اگر اگلے چند منٹ میں ٹیلی میٹری بحال نہ ہوئی تو ووِر خود کار حفاظتی موڈ میں چلا جائے گا اور تازہ سائنسی ڈیٹا کی ترسیل متاثر ہو سکتی ہے۔ نیچے آؤ، طوفان کی وجہ سے ٹاور پر 'الیکٹرو سٹیٹک ڈسچارج' کا خطرہ ہے! مارکس کا لہجہ وائرلیس پر لرز رہا تھا۔"

یاور اس وقت ٹاور کے آخری سرے پر ایک تنگ ریلنگ سے لٹکا ہوا تھا۔ اس کے گرد چلتی برفیلی ہوا اتنی تیز تھی کہ ہر جھونکا اسے دھات سے الگ کر دینے کی دھمکی دیتا محسوس ہوتا تھا۔ مگر اسے نیچے کے کالے اندھیرے سے کوئی غرض نہ تھی۔ اس نے وائرلیس بند کر دیا۔ اسے شور نہیں، خاموشی چاہیے تھی۔

اس نے دیکھا کہ انٹینا کا رخ درست تھا اور بجلی کی فراہمی بھی، پھر بھی ڈیٹا صفر تھا۔ اس نے اپنا پورٹیبل سگنل اینالائزر نکالا اور فریکوئنسی پیٹرن دستی طور پر چیک کرنے لگا۔

اس کی انگلیاں ٹھنڈ سے نیلی پڑ رہی تھیں مگر ان کی حرکت میں بلا کی تیزی تھی۔

اسے سمجھ آ گیا کہ خشک طوفانی ہوا کی وجہ سے انٹینا کے بیرونی حصے پر جامد برقی چارج جمع ہو گیا تھا، جس سے سگنل میں شدید مداخلت پیدا ہو رہی تھی۔

یاور نے بیلٹ سے ایک باریک دھاتی کلپ نکالی، جسم کا وزن ایک بازو پر منتقل کیا اور ٹاور کے سائیڈ پینل تک خود کو کھینچ لیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے عارضی گراؤنڈنگ کلپ انٹینا ہاؤسنگ کے ساتھ جوڑ کر اضافی جامد چارج کو ثانوی گراؤنڈ لائن کی طرف منتقل کر دیا۔

ایک ہلکی برقی چٹخ سنائی دی اور لمحہ بھر کے لیے نیلی چنگاری دھات کے کنارے پر ابھری اور جمع شدہ جامد چارج خاموشی سے دھات کے اندر اتر گیا۔

نیچے سے دیکھنے والوں کو صرف ایک نیلی لکیر سی دکھائی دی، جیسے ٹاور نے ایک لمحے کے لیے اپنی سانس باہر چھوڑ دی ہو۔

یاور نے وائرلیس آن کرتے ہی کہا۔ "اب نظام دوبارہ فعال کرو۔"

نیچے کنٹرول کنسول پر جیسیکا نے جیسے ہی سسٹم ری لنک کیا، ایک لمحے کی خاموشی کے بعد چند سیکنڈ بعد مانیٹر پر سگنل انڈیکیٹر مستحکم ہو گیا اور ڈیٹا اسٹریم دوبارہ ظاہر ہونے لگی۔

سگنل بحال ہو چکا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ! یاور! ڈیٹا سٹریم واپس آ گئی ہے۔"

یاور نے جواب نہیں دیا۔ اس نے اپنا ہک دوبارہ لگایا اور اسی آٹھ سو فٹ کی بلندی پر، ٹاور کی لوہے کی ٹھنڈی سلاخوں پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں نیچے موجود ٹیم کے لیے یہ تقریباً ناممکن صورتحال تھی جو چند لمحوں میں سنبھل گئی تھی۔

یاور جانتا تھا کہ بعض اوقات سب سے اونچی جگہیں بھی انسان کے اندر کے خلا کو نہیں بھر سکتیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

یاور لفٹ میں داخل ہوا تو دروازہ بند ہونے سے پہلے ایک لڑکی اندر آئی۔ وہ خوبصورت تھی اور اسی عمارت میں رہتی تھی، مگر کس منزل پر، یہ اسے معلوم نہ تھا۔ لابی میں دو تین بار سامنا ہونے پر اس نے یاور کو ہر بار مسکرا کر دیکھا تھا، لیکن یاور اسے ہمیشہ نظر انداز کر دیتا۔ وہ پاکستانی معلوم ہوتی تھی، لباس جدید ہونے کے باوجود اس کی شناخت واضح تھی۔

اس بار یاور کو دیکھ کر اس نے ہاتھ 'ہائے' کے انداز میں اٹھایا۔ یاور نے صرف سر ہلا کر جواب دیا۔

دروازہ بند ہوا تو اگلے ہی لمحے خاموشی کو اس کی آواز نے توڑا۔ "کس منزل پر رہتے ہو؟"

یاور کا اس وقت بات کرنے کا ہر گز موڈ نہ تھا، سو اس نے مختصر جواب دیا تاکہ مزید گفتگو کی گنجائش نہ رہے۔ "ساتویں پر۔"

اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات در آئے۔ "میں بھی اسی منزل پر ہوں۔"

یاور کو اس کی حیرت پر تعجب ہوا، لیکن اگلے ہی لمحے اسے جواب مل گیا۔

"اصولاً تو اس صورت میں ہمارا اکثر آمنا سامنا ہونا چاہیے تھا۔"

یاور جواب میں کچھ نہ بولا، اسے گفتگو کا سلسلہ آگے نہیں بڑھانا تھا۔

"ویسے میں اپنی پھپھو کے ہاں ٹھہری ہوں، پاکستان سے آئی ہوں چھٹیوں پر۔"

اتنے میں ساتویں منزل آگئی اور دروازہ کھلا۔

یاور نے باہر قدم رکھا تو عقب سے سنسناتی ہوئی سرگوشی سنائی دی۔ "برف کا پتلا!"

یاور نے فلیٹ کے اندر جا کر بیزاری سے جوتے اتارے اور کچن کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے مشین آن کی اور اپنے لیے کافی بنانے لگا۔ ابھی وہ کپ اٹھانے ہی والا تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔ اسکرین پر شاہ ویز کا نام دیکھ کر اس نے کال اٹھائی۔

علیک سلیک کے بعد شاہ ویز نے کہا۔ "ایک خبر سنانی ہے، امید ہے دل کڑا کر کے سنو گے۔"

یاور ساکت ہو گیا، اس کا ذہن فوراً امبر کی طرف گیا۔

لیکن جو بم شاہ ویز نے گرایا وہ اس کی توقع سے کہیں بڑھ کر تھا۔

"امبر کی شادی ارمغان سے طے ہو گئی ہے۔"

موبائل تھامے ہوئے اپنا ہاتھ اسے سن ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے فون کان سے ہٹا کر سامنے کاؤنٹر پر رکھا اور سپیکر آن کر دیا۔ اب چاروں اطراف صرف ایک مہیب خاموشی تھی۔

پھر شاہ ویز کی آواز آئی۔ "کچھ بولو، یار۔"

یاور نے گلا کھنکار کر صاف کیا جیسے اسے استعمال کے لیے تیار کر رہا ہو۔ "یہ سب کس کے کہنے پر ہو رہا ہے؟"

یاور کو یہ فراز کی چال لگی، اس کے ساتھ یہ مکاری وہی کر سکتا تھا۔

شاہ ویز کا انداز محتاط تھا۔ "دونوں کی پسند سے ہو رہی ہے۔"

یاور نے دونوں ہاتھوں سے کاؤنٹر کو مضبوطی سے پکڑ لیا، اسے کھڑا رہنے کے لیے سہارے کی ضرورت تھی۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

پھر اسے احساس ہوا کہ اس نے شاہ ویز کے سامنے اپنی سوچ کو آواز دے ڈالی ہے۔ اس نے فوراً اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

یہ وہ کیا کر رہا تھا؟

شاہ ویز نے ہمدردی سے کہا۔ "بس تم خود کو سنبھالنا، کہو تو میں آ جاؤں کچھ دنوں کے لیے؟"

یاور ہنس دیا، ایک کھوکھلی ہنسی۔ "نہیں۔"

"تم پاکستان آ جاؤ۔"

یاور کا اگلا سوال بہت سنجیدہ تھا، "کب ہو رہی ہے؟"

شاہ ویز کچھ دیر بول نہ پایا، پھر جیسے آواز پہلے سے بھی آہستہ ہو گئی۔ "دو ماہ بعد۔"

یاور نے یک لخت کال کاٹ دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

یاور جب چارلس کے ساتھ شام میں کلب کو نکلا تو چارلس کو حیرت ہوئی۔

وہ پیتا نہیں تھا۔

"تم تو ڈیٹ بھی نہیں کرتے، اور ہم انہی دونوں کاموں کے لیے یہاں آتے ہیں۔" یہ کہہ کر چارلس ہنس دیا۔

یاور نے ارد گرد نظر دوڑائی۔ "میں آج اکیلے نہیں لوٹنا چاہتا۔" اس کے لہجے کی برفانی سردی نے چارلس کو چونکا دیا۔

چارلس نے اسے غور سے دیکھا۔ "کچھ ہوا ہے؟"

یاور نے اس سے نظریں نہیں چرائیں، مگر اس کے ذہن کے پردے پر دو ماہ پہلے کا وہ منظر چل پڑا جب سکرین کے دوسری طرف اس کی ماں بیٹھی تھی۔

"بیٹا! تم کہو تو بات کروں؟" انہوں نے امبر کی ممکنہ شادی کا ذکر کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"شاہ ویز صحیح کہہ رہا ہے؟" یاور نظریں ملانے سے کترا رہا تھا۔

"کیا کہا اس نے؟" انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

"یہ سب امبر کی پسند کا نتیجہ ہے۔" یاور کا لہجہ بالکل بے تاثر تھا۔

"ہاں، لیکن اگر تم چاہو تو۔۔۔"

"نہیں امی! اب کہنے سننے کو کچھ رہا نہیں۔"

آج رات اس کی بارات تھی۔

یاور نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔

اس وقت وہ ارمغان کے گھر میں ہو گی۔ اس نے پل بھر کو آنکھیں بند کیں۔ دو گھنٹے اوپر ہو چکے تھے۔

جانتے ہو اداسی کیا ہے؟

ایسا مسئلہ

جس کا کوئی حل نہ ہو

خلا۔۔۔

جو کسی خوشی سے پُر نہ ہو

دل ہر بار کچھ نیا ڈھونڈنے جائے

اور جو لائے

روح کو پسند نہ ہو

وہ زخم

جس کا نشان تو مٹ جائے

مگر درد۔۔۔

کبھی کم نہ ہو

ایسی دعا

جو لبوں تک تو آئے

مگر مانگنے کا حوصلہ نہ ہو

"تمہارا دوست ہے؟" نسوانی کھنکتی آواز نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا۔

سامنے تین لڑکیاں کھڑی تھیں۔ چارلس نے مسکراتے ہوئے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا، وہی جس نے یاور کا پوچھا تھا۔ "ونیسا۔"

ونیسا نے یاور کو دیکھ کر ہلکا سا سر جھکایا۔ "اور یہ؟"

"یاور سنگرام۔" اس نے صرف مختصر سا سر ہلایا۔

ونیسا نے چند لمحے اسے دیکھا پھر ہلکے سے مسکرائی۔ "تم ان لوگوں جیسے نہیں لگتے، جو ایسی جگہوں پر خوشی ڈھونڈنے آتے ہیں۔"

یاور نے پہلی بار اس کی طرف دیکھا۔ "شاید اسی لیے آیا ہوں۔"

ونیسا کے چہرے پر ہلکی سی حیرت ابھری۔ "اور ملی؟"

یاور کی نظریں اس کے چہرے سے ہٹ کر کہیں دور چلی گئیں۔ "ابھی تک تو نہیں۔"

چارلس نے باقی دونوں لڑکیوں کو اشارہ کیا، تینوں وہاں سے چلے گئے۔

ونیسا نے اسے غور سے دیکھا جیسے اندازہ ہو گیا ہو کہ سامنے بیٹھا آدمی گفتگو تو کر رہا ہے مگر ذہنی طور پر کہیں اور ہے۔ "تو پھر تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟"

یاور نے ہاتھ میں پکڑا گلاس گھمایا مگر پیا نہیں۔ "کیونکہ کبھی کبھار انسان کو شور چاہیے ہوتا ہے، تاکہ اندر کی آواز کم سنائی دے۔"

"اور اگر شور بھی کام نہ کرے؟"

اس بار یاور ہلکا سا مسکرایا مگر وہ مسکراہٹ اس کی آنکھوں تک نہ پہنچی۔ "پھر انسان کسی اجنبی کے ساتھ گھر چلا جاتا ہے۔"

ونیسا نے اسے چند ثانیے دیکھا، پھر بغیر کچھ کہے اپنا پرس اٹھا لیا۔

فلیٹ کا دروازہ بند ہونے کی آواز پر یاور چونکا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر واقعی الجھن ابھری، جیسے وہ بھول گیا ہو کہ وہ کسی کو ساتھ لایا ہے۔

ونیسا خاموشی سے دروازے کے پاس کھڑی رہی۔

یاور سیدھا کچن کی طرف چلا گیا۔

اس نے فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور کئی گھونٹ مسلسل پی گیا، پھر ڈھکن بند کیے بغیر ہی بوتل کاؤنٹر پر رکھ دی۔

ونیسا نے پہلی بار محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ معمولی سے کانپ رہے ہیں۔

وہ دھیرے سے اس کی طرف بڑھی۔

دودھیا روشنی میں اس کے آتشی سرخ ہونٹ اور زیادہ نمایاں لگ رہے تھے۔

یاور کی نظریں کچھ دیر کو اس کے چہرے پر ٹھہریں۔

پھر جیسے کسی اور چہرے پر جا رکیں۔

ہونٹ،

ٹھوڑی،

وہ سب جو سنہری دھوپ نے نمایاں کر دیا تھا۔

یاور نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوڑی کے نیچے انگلی رکھ دی اور آہستہ سے اس کا چہرہ اوپر کیا۔

"ونیسا؟"

اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ونیسا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ "ہمم؟"

"تمہیں کبھی کسی سے ایسی محبت ہوئی ہے؟"

یاور کی آواز سرگوشی سے ذرا بلند تھی۔ "کہ تم اس سے ناراض بھی ہو اور اسی کو دیکھنے کی خواہش بھی سب سے زیادہ ہو؟"

ونیسا کچھ نہ بولی۔

یاور جیسے اب خود سے بات کر رہا تھا۔ "تم جانتے ہو کہ وہ سامنے آجائے۔۔" اس نے سانس اندر کو کھینچی۔ "تو تمہیں اپنا غصہ یاد بھی نہیں رہے گا۔"

اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ "صرف وہ یاد رہے گی۔"

ونیسا نے محسوس کیا کہ سامنے کھڑا مرد اس کے ساتھ نہیں، کسی اور کے ساتھ کھڑا ہے۔

چند لمحوں بعد یاور نے پلکیں جھپکیں۔

جیسے وہ اچانک واپس لوٹا ہو۔

اس نے پہلی بار حقیقت میں ونیسا کو دیکھا۔

اور اگلے ہی لمحے وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

اس نے ونیسا کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

یہ قربت خواہش سے زیادہ تھکن جیسی تھی۔

جیسے کوئی شخص چند لمحوں کے لیے خود سے باہر آ کر کہیں خاموش جگہ ڈھونڈ رہا ہو۔

ونیسا نے محسوس کیا اس کے بازو مضبوط تھے، مگر ان میں وہ بے تابی نہیں تھی جو عام طور پر ایسے لمس میں ہوتی ہے۔

صرف ایک عجیب سی خاموش گرفت تھی۔

اور اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ سامنے کھڑا آدمی شاید خود کو سنبھالنے کے لیے کسی اور کو تھامے ہوئے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کی صبح سست ہوا کرتی۔ وہ جاگ کر بھی کتنی ہی دیر بستر میں پڑا رہتا لیکن آج کوئی تھا جو اسے ایسا کرنے نہیں دے رہا تھا۔ گھنٹی تیسری بار بجی تو وہ کوفت بھرے انداز میں بیڈ سے اترا۔

دروازہ کھولا تو سامنے وہ کھڑی تھی۔

لفٹ والی لڑکی۔

جو چند دن پہلے لفٹ میں خود کو اسی فلور کی رہائشی بتا گئی تھی۔

میں نے سوچا چھٹی کے دن اکیلے کافی پینے سے بہتر ہے کسی کے ساتھ ناشتہ کر لیا"

"جائے۔

آج وہ مشرقی لباس میں تھی، کھلے ہوئے زرد رنگ کے کرتے کے ساتھ سفید دوپٹہ اور سفید ہی پاجامہ۔ ہاتھ میں ٹرے تھامے وہ اسے منتظر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، یاور نے ٹرے لینے کو ہاتھ بڑھایا تو اس نے آنکھوں سے اندر کی جانب اشارہ کیا۔

وہ راستے سے ہٹ گیا۔

لڑکی خاصے بے تکلف انداز میں آگے بڑھی۔

"کل بھی آسکتی تھی لیکن نہ آنے کی بھی ایک وجہ تھی۔" اس نے ٹرے لاؤنج کے کافی ٹیبل پر رکھی اور سیدھی کھڑے ہوتے اسے مڑ کر دیکھا۔ "ہفتے کی صبح میں نے اسے یہاں سے جاتے دیکھا تھا۔"

یاور کے اندر کہیں ایک چھوٹی سی گھنٹی بجی۔

وہ چند لمحوں بعد ہی بول پایا۔ "کسے؟"

"تھی ایک خوبصورت بلا۔" ونیسا کا ذکر کرتے ہوئے اس کے لہجے میں ایک خاص قسم کا تیکھا پن تھا۔

یاور کی نظریں ٹرے کی جانب گئیں تو وہ معاملہ فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔ "گرم ہے، میں کچھ دیر پہلے ہی لائی ہوں، تم فریش ہو کر آجاؤ پھر ناشتہ کرتے ہیں۔"

یاور نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ ایک خاص ادا سے ہنس دی۔

"تم کیا سمجھے صرف ناشتہ دینے آئی ہوں؟" وہ سامنے والے تھری سیٹر کے عین وسط میں جا بیٹھی۔ "شدید بور ہو رہی تھی، سوچا کسی ہم عمر سے بیٹھ کر چار باتیں ہی کر لوں۔"

"تمہاری پھپھو کو پتہ ہے کہ تم۔۔"

"انہیں فلیٹ نمبر اور تمہارا نام بتا کر آئی ہوں۔"

یاور کو ایک ساتھ دو باتوں نے حیران کیا۔

"تمہاری پھپھو نے تمہیں ایک اجنبی کے ہاں آنے دیا؟" وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرا نام تمہیں کس نے بتایا؟"

وہ مسکرائی تو کچھ یوں جیسے بتانے سے زیادہ چھپانے کا ارادہ رکھتی ہو۔ "اس فلور کے باسیوں کے لیے تم کوئی ایسا معمہ بھی نہیں کہ وہ مجھے کچھ بتا نہ پاتے۔"

وہ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا۔

اس لڑکی نے شاید اس دن اپنا نام بتایا تھا۔

یاور نے ذہن پر زور دینے کی کوشش کی۔

"تم جاؤ ورنہ ناشتہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" اس کے دوبارہ کہنے پر یاور وہاں سے چل دیا، لیکن کچھ تھا جو اسے الجھائے دے رہا تھا۔

"بی ایس کر رہی ہوں۔" ناشتہ کرتے ہوئے اس نے گفتگو کا آغاز اپنی ذات سے کیا۔ "بوریت سے بچنے کو یہاں چلی آئی، یوں تو میری پیدائش یہیں کی ہے، شہریت بھی ہے۔ لیکن ہماری رہائش پاکستان میں ہے۔"

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا یہ بے تکلفی تھی، تجسس، یا کچھ اور۔

ایسا کیا تھا جو اسے یاور کے فلیٹ تک لے آیا۔ جہاں تک اسے یاد تھا، اس نے لفٹ میں بھی زیادہ بات نہیں کی تھی۔

کچھ تھا جو قدرے غیر معمولی تھا۔

پوچھتا تو غیر مہذب لگتا۔

"کہاں غائب رہتے ہو؟ مطلب کرتے کیا ہو؟"

"ڈیپ سپیس سگنل اینالسٹ۔"

"کچھ آسان الفاظ میں سمجھاؤ۔"

"میں زمین پر نہیں رہتا، میرا کام ان لہروں کا تعاقب کرنا ہے جو زمین کی کشش سے بہت دور، خلا کے اس حصے سے آتی ہیں جہاں انسانی آواز نہیں پہنچتی۔ میرا کام ان کمزور سگنلز کو شور اور خلائی مداخلت سے الگ کرنا ہوتا ہے، تاکہ اربوں میل دور سے بھیجی گئی معلومات صحیح حالت میں زمین تک پہنچ سکیں۔ میں ان نظاموں کی نگرانی کرتا ہوں جو انسانوں اور خلا کے درمیان رابطے کو قائم رکھتے ہیں۔"

"اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتاؤ؟"

اس سوال پر یاور نے رک کر اسے دیکھا، پھر ٹھہر کر بولا۔ "اکلوتا ہوں، والدین برطانیہ میں ہوتے ہیں۔"

"پاکستان جایا کرتے ہو؟"

پھر اس کے اگلے کئی سوال ایسے ہی تھے۔

تم کافی کیسی لیتے ہو۔

یہاں کا کون سا شہر پسند ہے۔

پاکستان آخری بار کب گئے تھے۔

کزنز کے ساتھ دوستی ہے یا دور سے ہی ملتے ہو۔

خاندان میں خوبصورت لڑکیاں تو ہوں گی۔

کوئی سیریس گرل فرینڈ بھی ہے یا بس وہی لڑکی۔۔۔جو ہفتے کی صبح یہاں سے گئی تھی۔

"مجھے تمہارا نام یاد نہیں رہا۔" وہ اسے اس ایک جملے کے ذریعے بہت کچھ سمجھانا چاہ رہا تھا۔

"یہ اتنا اہم نہیں۔" اس نے بال کندھے کے پیچھے ڈالے اور آگے کو جھکتی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم مجھے جاننے لگے ہو، یہی کافی ہے۔"

وہ کچھ نہیں بولا۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ لڑکی یاور کو پسند کرنے لگی تھی۔

یاور کو ایسا نہیں لگا۔

معاملہ کچھ اور ہی تھا۔

"مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملا۔" اس نے کافی کا سپ لیتے ہوئے شکایت کی۔

"ونیسا میرے فلیٹ میں آنے والی پہلی لڑکی تھی۔" اب کی بار اس نے لڑکی کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ایک وارننگ تھی۔ "اور مجھے نہیں لگتا تمہیں اس بات سے فرق پڑنا چاہیے۔"

"کیوں؟" وہ پر تجسس انداز لیے پوچھ رہی تھی۔

وہ جو سمجھا تھا اسے یوں ڈرا کو خود سے دور رہنے پر قائل کر لے گا، ٹھٹک گیا۔

"تمہیں یہاں رہتے اتنا عرصہ ہوا، کبھی کوئی لڑکی نہیں آئی اور اب تم ایک سلسلہ شروع کر رہے ہو۔" وہ رکی۔ "کوئی وجہ تو ہو گی۔"

"تم یہ کیسے جانتی ہو؟" اسے واقعی حیرت ہوئی۔ وہ کب سے یہاں رہ رہا ہے، کیا کر رہا ہے، کس طرح کی زندگی گزار رہا ہے۔ کیا یہ سب اسے کسی پڑوسی سے معلوم ہو سکتا تھا؟

"تم اپنے پڑوسیوں کی خیر خبر نہیں رکھتے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بھی تم سے بے خبر ہیں۔"

ایسی گہری معلومات صرف کسی پڑوسی سے ملنا نا ممکن تھا۔

کیا کہا جا سکتا تھا!

وہ مسلسل نجی سوال کیے جا رہی تھی اور وہ اسے روک نہیں پایا تھا۔

حسد! یہی وہ جذبہ تھا جو یاور کو اس لڑکی کے لہجے میں محسوس نہیں ہوا۔ اگر یاور کی شخصیت میں اس اجنبی لڑکی کے لیے کوئی کشش ہوتی، ان سوالوں کی وجہ پسندیدگی ہوتی، تو وہ دوسری کسی بھی لڑکی کی موجودگی سے خائف ہوتی۔

لیکن اس کا انداز کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔

کافی کا گھونٹ بھرتے ہی وہ بولا۔ "تمہیں کیسے معلوم میں کیسی کافی لیتا ہوں؟"

یاور کے اس سوال پر وہ ہنس دی۔ "صبح روز ایک ہی جگہ سے تم کافی لیتے ہو، میں بھی آجکل وہیں جاتی ہوں۔"

"آجکل؟" یاور نے پہلی بار اسے پوری توجہ سے دیکھا۔

"میری چھٹیاں چل رہی ہیں نا۔ تبھی تو تمہیں اپنے آس پاس دکھائی دے رہی ہوں۔"

اس پر یاور نے ایک گہری سانس خارج کی۔

بس کچھ دنوں کی بات تھی!

"فارغ وقت میں کیا کرتی ہو؟" اب وہ ریلیکس ہو چکا تھا، اسے لگا ایسی بداخلاقی بھی مناسب نہیں، کچھ اسے بھی گفتگو میں حصہ لینا چاہیے۔

وہ اس کے نقوش پر ایک گہری نظر دوڑاتے ہوئے بولی۔ "میں لمحے جمع کرتی ہوں، تصویروں کی شکل میں۔"

یاور نے پہلو بدلا۔

ہاتھ میں تھامی پلیٹ میز پر رکھی۔

"یہ تو خاصا دلچسپ مشغلہ ہے۔ کیسی تصویریں لیتی ہو؟" وہ اسے خود سے عمر میں خاصی چھوٹی لگی تھی۔

"تم ٹوٹے ہوئے سگنلز جوڑتے ہو، اور میں ٹھہرے ہوئے لمحوں کو جوڑتی ہوں۔ تصویروں کا شوق صرف امریکہ تک محدود ہے۔ ویسے تو میں آرٹسٹ ہوں، ایک خاص

پراجیکٹ پر کام کر رہی ہوں۔ بس یہاں کچھ ایسی تصاویر اکٹھی کر رہی ہوں۔۔۔ جو اداسی کو زبان دیں۔"

"تم اداسی کو تصویروں میں قید کرنا چاہتی ہو۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ آن ٹھہری۔ "میرے لیے اداسی کو سمجھنا مشکل ہے۔ بس کیمرے کی آنکھ سے پکڑنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"یا تم صرف وہ لمحے محفوظ کرتی ہو جن کا دوسروں کو خود بھی علم نہیں ہوتا؟"

اس بات پر وہ ٹھہر گئی، یاور کو اس لمحے وہ بالکل ساکت لگی۔

پھر اگلے ہی لمحے متحرک ہو گئی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، میں کون ہوں؟"

اس کے سوال کرنے کا انداز ایسا تھا کہ یاور کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔

"میں ٹوٹتی ہوئی چیزوں کی تصویریں لیتی ہوں۔ مجھے وہ لمحہ اچھا لگتا ہے جب کوئی مضبوط عمارت گرنے والی ہو۔ جب کسی کا بھرم ٹوٹ رہا ہو، یا جب کوئی خود کو بہت مضبوط دکھانے کی کوشش میں اندر سے کرچی کرچی ہو رہا ہو۔ لوگ مسکراتے چہروں کو قید کرتے ہیں، مجھے وہ خوف اور اذیت پسند ہے جو صرف آنکھ کی ایک پتلی کے پھیلنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ میری تصویریں ایک طرح کا 'ڈیجیٹل پنجرہ' ہیں۔ میں جس کا عکس اتار لیتی ہوں، وہ ہمیشہ کے لیے میرا قیدی ہو جاتا ہے۔ پھر وہ چاہے کہیں بھی جائے، اس کا وہ لمحہ، دکھ، اور شکست صرف میری ملکیت رہتی ہے۔ ویسے میں نے نفسیات بھی پڑھ رکھی ہے۔"

"انسانوں کو سمجھنے میں دلچسپی ہے؟"

اس پر وہ ہنسی تو یاور کو عجیب سی لگی۔ "انسان!" اگلے ہی لمحے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔

لوگ کہتے ہیں کچھ باتیں دل توڑ دیتی ہیں۔" اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ "مجھے کبھی" "سمجھ نہیں آیا کہ ایک احساس کسی انسان کو اتنا غیر منطقی کیسے بنا دیتا ہے۔

جاتے ہوئے وہ دروازے پر رک گئی۔ "نمبر دے دو، رابطہ آسان رہے گا۔"

یاور کے لیے "دیکھو، میں تم سے کافی بڑا ہوں اور شاید تم غلط آدمی سے بات کر رہی ہو۔"

جواب دینا مشکل ہو گیا۔

"اتنے بھی بڑے نہیں۔"

یاور کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ "تمہیں یہ بھی معلوم ہے؟"

"یہی ایک جملہ آج تم نے بہت دوہرایا ہے۔" وہ ایک قدم آگے بڑھی، یاور دو قدم پیچھے ہٹا۔ "کبھی کسی ایسے شخص سے نہیں ملے جو تمہاری توقع سے کچھ زیادہ جانتا ہو

۔دنیا کے بارے میں۔۔۔خود تمہارے بارے میں؟"

پل بھر کو یاور کو یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کی ہوا ذرا کم پڑ گئی ہو۔

"میرے خیال سے یہ ملاقات آخری رہے تو بہتر ہو گا۔"

اس نے ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ یاور کو دیکھا۔ "تم شاید ایسا سمجھتے ہو۔"

وہ یہ کہہ کر مڑی اور باہر نکل گئی۔

دروازہ بند ہونے کے بعد بھی یاور کچھ دیر وہیں کھڑا رہا، جیسے پہلی بار اسے اپنے ہی فلیٹ میں خاموشی کچھ زیادہ سنائی دے رہی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے پچھلے پہر ساتویں منزل کی راہداری میں ایک عجیب سا سکوت طاری تھا، جسے یاور کے ساتھ آنے والی لڑکی کی بے ساختہ ہنسی گونج دار بنا رہی تھی۔ یاور ہمیشہ کی طرح خاموش اور بے تاثر، خاموشی سے اپنے فلیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ لڑکی اس کے بازو میں ہاتھ ڈالے کچھ کہہ رہی تھی۔

جیسے ہی اس نے اپنے فلیٹ کے دروازے کے سامنے قدم رکھا، وہ یکلخت رک گیا۔

اس کے دروازے کے بالکل سامنے فرش پر ایک بڑے سائز کا کاغذی کپ رکھا تھا، جس سے ابھی تک ہلکی سی بھاپ اٹھ رہی تھی۔

اس نے وہ اٹھا لیا۔

خوشبو سے پہچاننے میں اسے ایک لمحہ بھی نہیں لگا کہ یہ وہی کافی تھی جیسی وہ ہر صبح لیتا تھا۔ کپ ابھی تک نیم گرم تھا، جیسے ابھی کچھ ہی دیر پہلے یہاں رکھا گیا ہو۔

یاور کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"ارے! یہ کسی نے تمہارے لیے رکھا ہے؟" ساتھ کھڑی لڑکی نے حیرت سے پوچھا اور غور سے اس کپ کو دیکھنے لگی۔

یاور نے کوئی جواب نہیں دیا، مگر پہلی بار اسے اپنے اندر ایک غیر آرام دہ سی لرزش محسوس ہوئی۔

وہ بے چینی سے راہداری کے دوسرے سرے کی طرف مڑا۔

وہاں، دیوار سے ٹیک لگائے وہ لڑکی اپنے فلیٹ کے دروازے کے پاس س کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، لیکن تمام تر توجہ اسی جانب ٹھہری تھی۔ وہ صرف اسے دیکھ رہی تھی، یوں جیسے اس کے رکنے کی توقع پہلے سے ہو۔

نہ کوئی شور تھا نہ جھگڑا، بس ایک خاموش اور وحشت زدہ کر دینے والا پہرا۔

یاور کو ساکت دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جیسے کسی انتظار کا وقت ختم ہوا ہو۔

"تم آج بہت دیر سے آئے۔"

اس نے بہت دھیمے لہجے میں یہ جملہ کہا، جیسے وہ یاور کے وقت اور اس کے معمولات کی واحد محافظ ہو۔ یاور چند لمحے وہیں کھڑا رہا جیسے ایک معمولی سا جملہ اچانک حد سے زیادہ معنی رکھنے لگا ہو۔

ساتھ کھڑی لڑکی نے یاور کو دیکھا، پھر راہداری کے دوسرے سرے پر کھڑی اس اجنبی کو، اور آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے بازو سے ہٹا لیا۔

پہلی بار یاور کو محسوس ہوا کہ کچھ دروازے بند ہونے کے بعد بھی بند نہیں ہوتے۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح کا وقت تھا۔ یاور لفٹ کے پاس کھڑا پچھلی رات والی لڑکی کو رخصت کر رہا تھا۔ ایلینا جاتے جاتے کچھ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہی تھی اور یاور ہمیشہ کی طرح خاموش کھڑا صرف آدھی توجہ سے سن رہا تھا۔

لفٹ کا دروازہ کھلا تو ایلینا اندر چلی گئی۔ یاور بھی رسمی طور پر اسے نیچے تک چھوڑنے کے لیے ساتھ داخل ہو گیا۔

دروازہ بند ہونے ہی والا تھا کہ عین آخری لمحے ایک ہاتھ بیچ میں آیا اور وہی دوسری لڑکی خاموشی سے اندر آ گئی۔

اب وہ تینوں ایک دوسرے کے ساتھ بند دھاتی خانے میں کھڑے تھے۔

ایلینا نے خاموشی توڑنے کی غرض سے اس لڑکی کو مخاطب کیا۔ "آپ بھی اسی منزل پر رہتی ہیں؟"

اس نے نظریں یاور پر ٹکاتے ہوئے جواب دیا۔ "کچھ عرصے سے۔" پھر اضافہ کیا۔ "لیکن یاور سے ملاقات پرانی نہیں۔"

ایلینا کی مسکراہٹ مدھم پڑ گئی۔اس نے پہلی بار یاور کی طرف غور سے دیکھا، جیسے کسی ان کہی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

یاور کی نظریں لفٹ کی چمکتی ہوئی دیوار پر جمی تھیں۔وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے اس لمحے کسی ایک طرف بھی دیکھا تو خاموشی مزید معنی خیز ہو جائے گی۔

ایلینا نے مصنوعی بے فکری سے ہنسنے کی کوشش کی۔"چھوٹی دنیا ہے۔"

اس لڑکی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔"کبھی کبھی ضرورت سے زیادہ۔"

یاور نے پہلی بار سر اٹھا کر اسے دیکھا۔اس کے لہجے میں کوئی الزام نہیں تھا، مگر نہ جانے کیوں یاور کو لگا جیسے وہ صرف ایک عام جملہ نہیں سن رہا۔

لفٹ نیچے آ کر رکی۔

ایلینا نے باہر نکلتے ہوئے ایک سرسری نظر دونوں پر ڈالی اور کہا۔"لگتا ہے میں غلط وقت پر چلی آئی تھی۔"

یاور نے فوراً کہا۔"ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔"

مگر جملہ ادھورا رہ گیا کیونکہ ایلینا پلٹ چکی تھی۔

دروازہ دوبارہ بند ہوا تو لفٹ میں صرف وہ دونوں رہ گئے۔

اس لڑکی نے ساتویں منزل کا بٹن دبایا۔

چند لمحوں تک صرف لفٹ کی مدھم حرکت سنائی دیتی رہی۔

پھر اس لڑکی نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں صفائیاں دینا کبھی نہیں آیا۔"

"اور تم مجھے جانتی ہو؟" یاور کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

"جاننا چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟"

"بتا دیا تو وہ بات نہیں رہے گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

یاور جب عمارت میں داخل ہوا تو اس کے کندھوں پر تھکن کا اتنا بوجھ تھا کہ خود اپنے قدموں کی چاپ بھی سماعت پر بوجھل محسوس ہو رہی تھی۔ لفٹ سے باہر نکل کر جب وہ

ساتویں منزل کی راہداری میں مڑا، تو ایک پل کے لیے اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

وہ وہیں رک گیا، ماحول کا جائزہ لینے کے لیے نظریں گھمائیں، مگر وہاں دودھیا روشنی میں نہائے خالی کوریڈور کے سوا کچھ نہ تھا۔

وہ اپنے فلیٹ کی جانب بڑھ گیا۔

دروازے کے پاس پہنچ کر اس کی نظر فرش پر پڑی جہاں ایک سفید لفافہ آدھا اندر اور آدھا باہر کی سمت پڑا تھا۔ یاور نے اسے اٹھایا اور اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ لفافہ کھولنے پر اس کے اندر سے کوئی خط نہیں، بلکہ ایک تصویر برآمد ہوئی جسے دیکھ کر یاور کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔

یہ اسی رات کی تصویر تھی جب وہ نیواڈا کے بلند ٹرانسمیشن ٹاور پر کام کر رہا تھا۔ دور سے طاقتور لینز میں لی گئی اس تصویر میں وہ برفیلے اندھیرے کے درمیان تنہا معلق دکھائی دے رہا تھا۔ تصویر کا زاویہ ایسا تھا جیسے لینے والا کافی دیر تک صرف اسے دیکھتا رہا ہو۔ یاور کو پہلی بار احساس ہوا کہ اُس رات وہاں کوئی اور بھی موجود تھا۔

اس تصویر میں وہ ایک ایسے شخص کی طرح دکھائی دے رہا تھا جس کا زمین سے رشتہ ڈھیلا پڑ چکا ہو، اور جسے یہ خوف بھی نہ رہا ہو کہ اگلا قدم اسے نیچے گرا سکتا ہے۔

یاور کی انگلیاں تصویر کے کنارے پر سخت ہو گئیں۔

وہ ایک جھٹکے سے فلیٹ سے باہر نکلا اور سیدھا اس لڑکی کے دروازے پر پہنچ کر اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ دروازہ کھلا تو وہ لڑکی نہایت اطمینان سے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر وہ سکون تھا جو صرف اس شخص کے پاس ہوتا ہے جو پہلے ہی جانتا ہو سامنے والا کیوں آیا ہے۔

یہ کیا ہے؟" یاور نے وہ تصویر اس کے سامنے لہرائی، اس کی آواز غصے سے بھاری تھی۔"

""" یہ تصویر تم نے کب لی؟

وہ لڑکی ذرا سا مسکرائی، اس کی نظریں یاور کے غصے سے تپے ہوئے چہرے پر جمی تھیں۔" میں نے صرف وہ لمحہ سنبھال لیا جسے تم خود بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ اتنی بلندی پر

انسان اکثر سچ بولنے لگتا ہے، چاہے خاموش ہی کیوں نہ ہو۔ تم بہت خوبصورت لگ رہے تھے، بالکل ایک گرتے ہوئے ستارے کی طرح، جو بجھنے سے پہلے آخری بار پوری قوت سے چمکتا ہے۔"

اس کی آواز میں ایک ایسی پراسرار ٹھنڈک تھی کہ یاور کے پاس احتجاج کے لیے الفاظ کم پڑ گئے۔ وہ اسے ایک شکار کے طور پر دیکھ رہی تھی جس کی تصویر اس نے اپنے 'پنجرے' میں محفوظ کر لی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ سرِ شام ہی لوٹ آیا تھا۔

لفٹ سے نکل کر جیسے ہی وہ اپنے فلیٹ کی جانب بڑھنے لگا، وہ اسے دروازے کے پاس کھڑی نظر آئی۔

"کیوں آئی ہو یہاں؟"

"پلیز یاور، کچھ دیر بات سن لو میری؟" یاور نے اس التجائیہ لہجے پر اسے غور سے دیکھا۔

آنکھیں سرخ اور بال کچھ بکھرے ہوئے سے تھے، جیسے بستر سے اٹھ کر سیدھی یہیں چلی آئی ہو۔ڈھیلی سی شرٹ اور ٹراؤزر بلگجے سے دکھائی دیے۔

اس نے بنا کچھ کہے دروازہ کھولا اور اسے راستہ دیا۔

وہ یاور کے اس انداز پر مسکرادی۔

"میں کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"اندر جاتے ہوئے وہ بولی تو یاور نے جیسے یاد دلایا۔

"میں تو اکثر رات گئے آتا ہوں، آج جلدی آگیا۔"

"میں جانتی تھی آج دیر نہیں ہو گی۔"

وہ جو جوتے اتار کر ریک میں رکھ رہا تھا، قدرے چڑ کر بولا۔"میرا پہیلیاں بوجھنے کا کوئی موڈ نہیں۔"وہ اوپن کچن کی جانب بڑھا۔"تمہاری معلومات پر حیران ہونا چھوڑ دیا ہے میں نے۔"وہ کافی میکر کے قریب کھڑا ہو کر بولا۔"کافی پیو گی؟"

"سورج غروب ہونے کے بعد کیفین سے دور رہتی ہوں۔"

وہ مسکرایا۔ "تھوڑی عقلمند بھی ہو۔"

"تمہیں میں کیسی لگتی ہوں، یاور؟" اس کے لہجے میں کچھ تھا کہ وہ کافی کا خیال ترک کرتا اس کی طرف مڑا جو لاؤنج میں کھڑی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ نہ بولا تو وہ قریب چلی آئی، اس کے دونوں بازو فیصلہ کن انداز میں تھامتے ہوئے بولی۔ "دیکھو مجھے، کوئی کمی دکھائی دیتی ہے تمہیں؟"

اب وہ اس کی طرف دیکھنے سے اجتناب برت رہا تھا۔

"دیکھو نا، یاور؟" اس کے انداز میں ضد تھی۔

یاور نے نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر خود کو اس گرفت سے آزاد کیا۔ جب بولا تو لہجے میں ایک ٹھہراؤ تھا۔ "کمی تم میں نہیں ہے، کسی بھی لڑکی میں نہیں ہوتی۔"

"تم خوش نہیں ہو۔" وہ اب پرسوچ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ "کون ہے وہ؟"

یاور نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ ایک بار پھر بولی۔ "اسی اداسی نے مجھے تمہاری طرف کھینچا، یہ جو تمہاری آنکھوں میں ڈیرے ڈالے بیٹھی ہے۔ اب سمجھ آئی اس کی وجہ کوئی لڑکی۔۔"

"بس کر دو!" پہلی بار یاور کو غصہ آیا۔

اس نے کبھی یاور کو یوں آپا کھوتے نہیں دیکھا تھا۔

وہ تیز قدم اٹھاتا کچن سے نکلا اور لاؤنج کے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی جو پہلے کچھ دیر سر ہاتھوں میں دیے وہاں بیٹھا رہا۔ پھر وہیں آنکھیں موندے نیم دراز ہو گیا۔

"آئندہ یہ ذکر مت چھیڑنا۔"

"ایسا کیا کر دیا اس نے، میں۔۔۔"

"پلیز۔"

اس ایک لفظ میں وہ تڑپ تھی کہ اسے خاموش رہنا ہی بہتر لگا۔

"میں اس ہفتے پاکستان واپس جا رہی ہوں۔"

"اور میں کبھی وہاں کا رخ نہیں کرنا چاہتا!" یاور کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

وہ محتاط قدم اٹھاتی اس کے پاس آئی۔

وہ یونہی بند آنکھوں کے ساتھ بولا۔ "تمہیں اس وقت یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

وہ اسی صوفے کے سامنے نیچے دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ "میرے دل میں تم ہو، یاور۔ کیا تمہیں اس حقیقت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"جو میرا دل کہتا ہے اس کا کیا کروں؟" یاور نے یک لخت آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تو ان میں تیرتی سرخی نے اسے پل بھر کو چونکا دیا۔

یہ کسی اور کے لیے تھی۔

"اسے دل سے نکال دو۔" اس نے سرگوشی کی۔

"تمہیں لگتا ہے میں نے کوشش نہیں کی ہو گی؟" وہ یہ کہتے ہوئے جارحانہ انداز میں اٹھ بیٹھا۔ "کیا کمی ہے میری زندگی میں، دیکھو؟ کیا نہیں کر سکتا میں! اس شہر میں دل بہلانے کو کیا نہیں؟"

"ایسا بھی کیا ہے اس میں؟" اس کے لہجے میں تجسس تھا۔

"کچھ نہیں۔ پر سب کچھ۔"

"تمہارے دل پر کب سے اس کا قبضہ ہے؟"

"جب اس رشتے کا کوئی نام بھی نہیں تھا۔" وہ اسے دیکھ رہا تھا لیکن یوں جیسے آر پار دیکھ رہا ہو۔ "محبت کا ذکر ہمارے بیچ کہیں نہیں تھا، لیکن یہ ہمیشہ سے موجود تھی۔ میں اس سے دور بھاگتا ہوں تو لگتا ہے ایک دائرے میں بھاگ رہا ہوں۔"

"دائرے میں؟" وہ الجھی۔

یہ سب سمجھنا بہت مشکل تھا!

"تم مجھ سے اس کی باتیں مت کرو۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"اسے تو تم بیچ میں لائے ہو۔" اس نے احساس دلانا چاہا۔ "میں تو تمہیں بتانے آئی تھی کہ مجھے واپس جانا ہو گا۔"

وہ سامنے خلا میں جانے کیا دیکھ رہا تھا، چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"پاکستان جاؤ گی؟"

"تم وہاں جانے سے کیوں انکاری ہو؟" اس نے آگے بڑھ کر یاور کا ہاتھ تھام

لیا۔"میرے ساتھ چلو، دونوں وہاں خوب گھومیں پھریں گے، تم پھر سے خوش رہنا سیکھ لو گے۔"

یاور نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا، کئی سوال اس کی آنکھوں میں جاگ اٹھے۔"تمہارے گھر والے منع نہیں کریں گے؟"

"نہیں۔"

"ہمارے ملنے پر کوئی پابندی نہیں ہو گی؟"

"بالکل بھی نہیں۔"

"تمہیں مجھ سے تنہائی میں ملنے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟"

اسے یاور کے سوالوں سے الجھن سی ہونے لگی، اسے لگا جیسے الفاظ سے زیادہ اس کا لہجہ شور مچا رہا ہو۔

"مجھے بھلا کیوں اعتراض ہو گا؟"

یہ سن کر یاور نے اپنا ہاتھ چھڑوا لیا۔

"اس سب میں نقصان تمہارا ہو گا۔" وہ بولا تو لہجہ اٹل تھا۔

"وہ کیسے ؟"

"میں کسی کا نہیں ہو پاؤں گا۔" اس نے توقف لیا۔ "اور میں توقعات بھرا دل توڑنا نہیں چاہتا۔"

"تمہیں کسی کے ساتھ تو زندگی گزارنی ہے نا؟ میرے ساتھ سہی۔"

"تمہیں لگتا ہے تم اب اکیلی ہو؟ مجھے اپنا کر زیادہ تنہائی محسوس کرو گی۔"

دروازہ بند ہونے کے بعد بھی وہ کافی دیر اسی طرح بیٹھا رہا، جیسے اس نے ایک اور دل کا بوجھ بھی اپنے حصے میں لے لیا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر26

امبر ارمغان

ارمغان بارہ برس کا تھا جب فہمیدہ کمال کی خالہ زاد کزن اپنے دو بچوں کے ساتھ ان کے گھر آ کر ٹھہری تھیں۔ دس سال کا بیٹا تھا اور ایک سات برس کی بیٹی۔ شوہر کے اچانک انتقال کے بعد وہ دونوں بچوں کو ساتھ لیے دربدر ہوئی تھیں، آخر کار فہمیدہ انہیں اپنے گھر لے آئیں۔

چند دن کے لیے انہیں گیسٹ روم دے دیا گیا۔

دو دن بعد ارمغان نے گھر میں اپنی نانی کو دیکھا۔ انہیں بغیر اطلاع دیے اچانک آنے کی عادت تھی، اس لیے ان کی موجودگی پر اسے حیرت نہیں ہوئی۔ وہ اس وقت اپنی ماں کی گود میں سر رکھے آنکھیں موندے لیٹا تھا اور دونوں یہی سمجھے ہوئے تھیں کہ وہ سو چکا ہے۔

نانی کی دبی مگر سخت آواز اس کے کانوں میں اتری۔ "مجھے تو جیسے ہی اس کا پتہ چلا، میں بھاگی آئی۔"

جواب میں فہمیدہ نے کہا۔ "ارے امی، بے سہارا ہے، بیوہ ہو گئی ہے۔ بھائی بھابی رکھنے کو تیار نہیں۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے، کیوں نہ اس کے لیے کچھ کریں۔"

نانی فوراً بولیں۔ "کچھ بھی کرو، پر تم اسے یوں گھر میں پیر پھیلانے کی جگہ مت دو۔ شکل دیکھی ہے اس کی؟ اتنی خوبصورت عورت کو تمہارا مرد نظر انداز کر پائے گا؟"

فہمیدہ تذبذب میں پڑ گئیں، پھر وقفے سے بولیں۔ "ایسا کرتی ہوں، کوئی کرائے کا چھوٹا سا فلیٹ دلوا دیتی ہوں۔ بتا رہی تھی سلائی بھی آتی ہے، اگر کسی کام پر لگوا دوں؟"

نانی نے فوراً بات کاٹ دی۔ "ارے چھوڑو بھی۔ کیا تم چاہتی ہو افتخار کے دل میں اس کے لیے خود نرم گوشہ پیدا کرو؟"

فہمیدہ الجھن زدہ انداز میں سر نفی میں ہلا کر رہ گئیں۔

نانی کی آواز ایک بار پھر گونجی۔ "اسے میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ کہوں گی فہمیدہ کا میاں میکے والوں کا آنا پسند نہیں کرتا۔"

"لیکن امی۔"

"گاؤں لے جاؤں گی۔ وہاں ہمارا پرانا گھر ہے نا، وہیں پڑی رہے گی۔"

فہمیدہ ایک بار پھر بولیں۔ "لیکن امی، وہ تو آپ نے چوکیدار کو دے رکھا ہے۔"

تو کیا ہوا، ایک کمرہ اسے دلوا دوں گی۔ گاؤں کے ایک دو گھروں کے برتن دھولے گی، اس کا کام چلتا رہے گا۔"

لیکن امی، اچھے گھر کی ہے۔ بچے اچھے سکولوں کے عادی ہیں، گاؤں میں کیسے رہ پائیں گے؟"

نانی بے رحمی سے بولیں۔ "معیار سے نیچے تو آنا ہو گا۔ شوہر تو رہا نہیں۔"

کچھ تھا جو ارمغان کو بہت برا لگا۔

اگلی بار جب ان کی فیملی گاؤں گئی تو اس نے آنٹی کو وہاں دیکھا۔

پہچاننا مشکل تھا۔

چہرے پر ہڈیوں کا ابھار نمایاں تھا، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، اور بچے اب دو نہیں رہے تھے۔

بیٹا ملیریا ہونے پر بروقت طبّی امداد نہ ملنے سے چل بسا تھا۔

بیٹی ہر وقت ماں کا ہی پلو پکڑے دکھائی دیتی تھی اور سکول جانے کو نہیں مانتی تھی۔

اس کی ماں نے افسردگی سے کہا۔ "بھائی کی موت کا بہت اثر لیا ہے اس نے۔"

اس دن کے بعد ارمغان نے نانی کے پاس جانا چھوڑ دیا۔

سب کو لگتا تھا وہ بڑا ہو گیا ہے، اس لیے اس کی ترجیحات بدل گئی ہیں۔

کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اسے دنیا کی سمجھ آنی شروع ہو گئی ہے۔

اب نانی پر پہلے والا پیار نہیں آتا تھا۔

وہ بلاتی رہتیں اور وہ دور سے سلام کر کے نکل جاتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے پچھلے پہر جب امبر کی آنکھ کھلی تو اس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی، مگر نیند اب آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

اس نے کچھ فاصلے پر رکھے موبائل کی طرف ہاتھ بڑھا کر وقت دیکھا، رات کے دو بج رہے تھے۔ اسی اثنا میں اس کی نظر اپنے برابر میں پڑی تو ارمغان وہاں موجود نہیں تھا۔

وہ بستر سے دبے قدموں اٹھی۔

ساڑھے تین سالہ اذان کا چھوٹا بیڈ اسی کمرے کے ایک گوشے میں موجود تھا۔ امبر نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں اس کے قریب گئی، وہ گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے معصوم چہرے کو ایک نظر دیکھنے کے بعد وہ کمرے سے منسلک اسٹڈی روم کی طرف بڑھی۔

سلائیڈنگ ڈور آدھا کھلا تھا، اندر سے آتی لیپ ٹاپ کی نیلی روشنی وہ یہاں سے بآسانی دیکھ سکتی تھی۔ امبر نے اندر قدم رکھا تو ارمغان اسے مرکزی میز کے پیچھے آفس چیئر پر بیٹھا، کام میں مصروف دکھائی دیا۔ وہ ہر تھوڑی دیر بعد میز پر رکھا موبائل اٹھا کر دیکھتا اور پھر اسے دوبارہ رکھ دیتا۔ اس کے انداز میں ایک عجیب سی بے چینی نمایاں تھی۔

ارمغان کو امبر کی موجودگی کا احساس ہونے میں چند سیکنڈ لگے۔

اسے سامنے دیکھتے ہی وہ بری طرح چونکا۔

"امبر، تم اس وقت یہاں؟" اس کے لہجے میں ایسی حیرت تھی جیسے کوئی انہونی ہو گئی ہو۔

وہ مسکراتے ہوئے میز کے قریب آئی۔ "آپ بستر سے غائب تھے، میں ڈھونڈتی ہوئی یہاں چلی آئی۔"

وہ الجھن زدہ انداز میں بولا۔ "ہاں، کسی کی کال کا انتظار کر رہا ہوں۔"

ابھی اس کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ میز پر رکھا موبائل بول اٹھا۔

ارمغان نے بجلی کی سی تیزی سے کال ریسیو کی اور فون کان سے لگا لیا۔ خاموش کمرے میں ایک نسوانی آواز امبر کے کانوں سے ٹکرائی۔ آواز ہلکی سی باہر آ رہی تھی، مگر دھیمی ہونے کے باعث امبر گفتگو کی نوعیت سمجھنے سے قاصر رہی۔

ارمغان 'ہیلو' کہنے کے بعد اب صرف دوسری طرف کی بات سن رہا تھا، چہرے پر سنجیدگی کی ایک نئی لہر ابھر آئی تھی۔

ارمغان نے فون بند کیا تو کمرے میں ایک بوجھل خاموشی چھا گئی۔ وہ چند لمحے موبائل کو دیکھتا رہا، جیسے کسی سوچ میں ہو۔

"سب خیریت ہے؟" امبر نے آہستہ سے پوچھا۔

ارمغان نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ "ایک خاتون ہیں۔ شوہر کے بعد کچھ معاملات میں مدد کر رہا ہوں۔ آج ان کے دروازے پر پھر وہی لوگ پہنچ گئے تھے۔"

امبر بولی تو لہجے میں نرمی تھی۔ "آپ نے مجھے کبھی بتایا نہیں، آپ لوگوں کی مدد بھی کرتے ہیں۔"

میں چاہتا تھا تمہیں اس بوجھ سے دور رکھوں۔" ارمغان رکا۔ "ہر وہ چیز جو ذمہ داری بن" "جائے، بیان کرنا آسان نہیں ہوتی۔

پھر امبر نے دیکھا کہ ارمغان نے کوٹ اٹھایا اور گاڑی کی چابی لے لی۔ وہ آدھی رات کو کہیں جا رہا تھا۔

"اس وقت؟" امبر نے حیرت سے پوچھا۔

"بعض اوقات مدد صبح تک مؤخر نہیں کی جاسکتی۔"

"کسی اور کو بھیج دیتے۔" امبر نے مشورہ دیا۔

"وہ لوگ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔" ارمغان نے مختصر جواب دیا اور باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہونے کے بعد کمرے میں پھر خاموشی لوٹ آئی، مگر اس رات امبر کو پہلی بار احساس ہوا کہ ارمغان کی زندگی کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جہاں اس کی رسائی نہیں۔

اگلی صبح امبر ناشتے کی میز پر بالکل چپ بیٹھی تھی۔ ارمغان تھکا ہوا واپس آیا تو امبر نے پہلی بار غور کیا کہ اس کی آنکھیں جاگی ہوئی ہیں۔ وہ پوری رات باہر تھا مگر کوئی تفصیل نہیں دی۔

بلآخر امبر نے پوچھا۔ "سب ٹھیک ہو گیا؟"

ارمغان نے بس اتنا کہا۔ "فی الحال۔"

☆☆☆☆☆☆☆

محلے کی وہ گلی شہر کے اُن پرانے حصوں میں شمار ہوتی تھی جہاں رات گہری ہوتے ہی لوگ غیر ضروری آوازوں سے لاتعلق رہنا بہتر سمجھتے تھے۔

تنگ گلی کے دونوں طرف پرانی عمارتیں خاموش کھڑی تھیں اور اوپر الجھے بجلی کے تار ہوا کے ساتھ ہل رہے تھے۔

دور سے پہلے موٹر سائیکلوں کی آواز آئی۔

پھر ایک ساتھ چار موٹر سائیکلیں گلی کے دہانے پر آ کر رکیں۔

ہیڈ لائٹس نے سڑک کے بیچ لمبے سائے پھینکے۔

پچھلی موٹر سائیکل سے اترتے ہوئے اس نے ایک نظر سامنے ڈالی۔

گلی کے دوسرے سرے پر پہلے سے تین آدمی کھڑے تھے۔

انہیں دیکھتے ہی اندازہ ہو گیا یہ اتفاق نہیں تھا۔

گلی میں داخل ہونے سے پہلے ہی خبر پہنچ چکی تھی۔

سامنے والے نے تھوک ایک طرف پھینکا۔

"سمجھ نہیں آتی؟ یہ علاقہ چھوڑ دینے کو کہا تھا۔"

اس کے ساتھ کھڑے لڑکے نے جیب سے چمکتا ہوا فولڈنگ چاقو نکالا۔

"کاروبار وہاں کرو جہاں تمہارا نام چلتا ہو۔"

وہ ہنسا نہیں بس گردن ذرا ٹیڑھی کر کے بولا۔

"بھوک کبھی علاقے دیکھ کر نہیں لگتی۔"

اتنا سننا تھا کہ پہلی اینٹ اندھیرے سے اڑی۔

سیدھی ایک موٹر سائیکل کے ہیڈ لیمپ پر لگی۔

شیشہ پوری آواز سے ٹوٹا۔

اگلے ہی لمحے گلی میں شور پھٹ پڑا۔

کسی نے لوہے کی راڈ گھمائی۔

کسی نے دیوار سے ٹیکا ڈنڈا اٹھا لیا۔

کسی نے جیب سے چاقو نکال لیا۔

ایک لمحہ پہلے جو صرف تناؤ تھا

اگلے لمحے کھلی لڑائی بن چکا تھا۔

وہ ایک وار بچا کر پیچھے ہٹا ہی تھا کہ دائیں طرف سے آنے والے دوسرے آدمی نے اس کے بازو کو پکڑ لیا۔

"اب نکل کے دکھا۔"

اس نے جھٹکے سے خود کو چھڑانے کی کوشش کی مگر اسی لمحے سامنے والے نے قریب آ کر چاقو اس کے سینے کے بائیں حصے میں گھونپ دیا۔

وقت جیسے ایک لمحے کے لیے رک گیا۔

اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

اس نے نیچے دیکھا جہاں سیاہ کپڑے کے نیچے سے خون باہر آ رہا تھا۔

پھر درد نے پورے جسم کو ایک ساتھ پکڑا۔

اس کے ہاتھ بے اختیار زخم پر چلے گئے۔

پیچھے کھڑی موٹر سائیکل ایک طرف گر گئی۔

کسی نے چیخ کر کہا۔

"پولیس!"

اور اگلے چند سیکنڈ میں سب کچھ بکھر گیا۔

موٹر سائیکلیں دوبارہ اسٹارٹ ہوئیں۔

قدموں کی آوازیں دور بھاگیں۔

گلی پھر سے خالی ہونے لگی۔

وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے چند لمحے کھڑا رہا جیسے جسم ابھی تک ماننے کو تیار نہ ہو۔

پھر آہستہ آہستہ گھٹنوں کے بل نیچے آ گیا۔

سر دزمین پر بیٹھتے ہوئے اس کے لبوں سے صرف ایک ٹوٹی ہوئی سانس نکلی۔

اوپر زرد بلب بدستور جھپک رہا تھا۔

اور نیچے خون تنگ گلی کی دراڑوں میں خاموشی سے بہہ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسی وقت شہر کے دوسرے کنارے ایک تنگ سے فلیٹ میں وہ اپنے بچوں کو روٹی کھلا رہی تھی۔

چھوٹا بچہ اس کی گود سے لگا بیٹھا تھا اور دوسرا اس کے ساتھ فرش پر پھیلی چٹائی پر۔

"آہستہ کھاؤ، گلے میں اٹک جائے گا۔"

اس نے نرمی سے نوالہ توڑ کر بچے کے منہ کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ دروازہ دھڑ دھڑ بجنے لگا۔

اس کے ہاتھ سے نوالہ بچے کے منہ تک جاتے جاتے نیچے گر گیا۔

ایک لمحے میں اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

وہ اسے ہمیشہ یہی ایک بات سمجھاتی تھی۔

ایک دن تمہارے کیے کی سزا یہ معاشرہ تمہارے بچوں کو دے گا۔

اس نے فوراً دونوں بچوں کو بازو سے پکڑا۔

"اندر جاؤ۔ ابھی۔"

بچے ماں کے چہرے کے خوف کو پہچانتے تھے، کوئی سوال کیے بغیر وہ دونوں تاریک چھوٹے سے سٹور میں گھس گئے۔

جب بھی کوئی ایسی انہونی ہوتی وہ انہیں وہیں چھپا دیا کرتی تھی۔

اس نے باہر سے دروازہ بند کیا اور کانپتے قدموں سے مرکزی دروازے کی طرف بڑھی۔

دھڑ دھڑ اب بھی جاری تھی۔

اس نے کنڈی کھولی۔

سامنے اس کے دونوں دیور کھڑے تھے۔

بڑے والے نے نظریں چرا کر کہا۔

"بھرجائی۔۔۔ بھرا کو مار دیا ان سالوں نے۔"

یہ سن کر اسے اپنی ٹانگیں بے جان ہوتی محسوس ہوئیں۔

لیکن وہ گر نہیں سکتی تھی۔

جس عورت کے بچے ہوں۔۔۔وہ خود گر جائے تو بچوں کو کون سنبھالے گا۔

وہ الٹے پیر سٹور کی طرف بھاگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

آدھی رات کے سناٹے میں موبائل کی ہلکی تھرتھراہٹ غیر معمولی محسوس ہوئی۔

ارمغان نے چونک کر وائبریٹ ہوتا ہوا فون اٹھا کر دیکھا، اس کے وکیل کی کال تھی۔اس نے ایک نظر برابر میں سوئی ہوئی امبر پر ڈالی اور بڑی احتیاط سے کمرے سے باہر نکل گیا، وہ سیدھا کمرے سے منسلک اسٹڈی کی طرف گیا اور درمیان کا سلائیڈنگ ڈور آہستہ سے سرکا دیا۔

اس نے کال ریسیو کی تو وکیل کی آواز ابھری۔"آپ کے ایک پرانے ملازم، فرقان حکیم نے اس وقت رابطہ کیا ہے، اس کی بھتیجی کا ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔"

ارمغان نے متانت سے جواب دیا۔"جی، آپ تسلی سے بتائیں، میں سن رہا ہوں۔"

وکیل بولا۔"اس کا شوہر دوسرے گینگ کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔"

ارمغان کو یہ سن کر دھچکا لگا۔ "دوسرا گینگ؟"

وکیل نے وضاحت کی۔ "جی، وہ خود بھی ایک گینگ کا سرغنہ تھا۔"

ارمغان نے فوراً اگلا سوال کیا۔ "اولاد ہے اس کی؟"

وکیل نے تفصیل سے بتایا کہ کس طرح سسرال والے اس کی تھوڑی بہت جائیداد، یعنی ایک چھوٹے سے تنگ فلیٹ پر قبضہ کر کے بیوہ اور بچوں کو زبردستی اپنے گھر لے گئے ہیں۔ اب اس بیوہ کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ ان دو بھائیوں میں سے کس سے شادی کرتی ہے۔ اس پر بہت دباؤ ہے، دھمکی دی گئی ہے کہ یا تو شادی کرے یا پھر بچوں کو بھول جائے۔

ارمغان نے پوچھا۔ "لیکن شادی کا دباؤ کیوں؟"

اس پر یہ دباؤ ڈالنے کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح فلیٹ بھی بھائی ہتھیا سکیں گے اور بچے بھی "انہی کے کنٹرول میں رہیں گے۔ جوان ہونے پر بھی وہ حق نہیں مانگیں گے۔"

ارمغان کو صرف ایک ہی بات اہم لگی۔ "وہ بیوہ کیا چاہتی ہے؟"

وکیل کچھ دیر کو خاموش ہو گیا، پھر بولا۔ "وہ کہتی ہے کہ ان دونوں کی اٹھک بیٹھک اچھے لوگوں میں نہیں۔ وہ نہیں چاہتی کہ کل کو اس کے دونوں بیٹے بھی اسی روش پر چلیں۔"

وکیل نے مزید بتایا کہ بیوہ کے ماں باپ مر چکے ہیں اور وہ رشتہ داروں کے بھی در کھٹکھٹا کر دیکھ چکی ہے، اس وقت وہ ایک بند گلی میں کھڑی ہے۔

"ہماری عمارت میں ایک فلیٹ خالی ہے۔" پھر ارمغان نے فکر مندی سے پوچھا۔ "اب ہم کیسے انہیں وہاں تک محفوظ پہنچائیں؟"

"میں یہ کام کر سکتا ہوں۔" وکیل نے کہا۔ "اگر آج رات وہاں منتقل کر دیا جائے تو صبح تک قانونی تحفظ لینا آسان ہو جائے گا۔"

"اس کے چچا کو ساتھ رکھنا۔" ارمغان کو اپنا وہ پرانا ملازم یاد آیا، جس نے بھتیجی کی مدد کے لیے ان سے رابطہ کیا تھا۔

اسی دوران امبر کی آنکھ کھلی تو اس نے حسبِ عادت برابر میں نظر ڈالی۔

ارمغان کو غیر موجود پا کر اس کے اندر ایک انجانی سی بے چینی جاگ اٹھی۔ اسٹڈی سے ہلکی سی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی فون پر بات کر رہا ہو، وہ ارمغان کی سرگوشی کو پہچانتی

تھی۔اچانک باتوں کا سلسلہ رکااور اسے اسٹڈی سے ارمغان کے قدم سلائیڈنگ ڈور کی طرف بڑھتے سنائی دیے۔وہ فوراً آنکھیں موند کر پہلے کی طرح ساکت لیٹ گئی۔

ارمغان آکر لیٹا تو امبر نے کروٹ لے کر اس کی جانب رخ کیا اور دھیرے سے پوچھا۔"آپ کہیں گئے تھے،ارمغان؟"

ارمغان ایک لمحے کو رکا،پھر بولا۔"نہیں،یہیں تھا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

امبر اذان کے ساتھ والدین کے گھر آئی ہوئی تھی۔

لنچ کے بعد کا وقت تھا اور فراز کافی دیر سے اذان کو گود میں بٹھائے اس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔شاہ میر کی نگاہیں کبھی سامنے ٹی وی پر چلتی خبروں کا طواف کرتیں اور کبھی پوتے پر جا ٹکتیں۔

ارمغان کیسا ہے امبر؟"دردانہ کے سوال پر امبر دھیرے سے مسکرائی۔"مصروف" "رہتے ہیں لیکن ہمارا خیال رکھنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے۔

اس پر دردانہ اور فراز نے ایک خاص انداز سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

نظروں کا یہ تبادلہ امبر سے پوشیدہ نہ رہ پایا۔

"کیا بات ہے امی؟" وہ فراز کو یکسر نظر انداز کرتی ماں کی طرف مڑی۔

"کچھ نہیں، میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی۔" دردانہ نے ٹالنا چاہا۔ فراز بھی دوبارہ اذان میں مگن ہو چکا تھا، لیکن گزشتہ لمحے کے تاثر کو امبر اپنا وہم قرار دے کر ذہن سے جھٹک نہیں پائی۔ اس نے قریب ہوتے ہوئے ماں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"پلیز امی، مجھ سے مت چھپائیں۔"

انہوں نے ایک نظر فراز پر ڈالی، جیسے اس سے خاموش اجازت لینا چاہتی ہوں، لیکن وہ اب اس طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ امبر کو گردن کے بال کھڑے ہوتے محسوس ہوئے، کچھ تھا جو صحیح نہیں تھا۔ وہ ایک بار پھر التجائیہ لہجے میں گویا ہوئی، "امی، پلیز؟"

شاہ میر کی توجہ بھی ٹی وی سے اس جانب مبذول ہوئی۔ "کیا بات ہے بھئی، کچھ ہمیں بھی پتہ چلے۔"

دردانہ نے ہتھیار ڈالنے کے سے انداز میں کہا۔ "سنا ہے ارمغان آج کل کافی تھانے کچہری کے چکر لگا رہا ہے۔"

اس پر امبر چونکی۔ "یہ کس نے کہا؟"

شاہ میر بولے۔ "ہوں گے کوئی کاروباری معاملات۔"

دردانہ بولیں۔ "نہیں، فراز کے ایک جاننے والے نے اسے وہاں دیکھا تھا۔ دو بار کسی عورت کے معاملے میں اسے ایسی جگہوں کے چکر لگاتے دیکھا گیا ہے۔ جہاں انسان اپنے کام سے بھی جاتے ہوئے کترائے۔" دردانہ نے بیٹی پر ایک پر تشویش نظر ڈالی۔ "مجھے سمجھ نہیں آتی یہ عورتیں کیوں مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر مردوں کو پھنساتی ہیں۔ بھئی، مدد ہی چاہیے تو کسی عورت سے مانگو۔"

امبر فوراً بولی۔ "لیکن امی! وہ تو ایسی عورتوں کی مدد کرتے ہیں جن کا کوئی محرم نہ ہو اور۔۔۔"

اس پر دردانہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو جو سنا وہ بتا رہی ہوں۔ فراز کا دوست کہہ رہا تھا کہ دونوں بار کسی عورت کا چکر تھا اور دونوں جوان بیوائیں تھیں۔ ایک کو تو سنا ہے فلیٹ بھی دے ڈالا۔"

امبر کو شدید دھچکا لگا۔ "کون سا فلیٹ، امی؟"

وہی جو کمال صاحب کی اپارٹمنٹ بلڈنگ ہے۔ آخر کو تینوں بیٹوں کا حق ہے اس پر، افتخار "بھائی نے تو بڑے بیٹے کو ہی کل اختیار دے رکھا ہے۔"

امبر کو یہ انکشاف بری طرح چبھا، ارمغان نے اسے یہ بتانا تک ضروری نہیں سمجھا تھا۔

ماں کی اگلی بات نے اسے نئے سرے سے زخمی کیا۔

"باقی تم تک ہے، اسے جس انداز میں لینا چاہو لو۔" پھر انہوں نے میز سے چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا اور گھونٹ بھرنے کے بعد تسلی دینے والے انداز میں بولیں۔" مرد گھر سے باہر بہت کچھ کرتے ہیں، دیکھا سنا بہت کچھ نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔" انہوں نے ایک نظر اذان پر ڈالی۔ "اب تو تمہارا بچہ بھی ہے، اس کا سوچو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

رات کو اذان کو سلانے کے بعد امبر کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ کمرے کی ہلکی روشنی اور بچے کی سانسوں کا نرم اتار چڑھاؤ اسے عجیب بے چینی میں مبتلا کر رہا تھا۔ آخر وہ اٹھی اور راہداری پار کر کے فراز کے کمرے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

اس نے ہلکی سی دستک دی۔

"آ جاؤ۔" اندر سے فراز کی آواز آئی۔

امبر نے دروازہ کھول کر اندر گئی تو فراز بستر کی پشت سے ٹیک لگائے کچھ پڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر فراز نے کتاب ایک طرف رکھ دی۔ "خیریت ہے؟"

امبر چند لمحے دروازے کے پاس کھڑی رہی، پھر قدرے محتاط انداز میں بولی۔ "بھائی، مجھے آپ سے ایک کام تھا۔"

فراز سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "کیسا کام؟"

امبر آہستہ سے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ "آپ مجھے اس حوالے سے معلومات اکٹھی کر کے دے سکتے ہیں کہ ارمغان ان عورتوں کے لیے اصل میں کیا کرتا ہے؟"

فراز کے چہرے پر ایک ہلکا سا سایہ لہرایا۔ "ارمغان کے بارے میں؟"

امبر نے دھیرے سے سر ہلایا۔ "اپنے اسی جاننے والے سے یا کسی بھی ایسے شخص سے جو انہیں قریب سے جانتا ہو، پتہ کروائیں کہ وہ ان عورتوں کی کس طرح مدد کرتے ہیں۔"

فراز چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ "تمہیں کیسی معلومات چاہیے؟"

امبر کی نظریں اپنے ہاتھوں میں الجھ گئیں۔ "بس اتنی کہ مجھے اندازہ ہو سکے حقیقت کیا ہے۔"

فراز نے گہرا سانس لیا۔ "امبر، بعض باتیں جان لینے کے بعد رشتہ پہلے جیسا نہیں رہتا۔"

"کچھ نہ جاننا، بے خبر رہنا، اس سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔"

فراز چند لمحے خاموش رہا پھر سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے، میں دیکھتا ہوں۔"

امبر نے شکریہ کہااور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی، جبکہ فراز دیر تک بند دروازے کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

اگلے دن شام ڈھلے وہ اذان کے ساتھ واپس آگئی تھی مگر گھر آکر بھی اس کا ذہن پر سکون نہ ہو سکا۔

ارمغان جب رات کو گھر لوٹا تو اس کے ہاتھ میں سرخ اور سفید گلابوں کا ایک بڑا سا گلدستہ تھا۔

امبر بیڈ روم کی کھڑکی کے پاس کھڑی باہر پھیلی روشنیوں کو دیکھ رہی تھی۔

وہ خاموشی سے پیچھے آیا اور اس کے گرد بازو پھیلا دیے۔اسی طرح گلاب اس کے سامنے آ گئے۔"میں نے تمہیں بہت مس کیا۔"اس نے سرگوشی کی۔

امبر ایک لمحے کو اپنی جگہ منجمد رہ گئی۔

اسے پہلی بار وہ پھول خوشبو سے زیادہ کسی خاموش معافی جیسے لگے۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے گلدستہ تھاما اور آہستگی سے اس کے بازو اپنے گرد سے ہٹائے ، پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔ "مجھے مس کیا تھا یا اپنے بیٹے کو؟"

ارمغان کے چہرے پر واضح حیرت ابھری۔ "میرا نہیں امبر، وہ ہمارا بیٹا ہے۔"

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ "پہلے تم نے کبھی خود کو مجھ سے الگ کر کے نہیں دیکھا۔"

امبر جواب دینے ہی والی تھی کہ اذان دوڑتا ہوا کمرے میں آیا اور سیدھا ارمغان کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

ارمغان نے فوراً جھک کر اسے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ "میرے شیر نے آج ماما کو تنگ تو نہیں کیا؟"

اذان ہنسنے لگا اور اس کے گلے میں بازو ڈال دیے۔

امبر خاموش کھڑی دیکھتی رہی، ارمغان ہمیشہ کی طرح اسی مانوس شفقت سے بچے کے بال سنوار رہا تھا، اس کے گال چوم رہا تھا، اور یوں پیش آ رہا تھا جیسے ان کے درمیان کچھ بھی نہیں بدلا۔

اور شاید یہی بات امبر کے دل میں سب سے زیادہ بے چینی اتار رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ارمغان آئینے کے سامنے کھڑا اپنی ٹائی درست کر رہا تھا جب امبر نے خاموشی توڑتے ہوئے پوچھا۔

"ارمغان، کیا آپ کی اپارٹمنٹ بلڈنگ میں کوئی فلیٹ خالی ہے؟ میری ایک دوست کو" ضرورت تھی۔

ارمغان نے آئینے میں ہی اسے دیکھتے ہوئے مختصر جواب دیا۔ "نہیں، کوئی فلیٹ خالی نہیں ہے۔"

"ایک فلیٹ خالی تو تھا۔" امبر نے اسے جتانے والے انداز میں کہا۔

ارمغان نے جھٹکے سے مڑ کر اسے دیکھا۔امبر نے ابرو اچکائے۔"کیوں؟ کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟"

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم کسی خاص مقصد سے یہ موضوع چھیڑ رہی ہو؟"ارمغان کے لہجے میں ایک گہری سنجیدگی تھی۔

امبر بستر سے اتر آئی اور اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔"ارمغان، آپ آج کل کیوں تھانے کچہری کے اتنے چکر لگانے لگے ہیں؟"

وہ امبر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔"تم جانتی ہو کہ میں ایسی عورتوں کو تحفظ، روزی کا باوقار ذریعہ اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا حوصلہ دینا چاہتا ہوں۔وہ عورتیں، جن کا واقعی کوئی نہیں ہوتا۔"

"ان کا واقعی کوئی نہیں ہوتا، یا آپ انہیں اپنوں سے دور کر کے اپنی پناہ میں لینے کی کوشش کرتے ہیں؟"امبر کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

ارمغان دو قدم پیچھے ہٹا اور آنکھیں سکیڑتے ہوئے اسے دیکھا۔"یہ زہر تمہاری سوچ میں کس نے گھولا ہے؟ فراز نے؟"

آدھی رات کو آپ فون پر باتیں کرتے ہیں اور مجھ پر یوں ظاہر کرتے ہیں جیسے بستر سے "
"اٹھے ہی نہیں۔" امبر نے تلخی سے کہا۔ "یہ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

"میں اس وقت بحث میں پڑ کر اپنا دن خراب نہیں کرنا چاہتا۔" ارمغان نے گفتگو ختم کرنی چاہی اور باہر جانے کو مڑا۔

امبر نے جارحانہ انداز میں اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف موڑنے کی کوشش کی۔ "آپ مجھے الجھن میں ڈال کر یوں جا نہیں سکتے۔"

ارمغان کے ہونٹ بھنچ گئے۔ "امبر! کبھی میرے وکیل کی کال آتی ہے اور۔۔۔"

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "اور کبھی کسی خوبصورت بیوہ کی!"

ارمغان نے شدید افسوس سے اپنی بیوی کو دیکھا۔ "تم خود ایک عورت ہو کر عورت ذات کی عزت نہیں کر رہی۔"

میں آپ کی بیوی ہوں۔" امبر کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ "آپ کی مشکوک حرکات پر "
"باز پرس کرنے کا مجھے پورا حق ہے۔

ارمغان نے بمشکل اپنی آواز بلند ہونے سے روکی۔ "مشکوک حرکات؟"

☆☆☆☆☆☆☆

امبر جب فراز کے دفتر پہنچی تو دوپہر ڈھلنے کو تھی۔

ریسپشن سے گزار کر اسے سیدھا فراز کے کمرے تک لے جایا گیا۔

فراز میز کے پیچھے بیٹھا کچھ فائلیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے امبر کو اندر آتے دیکھا تو کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "مجھے اندازہ تھا تم جلد آ جاؤ گی۔"

امبر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ "آپ نے کہا تھا معلومات اکٹھی کر دیں گے۔"

فراز نے چند لمحے اسے دیکھا۔ "کام تو میں نے کر دیا ہے۔"

امبر کے ہاتھ اپنی گود میں ایک دوسرے میں الجھ گئے۔ "مجھے صرف سچ جاننا ہے، بھائی۔"

فراز نے میز پر رکھی ایک پتلی سی فائل اس کی طرف سرکا دی۔ "یہ وہ چیزیں ہیں جو ریکارڈ میں موجود ہیں۔"

امبر نے فائل کھولی تو اندر بینک اندراجات، وکیل کی فیس کی رسیدیں اور کچھ قانونی دستاویزات کی نقول تھیں۔ اس نے الجھی نظروں سے فراز کو دیکھا۔ "یہ سب کیا ہے؟"

فراز نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ "ارمغان زیادہ تر ان عورتوں کے لیے قانونی تحفظ کا بندوبست کرتا ہے۔"

امبر خاموشی سے سنتی رہی۔ "کسی کی وراثت دبائی گئی ہو، مرحوم شوہر کی جائیداد پر قبضہ ہو، کسی سے بچے چھیننے کی کوشش ہو یا گھریلو تشدد کا معاملہ ہو۔۔۔ وہ خود سامنے نہیں آتا۔"

امبر کی نظریں کاغذ پر جم گئیں۔ "پھر؟"

"اپنے مخصوص وکیل کے ذریعے کام کرواتا ہے۔"

"شناختی کاغذات بنوانا، مقدمے کی پیروی، ایف آئی آر کا دباؤ۔۔۔ سب اسی چینل سے جاتا ہے۔"

امبر نے بے یقینی سے سر اٹھایا۔ "وہ مجھے کبھی یہ سب نہیں بتاتے۔"

فراز کے ہونٹوں پر ہلکی سی معنی خیز لکیر ابھری۔ "کچھ لوگ اپنی نیکی بتانا پسند نہیں کرتے ۔" وہ رکا۔ "اور بعض عورتوں کو وہ صرف قانونی مدد نہیں دیتا۔"

امبر کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "مطلب؟"

"کچھ عورتیں فوری خطرے میں ہوتی ہیں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ایسے میں ایک گیسٹ ہاؤس اور دو تین محفوظ جگہیں ہیں جہاں انہیں چند دن یا چند ہفتوں کے لیے رکھا جاتا ہے۔"

امبر نے چونک کر اسے دیکھا۔ "وہ ان کی رہائش کا بندوبست بھی کرتا ہے؟"

فراز نے سر ہلایا۔ "مگر عارضی طور پر۔"

امبر نے آہستہ سے پوچھا۔ "پھر بعد میں؟

"بعد میں روزگار۔" اگلے الفاظ اس نے ٹھہر کر ادا کیے۔

"گھر بیٹھے کام، سلائی، آن لائن حساب کتاب، کال سپورٹ، دستکاری، چھوٹا کاروبار۔" اس نے امبر کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ "وہ پیسے دے کر عورتوں کو محتاج نہیں بناتا، کھڑا ہونے کا راستہ دیتا ہے۔"

"یہ سب آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

فراز نے دونوں بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں بھول گیا میں کہاں بیٹھا ہوں؟" اس کی آواز میں مدھم سا فخر تھا۔ "میرسٹریٹیجک کا کام ہی وہ معلومات نکالنا ہے جہاں عام لوگوں کی رسائی نہیں ہوتی۔"

وہ ذرا سا آگے جھکا۔ "ہماری پہنچ لوگوں کے موبائلوں تک بھی چلی جاتی ہے۔"

"تو اس کا مطلب ہے ارمغان واقعی عورتوں کی مدد کرتے ہیں۔"

فراز پہلی بار فوراً جواب نہ دے سکا۔ امبر نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ "کیا بات ہے؟"

فراز نے نگاہیں چرا کر فائل بند کر دی۔ "ریکارڈ میں جتنا تھا وہ تمہارے سامنے ہے۔"

امبر کی آواز اور دھیمی ہو گئی۔ "اور جو ریکارڈ میں نہیں؟"

فراز نے چند لمحے خاموش رہ کر اسے دیکھا۔ "بعض ملاقاتیں کاغذ پر نہیں آتیں، امبر۔"

"کیسی ملاقاتیں؟"

فراز نے سیدھا جواب نہ دیا۔ "بس اتنا سمجھ لو۔" وہ رکا۔ "ہر مدد رقم سے نہیں دی جاتی، اور ہر تعلق کاغذ پر ثابت نہیں ہوتا۔"

امبر ساکت بیٹھی اسے دیکھتی رہ گئی۔ اور فراز نے پہلی بار نظریں جھکا لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام کا وقت تھا۔

ارمغان شاور لینے گیا ہوا تھا، امبر اذان کو ساتھ لے کر مارکیٹ جانے کے لیے باہر کل آئی

۔

وہ جانتی تھی کہ ارمغان کو کچھ دیر بعد ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے، اسی لیے اسے ساتھ چلنے کو نہیں کہا۔

پہلے سوچا زوہیب یا سیف میں سے کسی کو ساتھ آنے کا کہے، مگر پھر خود ہی ارادہ بدل دیا۔

اسے اچھی طرح معلوم تھا اسے خریداری میں وقت لگے گا، اور کوئی بھی ساتھ ہوتا تو کچھ ہی دیر میں اکتا جاتا۔

فہمیدہ بھی زیادہ باہر نکلنے سے گریز کرتی تھیں۔

گارڈ نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔

امبر نے پہلے اذان کو پچھلی نشست پر بٹھایا، پھر خود اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

ڈرائیور اگلی نشست پر بیٹھ کر چابی گھمانے ہی والا تھا کہ امبر کی نظر برابر والی نشست پر پڑی۔

وہاں ایک چھوٹے سائز کی گڑیا پڑی تھی۔

اس کا ایک بازو ٹوٹا ہوا تھا اور سنہرے بال الجھ کر آدھے چہرے پر پھیلے ہوئے تھے۔

امبر چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

پھر اس نے گڑیا اٹھالی۔

"یہ کس کی ہے؟"

ڈرائیور نے عقبی آئینے سے ایک نظر پیچھے ڈالی اور بنا سوچے جواب دیا۔ "سر کل کسی عورت اور اس کی بچی کو نئی جگہ چھوڑنے گئے تھے۔"

امبر کی انگلیاں گڑیا کے ٹوٹے ہوئے بازو پر جم گئیں۔ "کون سی عورت؟"

ڈرائیور اپنے کہے کی نوعیت سمجھے بغیر بولا۔ "بچی رونا بند نہیں کر رہی تھی تو سر نے اسے گود میں اٹھا لیا۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا جیسے وہ منظر یاد آ گیا ہو۔ "کہنے لگے یہ گڑیا اب بیکار ہے، میں خود نئی لے کر دوں گا۔ شاید اسی لیے گاڑی میں ہی رہ گئی۔"

ایک لمحے کو گاڑی کے اندر عجیب سی خاموشی بھر گئی۔

اذان اپنی کار سیٹ میں بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

سامنے گارڈ حسبِ معمول سیدھا بیٹھا تھا۔

ڈرائیور نے شاید اب تک محسوس بھی نہیں کیا تھا کہ پچھلی نشست پر بیٹھی عورت کے اندر کیا ٹوٹا ہے۔

امبر نے نظریں جھکا کر اپنی گود میں پڑی گڑیا کو دیکھا۔

ٹوٹا ہوا بازو،

الجھے ہوئے بال،

اور کسی دوسری بچی کے لیے ارمغان کی وہ نرمی جس کے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔

اس نے بہت آہستہ سے گڑیا واپس نشست پر رکھ دی۔

امبر نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آج نہیں جا رہی۔"

امبر نے اذان کو بازوؤں میں لیا اور بغیر ایک لفظ کہے واپس عمارت کی طرف چل دی۔

اس کے پیچھے گاڑی میں وہ ٹوٹی ہوئی گڑیا اب بھی خاموش پڑی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ارمغان ابھی ایک میٹنگ سے فارغ ہو کر اپنے آفس کی جانب بڑھ رہا تھا جب ہاتھ میں تھاما موبائل بول اٹھا۔

دیکھا تو فراز کی کال تھی۔

اسے حیرت ہوئی، یقیناً کوئی اہم بات ہو گی، اس نے سوچا۔ ان کے تعلقات ایسے نہیں تھے کہ ایک دوسرے کو فون کرتے۔

"ہیلو؟"

"کیسے ہو ارمغان؟" فراز اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔ "میں نے سوچا خیریت ہی دریافت کر لوں۔"

"میں تو ٹھیک ہوں لیکن۔۔" وہ دروازہ کھول کر آفس میں داخل ہو۔ "آج تمہارے دل میں یوں اچانک کیسے میری فکر جاگ اٹھی؟"

فراز کھل کر ہنسا۔ "ارمغان، کم آن! سب پرانی باتوں کو ایک طرف رکھ کر بات کیا کرو۔"

ارمغان نے مرکزی کرسی پر بیٹھ کر ٹانگیں پھیلائیں۔ "لیکن ایسا میں کیوں کروں، بھلا؟"

"کیوں نہیں؟"

ارمغان نے ابرو اچکائے۔ "آخر کسی کو کب تک شک کا فائدہ دیا جائے؟"

"میں نے کبھی تمہارا برا نہیں چاہا اور اس کا ثبوت آج کی یہ کال بھی ہے۔"

ارمغان خاموش رہا، وہ جلد از جلد بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا تاکہ کال اختتام کو پہنچے۔ ناپسندیدہ شخص کی کال بھی کسی مصیبت سے کم نہیں ہوتی، اس نے خود سے اعتراف کیا۔

"امبر آئی تھی میرے پاس۔" فراز نے اطلاع دی۔ "تمہارے حوالے سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔"

ارمغان تیزی سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ "لیکن کیوں؟"

"گھبراؤ نہیں۔" ارمغان کو لگا وہ اس کی کیفیت دور بیٹھے بھی محسوس کر سکتا ہے اور حظ اٹھا رہا ہے۔ "میں نے اسے یہی بتایا کہ تم بے سہارا خواتین کو تحفظ اور روزگار کے مواقع مہیا کرتے ہو، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

ارمغان کو اپنا فشارِ خون بڑھتا محسوس ہوا۔ "کہنا کیا چاہتے ہو؟ اس سے زیادہ کچھ ہے بھی نہیں۔" اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے جیسے خود کو متحمل کرنے کی کوشش

کی۔ "میں کوشش کرتا ہوں کہ ان سے خود ملوں بھی نہ، سب کچھ میرے وکیل کے ذریعے طے پاتا ہے۔ بس کبھی کبھار۔۔۔"

فراز نے بیچ سے اس کا جملہ اچک لیا۔ "ہاں، کبھی کبھار کا ملنا کچھ ایسا غلط بھی نہیں!"

"فراز!" وہ دبے دبے غصے میں چلایا۔ "جو تم جتانا چاہ رہے ہو ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"یہی تو میں نے امبر سے کہا۔" فراز کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جو ارمغان کو بری طرح چبھا۔ "تم کچھ غلط نہیں کر رہے۔"

"فراز، یہ سب مجھے تمہارا کیا دھرا لگتا ہے۔"

"تم مجھی پر شک کر رہے ہو؟" فراز نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے ارمغان کی اس بات سے شاک لگا ہو۔ "میں نے تمہاری وکالت کی۔ میں تمہارا موقف سمجھ سکتا ہوں، کیا ضروری ہے کہ بیوی کو ہر بات کی تفصیل بتائی جائے؟"

ارمغان نے تیزی سے کال کاٹی اور ہار ماننے کے سے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ارمغان نے دروازہ بند کیا۔

امبر کھڑکی کے پاس کھڑی تھی مگر اس نے پلٹ کر اسے نہیں دیکھا۔

ارمغان چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر دبی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم نے میرے بارے میں فراز سے معلومات کیوں لیں؟"

امبر کے کندھے معمولی سے تنے مگر وہ پلٹی نہیں۔ "کیونکہ آپ نے کبھی مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔"

ارمغان کی نظریں اس کی پشت پر جم گئیں۔ "تم مجھ سے پوچھ سکتی تھیں۔"

امبر آہستہ سے مڑی۔ "اور کیا آپ سچ بتا دیتے؟"

یہ سوال جیسے سیدھا اس کے اندر اترا۔

"بات یہ نہیں ہے۔"

امبر کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ آئی۔ "پھر کون سی بات ہے؟"

ارمغان نے پہلی بار سخت لہجے میں کہا۔ "بات یہ ہے کہ تم نے ہمارے درمیان اپنے بھائی کو لا کھڑا کیا۔"

امبر نے فوراً جواب دیا۔ "وہ میرا بھائی ہے۔"

ارمغان نے گردن جھکائی، جیسے خود کو قابو میں لا رہا ہو، پھر سر اٹھایا۔ "اور وہی آدمی ہے جو شروع سے ہمارے درمیان آگ بھڑکا رہا ہے۔"

امبر کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری۔ "آپ ہر بات کا الزام فراز پر نہیں ڈال سکتے۔"

ارمغان ایک قدم آگے بڑھا۔ "میں الزام نہیں دے رہا، حقیقت بتا رہا ہوں۔" اس کی آواز اب اور نیچی ہو گئی۔ "تمہیں فراز سے تعلق ختم کرنا ہو گا۔ ورنہ وہ ہمیشہ ہمارے بیچ زہر گھولتا رہے گا۔"

امبر جیسے اس کی بات سمجھ ہی نہ سکی۔ "کیا؟"

ارمغان نے صاف لفظوں میں دہرایا۔ "آئندہ تم فراز سے نہیں ملو گی۔"

"آج بھائی، کل آپ کہیں گے ماں باپ کو بھی چھوڑ دو۔"

"میں تمہیں کسی سے الگ نہیں کر رہا۔" وہ اس کے قریب آ کر بولا۔ "میں خود تمہارے ساتھ جاؤں گا اور تم میرے ساتھ ہی گھر لوٹو گی۔" اس نے تھوڑا رک کر کہا۔ "اور اگر وہ زیادہ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہیں تو یہاں آ کر رہ سکتے ہیں۔"

"میرے بھائی نے مجھے حقیقت بتائی ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔"

یہ سنتے ہی ارمغان کی آنکھوں میں ایک سخت تاثر ابھرا۔

چند لمحے وہ صرف اسے دیکھتا رہا۔

پھر اس نے قدرے سرد لہجے میں کہا۔ "پھر ایک کو چن لو۔"

امبر کو اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں۔

"کیا؟"

ارمغان کی آواز میں اب کوئی لرزش نہیں تھی۔ "میں۔۔۔ یا تمہارا بھائی۔"

کمرے میں ایک ایسی خاموشی اتر آئی جس میں دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے مگر دونوں کے درمیان کچھ ٹوٹ چکا تھا۔

ارمغان نے مزید کچھ نہیں کہا۔

وہ مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز کے بعد بھی امبر کچھ لمحے وہیں کھڑی رہی۔

پھر جیسے کسی اندرونی فیصلے کے تحت وہ وارڈروب کی طرف بڑھی۔

سوٹ کیس کالا۔

زپ کھولی۔

اور ایک ایک کر کے اپنے کپڑے اس میں رکھنے لگی۔

ہر تہہ کے ساتھ جیسے کئی برس کا یقین بھی تہہ ہوتا جا رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد جب ارمغان واپس آیا تو گھر غیر معمولی طور پر خاموش تھا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پیچھے سے فہمیدہ کی آواز آئی۔

"امبر کا کتنے دن میکے میں رہنے کا ارادہ ہے؟ اذان کے بغیر گھر سُونا لگتا ہے۔"

ارمغان یکدم رک گیا۔

چند لمحے وہ مڑا ہی نہیں، جیسے الفاظ اس کی سماعت میں ٹھیک سے اترے نہ ہوں۔

پھر اس نے پلٹ کر ماں کو دیکھا اور تیز قدموں سے ان کے قریب آیا۔

"وہ کیا کہہ کر گئی ہے؟"

فہمیدہ نے الجھن زدہ انداز میں اسے دیکھا۔ "میں نے پوچھا کتنے دنوں کے لیے جا رہی ہو، تو بولی، اس کا جواب آپ کو ارمغان دے گا۔"

اس پر ارمغان ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند دن یونہی انتظار میں گزر گئے۔

امبر کو یقین سا تھا کہ ارمغان اسے لینے آئے گا، منائے گا۔

اور چند دن بعد اسے ارمغان کی جانب سے جواب موصول بھی ہوا تو ایک کاغذ کی صورت۔

یہ وہ کاغذ تھا جو ارمغان کے کیے گئے قانونی فیصلے کا اعلان کر رہا تھا۔

"اس کی اتنی جرات!" شاہ میر کچھ دیر پہلے فراز کے ساتھ ہی گھر لوٹے تھے۔

لاؤنج میں بیٹھی اداس ماں بیٹی سے معلوم ہونے والی وجہ نے انہیں بے پناہ طیش دلایا۔

"ڈیڈ مجھے لگتا ہے جو ہوا، بہتر ہوا۔" فراز نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے جیسے انہیں تسلی دی۔ انہوں نے جھٹکے سے وہ ہاتھ ہٹایا۔

"اتنی سی بات پر طلاق؟" انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے بیوی کو دیکھا۔ "یہ ناراض ہی تو ہو کر آئی تھی، رشتہ ختم کرنے کا کوئی مطالبہ تو نہیں کیا تھا۔"

"آپ لوگ اس وقت صرف ایک انسان کا خیال رکھنے کی کوشش کریں۔" وہ امبر کے پاس بیٹھ گیا۔ نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ جو کافی دیر سے یونہی اپنی جگہ برف کی سل بنی بیٹھی تھی، ضبط کھو بیٹھی۔ آنسو تواتر سے بہنے لگے۔ "وہ اب تمہیں اذان کے ذریعے کمزور کرنے کی کوشش کرے گا۔" اس پر امبر نے تعجب سے بھائی کو دیکھا، اس نے بہن کی آنکھوں میں سوال پڑھ لیا۔ "تم جتنا تڑپو گی وہ اتنا ہی اسے تم سے دور کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"لیکن میں اذان کو اسے نہیں سونپ سکتی۔" اس نے باری باری سب کو دیکھا۔ "میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"تم اس کی بات مان لیتی، امبر۔" دردانہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "کتنے دن وہ اپنی ضد پر قائم رہتا؟"

"امی، وہ مجھے یوں رشتے ختم کرنے کو نہیں کہہ سکتا۔ خون کے رشتے کسی فرمائش پر نہیں توڑے جا سکتے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہے یہ۔" شاہ میر جو سر جھکائے بیٹھے تھے، اچانک بولے۔ "ارمغان نے فیصلہ کرنے میں بہت جلدی کی۔ مجھے اندازہ ہوتا کہ بات اتنی بڑھ جائے گی تو خاندان کے بڑوں کو بٹھاتا۔"

"میرا اس کے گھر والوں سے بھی کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔" امبر اپنی ہتھیلی کو انگوٹھے سے مسلتے ہوئے بولی۔ "وہ سب بہت اچھے ہیں، میں نے بھی ان کا ہمیشہ خیال رکھا۔" اس نے افسردہ نظروں سے فراز کو دیکھا۔ "بات کیسے اتنی بگڑ گئی؟" یہ سوال فراز سے نہیں، خود سے تھا۔

"وہ اذان کو لینے آئے گا۔" فراز کے چہرے پر سوچ کے گہرے سائے تھے۔ "تم سامنے مت آنا، میں جانتا ہوں اس صورتحال کو کیسے نبٹانا ہے۔"

"وہ میرا بیٹا ہے۔" پھر کچھ یاد آنے پر دل دُکھا۔ "میرا اور ارمغان کا۔ ہم دونوں ہی بیٹھ کو کوئی درست فیصلہ کریں گے۔"

"فراز صحیح کہہ رہا ہے، امبر۔" دردانہ بھی بیٹے کی حمایت میں بولیں۔ "تم جذبات میں آکر کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 27

وہ لڑکی

فراز کے آفس کا دروازہ کھلا تو آنے والی سے نظریں ہٹانا اسے پل بھر کو سہی، مشکل لگا۔

کچھ دیر قبل اس کے پرسنل اسسٹنٹ نے اسے اس لڑکی کی آمد کے متعلق بتایا تھا۔ نام سنتے ہی اسے اپنے دوست کی کال یاد آگئی تھی۔

اسے اس کا کام کرنا تھا۔

سر پر ٹکے دھوپ کے چشمے کو اتارتی وہ میز کے پار رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"مجھے اس شخص کے متعلق سب کچھ جاننا ہے۔" اس نے ایک تصویر فراز کی جانب کھسکائی۔ فراز کی جیسے ہی نظر اس چہرے پر پڑی، اسے اپنی ہڈیوں میں ٹھنڈک اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ سامنے والی نے بھی کچھ محسوس کیا تھا، اس لیے فوراً بولی۔

"آپ جانتے ہیں اسے ؟"

"اہم یہ ہے کہ آپ اس کے بارے میں جاننا چاہتی ہیں۔" وہ ہونٹوں پر پیشہ ورانہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا۔

اس لڑکی نے چند پل اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر بولی۔ "اس کے پاکستان میں کچھ قریبی رشتہ دار ہیں، خالہ خالو وغیرہ۔"

"بس ؟ انہی کے بارے میں جاننا ہے ؟" اس نے مصنوعی بھولپن سے پوچھا۔

وہ مسکرادی۔ "کہانا اس کے بارے میں سب جاننا ہے۔"

"آپ کو کھل کر اور قدرے واضح الفاظ میں بتانا ہو گا۔"

خالہ خالو سے تعلقات کیسے ہیں، کسی کزن یا رشتہ دار سے افیئر۔۔" اس پر فراز نے چہرہ بے تاثر رکھنے کی کوشش کی۔ "کہیں کوئی منگنی تو نہیں کر رکھی۔"

"خاصا خوش قسمت ہے جو آپ جیسی۔۔" اتنے پر ہی اس لڑکی نے ایسا گھورا کہ فراز کی زبان لڑکھڑا گئی۔ "میرا مطلب ہے، آپ بتانا پسند فرمائیں گی کہ آپ کی اس میں دلچسپی کس نوعیت کی ہے؟"

"نہیں۔"

عجیب دوٹوک انداز تھا۔

فراز نے پینترا بدلا۔ "دراصل۔۔۔ یہ معلوم ہو جائے کہ معلومات کس مقصد کے لیے درکار ہیں تو قدرے آسانی رہتی ہے۔"

"فیس مقرر کرنے میں؟"

وہ جانتی تھی فراز کیا کہنا چاہ رہا ہے لیکن یوں اسے لالچی ثابت کر کے وہ اسے دفاعی حالت میں لے جانا چاہتی تھی۔

سمارٹ موو (ذہین چال)۔

وہ متاثر ہوا۔

"اس طرح آپ کو بالکل اسی نوعیت کی معلومات مہیا کی جائیں گی، جو آپ کے لیے مفید ثابت ہوں۔"

"مجھے اس کے موبائل کا ڈیٹا نہیں چاہیے۔" اس نے ناک سکوڑی۔ "میں اس سے جڑے رشتوں میں دلچسپی رکھتی ہوں۔"

"یہی کہ کسی دوسری لڑکی کا چکر تو نہیں؟"

"آپ کو میں پہلی لگتی ہوں؟" انداز قدرے تیکھا تھا، فراز پہلو بدل کر رہ گیا۔ "مجھے اس کے سابقہ معاشقوں کی لسٹ نہیں چاہیے، مجھے آپ کے گہرے مشاہدے سے غرض ہے۔"

اس کی ہر بات حیران کر دینے والی تھی۔

"اب آپ آئیں نا اصل مدعے پر۔" وہ پرجوش انداز میں تھوڑا آگے کو جھکا۔ "کہاں دیکھنا ہے آپ بتائیں، میں عقابی نظریں وہیں گاڑ دوں گا۔"

"ایسا کیا ہوا تھا کہ اب وہ پاکستان نہیں آنا چاہتا۔"

اس پر فراز قدرے فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔ "اور کچھ؟"

"اس کے قریب ترین دو تین رشتے دار۔" وہ رکی۔ "کہاں رہتے ہیں، گھر کے کتنے افراد ہیں، اس کے ساتھ ان کے تعلقات کیسے چل رہے ہیں، یہ سب۔"

"ہو جائے گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

"کیا پتہ چلا؟" علی بولا تو اس نے جواباً منہ کا رخ اوپر کو کرتے سیگرٹ کا دھواں باہر نکالا۔

"کزن ہے، امبر میر۔"

"اور؟"

"یہی ہے اس کا فُل سٹاپ۔" وہ تیزی سے کار کے اوپر سے سلائیڈ کرتی نیچے اتری۔ وہ اب سامنے غروب ہوتے سورج پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ علی جو پہلے اس کے پہلو میں کھڑا تھا، اب چار قدم آگے بڑھتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"یعنی امبر وہ لڑکی ہے جس کی خاطر اس نے تمہیں۔۔۔"اب وہ ہنس رہا تھا۔اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے علی کو دھکا دیا۔وہ ذرا سا لڑکھڑایا۔"بری طرح مسترد کر دیا؟"

"خوش ہو رہے ہو؟"

وہ اب قدرے سنجیدہ، کمر پر دونوں ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے بہت دل توڑے ہیں، ایک دن یہ تو ہونا ہی تھا۔"

"مجھے مسترد کیا جا سکتا ہے، میرا دل نہیں توڑا جا سکتا۔"

"میرا ابھی وہ مطلب نہیں تھا۔"علی اس کا چچازاد کزن تھا اور اس سے تھوڑا ہی مختلف۔"تم کچھ بھی بنا سوچے سمجھے نہیں کرتی، اس لیے میں یہ نہیں سمجھ پا رہا کہ تم نے یہ کیوں جتایا کہ تم اس پر دل ہار بیٹھی ہو؟"

"میں اسے سمجھ نہیں پا رہی۔"اس نے سیگرٹ سے دوسرا کش لیا۔"اداسی، محفلیں، لڑکیاں۔"اس نے علی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔"ہر راستہ آزماتا ہے، لیکن پھر وہیں آ کھڑا ہوتا ہے جہاں سے چلا تھا۔"

"شاید اسی لیے انسان جذباتی مخلوق کہلاتے ہیں۔۔۔ہر چیز منطق سے نہیں چلتی۔"

میں جذبات کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں، بس انہیں محسوس نہیں کرتی جیسے باقی لوگ"

"کرتے ہیں۔

یہ جملہ عام انداز میں کہا گیا تھا، مگر اس کے اندر کچھ غیر معمولی طور پر خالی تھا۔

اس نے یہ بات ایسے کہی تھی جیسے کوئی موسم کا حال بتا رہا ہو، نہ کہ اپنی ذات کا۔

"تم نفسیات میں ہی کیریئر بنا لیتی۔"

"اب تم ڈیڈ کی زبان بول رہے ہو۔"

"تمہیں نہیں لگتا اس پراجیکٹ پر کچھ زیادہ ہی وقت ضائع ہو رہا ہے۔" علی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ "اور پیسہ بھی۔"

"بس یہ پراجیکٹ مکمل ہو جائے، پھر میں اپنی ساری ادھوری پینٹنگز پر کام کروں گی۔"

"یعنی نمائش متوقع ہے؟"

"پہلے مجھے وہ فائز جیسا لگا، پھر میری تھیوری بدل گئی۔"

"ہر کوئی فائز نہیں ہوتا۔"

"مجھے لگتا ہے ایک دن وہ خودکشی کر لے گا۔"

"اور تم یہ ہوتے دیکھنا چاہتی ہو۔" علی مسکرایا۔ "وہ بھی قریب سے۔"

اس نے آہ بھری۔ "ایسی قسمت کہاں!"

"تو تم اسے اپنی محبت کا یقین دلا کر زندگی کی طرف واپس لانا چاہتی تھی؟"

"محبت کرنے والے بہت عجیب ہوتے ہیں، ان کے ساتھ کھیلنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔"

اس نے سیگرٹ کو پیروں تلے مسل دیا حالانکہ آدھا باقی تھا۔ "تمہیں نہیں لگتا یہ عام لوگوں سے زیادہ حساس ہوتے ہیں؟"

"آگے کا کیا پلان ہے؟"

"تین فیملیاں ہیں۔" وہ اب انگلیوں پر گنوا رہی تھی۔ "کمال، ایاز، اور میر۔"

"ان میں سے دو کو تو میں بھی جانتا ہوں۔"

"تمہارا جاننا کافی نہیں۔" اس نے سامنے پڑے پتھر کو ٹھوکر ماری۔

"اوہ پلیز۔" علی نے گہری نظروں سے اس کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ "اب یہ مت کہنا کہ تمہیں وہی کرنا ہے جو تم اکثر کرتی ہو۔"

"نہیں، اس بار معاملہ مختلف ہے۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔ "مجھے اپنے سوالوں کے جواب چاہییں اور وہ سب مجھے یاور کے انجام سے ملیں گے۔"

"کیا ارادے ہیں تمہارے؟" وہ پر تشویش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"خطرناک!"

"کچھ تو بتاؤ؟"

"میرا انتخاب غیر معمولی ہے، تو اقدام عام کیسے ہو سکتا ہے؟"

☆☆☆☆☆☆☆

"تمہاری پارٹی ہے اور تم یوں کونے میں کھڑی ہو؟" عبید آیا تو وہ جو کافی دیر سے 'خاص' مشروب کا آدھا گلاس لیے کھڑی تھی، ایک ادا سے مسکرائی اور گلاس منہ سے لگاتی سارا ایک سانس میں پی گئی۔

"بور نہ کرو، عبید۔"

تم پہلے تو ایسی نہیں تھی۔" وہ بلا ارادہ گلہ کر گیا۔

اس نے سامنے پھیلے ہال پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ تیز موسیقی، قہقہے، شیشوں کی ٹکراتی آوازیں، اور لوگوں کے چہروں پر چپکی ہوئی مصنوعی خوشی۔ یہ سب اسے صرف شور لگ رہا تھا۔ وہ جیسے جسمانی طور پر وہاں موجود تھی مگر ذہنی طور پر کہیں اور۔

"پہلے تم ایک میسج پر آدھی رات ڈرائیو کر کے آجاتی تھی۔" عبید نے اسے غور سے دیکھا۔

اب تو ڈگری بھی ختم ہونے والی ہے، اور تم ابھی" اس نے بے زاری سے ابرو اٹھائے۔

"تک یونیورسٹی کے قصے سناتے ہو۔

قصے نہیں۔" عبید ہلکا سا ہنسا۔" یاد ہے جب میں تین دن بخار میں تھا تو تم نے خود میری"

"دوائیں بدلوا دی تھیں کیونکہ تمہیں لگا تھا ڈاکٹر غلط ہے؟

"تمہیں ایک سوا ایک تھا، مر نہیں رہے تھے۔" اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"تم کسی کو اتنی توجہ صرف تب دیتی ہو جب تک وہ تمہارے لیے اہم ہو۔"

"غلط۔" اس نے آہستہ سے اپنا خالی گلاس انگلیوں میں گھمایا۔

"پھر؟"

لوگ اہم نہیں ہوتے۔۔۔ صرف دلچسپ ہوتے" اس بار اس کی نگاہ پہلی دفعہ ٹھہری۔

"ہیں۔

"اب کس میں دلچسپی ہو گئی ہے؟" عبید کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

کبھی کسی کی آنکھوں میں" وہ یوں بولی، جیسے ذہن میں کسی چہرے کو دوبارہ دیکھ رہی ہو۔

"مستقل اداسی دیکھی ہے؟

عبید نے چونک کر اسے دیکھا مگر وہ اب بھی سامنے ہی دیکھ رہی تھی۔

ایسی اداسی۔۔۔" وہ آہستہ سے بولی۔" جس کی سطح بالکل ساکت ہو لیکن نیچے کچھ مسلسل"

"مرتا رہے۔

عبید کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی، اسے اس اجنبی شخص سے ہمدردی سی

"کہیں کسی نئے آدمی پر دل تو نہیں آ گیا؟" محسوس ہوئی۔

اس نے پہلی بار سیدھا اس کی طرف دیکھا۔ مسکراہٹ کہیں نہیں تھی۔

دل؟ تمہیں "عبید، مجھے ہمیشہ دل سے زیادہ اس کے ٹوٹے ہوئے حصے پسند آئے ہیں۔"

""لگتا ہے میرا بھی اس انداز میں چلتا ہے جیسے باقی سب کا؟" وہ مدھم آواز میں بولی۔

عبید نے بے یقینی سے سر ہلایا۔ "تم ہمیشہ سے خطرناک چیزوں کی طرف کیوں کھنچتی ہو؟"

""کیونکہ سلامت چیزوں میں کبھی کچھ نیا نہیں ہوتا۔"

عبید کے لہجے میں اب تشویش تھی۔ "تم جس انداز میں بات کر رہی ہو، وہ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا۔"

وہ ہلکے سے مسکرائی۔ "جو چیزیں شروع میں ٹھیک لگتی ہیں، وہ اکثر آخر میں تباہ کن نکلتی ہیں۔"

"اور جو شروع سے تباہ کن لگیں؟"

"وہ انسان کو پہلے ہی سچ بتا دیتی ہیں۔ بس انسان اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

یونیورسٹی کی کلاسز لیتے ایک ہفتہ ہو چلا تھا اور اس دوران عائزہ صرف دو بار ہی آئی تھی۔

اس دن وہ لیکچر کے لیے پہلی کلاس میں اپنی مخصوص جگہ سنبھالے بیٹھی تھی کہ اچانک کمرے میں ہوئی ہلچل نے اسے بھی دروازے کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ دونوں ساتھ اندر داخل ہوئے۔

عائزہ کے پہلو میں ایک لڑکا تھا، انہی کا ہم عمر۔

خوبرو، پرکشش، پراعتماد۔ اسے لگا الفاظ کم پڑنے لگے ہیں۔

اس پر نظر پڑتے ہی عائزہ اس کی طرف بڑھی اور وہ لڑکا اس کی تقلید میں۔

"یہ میرا کزن ہے، فائز اکرم۔" عائزہ نے اس کے برابر رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ جبکہ فائز اس کے دوسری طرف بیٹھ چکا تھا۔ "گوجرانوالہ سے یہاں آیا ہے، ہاسٹل میں رہنا چاہتا تھا لیکن۔۔"

"میرے بارے میں تو عائزہ نے بتایا ہی ہو گا۔" اس نے عائزہ کی بات کاٹتے ہوئے اپنا ہاتھ فائز کی جانب بڑھایا۔ فائز نے ایک متذبذب نگاہ عائزہ پر ڈالی۔ "اب کیا ہاتھ بھی اس سے پوچھ کر ملاؤ گے؟"

عائزہ ابھی تک حیرت سے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔

فائز نے جلدی سے مصافحہ کر کے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

وہ مسکرا دی۔

رات جب عائزہ سونے لگی تو اس کی کال آ گئی۔

"مجھے فائز کے بارے میں بتاؤ۔" بنا کوئی تمہید باندھے وہ سیدھا مدعے پر آئی۔

"اس دلچسپی کی وجہ جان سکتی ہوں؟" عائزہ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"مجھے لگتا ہے یونیورسٹی میں اس کا ساتھ فائدہ مند رہے گا۔"

"اچھا؟"

"ہینڈسم ہے، میرے برابر چلے گا تو سب ہمیں ہی دیکھیں گے۔" وہ رکی۔ "اور مجھے ایک باڈی گارڈ بھی چاہیے۔"

"اس بار واقعی تمہاری کوئی بات مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔"

"تم نے دیکھا نہیں ہماری کلاس میں کس قسم کے اوباش لڑکے ہیں؟ ان میں سے کئی کی مجھ پر نظر ہے۔" پھر وہ قدرے توقف کے بعد بولی۔ "پڑھائی میں کیسا ہے؟"

"بہت اچھا۔" پھر جیسے خود ہی عائزہ کو خیال آیا۔ "میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں اٹھانے دوں گی۔"

"اس کا کیا جائے گا ویسے بھی۔۔۔"

"دیکھو، وہ ایک اچھا لڑکا ہے اور تمہیں لوگوں کو استعمال کرنے کی عادت ہے۔ میں نہیں چاہتی وہ کل کو دکھی ہو، ایسا کچھ ہوا تو اس کی قصوروار میں ہی ہوں گی۔"

"بس اسے کہو ہمارے ساتھ رہا کرے۔"

بالکل نہیں۔ وہ یہاں دوست بنائے گا، اپنے جیسے لڑکوں میں وقت گزارے گا۔"

"اگر ہم تینوں اچھے دوست بن جائیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

عائزہ خاموش ہو گئی۔

"میں اسے چھیننا نہیں چاہتی، بس اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہوں۔"

"وہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم ایسا کیوں چاہتی ہو؟"

"کیونکہ مجھے اس میں فائدہ نظر آ رہا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی کا کیفے ٹیریا لنچ بریک کے شور سے گونج رہا تھا اور فائز اپنے نئے دوستوں کے درمیان بیٹھا بے تکلفی سے ہنس رہا تھا، اس کی نشست و برخاست سے ایک فطری اعتماد اور تیزی سے گھلنے ملنے کی عادت واضح تھی۔

دور بیٹھی عائزہ نے مسکرا کر اس طرف دیکھا۔ "دیکھو، میں نے کہا تھا نا وہ بہت ملنسار ہے، دوسرے ہی دن اپنا گروپ بنا لیا۔"

وہ کافی کامگ تھامے ساکت بیٹھی رہی اور بغیر پلکیں جھپکائے فائز کو دیکھتی رہی، اس کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہ تھا۔ "ہجوم میں جگہ بنانا آسان ہوتا ہے عائزہ، بس دیکھنا ہوتا ہے کہ آدمی خود چنتا ہے یا اسے چن لیا جاتا ہے۔"

وہ خاموشی سے اٹھی اور سیدھا اسی میز کے قریب سے گزری۔

فائز نے فوراً اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ "ارے سنو!"

وہ رکے بغیر آگے بڑھ گئی اور برابر والی میز پر بیٹھے ایک لڑکے سے نوٹس کے بارے میں بات کرنے لگی۔

فائز کے دوستوں میں سے ایک نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا۔ "لگتا ہے تمہیں جانتی ہی نہیں، یا تم ہی زیادہ جاننے لگے ہو؟"

فائز نے نظریں دوسری طرف کر لیں۔

کچھ دیر بعد جب وہ واپس لوٹ رہی تھی تو فائز اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ "تم نے مجھے دیکھا نہیں؟ میں تمہیں بلا رہا تھا۔"

وہ ایک لمحہ رکی اور اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "دیکھا تھا۔"

فائز کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "پھر تم رکی کیوں نہیں؟"

ایک مختصر نظر اس پر ڈالی۔ "میں ہر اس جگہ نہیں رکتی جہاں سب اکٹھے ہوں۔"

فائز کچھ کہنا چاہتا تھا مگر رک گیا۔

وہ ایک قدم آگے بڑھی اور وہ بولی۔ "تم ان کے ساتھ اچھے لگ رہے تھے۔۔۔ بس کچھ زیادہ عام۔"

وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی اور اپنی میز پر جا کر ایسے بیٹھ گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

فائز وہیں کھڑا رہ گیا، اور کچھ دیر کو اسے اپنی نشست، دوست اور یہ جگہ۔۔۔ سب کچھ تھوڑا غیر مانوس لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆

دامنِ کوہ کی بلندیوں پر گاڑی کھڑی کرنے کے بعد بھی فائز کا موڈ بوجھل تھا۔ عائزہ کی ضد نے اسے اس مہم کا حصہ تو بنا دیا تھا مگر اس کا منطقی دماغ اسے بار بار ٹوک رہا تھا۔ یہ سارا پروگرام عائزہ کی اسی سہیلی کا بنایا ہوا تھا جس پر وہ ابھی پوری طرح اعتماد نہیں کر پایا تھا۔

وہ پکنک کی ٹوکری گاڑی میں ہی چھوڑ کر ایک خاص عزم کے ساتھ جھاڑیوں کی طرف بڑھنے لگی۔

"ہمیں تھوڑا آگے چلنا ہوگا۔" اس نے مڑ کر ایک پراسرار نظر فائز پر ڈالی۔ "مجھے یہاں کچھ خاص ڈھونڈنا ہے۔"

وہ دونوں اس کے پیچھے گھنے درختوں کے بیچ چلنے لگے۔ شام گہری ہو رہی تھی اور جنگل کی خاموشی میں صرف سوکھے پتوں کے چرچرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک جگہ ڈھلوان پر وہ اچانک لڑکھڑائی، جیسے اس کا پاؤں پھسلا ہو۔ فائز اور عائزہ اسے سہارا دینے کے لیے آگے بڑھے، اسی ایک لمحے کی افراتفری میں اس نے بڑی صفائی سے اپنی آستین میں چھپایا ہوا ایک سیاہ پتھر زمین پر پڑی کائی کے ڈھیر میں سرکا دیا، اس کی حرکت اتنی برق رفتار تھی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

"تم ٹھیک ہو؟" فائز نے پوچھا۔

وہ مسکرائی اور جھک کر کائی کے اس ڈھیر سے وہی پتھر نکال لیا۔ "بالکل ٹھیک ہوں، کیونکہ مجھے وہ مل گیا ہے جس کی تلاش تھی۔" اس نے وہ سیاہ چمکدار پتھر فائز کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ "یہ مقناطیسی پتھر ہے، اسے 'میگنیٹائٹ' کہتے ہیں۔ یہ لوہے کو کھینچتا ہے، مگر میں نے سنا ہے کہ اگر اسے درست طریقے سے استعمال کیا جائے تو یہ انسانی اعصاب کی لہروں کو بھی منجمد کر سکتا ہے۔"

فائز نے پتھر کو غور سے دیکھا، اس کے ماتھے پر سوچ کی لکیریں ابھریں۔ "میرا نہیں خیال کہ اس علاقے کی زمین کی ساخت ایسی ہے کہ یہاں سے یہ پتھر ملنا ممکن ہو، لیکن تم کہہ رہی ہو تو یقین کر لیتا ہوں۔"

اس کی آنکھوں میں ایک سرد چمک در آئی۔ "یقین ہی تو اصل امتحان ہے، فائز۔"

پھر اس نے اچانک ایک خطرناک حرکت کی۔

وہ ایک دم سے ڈھلوان کے بالکل کنارے پر جا کھڑی ہوئی، جہاں نیچے گہری کھائی تھی۔

فائز! اگر میں یہاں سے پیچھے کی طرف گروں، تو کیا تمہارا مقناطیسی اثر مجھے بچانے کے لیے کافی ہو گا یا تم اپنی منطق سے مجھے نیچے گرنے دو گے؟"

اس نے ایک پاؤں فضا میں لہرا دیا۔

عائزہ کی چیخ نکل گئی، مگر فائز وہیں ساکت کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

اس نے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں اور جھکاؤ پیچھے کی طرف کیا، پھر واپس توازن بحال کر لیا۔

اس کے چہرے پر خوف کا کوئی نام و نشان نہ تھا، صرف ایک سفاکانہ اطمینان تھا۔

واپسی پر گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے جب وہ تھوڑا آگے نکل گئی، تو فائز نے عائزہ کے قریب ہو کر کہا۔

"عائزہ، تمہاری یہ دوست مجھے ان لوگوں میں سے لگتی ہے جن سے زندگی کے ہر موڑ پر محتاط رہنا چاہیے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی میں گھنی چھاؤں تلے وہ اور عائزہ ایک بینچ پر بیٹھی تھیں۔

دور سے فائز کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر اس لڑکی کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری، مگر فائز کے چہرے پر موجود عجیب سا اطمینان اس کے لیے غیر متوقع تھا۔

فائز ان کے قریب آ کر رکا اور جیب سے وہی سیاہ پتھر نکال کر ان کے درمیان بینچ پر رکھ دیا۔

اس کی توجہ اس لڑکی کی آنکھوں پر مرکوز تھی۔

"میں ابھی ارضیات کی لیب سے آ رہا ہوں۔" فائز نے بہت دھیمے مگر صاف لہجے میں کہا۔

"پروفیسر شاہد نے اس کا معائنہ کیا ہے۔ پروفیسر شاہد کا کہنا ہے کہ یہ واقعی میگنیٹائٹ ہے، مگر اس درجے کی مقناطیسی شدت قدرتی نہیں لگتی۔ کسی نے اسے مصنوعی طور پر مقناطیسی عمل سے گزارا ہے۔"

عائزہ نے حیرت سے ایک بار پتھر کو دیکھا اور پھر اپنی دوست کو۔

اس کی مٹھیاں خود بخود بھینچ گئیں، مسکراہٹ کے زاویے منجمد ہو کر رہ گئے۔اسے اندازہ نہیں تھا کہ فائز وہ پتھر بہانے سے لے کر اتنی ہوشیاری سے اس کی بساط الٹ دے گا۔

اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور نیا لہجہ اپنایا۔"اوہ فائز، تم کتنے سنجیدہ ہو گئے۔"وہ کھلکھلا کر ہنسی۔"میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ عائزہ کا یہ کزن کتنا ذہین ہے، تم تو واقعی ٹیسٹ کرنے لیب تک پہنچ گئے۔عائزہ! دیکھو تمہارا کزن کتنا شکی مزاج ہے، یہ تو عام سی تفریح میں بھی سازشیں ڈھونڈ لیتا ہے۔"

عائزہ تذبذب میں کبھی فائز کو دیکھتی اور کبھی اپنی دوست کو۔فائز نے اس کی صفائی کا کوئی جواب نہیں دیا، وہ اس کے ماتھے پر ابھرنے والے پسینے کے ننھے قطرے دیکھ رہا تھا جو اس کے ضبط کی چغلی کھا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

حال

وہ بتائے گئے فائیو سٹار ہوٹل کے مرکزی ہال میں داخل ہوئی اور غیر محسوس انداز میں میزوں پر موجود لوگوں کے چہرے دیکھنے لگی۔

وہ اسے ہال کے وسط میں دکھائی دیا۔

اچھا یہ ہوا کہ وہ دونوں ساتھی مردوں کے ساتھ ابھی مینیو دیکھ رہا تھا۔اس نے تسلی سے جائزہ لیا۔

ٹائی شرٹ سے میچ کرتی تھی جبکہ آستینیں فولڈ کر رکھی تھیں۔

وہ تصویر سے کہیں زیادہ وجیہہ تھا۔

اگر اس وقت وہ ذرا سا چہرے کا رخ دائیں جانب کو موڑتا تو سیدھی نظر اس پر پڑتی، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ سامنے بیٹھے دو غیر ملکیوں سے ہاتھ ہلاتے ہوئے گفتگو میں مصروف دکھائی دے رہا تھا۔

شاید کوئی کاروباری معاملہ تھا یا وہ اس کے دوست تھے۔

فراز میر نے معلومات فراہم کی تھیں لیکن اس کے روزمرہ کے معمولات اسے ایک نجی سراغ رسا بتا رہا تھا۔

کب وہ کہاں جاتا تھا، کس سے ملا کرتا۔

اسی سے پتہ چلا کہ آج وہ اس وقت دو افراد سے یہاں ملاقات کرنے والا ہے۔

اس کی یاداشت کے پردے پر چند دن پہلے کی گفتگو تازہ ہوئی۔

"ان خاندانوں میں جوان افراد کتنے ہیں؟"

اس سوال پر فراز نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا تھا۔"یعنی مرد حضرات۔"

"اگر سمجھ آ ہی گئی ہے تو لہجے کو صاف رکھنا بھی سیکھ لو۔میں کیا کرنا چاہتی ہوں، کیسے کرنا چاہتی ہوں، اس سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ فوراً آپ سے تم پر آ گئی تھی، فراز کو لگا اسے اس لڑکی سے محتاط رہنا ہو گا۔

اس نے سبھی کے بارے میں تفصیل سے بتایا، کمالز، ایاز اور میر۔

"ہمارے گھر میں تو ایک ہی جواں مرد پایا جاتا ہے، فراز میر۔"وہ کچھ پھیل کر بیٹھ گیا۔

"امید ہے باقی دونوں فیملیوں کے مردوں کو دیکھ کر اتنی مایوسی نہیں ہو گی۔"وہ اپنے خوبصورت ناخنوں پر نظر دوڑاتے ہوئے بولی۔

فراز کو اپنا چہرہ گرم ہوتا محسوس ہوا۔

"مجھے ان سب کی تصاویر اور ان کے مزاج کے متعلق تفصیل درکار ہے۔"

پھر اس نے زوہیب کمال کو چنا!

وہ پہچان میں غلطی نہیں کر سکتی تھی۔

یہی اس کے مطلب کا بندہ تھا۔

اور اب وہ ان کی میز سے چند قدم کے فاصلے پر بیٹھی بیرے کو آرڈر نوٹ کروا رہی تھی۔

وہ دونوں جیسے ہی اٹھ کر جاتے، وہ کسی بہانے اس کی میز تک پہنچ جاتی۔

لیکن ایسا ہوا نہیں۔

وہ ان دونوں کے ساتھ ہی چل پڑا۔

اگلے کئی دن ایسا ہوا۔

وہ مال میں اس سے کندھا ٹکرا کر گزرتی اور وہ مڑ کر بھی نہ دیکھتا۔

کسی بیکری میں اس کے برابر کھڑی شیشے تلے رکھی پیسٹریوں کے متعلق سوال کر رہی ہوتی اور اس کی سریلی آواز متوجہ کرنے میں ناکام رہتی۔

وہ اپنے بھائیوں اور چھوٹے بھتیجے کے ساتھ پارک جاتا، وہ وہاں پہنچ جاتی۔

آخر ایک دن ان کے بیچ ٹکراؤ ہوا۔

بالکل ویسا، جیسا وہ چاہتی تھی۔

نتیجہ وہی رہا، جو اس نے طے کر رکھا تھا۔

اس کے حساب کتاب میں کوتاہی کم ہی ہوا کرتی۔

اس کے اندازے درست نکلتے۔

کھیل کا انجام وہ پہلے سے جان لیا کرتی تھی۔

یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔

بازی بھی اس کی،

اور مہرے بھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر30

زمرد شہ پارہ

وہ اسے چھوڑنے گھر تک آیا تو شہ پارہ جو یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ گیٹ کے باہر اتار کر چلتا بنے گا، بری طرح ٹھٹکی جب اس نے گاڑی کی کھڑکی سے سر نکال کر گارڈ سے بات کی۔ گیٹ کھلا، گاڑی اندر داخل ہوئی تو پل بھر کو اس سے کچھ نہ بولا گیا۔

"سکتے میں ہو؟"

اس نے چڑ کر شاہ ویز کو دیکھا۔"اب ایسا بھی نہیں کہ میں فریز ہو جاؤں۔"

وہ ہنستے ہوئے گاڑی سے اترنے لگا۔"شاید میرا آنا اچھا نہیں لگا۔"

"مقصد سمجھ نہیں پائی۔"

"اندر چلیں گے تو یہ کشمکش دور ہو جائے گی۔"

شہ پارہ کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

اندرزوہیب، زمرداور سیف لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی پر لگے کسی ٹاک شو پر تبصرے کر رہے تھے، ان دونوں کو ساتھ اندر آتا دیکھ کر ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔

"کچھ لوگوں کی پُر پیچ شخصیت میں ایک بے نام سی کشش ہوتی ہے۔" شاہ ویز نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی جو ابھی تک کھڑی تھی۔ "ویسے۔۔۔ ہمارا برتاؤ تو ہمیشہ مہذب رہا ہے۔"

"آپ کہتے ہیں تو مان لیتے ہیں۔" سیف کے کہنے پر سب ہنس دیے، سوائے شہ پارہ کے۔

"اس دن کچھ بہت غیر معمولی ہوا۔" شاہ ویز نے بات کی ابتدا کی۔ "آج شہ پارہ کو اس کے دفتر سے لینے کا یہی مقصد تھا کہ آپ لوگوں سے کچھ بات چیت کر لی جائے۔"

"آپ دونوں کے آنے سے پہلے ڈرائیور نے بتا دیا تھا۔" زمرد بولی تو شاہ ویز نے ایک نظر پھر شہ پارہ کو دیکھا۔ "وہی ڈرائیور اور گارڈ جو شہ پارہ کو پک اور ڈراپ کرتے ہیں۔"

اس پر زمرد اور زوہیب نے ایک دوسرے کو دیکھا، جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"میرا خیال ہے یہ کافی نہیں۔ ڈرائیور کے ساتھ گارڈ، یہ دونوں توتب بھی وہاں موجود تھے جب حملہ ہوا۔"

"صرف یہ موضوع چھیڑنے آج یہاں آئے ہو؟" شہ پارہ نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ "وہ بھی یوں، مجھے آفس سے لیتے ہوئے۔"

"تم نے انہیں پہلے حملے کے متعلق بتایا تھا؟" شاہ ویز کے اس سوال پر سب کو سانپ سونگھ گیا۔ اس نے بھی باری باری سب کو دیکھا۔ "میرا اندازہ درست نکلا۔"

"شہ پارہ، تم نے اتنی بڑی بات چھپائی؟" زمرد سب سے پہلے بولی، اگلا سوال شاہ ویز سے کیا جیسے بہن پر اعتبار نہ ہو۔ "ہوا کیا تھا؟"

شاہ ویز تو جیسے اسی بات کا منتظر تھا، تفصیل سے سب بتانے لگا۔

"چائے پیو گے یا جلدی نکلنا ہے؟" شہ پارہ نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

وہ جو جانتا تھا اسے رخصت کرنا چاہتی ہے، پھیل کر بیٹھ گیا۔

"کھانا کھا کر جاؤں گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

"صرف لڑکیوں کی پارٹی ہے۔" سحر نے شرارت سے قریب کھڑے زوہیب کو دیکھا، مخاطب زمرد تھی۔ "کسی لڑکے کو ساتھ مت لانا۔"

سحر نے اپنی برتھ ڈے پارٹی کے موقع پر زمرد کو ہی کیک آرڈر دیا تھا۔ یہ تین منزلہ کیک ،زمرد نے بہت دل لگا کر بنایا تھا۔

"کئی تصاویر کھنچیں گی۔" سیف نے اسے آخری ٹچز دیتے ہوئے دیکھا تو کہا۔ "یہ کیک بہت خوش قسمت ہے۔"

زمرد کھلکھلا کر ہنس دی۔ "کاش تمہیں چکھا سکتی۔"

"نا بابا، مجھے ایسا کوئی شوق نہیں۔" سیف نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "یہ بہت خطرناک شخصیت کی ملکیت ہے۔"

"تم کوئی چھوٹا موٹا سا کیک اس پیٹو کے لیے بھی بنا دیتیں۔" شہ پارہ نے کچن میں جھانکتے ہوئے کہا۔

ڈرائیور اور سیف، دونوں نے مل کر اس کیک کو سحر کے کچن تک پہنچایا۔ ڈرائنگ روم کو اس خاص موقع کے لیے خوب سجایا گیا تھا، سامنے ٹی وی سکرین پر سحر کی بچپن سے لے کر اب تک کی مختلف ادوار کی تصاویر چل رہی تھیں۔

یہ ہمیشہ سے ہی ایسی مقناطیسی شخصیت کی مالک رہی ہے۔ زمرد سوچ کر رہ گئی۔

زیادہ لوگ نہیں تھے، پانچ لڑکیاں تھیں اور گھر والے وقتاً فوقتاً ایک چکر لگا لیا کرتے۔ انہیں صرف کیک کٹتے وقت حاضری لگانی تھی۔ سحر نے زمرد کا سب سے تعارف کرایا اور اس کے بعد زمرد کو لگا کچن کا ایک چکر لگا کر پانی پی لیا جائے۔ وہ ابھی کچن سے نکل ہی رہی تھی کہ گیلری میں کھڑی سحر کی آواز کانوں میں پڑی، وہ غالباً اپنی کسی سہیلی سے مخاطب تھی۔

"میانوالی کو تو پیچھے چھوڑ کر نہیں آسکتی نا۔" پھر لہجہ دکھی بنا کر بولی۔ "امی کا زیور بیچ کر کام شروع کیا ہے۔"

دو لڑکیوں کے ہنسنے کی آواز آئی۔

"خوش قسمت ہے، اس گھر میں رہ رہی ہے جہاں وہ بیچلرز ہیں۔" یہ اس کی سہیلی کی آواز تھی۔

"ارمغان کا کہو، زوہیب تو منگنی شدہ ہے۔" دوسری نے نیم سنجیدگی سے کہا۔

"کپڑے 'ڈیزائن' کر کے پہنتی ہے، خود کو کسی ڈیزائنر سے کم نہیں سمجھتی۔" سحر نے نیا تبصرہ کیا۔ "پودوں کے بہانے کمال ہاؤس میں اپنی جڑیں گاڑ رہی ہے۔"

اس سے زیادہ سننے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا، وہ تیز قدموں سے ڈرائنگ روم کی جانب بڑھی۔

انہوں نے اسے دیکھا یا نہیں، یہ وہ نہیں جانتی تھی کیونکہ کچن اور گیلری کے بیچ لاؤنج کا ایک حصہ تھا۔

اسے پرواہ بھی نہیں تھی۔

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اس نے اپنے بیگ سے موبائل نکالا اور فہمیدہ کو کال ملائی۔ "کوئی ڈرائیور فارغ ہو تو بھجوا دیں، مجھے واپس آنا ہے۔"

اسے جلد از جلد لوٹنا تھا۔

"لیکن ابھی تو تمہیں وہاں گئے زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی۔" فہمیدہ کے لہجے میں فکر مندی تھی۔

شاید قریب ہی زوہیب بھی موجود تھا، اگلے ہی لمحے اس کی آواز زمرد کے کانوں سے ٹکرائی۔ "میں لینے چلا جاتا ہوں۔"

"زوہیب آرہا ہے۔" فہمیدہ نے بتایا تو اس نے بھی شکریہ ادا کر کے کال کاٹ دی۔

وہ وہاں سے نکل کر لان میں آگئی۔

کئی بار آنکھیں رگڑ چکی تھی، اس وقت آنسوؤں کو بہنے کی اجازت دیتی تو اپنا ہی تماشہ بنتا۔

ابھی وہ بے چینی سے یہاں ٹہل رہی تھی کہ اسے زوہیب آتا دکھائی دیا۔ قریب آتے ہی اس نے غور سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں، بس طبیعت خراب ہو رہی تھی۔"

"پارٹی مِس کر دو گی؟" وہ ابھی بھی گہری نظروں سے اس کی گلابی آنکھوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

زمرد کو دھڑکن بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ "میں اس وقت کچھ بھی انجوائے نہیں کر سکتی۔"

"سر میں درد ہے؟"

"مجھے تمہارا ہر سوال برا لگ رہا ہے۔" اس کے لہجے میں سختی در آئی۔

زوہیب کو تعجب ہوا، وہ بلاوجہ یوں بات نہیں کرتی تھی۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ "چلو، میں سب ٹھیک کرتا ہوں۔" وہ اسے اشارہ کرتا پورچ کی جانب بڑھا جہاں اس کی گاڑی کھڑی کی تھی۔ "ابھی کیا کہہ رہی تھی، 'اس وقت کچھ بھی انجوائے نہیں کر سکتی'؟"

"زوہیب، آج تم بہت بول رہے ہو!" پھر وہی لہجہ، زوہیب نے مڑ کر اسے دیکھا جو سر جھکائے چل رہی تھی۔

"اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ اس شہر کی کون سی جگہ تمہیں سب سے زیادہ پسند ہے؟" وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ چکے تھے اور اب وہ گاڑی گھر سے باہر نکال رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ارمغان کی نئی قائم کردہ فاؤنڈیشن 'دستِ شفا' کے زیرِ اہتمام اسلام آباد کے ایک مقامی ہال میں دستکاری کی نمائش لگی ہوئی تھی۔ امبر کو اس فاؤنڈیشن کے بارے میں کچھ علم نہ تھا، وہ تو بس نایاب کے اس مختصر سے پیغام پر یہاں کھچی چلی آئی تھی جس میں لکھا تھا۔

وہ ابھی ہال کے عقب میں بنے ایک کمرے کی طرف گئے ہیں، اکیلے نہیں ہیں۔ اگر آپ" "ابھی وہاں پہنچ جائیں تو شاید وہ پہیلی بوجھ پائیں جو آپ کو پریشان کر رہی ہے۔

امبر نے ہال میں قدم رکھا تو چاروں طرف لگے اسٹالز اور وہاں موجود خواتین کے پرسکون چہروں نے اسے ایک پل کے لیے چونکا دیا، مگر اس کا اصل ہدف پیچھے کی راہداری تھی۔ اس نے چہرے پر چادر کا پلو درست کیا اور مرکزی ہجوم سے کٹ کر اس سمت بڑھی جہاں نایاب کھڑی تھی۔

اس کے بتانے پر وہاں چل دی جہاں ہال کے شور سے دور ایک کوریڈور کے آخر میں مشاورتی کمرہ واقع تھا۔

امبر دبے قدموں چلتے ہوئے کمرے کے نیم وا دروازے کے قریب پہنچ کر رکی۔ اندر ارمغان کی آواز گونج رہی تھی، وہی ٹھہرا ہوا اور پختہ لہجہ جو کبھی امبر کی دنیا ہوا کرتا تھا۔

"ماضی کے زخم اس صورت میں زیادہ تکلیف دیتے ہیں کہ ہم انہیں کریدتے رہیں، اب آگے کی سوچو۔ تمہارے سلائی کڑھائی کے کام کی نمائش باہر لگی ہوئی ہے، یہ تمہاری محنت ہے، کسی کا صدقہ نہیں۔"

امبر نے جھک کر اندر جھانکا۔

ارمغان ایک میز کے پار بیٹھا تھا اور اس کے سامنے ایک نوجوان لڑکی سر جھکائے بیٹھی تھی، اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

مجھے ڈر لگتا ہے کہ اگر ان لوگوں کو میرا پتہ چل گیا تو وہ مجھے دوبارہ وہیں لے جائیں"
"گے۔" لڑکی نے دبی آواز میں کہا۔ "میں ان کا قرض کیسے اتاروں گی؟

"تم پر کسی کا کوئی قرض نہیں ہے۔" ارمغان نے میز پر رکھے کچھ کاغذات کی طرف اشارہ کیا۔ "تمہارے قانونی معاملات اب دستِ شفا کے وکلا دیکھ رہے ہیں۔ تمہیں صرف اپنے کام پر توجہ دینی ہے تاکہ تم باعزت طریقے سے اپنی زندگی دوبارہ شروع کر سکو۔"

لڑکی نے عقیدت بھری نظروں سے ارمغان کو دیکھا۔ "کاش سب لوگ آپ جیسے ہوتے۔"

میں بس ایک ذریعہ ہوں۔" ارمغان نے اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "اب جاؤ، تمہارا" "اسٹال تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

دروازے کے پیچھے کھڑی امبر کے پیروں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔

یہ کوئی معاشقہ تھا نہ ہی کوئی خفیہ ملاقات۔

وہ تو ایک ایسی فاؤنڈیشن چلا رہا تھا جس کے بارے میں امبر نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ وہ جسے اپنی بدگمانیوں کے ترازو میں تول رہی تھی، وہ تو گمنامی میں لوگوں کی زندگیاں سنوار رہا تھا۔ امبر کو اپنی ہی سوچ پر اس قدر شرمندگی محسوس ہوئی کہ اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ تیز قدم اٹھاتی وہاں سے دور جانے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

زوہیب نے خاموشی سے گاڑی کا رخ شکر پڑیاں کی بلندیوں کی طرف موڑ دیا۔

زمرداب بھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی،اس کے چہرے پر پھیلی خاموشی زوہیب کے لیے بے حد اجنبی تھی۔

"شکر پڑیاں میں میرا ایک پسندیدہ کونا ہے۔"زوہیب نے گاڑی روکتے ہوئے کہا۔"وہاں سے شہر کی روشنیاں بالکل ویسی ہی لگتی ہیں جیسے کسی نے اندھیرے میں موتی بکھیر دیے ہوں۔"

وہ دونوں گاڑی سے اتر کر بینچ کی طرف بڑھے۔

"اب بتاؤ گی؟"زوہیب نے اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی۔

زمرد نے اپنی نظریں سامنے پھیلے سکوت پر جما دیں۔"زوہیب،انسان کو لگتا ہے کہ وہ بہت آگے نکل آیا ہے، مگر کچھ آوازیں اسے بالوں سے پکڑ کر واپس ماضی کے اسی اداس حصے میں کھڑا کر دیتی ہیں۔الفاظ بدل جاتے ہیں لیکن مطلب وہی رہتا ہے۔"

اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں موندیں تو وہی پرانا منظر کسی فلم کی طرح چل پڑا۔

"پرائمری اسکول کا آخری سال تھا۔۔۔اسکول کے فنکشن کے لیے امی نے بڑی محنت سے اپنا ایک پرانا لباس میرے لیے تیار کیا تھا۔ میں اس لباس میں خود کو بہت خاص سمجھ رہی تھی، یہاں تک کہ وہ لڑکی میرے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔"

زمرد کے لہجے میں ان گزرے لمحات کی تلخی گھل گئی۔ "وہ ایک صاحبِ حیثیت گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، اس کے لباس کی چمک سب کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس نے سب کے سامنے میرا دوپٹہ پکڑ کر کہا تھا کہ 'تم جتنا مرضی ریشم پہن لو، تمہارے باپ کی کلرکی کی بو نہیں جائے گی۔ اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک ایسی نظر سے دیکھا جو تذلیل سے زیادہ 'ترس' سے بھری تھی۔"

زمرد نے ایک ادھوری مسکراہٹ کے ساتھ زوہیب کی طرف دیکھا۔ "آج سحر کے گھر میں کھڑے مجھے وہی احساس ہوا کہ میں چاہے کتنے ہی بڑے گھروں میں کیک پہنچا لوں، لوگوں کی نظر میں میری حیثیت صرف ایک ضرورت کی سی ہے۔ وہ میری خودداری کو بھی ایک منصوبہ بندی سمجھتے ہیں۔"

زوہیب اسے دیکھتا رہ گیا۔

اسے احساس ہوا کہ زمرد کی اداسی کے پیچھے وہ سماجی خلیج ہے جسے وہ اپنی محنت سے پاٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وراثت صرف مال و دولت کی نہیں ہوتی، زمرد۔" زوہیب کا لہجہ اب بے حد پختہ اور سنجیدہ تھا۔" وقار اور ظرف بھی وراثت میں ملا کرتے ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

وہ آفس میں داخل ہوا تو نظر سیدھی سامنے بیٹھی امبر پر پڑی۔

ارمغان کے سلام پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"آج کا دن بے حد مصروف تھا، تم نے آنے کے لیے صحیح وقت چنا۔" وہ اپنی کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔" اب فراغت ہے۔"

"شرمندہ ہوں کہنا بہت کم ہو گا۔" امبر نے جھکی نظروں کے ساتھ بات کا آغاز کیا۔" میں نے تاپ کو سمجھنے میں غلطی کی، آپ ویسے نہیں تھے جیسا مجھے دکھایا گیا۔"

ارمغان نے لمحے بھر کو اسے دیکھا پھر نظریں چرا لیں۔

"کولڈ کافی لو گی؟" اس نے ہدایت جاری کرنے سے پہلے پوچھا۔

امبر نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ "آپ کو یاد ہے؟"

"اتنی جلدی بھی نہیں بھلایا جاتا۔"

کچھ دیر کو کمرے میں سناٹا چھایا رہا۔

"میں نے کسی کو ہائر کیا تھا، آپ جاسوسی کے لیے۔" اتنا کہہ کر اس کے تاثرات جانچنے کی کوشش کی۔ "اس کا نام اس لیے نہیں لوں گی کہ آپ اس سے متنفر نہ ہوں، اس کا کوئی قصور نہیں۔ اسے روپوں کی ضرورت تھی اور مجھے معلومات کی۔"

"جو تم نے کیا وہ صحیح تھا؟"

وہ جانے کس بارے میں پوچھ رہا تھا۔ یوں جاسوسی کروانے پر یا۔۔۔

پھر خود ہی بولا۔ "ہم سب کہیں نا کہیں کچھ غلط کر رہے ہوتے ہیں، احساس ہو جانا اہمیت رکھتا ہے۔" وہ رکا۔ "تمہاری نیت کیا تھی؟"

"مجھے شک سا ہونے لگا تھا۔"

"کہ تمہارا شک غلط تھا؟" وہ مسکرا دیا۔

"ایسا ہی کچھ۔"

"میرے صحیح ثابت ہونے پر کیا کرنے کا ارادہ تھا؟"

"وہی جو کر رہی ہوں۔" اس نے ندامت بھرے انداز میں ارمغان کو دیکھا۔ "معذرت۔"

"اور غلط ثابت ہونے پر؟"

"اس کی سزا آپ کو دے چکی ہوں۔" اس نے ایک بار پھر سر جھکا لیا۔

دونوں کی کافی آ گئی۔

"غلطی میری بھی تھی۔" وہ کافی کا پہلا گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔ "فراز کی باتوں میں آ کر فوراً طلاق دینے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"فراز بھائی۔۔۔" وہ اٹکی۔ "انہوں نے کیا کہا تھا تمہیں؟"

"وہ اکثر بہت کچھ کہا کرتا تھا، میں نے کبھی کان نہیں دھرے۔"

"انہوں نے تو کبھی یہ ظاہر نہیں کیا کہ آپ سے رابطے میں رہتے تھے۔"

"اس نے تمہارے گھر چھوڑنے کے بعد ایک کال کی تھی۔ کہنے لگا امبر کا کہنا ہے کہ وہ فیصلہ کر چکی ہے، اب میری باری ہے۔"

امبر کو لگا جیسے اس ایک لمحے نے سب کچھ بدل دیا ہو۔ "وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں، وہ جانتے تھے کہ میری خواہش تھی آپ مجھے منائیں، اپنے ساتھ گھر لے کر جائیں۔"

پھر دونوں خاموش ہو گئے۔

"میں نایاب کی اصلیت جان گیا تھا۔"

امبر کی آنکھوں میں شاک ابھرا۔

"اس نے سب کچھ میرے کہنے پر کیا۔ فرح سے ملاقات کی لوکیشن اور ٹائمنگ، مشاورتی کمرے تک پہنچ۔" اس نے آگے جھکتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے میری مرضی کے بغیر تمہیں وہاں تک رسائی حاصل ہو پاتی؟"

امبر نے کچھ کہنے کو منہ کھولا پھر بند کر لیا۔

"میں نے اس کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی، یہی جاننا چاہتی ہو نا تم؟"

وہ جواب میں کچھ نہ بولی۔

"حیرت ہے یاور والے معاملے کے بعد بھی تم فراز پر اعتبار کرتی تھی۔"

اس بار امبر کو پچھلی ہر بات سے زیادہ شاک لگا۔ "آپ۔۔۔ جانتے تھے؟"

"یہ کہ وہ تمہاری پہلی محبت تھا؟ ہاں۔"

کچھ دیر بعد جب وہ اٹھ کر جانے لگی تو ارمغان نے صرف اتنا کہا۔ "اذان سے تم ویک اینڈ کے علاوہ بھی مل سکتی ہو۔" وہ ہفتہ اتوار اس کے ہاں ٹھہرا کرتا تھا۔

وہ جو دروازہ کھولنے والی تھی، پلٹ کر دیکھا۔ "کبھی شام میں آنا ہوا تو آنٹی کو بتا دیا کروں گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر31

یاور سنگرام

I have locked you in my heart,

lost the key.

Now I am looking for it

...with someone else

Its you within,

before me,

and in everyone else I see.

You make me forget the past,

the future,

and just hold me present

fully in this moment

میں نے تمہیں دل میں سمو کر

چابی کہیں کھو دی ہے،

اور اب اسے کسی اور سنگ ڈھونڈ رہا ہوں۔۔۔

تم مجھ میں ہو،

سامنے بھی،

اور ہر اس چہرے میں،

جو میں دیکھتا ہوں۔

تم مجھے ماضی اور مستقبل سے بے نیاز کر کے

بس اس جیتے جاگتے لمحے میں ٹھہرا دیتے ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

سب ڈائننگ روم میں بیٹھے ڈنر کی ابتدا کرنے والے تھے۔

ایڑھیوں کی قریب آتی آواز پر یاور نے سر اٹھایا۔

امبر نے دروازے میں کھڑے ہو کر سب کو سلام کیا اور بولی۔ "مجھے بھوک نہیں، کمرے میں سونے جا رہی ہوں۔"

اس کی ایڑھیوں کی آواز اب سیڑھیاں چڑھنے کا پتہ دے رہی تھیں، دردانہ نے آواز دی۔

"امبر، یہاں آؤ۔"

وہ سنی ان سنی کرتی اوپر چلی گئی۔

دردانہ نے شوہر کی جانب دیکھا، جو کندھے اچکا کر رہ گئے۔

یاور نے چمچ واپس پلیٹ میں رکھتے معذرت کی اور وہاں سے چل دیا۔

اوپر آیا تو حیرت انگیز طور پر امبر اپنے کمرے کے بجائے لاؤنج میں دکھائی دی۔ صوفے پر کچھ یوں بیٹھی تھی کے دونوں پیر سینڈلوں سمیت میز پر ٹِکا رکھے تھے۔

"تمہیں تو دوسروں کا میز پر پیر رکھنا سخت ناپسند تھا۔" وہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑا کہہ رہا تھا۔ کمرے میں موجود واحد لیمپ سٹینڈ روشن تھا لیکن اس کی مدھم روشنی میں بھی اسے امبر کا پھیلا ہوا سیاہ مسکارا دکھائی دے گیا۔

"تمہیں لگتا ہے میں اب بھی وہی امبر ہوں؟" اس نے سر ترچھا کرتے ہوئے یاور کو بغور دیکھا۔

"کس امبر کا پوچھ رہی ہو؟" وہ ٹھہر کر بولا۔ "وہ جو اپنی خوشی میں کبھی یوں غافل نہیں ہوتی تھی کہ دوسروں کو بہلانا بھول جائے؟"

وہ کچھ فاصلے پر رکھے سنگل صوفے سے ٹیک لگا کر نیچے بیٹھ گیا۔ "یا وہ جو اچھے نمبر حاصل کرنے کا سہرا اپنی محنت کے بجائے بڑے بھائی کی ٹیوشن کو دیا کرتی؟"

امبر نے تھکاوٹ سے آنکھیں موندتے ہوئے سر صوفے کی پشت سے ٹکا لیا۔

"وہ امبر جس نے اپنی محبت کھو دینے کا الزام کبھی اپنے بھائی کو نہیں دیا۔"

امبر نے آنکھیں کھولتے ہوئے پیر میز سے ہٹا لیے۔

وہ یاور کی طرف نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

"میں تو اس امبر کو جانتا ہوں جس نے مجھے میرے ہی شر سے محفوظ رکھنے کی خاطر ۔۔۔مجھے خود سے دور کر دیا۔"

وہ اب اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی، وہ اس کے پیچھے لپکا۔

"کس نے تمہیں اپنی اچھائی کو لے کر شک میں مبتلا کر دیا؟"

وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھ رہی تھی، وہ تیزی سے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

وہ غصے میں تھا۔ "بتاؤ مجھے کون ہے وہ، اس کی طبیعت صاف کرنے دو۔"

"ہٹو میرے راستے سے۔" وہ بولی تو لہجہ سخت تھا۔

"تم کب تک مجھے اپنی زندگی سے دور رکھو گی، بتاؤ۔۔"

"میں نے دور رکھا؟" وہ چلائی۔ "یا تم نے پاکستان نہ آنے کی قسم کھائی؟"

وہ ساکت اسے دیکھے گیا۔

"ہمیں کچھ بننے کے لیے وقت درکار تھا، مانتی ہوں۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟" اس نے انگلی یاور کے چہرے کی جانب اٹھائی۔ "تم نے پلٹ کر دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی۔"

"تم مجھے مسترد کر چکی تھی، میں وہاں۔۔۔"

"اچھی طرح جانتی ہوں تم وہاں کس قسم کی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔" وہ یہ کہہ کر اسے دونوں ہاتھوں سے اپنے راستے سے ہٹا چکی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھتی، یاور نے اسے بازو سے پکڑ کر پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

"وہ سب تمہاری شادی کے بعد کا قصہ ہے، تم یوں مجھ پر الزام نہیں لگا سکتی۔"

"اب کیا چاہتے ہو؟"

"وہی جو ہمیشہ سے چاہتا تھا، تمہارا ساتھ۔"

"نہیں ہوں میں اچھی۔ چھوڑ دو میرا پیچھا!" وہ غصے سے بولی۔ "کیا گارنٹی ہے کہ میں دوسری شادی نبھا پاؤں گی؟"

"تم مجھے بتاؤ تو سہی، ہوا کیا ہے؟"

"کچھ ہی دیر پہلے پتہ چلا کہ میرا ارمغان پر شک جھوٹا تھا، میں نے محض غلط فہمی کی بنیاد پر۔۔۔"جملہ اس نے ادھورا چھوڑ دیا۔

"ادھوری وضاحتیں اکثر شک میں مبتلا کرتی ہیں، بے قصور وہ بھی نہیں۔"

"میں نے فراز بھائی کا یقین کیا، ارمغان کی نہیں سنی۔"

"جہاں تک مجھے معلوم ہے، طلاق اس نے بھیجی تھی۔"

وہ دو قدم پیچھے ہٹی تو اچانک اس کے سینڈل کی ہیل لڑکھڑائی۔۔۔وہ بری طرح پھسل کر نیچے گرتی لیکن یاور نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیا۔

"میری وکالت کرنا نہیں چھوڑو گے؟"اس نے نم آنکھوں سے یاور کو دیکھا۔

"کبھی نہیں۔"وہ مسکرایا۔"چلو جا کر آرام کرو، میں ملازمہ سے کہہ کر کھانا تمہارے کمرے میں بھجواتا ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

"میں زیادہ وقت نہیں لوں گا ارمغان۔" وہ بولا تو لہجہ تلخ تھا۔ "کل امبر بہت اپ سیٹ تھی، کیا کہا ہے تم نے اسے۔"

ارمغان کو لگا یاور اپنا غصہ ضبط کیے بیٹھا ہے، لیکن بات صرف اتنی سی نہیں تھی۔

کچھ اور بھی تھا جو اس کے اور یاور کے بیچ ٹھیک نہیں رہا تھا۔

وہ اس وقت ارمغان کی سٹڈی میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"جب سے پاکستان آئے ہو، یہاں کا چکر نہیں لگایا۔" ارمغان نے اس کا موڈ بہتر کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔

"ضروری نہیں سمجھا۔" وہ اب چائے پی رہا تھا، نظریں اس کے چہرے کے علاوہ ہر جگہ تھیں۔

"ابھی کچھ دیر پہلے امی اور ڈیڈ کتنے خوش تھے تم سے مل کر۔" ارمغان کی اس بات پر یاور نے شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھا۔

"جو میں جانتا ہوں مجھے وہ مت بتاؤ۔"

"جو تم جاننے آئے ہو وہ سننے کے لیے حوصلہ درکار ہے۔"

"حوصلے کی کمی ہوتی تو اس دن ٹوٹ جاتا جب تمہاری امبر سے شادی کی خبر سنی تھی۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"اصل مدعے پر تم اب آئے ہو!"

"تم سب جانتے تھے، پھر بھی تم نے۔۔۔"

"محبت کی؟" ارمغان نے ابرو اچکائے۔ "اس پر ناراض ہو؟"

یاور نے بے دلی سے چائے کا کپ میز پر رکھا اور آگے جھکتے ہوئے بولا۔ "تم نے جس طرح اسے طلاق دی، یہ محبت کرنے والوں کا شیوہ نہیں ہوا کرتا۔"

"جانتا ہوں۔" اس کے چہرے پر اداسی کا سایہ سا لہرایا۔ "اپنی غلطی مانتا بھی ہوں۔"

"مجھے بتاؤ ہوا کیا تھا؟"

"طلاق کی وجہ پوچھ رہے ہو؟"

"وہ بھی اور یہ بھی کہ کل امبر کے ساتھ کیا ہوا۔"

ارمغان دھیمے لہجے میں اسے ساری روداد سنانے لگا۔ فراز سے لے کر نایاب تک۔ ہر بات کھل کر بتائی۔

"تم دونوں نے مل کر جو امبر کے ساتھ کیا وہ بہت غلط تھا۔"

"اس نے نایاب کو اس کام پر لگا کر صحیح کیا، میں نے سچائی بتا کر غلطی کی؟"

"تم اسے سامنے بٹھا کر حقیقت بتاتے۔"

"وہ اس طرح کبھی یقین نہ کرتی، فراز نے بہت گہری دراڑ ڈالی تھی ہمارے بیچ۔"

"تم اسے اذان دے دو۔" یاور نے اتنی بڑی بات بہت نارمل انداز میں کہہ دی، ارمغان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جانتے ہو کیا کہہ رہے ہو؟"

"بیٹے کو ماں کی ممتا سے محروم رکھ کر تم کون سی نیکیاں کمانے چلے ہو؟" یاور کا لہجہ ایک بار پھر تلخ ہونے لگا۔

"وہ اسے رکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔"

"یہ بھی تمہیں فراز نے کہا ہو گا۔"

"امبر نے کبھی ایسا کوئی مطالبہ بھی تو نہیں کیا۔"

"اسے کسی کو باپ کی کمی پوری کرنے کے لیے ہائر نہیں کرنا پڑے گا۔" یاور کی اس بات پر ارمغان کو پہلی بار غصہ آیا۔

"اب تم ذاتیات پر اتر آئے ہو۔"

"وہ اس کے پاس زیادہ خوش رہے گا۔"

ارمغان نے اسے گہری نظروں سے ٹٹولا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"تم آج بھی وہیں کھڑے ہو۔" ارمغان کی اس بات پر یاور کو لگا وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں پائے گا۔ "آج بھی اس کے لیے آسانیاں ڈھونڈ رہے ہو، خواہ اس کے لیے تمہیں میرے پاس آنا پڑے۔ وہ شخص جس سے تم بات بھی نہیں کرنا چاہتے۔۔"

"میں اپنا جذباتی تجزیہ کرانے نہیں آیا۔" یاور نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"اوہ ہاں، میں بھول گیا۔ تم تو اس کا مقدمہ لڑنے آئے ہو۔" ارمغان اب کی بار کھل کر مسکرایا تھا۔

"تم اسے اذان دو گے یا نہیں، یہ بتاؤ؟"

"ایک شرط ہے میری۔"

"تم مجھے شرط سے باندھ رہے ہو؟"

"مطالبہ بھی تو تم نے ہی رکھا ہے۔"

"میں ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔" یاور جانے کو اٹھ کھڑا ہوا۔

"سن تو لو۔" ارمغان کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ "اسے کہو یاور سنگرام سے شادی کر لے، اذان اسے مل جائے گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

وہ سٹڈی سے نکلا تو سامنے مرکزی دروازے سے سحر اور اس کی والدہ کو آتے دیکھ کر ٹھٹکا۔

ابھی ان کے بیچ رسمی علیک سلیک جاری تھی کہ زمرد اور فہمیدہ بھی یہیں چلے آئے۔

وہ الوداع لیتا باہر نکل گیا۔

"آنٹی یہ بھی آپ کا رشتہ دار ہے؟" سحر کی نظروں نے یاور کا آخر تک تعاقب کیا۔

"یاور کے والد میرے پھپھو زاد کزن ہیں۔" فہمیدہ انہیں اپنے ساتھ ڈرائنگ روم کی جانب لے گئیں۔ زمرد اس دن کے بعد سے سحر کے ساتھ نارمل رہی، نہ پہلے زیادہ دوستی تھی نہ بعد میں کرنے کی کوشش کی۔ گھر آئے مہمان سے وہ کوئی رنجش رکھنے کی قائل نہ تھی، سو پورا وقت دیا کرتی۔

اسی مصلحت کے تحت اس نے شہ پارہ کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔

"یاور کے والدین برطانیہ میں مقیم ہیں۔" فہمیدہ انہیں یاور کی پی ایچ ڈی اور کیریئر کے متعلق بتانے لگیں۔

"آنٹی انہوں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟" سحر کے پوچھنے پر ماں اسے بس گھور کر رہ گئی۔ یہ ذاتی نوعیت کا سوال تھا۔

"بہت اچھا بچہ ہے۔" فہمیدہ مناسب الفاظ تلاش کرنے لگیں۔ "اتنا مصروف رہا کہ پاکستان بھی برسوں بعد آ پایا، اب شاید کچھ سوچے۔"

"کیوں زمرد؟" سحر اس کی طرف مڑی۔ "تمہاری نظر میں ہے کوئی لڑکی؟"

سحر کے لہجے میں کچھ تھا۔۔۔اکسانے جیسا!

"میں نے کبھی میچ میکر کا رول ادا کرنے کی کوشش نہیں کی۔" زمرد نے لہجہ حتی الامکان نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ "ویسے بھی میری یاور بھائی سے زیادہ بے تکلفی نہیں۔"

"بے تکلف ہونے کو کون کہہ رہا ہے، بھلا۔" سحر کا انداز خاصا عجیب تھا فہمیدہ کو بھی تعجب ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆

یاور نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اگلے ہی لمحے رک گیا۔

کوئی اس کے کمرے میں پہلے سے موجود تھا۔

کھڑکی کے سامنے کھڑی وہ باہر دیکھ رہی تھی۔

آہٹ پر پیچھے مڑ کر دیکھنے کے بجائے بولی۔ "تم ہمیشہ اس کمرے میں ٹھہرا کرتے تھے، یاد ہے؟"

"تم، یہ کمرہ، تمہاری باتیں، اور ٹیرس پر کھلا آسمان۔" وہ رکا، جیسے خود کو سنبھال رہا ہو۔ "کاش میری یاداشت اتنی اچھی نہ ہوتی۔"

وہ کھڑکی کے آگے سے ہٹی اور چند قدم آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

یاور نے لائٹ آن کی۔

"تمہیں کیسے معلوم تھا کہ میں ہوں؟"

"تمہارے قدموں کی آہٹ پہچانتی ہوں۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔ "یہی سننا چاہتے ہو نا تم؟ میں نے کھڑکی میں تمہارا عکس دیکھ لیا تھا۔"

"اندھیرے کے باوجود؟" وہ ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھا اور سمارٹ واچ اتار کر رکھی۔

"چلو، وہی سچ ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔"

یاور کچھ نہیں بولا۔

"یاور، تم آج کل فراز بھائی کے ساتھ آفس کیوں جا رہے ہو؟" امبر نے بالآخر وہ سوال پوچھ لیا جو اسے کافی دنوں سے بے چین کر رہا تھا۔ "تم وہی ہو جو کہتے تھے کہ تمہاری اور فراز بھائی کی سوچ کے دھارے بہت مختلف ہیں۔ پھر اب یہ تم دونوں کے بیچ کیا چل رہا ہے؟"

یاور آئینے سے نظر ہٹا کر اس کی طرف مڑا۔ "وقت کے ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے، امبر۔ کیا معلوم میں اب پاکستان میں ہی سیٹل ہو جاؤں۔ یہاں اپنی جڑیں جمانے کے لیے کسی کام کا آغاز تو کرنا ہی ہے۔"

"اپنی عالمی معیار کی ڈگریاں، امریکہ کا تجربہ اور اپنا شوق۔۔۔ سب کچھ چھوڑ کر تم فراز بھائی سے مشورے لے رہے ہو کہ تمہیں اب کیا کرنا چاہیے؟" امبر کے لہجے میں واضح تعجب اور بے یقینی تھی۔ "مجھے سچ مچ یقین نہیں آ رہا کہ تم وہی یاور ہو۔"

یاور نے ڈریسنگ ٹیبل سے ٹیک لگائی اور کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "دراصل میں میر اسٹریٹیجک کنسلٹنسی کا حصہ بننا چاہتا ہوں۔ یہ کوئی روایتی آفس نہیں ہے، امبر۔ یہ ادارہ

بڑے کارپوریٹ اداروں اور کلیدی شخصیات کو سیکیورٹی آڈٹ، رسک مینجمنٹ اور ضروری ڈیٹا فراہم کرتا ہے۔ بظاہر تو یہ معلومات کی فراہمی کا ایک شفاف نظام ہے، مگر اس کی گہرائی تک پہنچنے کے لیے مجھے ان کا طریقہ کار سمجھنا پڑ رہا ہے۔ میں پچھلے ہفتے سے ان کے غیر حساس حصوں، بزنس سٹرکچر اور رسک ماڈلز کو سمجھ رہا ہوں۔ مجھے محدود رسائی دی گئی ہے۔"

امبر کی آنکھوں میں اسے تذبذب دکھائی دیا۔

"ایسی کمپنیوں میں سرمایہ کاری عموماً حصص یا شراکتی ملکیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ میں ان کے آپریشنز کو سمجھ کر ایک بڑی انویسٹمنٹ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" اس نے مزید تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "فراز مجھے نظام کے اس حصے سے متعارف کروا رہا ہے جسے ممکنہ شراکت دار دیکھتے ہیں۔"

کمرے میں چند لمحوں کے لیے سکوت چھا گیا۔

امبر اسے اب بھی کسی اجنبی کی طرح دیکھ رہی تھی۔

یاور نے اچانک موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔"تم اذان کو اپنے پاس کیوں نہیں رکھتی؟ صاف دکھائی دیتا ہے کہ تم اس دوری سے اداس ہو۔"

میں نہیں چاہتی کہ ارمغان اذان کو میری کمزوری سمجھ کر اس صورتحال کا کوئی فائدہ "اٹھائے یا مجھے بلیک میل کرے۔"

یاور نے افسوس سے سر ہلایا۔"یہ بات بھی یقیناً فراز نے ہی تمہارے ذہن میں ڈالی ہو گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

"جہاں گم ہو، وہاں مجھے آنے کی اجازت ملے گی؟"

شاہ ویز نے موبائل پر پیغام دیکھا تو ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"آسکتی ہو۔"

شہ پارہ جسے ایاز ہاؤس آئے آدھا گھنٹہ ہو چلا تھا عریشہ کو شاہ ویز کا جواب بتاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کچھ نیچے بھجواؤں؟" وہ دونوں تہہ خانے کی سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہی تھیں جب عریشہ نے تواضع کی غرض سے پوچھا۔

"ابھی جو آپ نے کھلایا پلایا، وہی کافی ہے۔" شہ پارہ سیڑھیاں اترنے لگی تو عریشہ وہیں سے جانے کو پلٹ گئی۔

سیڑھیاں کم تھیں، پھر بھی دیواروں میں نصب مدھم بتیاں اس وقت جل رہی تھیں۔

وہ ہال نما تہہ خانے میں داخل ہوئی تو پل بھر کو رک سی گئی۔

نظر کمرے میں پھیلی ترتیب پر پھسلی۔

"یہ جگہ میوزیم جیسی لگ رہی ہے۔"

شاہ ویز نے میز پر رکھی گن کے پرزے جوڑتے ہوئے سر اٹھایا، نظر اس پر ٹک گئی۔ "میوزیم نہیں، یادداشت ہے۔ ہر چیز کی اپنی ایک کہانی ہے۔"

وہ ایک دیوار کے قریب جا کر رکی جہاں فریم میں ایک پوسٹر لگا تھا، انگلی سے تحریر کی جانب اشارہ کیا۔ 'گولی نکلنے کے بعد واپس نہیں آتی، اس لیے فیصلہ پہلے کرو' دلچسپ۔"

شاہ ویز نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کپڑا موڑا اور گن کے آخری حصے کو صاف کیا۔ "زیادہ تر لوگ گن کو طاقت سمجھتے ہیں، کم ہی لوگ اسے ذمہ داری کے طور پر لیتے ہیں۔"

وہ اگلے کیبنٹ کے سامنے رکی، شیشے کے پیچھے رکھی مختلف گنز کو غور سے دیکھتی رہی۔ "تم نے یہ سب جمع کیسے کیا؟ شوق۔۔۔ یا ضرورت؟"

شاہ ویز نے گن کو کیس میں رکھتے ہوئے ڈھکن بند کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "شروع شوق سے ہوا تھا، اب ہر ایک کے ساتھ وجہ جڑی ہوئی ہے۔"

وہ پلٹ کر اس کی طرف بڑھی، قدم ناپ تول کر رکھے۔ "اور اجازت؟ اسلام آباد میں کوئی بھی یوں تہہ خانے میں اسلحہ نہیں رکھ سکتا۔"

شاہ ویز نے قریب آ کر ایک کیبنٹ پر ہاتھ رکھا۔ "ہر گن لائسنسڈ ہے، رجسٹریشن موجود ہے، اور گھر میں رکھنے کی اجازت تب ملتی ہے جب محفوظ اسٹوریج ہو۔ یہ سب اسی لیے ہے۔"

وہ سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی، نظر اب بھی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ "یعنی سب کچھ قانون کے اندر ہے، متاثر کن۔"

اس کی نظر کونے میں رکھے فریج پر گئی، سر ہلکا سا جھکایا۔ "کچھ ٹھنڈا ملے گا؟"

وہ اب فریج سے کچھ نکال رہا تھا۔ "جب تم نے آنے کا بتایا، تبھی تمہارا پسندیدہ جوس رکھ دیا تھا۔"

وہ ڈبہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے رکا، نظریں اس کے تاثرات پر ٹھہری تھیں۔ "میں بہت کچھ نوٹ کرتا ہوں، لیکن ہر کسی کے بارے میں نہیں۔"

اس نے جوس لیتے ہوئے اسے ایک لمحہ دیکھا، جیسے اس جملے کا وزن محسوس کیا ہو۔ "تمہیں پتہ تھا میں کس وقت آؤں گی، پھر بھی تم یہاں ہو۔"

شاہ ویز نے کیبنٹ کھولی، اندر رکھی تین گنز پر نظر ڈالی۔ "کیونکہ میں نے تمہیں یہیں بلوانا تھا، کچھ دکھانا تھا۔"

اس نے پہلی گن نکالی، سادہ سی ہینڈ گن، ہاتھ میں تھامی مگر اس کی طرف نہیں بڑھائی۔ "یہ پستول ہے، ایک ریٹائرڈ پولیس افسر سے لی تھی۔ وہ کہتا تھا یہ ہتھیار نہیں، فیصلہ ہے۔"

"فیصلے اکثر لوگ دیر سے کرتے ہیں۔" اس نے بغور اس پستول کو دیکھا۔

شاہ ویز نے دوسری گن نکالی، وزن میں مختلف، ڈیزائن پرانا تھا۔ "یہ ریوالور ہے۔ ایک پرانے اسلحہ فروش سے لیا تھا، اس کا کہنا تھا یہ کبھی اپنے مالک کو دھوکہ نہیں دیتی۔"

وہ مسکرائی، نظر گن پر ٹکی رہی۔ "دھوکہ تو لوگ دیتے ہیں، چیزیں نہیں۔"

شاہ ویز نے تیسری نکالی، نسبتاً بڑی۔ "یہ بارہ بور بندوق ہے، ایک زمیندار سے لی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ شور کرتی ہے تاکہ اکثر چلانی نہ پڑے۔"

وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، جوس کا گھونٹ لیا۔ "یعنی مقصد چلانا نہیں، روکنا ہے۔"

شاہ ویز نے تینوں واپس ترتیب سے رکھ دیں، کیبنٹ بند کی۔

"میں تمہیں ان میں سے کوئی بھی ابھی نہیں دوں گا۔"

"مجھے امید بھی یہی تھی۔"

وہ اس کے سامنے آ کر رکا، لہجہ اب قدرے سنجیدہ تھا۔ "تم اسے اپنے نام پر لو گی، قانونی طریقے سے۔ درخواست، شناخت، منظوری۔۔۔ پھر یہ تمہاری ہو گی۔"

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی، آنکھوں میں ہلکی دلچسپی ابھری۔ "اور تب تک؟"

"تب تک تم میرے ساتھ شوٹنگ رینج آؤ۔ یونہی سیکھو گی کہ گن رکھنا اور چلانا دو الگ چیزیں ہیں۔"

"اور تم دیکھو گے کہ میں کون سی چیز جلدی سیکھتی ہوں، نشانہ یا فیصلہ۔"

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر32

اصلی نقلی ہیرے

اسلام آباد کے ایک جدید آفس میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے سامنے کھڑا ایک شخص نیچے سڑک پر بھاگتی زندگی کو دیکھ رہا تھا کہ میز پر پڑے اس کے موبائل نے تھرتھراہٹ پیدا کی۔ اس نے کال اٹھاتے ہوئے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے 'ایس آر آڈٹ' کے کارندے کی آواز آئی۔

"سر! آج بینک میں سیکیورٹی رسک اسیسمنٹ کا کام شروع ہو جائے گا۔"

"جانتے ہو نا تمہیں کیا کرنا ہے؟"

"جی سر۔ آڈٹ کے دوران ہمیں سسٹم کے بیہیویئر ٹیننس پروٹوکولز اور ایکسیس لاگز تک محدود رسائی مل جائے گی۔ ہم ایک ایسا بیک اپ ایڈمن پروفائل چھوڑ دیں گے جو عام مانیٹرنگ میں ظاہر نہیں ہو گا۔"

وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

دوسری طرف سے آواز دوبارہ ابھری۔

اس کے بعد اگر کبھی والٹ کے سینسرز یا داخلی لاگز میں چند منٹ کی تاخیر یا ردوبدل"

"درکار ہوا تو وہ باہر سے نہیں، سسٹم کے اندر سے ہوگا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا، بس کال کاٹ کر ایک سکون بھرا سانس لیا۔

بساط کا پہلا مہرہ بالکل ٹھیک جگہ پر بیٹھ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

آفس کا ماحول بوجھل تھا، جہاں کیمرہ سپلائر کمپنی کا مالک اپنے سامنے بیٹھے شخص کی آنکھوں میں جھانکنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ میز پر پڑی فائل اس کے برسوں کے چھپے ہوئے مالیاتی فراڈ اور آف شور اکاؤنٹس کی گواہی دے رہی تھی۔

"تمہیں اپنے گناہوں کی بہت بھاری قیمت چکانی پڑ سکتی ہے، مگر میں تمہیں ایک رعایت دے سکتا ہوں۔" اس شخص نے فائل بند کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

مالک نے تھوک نگلا۔ "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"شاہ ویز کی کمپنی کو بھیجے جانے والے اسکینرز اور کیمروں کی اگلی کھیپ ابھی تمہارے ویئر ہاؤس میں ہے۔ مجھے ان آلات تک دو گھنٹے کی تنہا رسائی چاہیے۔ تمہارا کوئی بندہ وہاں نہیں ہو گا، اور نگرانی کا ریکارڈ بھی عارضی طور پر بند رہے گا۔"

"مگر آپ ان کے ساتھ کیا کریں گے؟" مالک نے گھبرا کر پوچھا۔

وہ شخص ذرا آگے جھکا۔

"میرے لوگ ان کے اندرونی سافٹ ویئر میں چند تبدیلیاں کریں گے۔ ایسی تبدیلیاں جو عام معائنے میں ظاہر نہیں ہوتیں، مگر بعد میں سسٹم تک خاموش رسائی دے سکتی ہیں۔"

مالک کے چہرے کا رنگ مزید اڑ گیا۔

وہ شخص اسی سپاٹ لہجے میں بولا۔

تمہیں بس یہ یقینی بنانا ہے کہ یہی کھیپ شاہ ویز کی کمپنی تک پہنچے۔ باقی تفصیل جاننا"

"تمہارے حق میں نہیں۔

مالک نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔

اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ اب ان آلات کے اندر کیا بدلا جائے گا، یہ جاننے کی کوشش بھی شاید اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد کے ایک گمنام علاقے میں واقع ایک کمرہ، جہاں نیلی روشنیوں میں ڈوبی اسکرینیں کسی خاموش شکاری کی طرح بینک کے ڈیجیٹل وجود کی نگرانی کر رہی تھیں۔ یہ شاہ ویز کا کنٹرول روم نہیں تھا، بلکہ ایک خفیہ یونٹ تھا جہاں سے آج بساط کے مہرے ہلائے جانے تھے۔

ہیکر کی انگلیاں کی بورڈ پر مسلسل حرکت کر رہی تھیں۔ اس نے ایک مخصوص کمانڈ چلائی۔

اسی لمحے بینک کے اندر نصب متاثرہ سیکیورٹی سسٹم نے معمولی سی خرابی رپورٹ کی۔ والٹ زون کے قریب موجود ایک کیمرے کی فیڈ چند سیکنڈ کے لیے فریز ہوئی اور پھر بحال ہو گئی۔

سیکیورٹی روم میں بیٹھے اہلکار نے بے دلی سے اسکرین دیکھی۔

"پھر وہی کیمرہ؟"

دوسرے اہلکار نے کندھے اچکائے۔

"آج صبح آڈٹ والے بھی اسی کا ذکر کر رہے تھے۔ شاید نیٹ ورک لیٹنسی ہے۔"

اسی دوران والٹ کے باہر کھڑے دونوں گارڈز کے وائرلیس سیٹس پر آواز ابھری۔

"لوئر کوریڈور میں موشن الرٹ آیا ہے، ایک بار چیک کرو۔"

یہ معمول کی کال تھی۔ اتنی معمولی کہ کسی کو شک نہ ہوتا۔

دونوں گارڈ چند لمحوں کے لیے اپنی پوزیشن چھوڑ کر راہداری کی طرف بڑھے۔

عین اسی وقت سی سی ٹی وی سسٹم چند منٹ پرانے لوپ پر منتقل ہو گیا۔ سیکیورٹی روم میں اب بھی وہی منظر چل رہا تھا جہاں دونوں گارڈ اپنی جگہ موجود دکھائی دے رہے تھے۔

سیڑھیوں سے ایک سایہ نمودار ہوا۔

سفید دستانے، چہرے پر سیاہ آدھا ماسک، اور قدموں میں غیر معمولی ٹھہراؤ۔

وہ سیدھا بائیو میٹرک اسکینر تک پہنچا۔ اس نے جیب سے ایک مختصر سی الیکٹرانک ڈیوائس نکالی اور اسکینر کے سروس پورٹ کے قریب لا کر روک دی۔

چند سیکنڈ بعد سبز روشنی جل اٹھی۔

متاثرہ فرم ویئر نے اس سگنل کو سسٹم کی اندرونی ہیہ ٹیننس تصدیق سمجھا، اور والٹ کا بھاری دروازہ آہستہ سے کھل گیا۔

اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظریں شیشے کے اس کیس پر پڑیں جہاں ہیرے محفوظ تھے۔

اس نے نہایت احتیاط سے تھیلا اٹھایا اور اسی وزن کے مصنوعی پتھر بروقت ان خانوں میں رکھ دیے۔ وزن ناپنے والے سینسرز نے کسی فرق کو محسوس نہیں کیا، اس لیے نظام خاموش رہا۔

چند لمحوں بعد وہ دوبارہ باہر آ چکا تھا۔

والٹ کا دروازہ بند ہوا، لاک فعال ہو گیا، اور سی سی ٹی وی فیڈ واپس اصل حالت میں آ گئی۔

جب دونوں گارڈ واپس اپنی جگہ پہنچے تو ہر چیز معمول کے مطابق تھی۔

والٹ بند تھا۔

اور انہیں ذرا اندازہ نہ تھا کہ اب یہاں کروڑوں کے ہیروں کے بجائے صرف نفاست سے تراشے گئے مصنوعی پتھر رہ گئے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد کی مرکزی شاہراہ پر واقع بینک کی یہ برانچ ابھی پبلک کے لیے نہیں کھلی تھی، مگر اندرونی گہما گہمی عروج پر تھی۔ آج بین الاقوامی جوہر رکے ہیروں کی انوینٹری کا دن تھا، اسی لیے بینک مینیجر حفیظ صاحب کے ساتھ انوینٹری آفیسر اور شاہ ویز کی سیکیورٹی کمپنی کا سپر وائزر بھی موجود تھا۔

وہ سب زیرِ زمین بنے ہائی سیکیورٹی زون کی طرف بڑھے۔ یہاں شاہ ویز کی کمپنی کے دو مسلح گارڈز اپنی پوزیشنز پر الرٹ کھڑے تھے۔ والٹ تک پہنچنے کے لیے دو مختلف تہوں والے سیکیورٹی حصار سے گزرنا پڑتا تھا۔ پہلا فولادی گیٹ پار کرنے کے بعد وہ مرکزی

والٹ کے بھاری بھر کم دروازے کے سامنے پہنچے، جس پر شاہ ویز کی کمپنی کا نصب کردہ بائیو میٹرک اور ڈیجیٹل لاک چمک رہا تھا۔

"سیکیورٹی لاگز میں کوئی غیر معمولی سرگرمی تو نہیں؟" حفیظ صاحب نے سپروائزر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

سپروائزر نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹیبلٹ کو دیکھا جو مرکزی سیکیورٹی مانیٹرنگ سسٹم سے جڑا تھا۔ "جی سر! رات بھر میں کوئی غیر مجاز رسائی رپورٹ نہیں ہوئی۔"

حفیظ صاحب نے پہلے ڈیجیٹل پیڈ پر چھ ہندسوں کا خفیہ کوڈ درج کیا اور پھر بائیو میٹرک اسکینر پر اپنا انگوٹھا رکھا۔ اسکینر نے فنگر پرنٹ کی تصدیق کی اور ایک بھاری 'کلک' کی آواز کے ساتھ والٹ کا خودکار نظام حرکت میں آیا۔ دروازہ چند انچ پیچھے ہٹا اور پھر آہستہ سے ایک طرف سرکنے لگا۔

اندر داخل ہوتے وقت سب کے قدموں کی چاپ اس خاموش راہداری میں گونج رہی تھی۔ حفیظ صاحب سیدھے اس سٹرانگ باکس کی طرف بڑھے جس میں ہیرے محفوظ

تھے۔انہوں نے چابی نکالی، تالا کھولا اور جیسے ہی باکس کا ڈھکن اٹھایا، کمرے میں موجود ہر شخص کی سانس جیسے سینے میں ہی رک گئی۔

اندر موجود مخملی خانوں پر ہیروں کی وہ مخصوص چمک غائب تھی۔وہاں سلیٹی رنگ کے چھوٹے پتھر رکھے ہوئے تھے۔

حفیظ صاحب کے چہرے کی رنگت ایک دم سفید پڑ گئی۔انہوں نے بدحواسی میں باکس کو الٹ پلٹ کر دیکھا، مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔"یہ۔۔۔یہ کیسے ہو سکتا ہے؟سپر وائزر! سسٹم تو کہہ رہا تھا کہ کوئی انٹری نہیں ہوئی۔"

سیکیورٹی سپر وائزر کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔اس نے فوراً اپنے وائرلیس پر کنٹرول روم سے رابطہ کیا۔"لاگز دوبارہ چیک کرو! والٹ کا دروازہ رات میں کتنی بار کھلا؟"

دوسری طرف سے آنے والی آواز میں اب اضطراب تھا۔"سر، ریکارڈ کے مطابق والٹ کل شام کے بعد سے اب پہلی بار کھلا ہے۔گارڈز اپنی جگہ موجود ہیں، کوئی بھی اندر داخل نہیں ہوا۔"

حفیظ صاحب نے مڑ کر ان دو گارڈز کی طرف دیکھا جو ابھی تک دروازے کے باہر بت بنے کھڑے تھے۔ تالے سلامت تھے، دروازہ کو ڈاور انگوٹھے کے بغیر نہیں کھل سکتا تھا، اور سی سی ٹی وی فیڈ میں کوئی موشن الرٹ نہیں آیا تھا، مگر ہیرے غائب تھے۔ شاہ ویز کا 'ناقابلِ تسخیر' نظام ایک ایسی حقیقت کے سامنے ڈھیر ہو چکا تھا جسے سمجھنا اس وقت کسی کے بس میں نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

جاوید صاحب نے عینک اتار کر میز پر رکھی۔

"یہ ایک چیلنج ہے جو تمہاری میز پر پڑا ہے۔" جاوید صاحب نے ان سلیٹی پتھروں کی طرف اشارہ کیا۔ "آج صبح جب بینک کا والٹ کھلا تو وہاں ہیروں کے نام پر صرف یہ 'کاذب روشنی' باقی تھی۔ قیمتی ہیروں کا پورا کنسائنمنٹ غائب ہے اور پیچھے یہ نقلی تحفہ چھوڑا گیا ہے۔"

شہ پارہ نے ابھی تک ان پتھروں کو چھوا نہیں تھا۔ اس کی نظریں جاوید صاحب کے چہرے کے تاثرات پڑھ رہی تھیں۔ "پولیس اور سیکیورٹی کیمرے کیا کہہ رہے ہیں؟"

جاوید صاحب نے ایک سرد آہ بھری۔ "کیمرے پوری رات وہی منظر ریکارڈ کرتے رہے جو سسٹم میں محفوظ تھا، اور کسی غیر معمولی حرکت کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں تھا۔ پوری رات کی فوٹیج میں ایک لمحے کے لیے بھی کوئی مشکوک حرکت نہیں ہوئی۔ گارڈز اپنی پوزیشنز پر موجود تھے، البتہ بعد میں انہوں نے صرف یہ بتایا کہ کچھ لمحوں کے لیے انہیں چکر اور غیر معمولی تھکن محسوس ہوئی تھی جیسے اچانک بلڈ پریشر گر گیا ہو۔ اس کے علاوہ پولیس کو وہاں سے ایک بال یا انگلی کا نشان تک نہیں ملا۔"

شہ پارہ کی آنکھوں میں تجسس کی چمک ابھری۔ "اور اسکینر؟ والٹ کے بھاری دروازے کو ہینڈل کرنا کسی ایک انسان کے بس کی بات تو نہیں، اسکینر کو کیسے چکمہ دیا گیا؟"

"یہی تو سب سے بڑی پہیلی ہے۔" جاوید صاحب نے ایک فائل اس کی طرف سرکائی۔ "ڈیجیٹل ریکارڈ کے مطابق کل شام کے بعد سے آج صبح تک کسی بھی غیر مجاز رسائی یا دروازہ کھلنے کا کوئی اندراج موجود نہیں ہے۔ سسٹم کی نظر میں وہ دروازہ پوری رات مقفل رہا۔"

شہ پارہ نے فائل پکڑی اور ان نقلی پتھروں کو غور سے دیکھتے ہوئے بہت پختہ لہجے میں کہا۔ "یہ کسی اکیلے شخص کی مہم جوئی نہیں ہے جاوید صاحب۔ یہ ایک انتہائی منظم، تکنیکی اور

طے شدہ کارروائی تھی۔ کسی نے شاہ ویز کے سیکیورٹی سسٹم کی اندرونی منطق کو متاثر کیا ہے۔ یہ ڈاکہ فولاد پر نہیں، کوڈز پر ڈالا گیا ہے۔"

جاوید صاحب نے سر ہلایا۔ "تمہارا کام اسی 'کوڈ' تک پہنچنا ہے شہ پارہ۔ شاہ ویز باہر وزٹنگ روم میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ وہ اس وقت ایک ایسے زخمی شیر کی طرح ہے جس کی کچھار میں گھس کر کسی نے اسے بے خبر رکھا ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

شہ پارہ نے وزٹنگ روم کا دروازہ کھولا تو شاہ ویز کو موجود پایا۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑا باہر دیکھ رہا تھا، مگر اس کی پشت کی سختی بتا رہی تھی کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔ شہ پارہ کے قدموں کی چاپ پر وہ مڑا۔ اس کے چہرے پر تھکن تو تھی مگر نظروں میں وہی پرانا اعتماد برقرار تھا۔

"کیسے آنا ہوا؟" شہ پارہ نے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

شاہ ویز نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کے مقابل بیٹھ گیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ ہم مل کر اس کیس پر کام کریں۔"

شہ پارہ بے اختیار ہنس دی۔ "تم ہر بار مجھے حیران کرتے ہو شاہ ویز! تمہاری وہ خفیہ گن کلیکشن اور یہ اچانک آمد۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میرا ادارہ اس وقت تمہاری کمپنی کے خلاف شواہد اکٹھے کر رہا ہے، اور تم مجھ سے اشتراک کی بات کر رہے ہو؟"

"تمہارا ادارہ میرے خلاف نہیں، سچائی کی تلاش میں ہے۔" شاہ ویز نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "اور سچ یہ ہے کہ بنا کسی ٹھوس ثبوت کے تم صرف ان ظاہری حالات کی بنیاد پر میری کمپنی کے متعلق کوئی حتمی منفی رائے قائم نہیں کر سکتیں۔"

شہ پارہ نے ابرو اچکائے۔ "شاہ ویز، میں نے اپنی جاب کے دوران درجنوں اداروں کے فارنزک آڈٹ کیے ہیں، لیکن یہ پہلی بار ہے کہ کسی ایک ہی کمپنی کا نام دو بار اتنے بڑے اسکینڈلز میں آ رہا ہو۔ پچھلا کیس ابھی حل نہیں ہوا تھا کہ یہ دوسرا دھماکہ ہو گیا۔ یہ سب محض اتفاق تو نہیں ہو سکتا۔"

"یہ نااہلی ہے تمہارے ادارے کی کہ وہ اب تک اصل مجرم تک نہیں پہنچ سکا۔" شاہ ویز کے اس جملے پر شہ پارہ تلملا کر رہ گئی۔

"نااہلی؟" وہ غصے سے بولی۔ "سسٹم تمہارا، گارڈز تمہارے، ایسا بار بار کیوں ہو رہا ہے۔"

"یہی تو نکتہ ہے شہ پارہ!" شاہ ویز نے میز پر جھکتے ہوئے کہا۔ "اگر میرا کوئی بندہ ملوث ہوتا تو وہ اتنی پیچیدہ منصوبہ بندی کیوں کرتا؟ وہ سیدھا الارم بند کرتا یا کیمروں کی تاریں کاٹ دیتا۔ اسے سافٹ ویئر میں 'چور دروازے' ڈھونڈنے یا گارڈز کو ڈھیر کرنے کی ضرورت ہی کیوں پڑتی؟"

اس نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے مزید کہا۔ "جس نفاست سے کیمروں کو 'لوپ' پر ڈالا گیا اور والٹ کا وزن برابر رکھنے کی غرض سے نقلی ہیرے رکھے گئے، یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ کام کسی اندرونی چور کا نہیں بلکہ ایسی بیرونی قوت کا ہے جو میرے سسٹم کے ڈیزائن کو سمجھتی ہے۔ میرا کوئی ملازم ہوتا تو وہ بس ہیرے لے کر بھاگ جاتا، وہ تکنیکی دستخط کبھی نہ چھوڑتا۔" پیچھے یہ

شہ پارہ نے اس کے دلائل سنے تو اس کا منطقی ذہن یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا کہ شاہ ویز کی باتوں میں وزن ہے۔

"یہ سب ظاہری باتیں بتاتی ہیں کہ بندہ باہر کا ہے۔" شاہ ویز نے پختہ لہجے میں کہا۔ "کوئی مجھے اور میری کمپنی کو سیاسی اور کاروباری طور پر تباہ کرنا چاہتا ہے، اور وہ تمہاری مہارت کو میرے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے۔ میں یہاں اپنی صفائی دینے نہیں، تمہیں حقیقت دکھانے آیا ہوں۔"

اس نے اپنی جیب سے ایک یو ایس نکال کر اسے دکھائی۔ "اس میں وہ 'ڈیجیٹل ٹریل' ہے جو پولیس کی نظر سے اوجھل ہے۔ اب فیصلہ تمہارا ہے کہ تم لکیر کی فقیر بننا چاہتی ہو یا سچائی کی شریکِ سفر۔"

"تم یہ مجھے دو، میں۔۔"

"میں تم پر اعتبار کرتا ہوں لیکن تم میری ذہانت پر شبہ تو مت کرو۔" وہ مسکرایا۔ "اگر تم دیکھنا چاہتی ہو کہ اس میں کیا ہے تو یہ میرے ساتھ ہی ممکن ہے۔"

شہ پارہ چند لمحے اسے گھورتی رہی۔

کوئی جبر نہیں، اگر تم نہیں۔۔"

''میں شارٹ لیو لے کر آتی ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

شاہ ویز نے اپنے دفتر کی مرکزی کرسی سنبھالتے ہی سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ شہ پارہ کی نظریں اس کے ہاتھوں کی جنبش پر جمی تھیں۔ شاہ ویز نے لیپ ٹاپ آن کیا، ایک چھوٹی سی یو ایس بی ڈیوائس پورٹ میں لگائی اور اسکرین اس کی طرف موڑ دی۔

اسکرین پر مختلف گراف، لہریں اور ڈیٹا کی قطاریں نمودار ہونے لگیں۔

"پہلا فولڈر کھولو۔" شاہ ویز کی آواز میں سرد اعتماد تھا۔

شہ پارہ نے کلک کیا تو اسکرین پر ایک گراف کھل گیا۔

"یہ وہ ریکارڈ ہے جو وقت کے ساتھ جمع ہوا تھا۔" شاہ ویز نے کہا۔

"رات دو بج کر تین منٹ پر جب گارڈز نے متلی اور چکر آنے کی شکایت کی تھی، اسی وقت ان کے وائرلیس نظام میں ایک غیر معمولی سگنل داخل کیا گیا تھا۔ یہ آواز نہیں تھی، بلکہ

ایک ایسا دباؤ تھا جس نے چند لمحوں کے لیے ان کی توجہ اور توازن متاثر کیا۔ میرے گارڈز سوئے نہیں تھے، انہیں لمحاتی طور پر غیر فعال کیا گیا تھا۔"

شہ پارہ نے حیرت سے گراف کو دیکھا۔ "یہ ریکارڈ تمہارے مرکزی نظام میں کیوں محفوظ نہیں ہوا؟"

"کیونکہ اسے راستے میں روک دیا گیا تھا۔" شاہ ویز نے اگلا فولڈر کھولنے کا اشارہ کیا۔ "یہ سیکیورٹی سسٹم کی اندرونی خرابی کی رپورٹ دیکھو۔ بائیو میٹرک اسکینر کے اصل پروگرام میں ایک ایسا حصہ شامل کیا گیا تھا جو عام حالات میں ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ وہی دروازہ ہے جس کے ذریعے کسی نے سسٹم کو اندر سے کھولا۔ یہ میرا بنایا ہوا نظام نہیں تھا، بلکہ وہ تبدیلی تھی جو سامان پہنچنے سے پہلے ہی اس میں شامل کر دی گئی تھی۔"

شہ پارہ کی انگلیاں کی بورڈ پر رک گئیں۔ وہ ایک ماہر تفتیش کار تھی، مگر اس خاموش طریقے سے کی گئی تبدیلی اس کے گمان سے باہر تھی۔ اس نے تیسرا فولڈر کھولا جہاں مختلف پتوں اور رابطوں کا ریکارڈ موجود تھا۔

"غیر معمولی داخلے۔" شہ پارہ نے ریکارڈ دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ رابطے بینک کے اندر سے نہیں بلکہ شہر کے ایک محفوظ کاروباری مرکز سے آ رہے ہیں؟"

بالکل۔" شاہ ویز نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ "کسی نے بینک کے اندر ہاتھ نہیں" ڈالا، بلکہ ایک محفوظ دفتر سے سسٹم کو کنٹرول کیا۔

شہ پارہ نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور الجھن تھی۔

شاہ ویز، یہ معلومات اتنی گہرائی سے عام سیکیورٹی ٹیم حاصل نہیں کر سکتی۔ تمہیں یہ" "سب کیسے معلوم ہوا؟ پولیس ابھی تک صرف ابتدائی معلومات میں الجھی ہوئی ہے۔

شاہ ویز کے چہرے پر مسکراہٹ آئی، جس میں اطمینان نہیں تھا۔

"پولیس صرف سطح دیکھتی ہے شہ پارہ۔ میں نے کافی پہلے سمجھ لیا تھا کہ مسئلہ باہر نہیں، اندر سے پیدا ہو رہا ہے۔ اس لیے میں نے اب اپنی ایک خفیہ ٹیم رکھی ہے جو ایسے غیر معمولی اشارے تلاش کرتی ہے جنہیں دوسرے لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔"

"تم نے یہ سب مجھ سے کیوں چھپایا؟"

"جو چوری نئے انداز سے کی جائے، اس کا جواب اکثر کتابوں میں نہیں ملتا، شہ پارہ۔ میں نے تمہیں یہ اس لیے دکھایا ہے تاکہ تم سمجھ سکو کہ ہم اس بار کسی عام چور کے خلاف نہیں بلکہ ایک بہت منظم چال کے خلاف کھڑے ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

شہ پارہ نے لیمپ بند کرتے ہوئے کمبل اپنی طرف کھینچا ہی تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"آجاؤ۔"

دروازہ کھلا اور زمرد تیزی سے اندر آئی، ہاتھ میں کچھ تھا جو روشنی پڑتے ہی چمک اٹھا۔

زمرد نے دروازہ بند کرتے ہوئے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟"

پستول "شہ پارہ نے تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ اٹھایا۔

"ہے۔

"تمہارے ہینڈ بیگ سے اب ایسی اشیا برامد ہوا کریں گی؟"

شہ پارہ نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "تم نے میرے بیگ کی بنا پوچھے تلاشی لی؟"

زمرد نے آنکھیں سکیڑ کر قریب آتے ہوئے اسے غور سے دیکھا۔ "تم مزاق کر رہی ہو یا واقعی۔۔۔؟"

شہ پارہ نے ہتھیار سیدھا کرتے ہوئے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ "واقعی، اور اب یہ میرے نام پر ہے۔"

زمرد ایک لمحے کو رک گئی، پھر بستر کے کنارے بیٹھتی ہوئی اس کے چہرے کو پڑھنے لگی۔ "اسی لیے پچھلے دنوں تم اتنی مصروف تھیں؟"

شہ پارہ نے پستول واپس کیس میں رکھتے ہوئے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ "شوٹنگ رینج جایا کرتی تھی، یہ شاہ ویز کا مشورہ تھا۔"

"اور تم نے مان لیا؟ اتنی آسانی سے؟"

"دو بار حملہ ہو چکا ہے مجھ پر۔۔۔ کچھ چیزیں ماننی پڑتی ہیں۔"

زمرد نے گہرا سانس لیتے ہوئے بازو باندھ لیے۔ "اس نے تمہیں گن دے دی، بس ایسے ہی؟"

شہ پارہ نے ہلکی سی نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، پہلے لائسنس، پھر ملکیت کی منتقلی، سب قانونی طریقے سے ہوا۔"

زمرد نے قدرے جھک کر دلچسپی سے پوچھا۔ "تفصیل؟"

"درخواست دی، شناختی دستاویزات جمع ہوئیں، اسلحے کی رجسٹریشن چیک ہوئی، پھر اتھارٹی کی منظوری کے بعد منتقلی۔"

زمرد نے آہستہ سے سر ہلایا، مگر اس کی نظریں اب بھی سوالیہ تھیں۔ "بس یہی اپ ڈیٹ ہے یا کچھ اور بھی؟"

شہ پارہ نے ایک لمحہ خاموش رہ کر اسے دیکھا۔ "کچھ اور بھی ہے۔"

زمرد سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، پوری توجہ اس پر مرکوز۔ "بتاؤ۔"

شہ پارہ نے تکیے سے ٹیک بدلتے ہوئے بات شروع کی۔ "شاہ ویز نے ایک خفیہ ہیکنگ ٹیم بنا رکھی ہے۔"

زمرد کے چہرے پر واضح حیرت آئی۔ "کب سے؟"

"چھ ماہ سے۔ پچھلے کیس کے بعد اس نے یہ قدم اٹھایا۔ اس میں ایسے ماہرین شامل ہیں جو کمپنی کے باقاعدہ ملازم نہیں بلکہ کنٹریکٹ پر کام کرتے ہیں، اور صرف سائبر نگرانی کے لیے رکھے گئے ہیں۔"

زمرد نے فوراً اگلا سوال کیا۔ "وہی سونے والا کیس؟"

شہ پارہ نے ہاں میں سر ہلایا۔ "جب پولیس نے کیس بند کرنا چاہا، اسے سمجھ آ گیا کہ مسئلہ اندر سے زیادہ گہرا ہے۔"

زمرد نے انگلیوں سے بیڈ شیٹ سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ "تو یہ ٹیم کیا کرتی ہے؟"

"ڈیجیٹل حملوں کا سراغ، وہ چیزیں جو آفیشل سیکیورٹی ٹیم نہیں پکڑ سکتی۔"

"پھر پولیس کو کیوں نہیں بتایا؟"

شہ پارہ کے چہرے پر سنجیدگی گہری ہو گئی۔ "کیونکہ پولیس اکثر پہلے سے موجود مفروضوں کے مطابق ہی نتیجہ نکالتی ہے۔۔۔ گارڈز، مینیجر، ملی بھگت۔"

زمرد نے قدرے تلخی سے کہا۔ "حقیقت کیا ہے؟"

"اس کا سراغ لگانا ابھی باقی ہے۔" شہ پارہ نے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "شاہ ویز نے ایک یو ایس بی کا ڈیٹا دشئیر کیا تو کچھ سرے ہاتھ آنے لگے ہیں۔"

"ایسا بھی کیا ہے اس میں؟"

"یہ اسی ٹیم کی اندرونی رپورٹنگ ہے... خام ڈیٹا، بغیر کسی فلٹر کے۔"

"پولیس کو کیوں نہیں دیا؟"

"پولیس کی تفتیش زیادہ تر گارڈز اور بینک عملے جیسے ظاہری کرداروں تک محدود رہتی ہے۔ شاہ ویز جانتا ہے کہ اگر وہ یہ یو ایس بی پولیس کو دے گا تو اس کی خفیہ ہیکنگ ٹیم اور اس کے اپنے سیکیورٹی سوراخ عوامی ہو جائیں گے، جس سے اس کی کمپنی کی ساکھ خراب ہو گی۔"

"تو تمہیں کیوں دیا؟"

وہ رکی۔ "پہلے اس نے مجھے اپنے آفس میں ہی دکھایا پھر میری رائے جاننے کے بعد یو ایس ''کیونکہ میں مجرم نہیں پکڑتی، میں کہانی جوڑتی ہوں۔ ''بی میرے حوالے کر دی۔"

زمرد چند لمحے خاموش رہی، پھر دھیرے سے بولی۔ "پولیس کہاں کھڑی ہے اس وقت؟"

"گارڈز اور آئی ٹی ایڈمن زیر حراست، کیس ان کے لیے تقریباً حل ہو چکا ہے۔ وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ کوئی سسٹم باہر سے ہیک ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے پاس وہ تکنیکی صلاحیت نہیں ہے۔ پولیس کے لیے یہ ایک اوپن اینڈ شٹ کیس ہے، گارڈز سو گئے یا ملے ہوئے تھے، اور چابی مینیجر کی تھی۔"

زمرد نے طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "یعنی آسان راستہ؟"

دونوں ہنس دیں۔

"مجھے لگا تمہارا ادارہ اور پولیس دونوں مل کر کیس پر کام کرتے ہو۔" زمرد بولی توشہ پارہ نے تیزی سے سر نفی میں ہلایا۔

"عملاً پولیس اور فارنزک ادارے مکمل طور پر ایک ساتھ نہیں بلکہ اکثر متوازی طریقے سے کام کرتے ہیں۔ پولیس 'جسمانی شواہد' اور بیانات پر کام کرتی ہے، جبکہ فارنزک ادارہ 'ڈیجیٹل اور فنانشل ڈیٹا' کا پوسٹ مارٹم کرتا ہے۔ پولیس اکثر فارنزک رپورٹس کو صرف عدالتی کارروائی کے لیے استعمال کرتی ہے، جبکہ عملی طور پر وہ اپنی روایتی تفتیش پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

زوہیب جب شام دیر سے گھر لوٹا تو پورے گھر پر ایک پُراسرار سی خاموشی طاری تھی۔ اسے یہ سناٹا کچھ بھلا نہ لگا، چنانچہ وہ سیف کو آوازیں دیتا ہوا کچن کی طرف بڑھا۔ وہاں شہ پارہ اور سیف خاموش کھڑے تھے، دونوں کے چہروں کی سنجیدگی دیکھ کر زوہیب تشویش میں مبتلا ہو گیا۔

"کیا ہوا؟ آج گھر میں ایسا سناٹا کیوں چھایا ہوا ہے؟" زوہیب نے بے چینی سے پوچھا۔

شہ پارہ اور سیف نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر شہ پارہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "تم خود ہی زمرد سے بات کر کے دیکھ لو، اس کے حصے کی خبر ہم نہیں دے سکتے۔"

"وہ اس وقت ہے کہاں؟" زوہیب نے سوال کیا۔ سیف نے چھت کی طرف اشارہ کر دیا۔

زوہیب سیڑھیاں چڑھ کر ٹیرس پر آیا تو دیکھا کہ زمرد ریلنگ سے ٹکی، خلاؤں میں گھور رہی ہے۔ زوہیب نے گلا کھنکھار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا اور ہلکے پھلکے لہجے میں بولا۔ "آج تمہارا کچن بھی خاموش ہے؟"

زمرد نے مڑے بغیر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "اب یہ نہ ہی بولے تو اچھا ہے۔"

زوہیب اس کے برابر آکر کھڑا ہو گیا، پھر سامنے پھیلے منظر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آخر ہوا کیا ہے؟"

زمرد اس کی طرف مڑی اور دوٹوک لہجے میں بولی۔ "میں یہ کام چھوڑ رہی ہوں۔"

زوہیب کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "کیوں؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں! دراصل میں یہ سب اپنے لیے نہیں کر رہی تھی۔" وہ رکی۔ "شہ پارہ، تمہیں اور ارمغان بھائی کو اپنے کیریئر میں اتنا مگن دیکھ کر مجھے لگا کہ میں بہت پیچھے رہ گئی ہوں۔ میری زندگی بے مقصد ہو کر رہ گئی ہے اور میں۔۔۔ جانے کیا ثابت کرنا چاہتی تھی۔"

زوہیب کے لبوں پر ایک ہمدردانہ مسکراہٹ ابھری۔ "زمرد، ہر کسی کا راستہ، مقصد اور خواہشات مختلف ہوتی ہیں۔ کسی کو اس کا کیریئر خوشی یا اطمینان دے رہا ہے اور وہ تمہاری خواہش ہی نہیں، تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم اپنی زندگی ضائع کر رہی ہو۔"

زمرد نے سر اٹھا کر آسمان پر چمکتے چاند کو دیکھا۔ "مجھے پودوں سے باتیں کرنا پسند ہے، کچھ مزے کا پکانا، بیک کرنا اور اپنے کپڑے ڈیزائن کرنا۔ یہ سب کافی ہے میرے لیے۔"

"اور میرے لیے تم۔" زوہیب کے دل نے سرگوشی کی۔

اس نے گھبرا کر فوراً زمرد کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔۔۔ کہیں وہ اس کے دل کا حال نہ پڑھ لے۔

پھر خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ "تم نے بہت بہادری کا مظاہرہ کیا ہے۔ کچھ بنا کر اسے ختم کرنے کے لیے بہت حوصلہ چاہیے ہوتا ہے۔"

زمرد نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا اور بولی۔ "انسان خود سے سچ بولنے لگے، تو سب کچھ آسان ہونے لگتا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

زوہیب اپنی فیملی کے ساتھ ہوٹل کے اس مخصوص حصے میں خوش گپیوں میں مصروف تھا کہ سحر وہاں داخل ہوئی۔ یہ سب دیکھتے ہی سحر کے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے۔

سیف اور شہ پارہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف لپکے، مگر وہ بے حد سرد مہری سے ملی۔

دوپہر میں کال کر کے زوہیب نے اسے اپنی نئی کامیابی کے متعلق بتایا تھا، ان کی کمپنی کو نئی ڈیجیٹل شیلڈ 'دی گارڈین' کی وجہ سے ایک بہت بڑا سیکیورٹی کانٹریکٹ ملا تھا۔ زوہیب نے اس خوشی میں ڈنر کے لیے ہوٹل کا نام اور وقت بتایا تھا، اور سحر کو لگا کہ یہ جشن صرف ان دونوں کے درمیان ہوگا۔

وہ طوہاً کرہاً زوہیب کے والدین سے ملی، سیف کو نظر انداز کیا اور زوہیب کو بازو سے پکڑ کر ارمغان سے دور ایک گوشے میں لے گئی۔

"اس لیے تم نے مجھے یہاں بلایا تھا؟" سحر نے دبی آواز میں تلملا کر پوچھا۔

زوہیب اس کے اچانک بدلتے تیور دیکھ کر حیران رہ گیا۔ "مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔"

"زوہیب! میں سمجھی تھی تم اپنی اتنی بڑی کامیابی کا جشن میرے ساتھ تنہائی میں مناؤ گے، مگر یہاں تو پورا خاندان جمع ہے۔" سحر نے جھنجھلاہٹ سے کہا۔

"سحر، یہ میری فیملی ہے، اور مجھے اس مقام تک پہنچانے میں ان سب نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔" زوہیب نے تحمل سے اسے سمجھانا چاہا۔

سحر نے ایک سرد نگاہ میز پر بیٹھے لوگوں پر ڈالی۔ "دیکھو زوہیب، شادی کے بعد بھی مجھے الگ ہی رہنا ہے۔ مجھے روزانہ کی بنیاد پر یہ تماشہ نہیں چاہیے۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے زوہیب کے گھر والوں کی طرف اشارہ کیا۔ "میں اپنی لائف میں ان سب کی مداخلت برداشت نہیں کروں گی۔"

زوہیب کے چہرے پر اداسی کی ایک گہری لہر دوڑ گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ پختہ لہجے میں بولا۔

پھر شاید ہمارا ساتھ چلنا مشکل ہے سحر، کیونکہ یہ رونق اور رشتے مجھے بے حد پسند ہیں۔"

"اگر تم پہلے ان خیالات کا اظہار کر دیتی تو ہم دونوں کے لیے آسانی رہتی۔

سحر ابھی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ زوہیب نے نہایت پر سکون انداز میں اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اتاری اور اسے سحر کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"اب ہم دونوں آزاد ہیں۔" زوہیب نے مختصر کہا اور بغیر مڑے واپس اپنے گھر والوں کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

زوہیب کے لیے اس کی پسندیدہ بریانی تیار کرتے ہوئے زمرد نے شہ پارہ اور سیف کو بتایا کہ زوہیب کی طبیعت ناساز ہے۔ سیف نے شرارت سے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "ہاں! اور بریانی تو ان کی صحت کے لیے بہت 'فائدہ مند' ہے! انہیں کھچڑی اور قہوہ بنا کر دیں۔"

زمرد خاموشی سے کھانا لے کر زوہیب کے کمرے میں چلی گئی۔

زوہیب نے بیڈ پر سیدھے ہوتے ہوئے کہا کہ جتنی دیر وہ کھانا کھائے، زمرد وہیں اس کے پاس بیٹھی رہے۔

کھانے کے دوران زوہیب نے پوچھا۔ "اب تمہیں کیسا محسوس ہو رہا ہے؟ اب بھی تذبذب کا شکار ہو؟"

زمرد نے مختصر جواب دیا۔ "نہیں۔"

زوہیب نے چمچ دوبارہ پلیٹ میں رکھتے ہوئے اچانک سوال کیا۔ "کیا تم اس بریانی کو میری زندگی کا مستقل حصہ بناؤ گی؟"

زمرد نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور اسے دیکھا۔

زوہیب گڑبڑا گیا۔ "سوری! مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بات کیسے شروع کروں، اس لیے کھانے کا سہارا لینا ہی سب سے محفوظ لگا۔"

زمرد اٹھ کر جانے لگی۔

زوہیب نے جلدی سے پکارا۔ "اوہ خدا کے لیے رکو! میں بیمار ہوں، میرے اس 'غیر تخلیقی' پروپوزل پر مجھے معاف کر دو۔"

زمرد کی اور مڑ کر سنجیدگی سے بولی۔ "زوہیب! تمہاری ابھی کچھ ہی دن پہلے منگنی ٹوٹی ہے، سب کیا کہیں گے؟"

زوہیب نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔ "ہم دونوں کی سوچ بہت مختلف تھی زمرد، اس منگنی کے ٹوٹنے کی وجہ تم ہرگز نہیں تھی۔"

"کیا تم اس لیے مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو کہ میں سحر سے بالکل مختلف ہوں یا اس لیے کہ میں تمہیں ایک آئیڈیل بیوی کے روپ میں دکھائی دیتی ہوں؟" زمرد نے سیدھا سوال کیا۔

زوہیب کی نظروں میں ایک گہرا اعتراف تھا۔ "محبت تو مجھے چائے کے اسی پہلے کپ پر ہو گئی تھی، بس اس احساس کے اعتراف میں ذرا وقت لگا۔"

زمرد انجان بنتے ہوئے بولی۔ "کون سا چائے کا کپ؟"

"وہی جو تم نے اپنا مجھے دے دیا تھا۔" زوہیب نے مسکرا کر یاد دلایا۔"

زمرد نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ بولا۔ "جب میں نے اس رات تمہیں کچن میں کھڑے دیکھا، تمہارے پلٹنے سے پہلے ہی میں جان گیا تھا۔"

زمرد کے حلق سے بس ایک لفظ نکل سکا۔ "کیا؟"

"یہی کہ اب سب کچھ بدلنے والا ہے۔" زوہیب نے نرمی سے کہا۔

زمرد نے ایک لمحے کے توقف کے بعد پوچھا۔ "اور جو ہمارا طبقاتی فرق ہے، اس کا کیا؟"

"جیون ساتھی کے انتخاب کا معیار کون طے کرتا ہے، زمرد؟ یہ معاشرہ یا ہم خود؟"

☆☆☆☆☆☆☆

زوہیب کو مکمل تندرست ہونے میں دو دن لگ گئے تھے۔ آج وہ پہلی بار آفس جانے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔

ناشتے کی میز پر اسے معمول سے کچھ زیادہ ہی گہما گہمی محسوس ہوئی۔

اچانک سیف بولا۔ "دردانہ آنٹی تو زمرد آپی کو اپنے پاس سے اٹھنے ہی نہیں دے رہی تھیں، اتنا پیار انہیں پہلے تو کبھی نہیں آیا۔"

زوہیب کو کچھ شبہ ہوا۔

پچھلی شام وہ دوائیوں کے زیر اثر نیم غنودگی میں اپنے کمرے تک ہی محدود رہا تھا۔ دردانہ آنٹی اور شاہ میر انکل کچھ دیر کے لیے اس کی طبیعت پوچھنے اس کے کمرے میں آئے تھے، تب اسے حیرت بھی ہوئی تھی کہ فراز اور امبر کیوں نہیں آئے، جبکہ آج کل تو یاور بھی ان کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔

شہ پارہ نے مسکرا کر لقمہ توڑا۔ "اب رشتہ جو بدلنے والا ہے۔"

زوہیب نے فوراً زمرد کی طرف دیکھا، جو اس کی نظر پڑتے ہی فوراً ناشتے پر جھک گئی۔

"آپ لوگ کچھ مجھے بھی بتائیں گے یا نہیں؟" ناچاہتے ہوئے بھی زوہیب کا لہجہ سخت ہو گیا، جسے گھر والوں نے بیماری کے بعد کا چڑچڑا پن سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

ارمغان نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ لوگ فراز کا رشتہ لے کر آئے تھے، زمرد کے لیے۔"

پھر اس نے ایک ناراض سی نگاہ ماں پر ڈالی۔ "مجھے یہ بات کچھ خاص پسند نہیں آئی۔"

افتخار صاحب بولے۔ "ہم جانتے ہیں کہ امبر اور تمہارے ماضی کی وجہ سے تم ذرا تلخ ہو رہے ہو، لیکن فراز میں کوئی ایسی برائی نہیں کہ انکار کیا جائے۔"

فہمیدہ بیگم نے بات مکمل کی۔ "اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ زمرد کو کوئی اعتراض نہیں۔"

زوہیب نے ایک گہری اور تیکھی نظر زمرد پر ڈالی، جو ہر جگہ دیکھ رہی تھی سوائے زوہیب کے چہرے کے۔ "اوہ اچھا! مجھے حیرت کیوں نہیں ہوئی؟ زمرد کو تو ویسے بھی انکار کرنا بہت آسان لگتا ہے نا؟"

زوہیب کی بات پر شہ پارہ نے بھی زمرد کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں فکرمندی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ زمرد خاموشی سے اٹھی اور کچن میں چلی گئی۔ زوہیب نے وقت ضائع کیے بغیر چائے کا کپ میز پر رکھا اور اسی کے پیچھے کچن کی جانب بڑھ گیا۔

کچن میں اس وقت صرف وہی تھی، جو شاید سب سے بھاگ کر یہاں پناہ لینے آئی تھی۔

"اتنی کمزور یادداشت ہے تمہاری؟" زوہیب کی آواز پر جواب دینے کے بجائے وہ تیزی سے برتن سمیٹنے لگی۔

"ابھی دو دن پہلے میں نے تم سے کچھ مانگا تھا زمرد۔"

وہ ایک دم اس کی طرف مڑی، آنکھوں میں غصہ اور بے بسی تھی۔ "اس نے اپنے گھر والوں کو بھیج دیا، وہ تم سے زیادہ تیز نکلا۔"

زوہیب پہلی بار کھل کر مسکرایا۔ "یہ رشک ہے یا ناراضگی کا اظہار؟"

وہ ایک بار پھر برتنوں کی جانب مڑ گئی، اس کا لہجہ اب ٹوٹا ہوا تھا۔ "لوگوں کے طعنے سننے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔ سب یہی کہیں گے کہ گھر میں رہ کر یہاں کے بندے کو پھانس لیا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆

اسی رات ڈنر پر ہوتی گفتگو سے پہلی بار زوہیب کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہوا۔

"کل میں اپنی عید والی شرٹ پہنوں گا۔" سیف کے ان الفاظ پر زوہیب نے سر اٹھا کر اسے گھورا۔

"وہی شرٹ جس پر تمہارا دماغ اس بری طرح اٹک چکا ہے کہ ہر خاص موقع پر وہی پہنتے ہو؟" لیکن اس طنز کا بھی سیف کے خوشگوار موڈ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

"دراصل۔۔۔" شہ پارہ نے چٹخارہ لیا۔ "اس کے دوست نے اسے کہا تھا کہ اس رنگ میں یہ زیادہ اچھا دِکھتا ہے۔"

"اوہ!" زوہیب نے آنکھیں گھمائیں۔ "آخر تم نے ایسا رنگ دریافت کر ہی لیا۔"

"ارمغان بھائی شاید نہ جائیں، انہوں نے تو کل وہاں سے آئی مٹھائی چکھی تک نہیں تھی۔" سیف بولا تو دردانہ اسے گھور کر رہ گئیں۔

"کہاں جا رہے ہو تم سب؟" زوہیب نے سیف سے پوچھا، ساتھ ہی اس جانب دیکھا جہاں وہ خلاف معمول نہایت خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی۔

"وہی جن کے ہاں سے رشتہ آیا ہے۔" سیف بولا تو آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں، پھر اس کے اور ارمغان کے بیچ نظروں کا تبادلہ ہوا۔

ایسا تبادلہ جسے زوہیب ڈی کوڈ نہ کر پایا۔

"آپ لوگ سب مل کر جتانا کیا چاہتے ہیں؟" اس نے قدرے بلند آواز سے کہتے ہوئے ان سب پر نظر ڈالی، جواب ساکت ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ "مجھ سے اس گھر میں ہر بات چھپائی کیوں جا رہی ہے؟"

"تم ابھی کچھ ہی دیر پہلے تو آئے ہو۔" افتخار صاحب جو کافی دیر سے یہ سب دیکھ رہے تھے، اچانک بول اٹھے۔

"کوئی بھی فراز کے ہاں نہیں جائے گا۔" وہ لہجہ ہموار رکھتے ہوئے بولا۔

"اب تمہیں بھلا کیا اعتراض ہے، بتاؤ، ذرا ہمیں بھی تو پتہ چلے؟" دردانہ قدرے تیکھے لہجے میں بولیں۔

سیف نے مسکراہٹ ہونٹوں تلے دباتے ایک بار پھر ارمغان کی طرف دیکھا جو اب تعجب سے زوہیب کو دیکھ رہا تھا۔

"زمرد سے میری شادی ہو گی!" وہ اپنے ماں باپ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس سے پوچھا ہے کہ وہ کیا چاہتی ہے؟" افتخار صاحب نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

زمرد اسی لمحے اٹھی اور تیز قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی۔

زوہیب کرسی پیچھے کھسکاتے ہوئے اٹھا اور اس کے پیچھے چل دیا۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر جا رہی تھی جب آہٹ پر پلٹ کر دیکھا تو قدرے غصے سے بولی۔ "یہاں بھی میرے پیچھے آ گئے؟"

"تمہیں اپنے لیے بولنا کب آئے گا؟"

وہ دونوں اوپر پہنچے تو زمرد نے پلٹ کر اسے دیکھا اور وہیں رک گئی۔

"تم نے آج سب کے سامنے یوں۔۔۔" وہ دونوں ہاتھ پھیلاتے چپ سی ہو گئی۔

"سب اپنے ہیں، زمرد۔" وہ نرمی سے بولا۔ "میرے بھی، تمہارے بھی۔"

اس پر زمرد نے اسے پہلی بار غور سے دیکھا، جیسے الفاظ کی گہرائی میں اترنا چاہتی ہو۔

"تم میرے والدین سے کہہ سکتی تھی کہ تمہیں فراز سے شادی نہیں کرنی۔" پھر مسکرایا۔ "تم انہیں یہ بھی بتا سکتی تھی کہ تمہیں ان کا منجھلا بیٹا زیادہ پسند ہے۔"

وہ پٹڑی سے اترنے لگا تو زمرد فوراً بولی۔ "میں نے کبھی ایسا کچھ نہیں کہا۔"

"میں نے محسوس تو کیا ہے نا!"

"یہ بات اس طرح نہیں ہونی چاہیے تھی۔"

"شاید۔" وہ رکا۔ "لیکن میں گھبرا گیا تھا۔"

"مجھے ہمیشہ لگا تم بہت سمجھدار انسان ہو۔"

"اب ڈیڈ کی بات کا جواب دو۔"

زمرد نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ شرارت سے بولا۔ "کوئی اعتراض تو نہیں؟"

☆☆☆☆☆☆☆

کچھ ہی دیر قبل اس کی آنکھ لگی تھی کہ دروازہ دھاڑ کی آواز کے ساتھ کھلا۔

آنے والے نے سیدھے مرکزی لائٹ آن کی۔

زوہیب نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں اور اس سمت دیکھا جہاں سے یہ طوفان آیا تھا۔

"سیف!" غصے سے وہ اٹھ بیٹھا۔ "یہ کون سا وقت ہے؟" ساتھ ہی دیوار گھڑی پر نظر ڈالی۔ "یوں اس طرح آتے ہیں؟"

وہ یوں کھڑا مسکرا رہا تھا جیسے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہو۔

"آپ کے سوالوں کا جواب بھی دیا جائے گا۔ ارمغان بھائی کی جیب ہلکی کرنی ہے تو جلدی سے تیار ہو جائیں۔"

اس پر زوہیب نے غور کیا، سیف نے وہی عید والی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔

خاص موقع۔

"یہ ہو کیا رہا ہے؟"

"صبح سے یہی ایک جملہ دہرا رہے ہیں، میرے تو کان پک گئے۔ لگتا ہے فراز بھائی کے رشتے والی بات نے سیدھا اوپری سسٹم پر اٹیک کیا ہے۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "جلدی نیچے آئیں، ہم سب کلنے والے ہیں۔"

"اس وقت ہم تینوں وہاں موجود تھے۔" وہ سب اس وقت آئس کریم پارلر میں بیٹھے ہوئے تھے، شہ پارہ زوہیب کو اس ٹریٹ کے پیچھے چھپی کہانی سنا رہی تھی۔ "میں، ارمغان بھائی اور سیف۔"

"شہ پارہ۔" زمرد گلابی چہرہ لیے بولی۔ "کسی اور وقت سہی۔"

زوہیب نے گہری دلچسپی سے زمرد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے ابھی جاننا ہے۔"

"ناشتے کے بعد سے یہ اچھلتا پھر رہا تھا۔" شہ پارہ نے نرم نگاہوں سے سیف کی طرف دیکھا۔ "کہ زوہیب بھائی ہمیں میر ہاؤس جانے ہی نہیں دیں گے، یہ سب تیاریاں بیکار جائیں گی۔"

زوہیب کو واقعی جھٹکا لگا تھا۔ سیف کیسے جانتا تھا؟

"بس۔" سیف نے کندھے اچکائے۔ "مجھے پتہ تھا۔"

"اس کے دل کی تار جڑی ہوئی ہے تمہارے دل سے۔" ارمغان بھی بہت اچھے موڈ میں تھا۔

"اس کی ان پیش گوئیوں سے گھر کے سبھی افراد واقف تھے یا صرف آپ دونوں؟" زوہیب نے ارمغان سے پوچھا۔

"ارے نہیں، مجھے آپ کی عزت کا خیال ہے۔" سیف نے چمکتی آنکھوں سے کہا تو زوہیب فوراً بولا۔

"اب کوئی قیمت نہ لگا بیٹھنا۔"

"وہ تو اس نے میرے ساتھ لگائی۔" زوہیب نے میز پر رکھی آئس کریم اور فالودے کے پیالوں کی طرف اشارہ کیا۔ "ایسی شرط کہ جیتنے کی صورت میں اسے تین جگہوں سے کھلایا جائے گا۔"

"تین؟" زوہیب کو حیرت ہوئی۔

"اس کے بعد میرا فیورٹ کافی سپاٹ اور پھر بیکری۔" سیف نے تفصیلات فراہم کیں۔

"اور اگر یہ ہار جاتا؟" زوہیب نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اس انمول شرٹ سے ہاتھ دھونے پڑتے۔" زمرد آخر کتنی دیر چپ بیٹھی رہتی۔

☆☆☆☆☆☆☆

شہ پارہ فہمیدہ کے کمرے میں آئی تو منظر کچھ یوں تھا۔

سیف ماں کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا، ارمغان ان کے بائیں جانب بیڈ کے ہیڈ بورڈ سے ٹیک لگائے سیدھا بیٹھا تھا جبکہ زوہیب سامنے صوفے پر جسم کر ڈھیلا چھوڑے، ٹانگیں پھیلائے سیف کو دیکھ رہا تھا۔

"مجال ہے جو ذرا اور یجنل ہو سکو، جو مجھے کرتے دیکھتے ہوا گلے دن وہی کرتے دکھائی دیتے ہو۔" وہ بولا تو سب ہنس پڑے یہاں تک کہ شہ پارہ بھی، جو ہاتھ میں کپ کیکس کی ٹرے اٹھائے ہوئے تھی۔ زوہیب نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ٹرے لی۔

"بیکر خود کیوں نہیں آئی؟" وہ سب کے سامنے ٹرے کرتا گیا کہ ہر کوئی اپنے نام کا کپ کیک اٹھا لے۔

"کہہ رہی تھی کمرے میں گئی تو سب مجھے چھیڑیں گے۔"

"کوئی جو اسے تنگ کرتا۔۔۔"اس نے خاص طور پر سیف کو دیکھا۔"تو میں اسے دیکھ لیتا۔"

"اسے سب سے زیادہ تم سے ہی خطرہ رہتا ہے۔"فہمیدہ بولیں تو وہ کپ کیک ہاتھ میں لیے دوبارہ صوفے پر جا بیٹھا۔

"میں نے کیا کر دیا؟"زوہیب نے جہاں بھر کی معصومیت چہرے پر لاتے ہوئے کہا۔

"وہ جو رات کو آپ نے ٹریٹ سے واپسی پر کہا،'تم لوگ جاؤ، میں اور زمرد بعد میں آ جائیں گے'۔"سیف نے مصنوعی رومانوی لہجے میں کہا۔

"اسے سب کے سامنے شرمندہ تو نہ کیا کرو۔"فہمیدہ نے کہا۔

"صرف اتنا ہی کہا تھا کہ دونوں اکیلی سڑکوں پر چہل قدمی کریں گے، کسی کی دیوار سے اچک کر پھول توڑوں گا اور زمرد کے بالوں میں لگاؤں گا۔"ارمغان نے رات والے زوہیب کے الفاظ دوہرائے۔

"پھول والی بات میں نے نہیں کہی تھی۔"زوہیب نے احتجاج کیا۔

"ارمغان بھائی کی تخلیقی صلاحیت جاگ گئی، کیسے کیسے جھوٹ بنانے لگے ہیں۔" شہ پارہ کے تبصرے پر سب ہنس پڑے۔

"یہ دیکھو سب سے زیادہ چاکلیٹ چپس میرے کپ کیک پر لگائے ہیں۔" وہ اب آدھا کھایا ہوا کپ کیک سب کو دکھا رہا تھا۔ "وہ پہلا نمبر مجھے دے چکی ہے۔"

"تمہاری شادی میں ابھی وقت ہے، زیادہ تنگ نہ کرنا، کہیں واپس میانوالی نہ بھاگ جائے۔" ارمغان نے کہا۔

"مجھے کوئی منگنی ونگنی نہیں کرنی۔" اس نے ماں سے کہا۔ "سیدھا شادی ہو گی۔"

"اور بھی کوئی فرمائش ہے تو بتا دو؟" فہمیدہ مسکرائے گئیں۔

"شادی کے فوراً بعد سوئٹزرلینڈ لے کر جاؤں گا، وہ بھی ایک ماہ کے لیے۔" ساتھ ہی زوہیب نے ان سب پر نظر ڈالی۔ "تم سب سے بریک چاہیے مجھے۔"

سب ایک ساتھ شروع ہوئے۔

"ایک ماہ کے لیے؟"

"بریک؟"

"ہر بار مجھے کیوں دیکھتے ہیں!"

"کچن کوئن کو بھی ذرا بریک ملے گی۔" زوہیب نے ڈرامائی آہ بھری۔ "میرا تو لوسٹوری ہی کچن سے شروع ہوئی تھی۔"

"اچھا ہوا وہ اس کمرے میں نہیں آئی۔" شہ پارہ نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے زوہیب کو دیکھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

نایاب کو حمزہ کا سردیوں کا یونیفارم خریدنا تھا۔

اذان کی سکول کی چند چیزیں لینی تھی جن پر ارمغان کو اس کی رائے درکار تھی، فہمیدہ نے زمرد کے لیے زیور کا آرڈر دینا تھا اس لیے وہ اور زمرد دوسری جانب چل دیے۔

"میں یہ ماہ پورا ہوتے ہی جاب چھوڑ دوں گی۔" ارمغان اس وقت اذان کے لیے جوتے دیکھ رہا تھا جب نایاب نے انکشاف کیا۔

اذان نے اس وقت اپنے دونوں ہاتھ دو مختلف جوتوں پر رکھے ہوئے تھے۔اس کے لیے ایک کو چننا مشکل تھا۔

"مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟"ارمغان نے نہایت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"مجھے کچھ بہتر تو کرنا ہی تھا۔"وہ نرمی سے گویا ہوئی۔"یہ ایک عارضی نوکری تھی۔"

"جانتا ہوں، یہ تمہارے شایانِ شان نہیں،اس لیے روک بھی نہیں سکتا۔"اب وہ شیشے کے باہر اس جوڑے کو دیکھ رہا تھا جن کے بیچ چلتے بچے کے ہاتھ دونوں والدین نے تھام رکھے تھے۔اس نے نظریں چرالیں۔"تم نے بی ایس کر رکھا ہے اور۔۔۔خیر۔"اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔"کون سی کمپنی ہے؟"

"میر سٹریٹیجک کنسلٹنسی۔"

ارمغان نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا،وہ مسکرادی۔

"جانتی ہوں،آپ کے رشتہ دار ہیں۔"

"کس نے آفر کی؟"

"اس کا نام نہیں بتا سکتی۔"

"نایاب، تم۔۔" وہ بری طرح اٹکا۔ "کچھ غلط نہ کر بیٹھنا۔"

"آپ کو میری اخلاقی اقدار پر شک ہے؟" اس نے آنکھیں سکیڑ کر ارمغان کو دیکھا۔

"میں تمہیں بے احتیاطی سے روکنا چاہتا ہوں۔"

"میں صرف وہاں جاب کے لیے جا رہی ہوں۔"

"مجھے معاملہ اتنا سیدھا نہیں لگ رہا۔"

کچھ دیر بعد جب وہ حمزہ کا یونیفارم لے کر ادائیگی کے لیے کاؤنٹر پر آئے تو نایاب نے اسے ٹوکا۔ "میں خود دوں گی۔"

"لیکن۔۔"

"میں آپ کا بہت احترام کرتی ہوں، لیکن یہ میرے لیے ٹھیک نہیں۔" جب وہ دکان سے باہر نکلے اور اذان نے نایاب کی انگلی تھامی تو ساتھ ہی بولی۔ "اس سے پہلے دو تین بار

یوں ہوا کہ آپ نے میری خریدی ہوئی چیز کی ادائیگی کی، میں نے دھیان نہیں دیا لیکن ہر بار حمزہ جب آپ کی تعریف کرتے ہوئے بولا، 'مجھے پتہ ہے انہوں نے ہی دیے ہوں گے'، تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ فیورز نہیں لینی چاہییں، عادتیں خراب ہو جاتی ہیں۔ خودداری مرنے لگتی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

دروازہ کھلا اور نایاب، فراز میر کے پی اے کے پیچھے دبے قدموں کمرے میں داخل ہوئی۔ سامنے کی پر تعیش کرسی پر فراز میر متمکن تھا، جبکہ اس کے سامنے صوفے پر یاور نہایت اطمینان سے بیٹھا کسی فائل کا معائنہ کر رہا تھا۔

نایاب کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی فراز کے لبوں پر ایک گہری مسکراہٹ ابھری۔

"آیئے نایاب صاحبہ! ان سے تو ملاقات ہوئی ہو گی تمہاری؟" اگلے ہی لمحے فراز نے یاور سے کہا۔ "امبر نے خاص طور پر ان کی جاب کے لیے کہا تھا۔

یاور نے فائل سے نظریں ہٹا کر گردن موڑی اور نایاب کو دیکھا۔اس کے ماتھے پر فوراً ناگواری کے بل پڑ گئے۔اس نے نایاب کو اوپر سے نیچے تک ایک تنقیدی نظر سے دیکھا جیسے وہ اس کارپوریٹ ماحول میں کوئی بالکل ہی اجنبی عنصر ہو۔

"کوالیفیکیشن کیا ہے آپ کی؟" یاور کا لہجہ ضرورت سے زیادہ سرد اور کھرہ تھا۔

نایاب ایک لمحے کو گڑبڑا گئی،اس نے بے یقینی سے فراز اور پھر اس کے پی اے کو دیکھا۔ اسے اس قسم کے رویے کی توقع نہیں تھی، مگر پھر وہ جلدی سنبھل گئی۔یاور کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے تاثر لہجے میں بولی۔

"انٹرویو ایک بار دیا جاتا ہے، بار بار کسی پر اپنی قابلیت ثابت کرنا میں ضروری نہیں سمجھتی۔"

یاور نے کوئی جواب نہیں دیا، بس حیرت سے ابرو اچکائے اور دوبارہ فراز کی طرف مڑ گیا، جیسے کہہ رہا ہو، 'دیکھا تم نے اس کا انداز؟'

فراز نے پی اے کو اشارہ کیا کہ وہ نایاب کو اس کے ورکنگ ایریا تک لے جائے۔نایاب کے باہر نکلتے ہی یاور نے میز پر پڑا اخبار اٹھایا اور اسے کھولتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"فراز! تمہارا معیار گرتا جارہا ہے۔ایک آیا کو تم نے یہاں آرکائیوسٹ رکھ لیا؟ جس فیلڈ میں نفاست اور ٹیکنکل سمجھ چاہیے، وہاں تم ایسے 'پرائمری اسکول 'لیول کے لوگ لارہے ہو۔بی ایس اردو۔۔۔اوہ!"اس نے لفظ اردو پر خاص طور پر زور دیا۔

فراز بے فکری سے ہنس دیا۔"سفارشی ہے بھئی! امبر کی ضد کے آگے کون جیت سکتا ہے۔ایک کونے میں پڑی فائلیں ترتیب دیتی رہے گی، ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔"

☆☆☆

نایاب کو میر کمپنی کی نچلی منزل کے ایک نیم تاریک اور گرد آلود ریکارڈ روم میں بھیج دیا گیا تھا۔

یہاں سالوں پرانی فائلوں کے ڈھیر تھے جنہیں ترتیب دے کر فہرست بنانی تھی۔

کافی دیر تک بوسیدہ کاغذات الٹنے پلٹنے کے بعد اس نے ایک موٹی فائل کھولی جس پر ایک سیکیورٹی آلات فراہم کرنے والی کمپنی کا نام درج تھا۔

فائل کے ابتدائی صفحات میں نگرانی کے کیمروں، بائیو میٹرک اسکینرز اور داخلی نظام کے پرزوں کی تفصیلات موجود تھیں۔

نایاب کی پیشانی پر ہلکی شکن ابھری۔

میر کمپنی کا ان آلات سے کیا تعلق ہو سکتا تھا؟

اس نے مزید صفحات پلٹے۔

ایک جگہ بھاری پیشگی ادائیگی درج تھی، مگر اس کے مقابل نہ کسی سامان کی وصولی کا اندراج تھا، نہ تنصیب کی رپورٹ، نہ ہی کسی منصوبے کا حوالہ۔

صفحے کے ساتھ ایک الگ پرچی بھی لگی ہوئی تھی، جیسے بعد میں جلدی میں شامل کی گئی ہو۔

اس پر ایک ویئرہاؤس کا پتہ درج تھا اور نیچے مختصر ہدایت لکھی تھی۔

"مرکزی ترسیل سے پہلے سامان یہاں روکا جائے۔ خصوصی جانچ کے بعد ہی آگے بھیجا جائے۔"

نایاب کی نظریں چند لمحے اسی جملے پر ٹھہری رہیں۔

اس نے بے اختیار فائل کا سرورق دوبارہ دیکھا، پھر وہ پرچی۔

دل میں جیسے کوئی دھندلا سا ربط ابھرنے لگا تھا، مگر تصویر ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

یاور، فراز کے ساتھ ایک طویل میٹنگ کے بعد اب اس کے کیبن میں تنہا تھا۔ فراز کسی ضروری کال کے لیے چند منٹوں کی معذرت کر کے باہر نکلا تھا۔ یاور کی نظریں میز پر بکھری چیزوں کا جائزہ لے رہی تھیں کہ اچانک اس کی نظر ایک ایسی فائل پر پڑی جس پر جلی حروف میں 'ایس آر آڈٹ، فائنل اسٹیٹس' درج تھا۔ اس نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر فائل کے صفحات پلٹنا شروع کیے۔ اس کی آنکھیں تیزی سے اعداد و شمار اور ناموں کے درمیان کسی خاص کڑی کی تلاش میں تھیں۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور فراز اندر داخل ہوا۔ یاور کے اعصاب میں جنبش تک نہ ہوئی، اس نے نہایت سکون سے فائل واپس میز پر رکھی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر مسکراتے ہوئے فراز کو دیکھا۔

"فراز! میں سوچ رہا تھا کہ تمہاری یہ شیل کمپنی 'ایس آر آڈٹ' اتنا منافع کیسے کما رہی ہے" "کہ اس نے بینکوں کے بڑے بڑے ٹھیکے لے رکھے ہیں؟

فراز کے لبوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔اس نے میز کے پار بیٹھتے ہوئے یاور کی آنکھوں میں دیکھا۔"اصل منافع آڈٹ میں نہیں ہوتا،اس اعتماد میں ہوتا ہے جو لوگ اپنے نظام ہمارے حوالے کرتے وقت کرتے ہیں۔"

☆☆☆

رات کو یاور نے سونے سے پہلے شاہ ویز کا نمبر ملایا۔دوسری طرف سے کال اٹھائی گئی تو یاور نے بغیر کسی تمہید کے کہنا شروع کیا۔

یار تمہارے مشورے پر میں نے میر کمپنی میں ہاتھ تو ڈال لیا ہے،پر سمجھ نہیں آ رہا کہ "

"میں ڈھونڈ کیا رہا ہوں۔

شاہ ویز کی ہنسی سنائی دی۔"میرا مشورہ؟ تمہی نے چوہدری حشمت والا مسئلہ بتایا تھا،غالباً وہ تمہارے ڈیڈ کے دوست ہیں۔"

یاور کے لبوں پر ایک تکان بھری مسکراہٹ آئی۔"بس کچھ دیر کو یہ جھنجھٹ تمہارے سر ڈالنا چاہتا تھا۔"

شاہ ویز کا لہجہ اب تھوڑا سنجیدہ ہوا۔ "دیکھو، تم نے جب پاکستان آنے سے پہلے فون پر یہ سب بتایا تو مجھے بھی کچھ کھٹکا تھا۔ بینک کا جو سونا چوری ہوا، اس سے بھی کسی بڑے ادارے کی کارروائی کی بو آئی۔ تم ویسے بھی اس کمپنی میں گھسنا چاہتے تھے، سو میں نے بھی کچھ جاسوسی کرنے کا کہہ دیا۔"

"ہاں، میں مانتا ہوں کہ میر پر پہلا شک کرنے کا خطاکار میں ہی ہوں۔" یاور نے کھڑکی "سے باہر دیکھا۔ "لیکن آج ایک کام کی بات پتہ چلی ہے، شاید تمہارے بھی کام کی ہو۔ یاور نے اسے اس شیل کمپنی اور اس کے بینکوں کے ساتھ تعلق کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

فراز میر کے کیبن میں لگی بڑی اسکرینز پر مختلف شہروں کے نقشے اور بدلتے ہوئے گراف چل رہے تھے۔ فراز ایک ہاتھ جیب میں ڈالے، دوسرے ہاتھ سے اسکرین کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"یاور، معلومات کی اصل طاقت یہی ہے کہ آپ کو وقت سے پہلے اندازہ ہو جائے کہ کہاں کیا حرکت ہو رہی ہے۔ یہ نظام ہمیں بتاتا ہے کہ اس وقت کون سے اہم سگنلز اور رابطے فعال ہیں۔" فراز نے اعتماد سے کہا۔

یاور اسکرین کے قریب گیا۔ اس کی نظریں ایک مخصوص ونڈو پر جم گئیں جہاں مختلف رابطوں کی فہرست چل رہی تھی۔ چند ناموں کے ساتھ ایسے کوڈ درج تھے جو شاہ ویز کی سیکیورٹی کمپنی کے سسٹم سے مشابہ لگ رہے تھے۔

یاور کو فوراً وہ بات یاد آئی جو شاہ ویز نے ائیر پورٹ سے واپسی پر بتائی تھی، گاڑی لوٹی جا رہی تھی مگر کنٹرول روم میں کیمرے معمول کے مطابق چلتے دکھائی دے رہے تھے اور نقشے پر سبز نقطہ اپنی جگہ حرکت کرتا نظر آ رہا تھا۔

اس نے اسکرین پر موجود ایک اور خانے کو غور سے دیکھا۔ وہاں ایک سطر جگمگا رہی تھی۔

"Feed Override: Active"

اس کے نیچے نقشے پر ایک گاڑی کی فرضی نقل و حرکت چل رہی تھی، جیسے کسی پرانی ریکارڈنگ کو دوبارہ دہرایا جا رہا ہو۔

یاور کے ذہن میں ایک جھٹکے سے کئی باتیں جڑنے لگیں۔

اگر یہ ادارہ صرف معلومات اکٹھی کرتا تھا تو پھر اسے کسی اور نظام کی براہِ راست تصویر بدلنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ اسے احساس ہوا کہ یہاں صرف نگرانی نہیں ہو رہی، بلکہ سامنے والے کو ایک جھوٹا منظر دکھایا بھی جا سکتا ہے۔

یہ تو کافی غیر معمولی نظام ہے فراز۔" یاور نے لہجہ ہموار رکھا۔ "ایسا لگ رہا ہے جیسے تم "لوگ اصل صورتحال کے بجائے کسی کو دوسرا منظر بھی دکھا سکتے ہو۔

فراز کے لبوں پر ہلکی سی پراسرار مسکراہٹ ابھری۔

اصل کھیل ہمیشہ منظر کا ہوتا ہے یاور۔ اکثر لوگ وہی مان لیتے ہیں جو اسکرین پر دکھائی" "دے رہا ہو۔

اسی لمحے ایک ملازم کچھ کاغذات لے کر اندر آیا تو فراز اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یاور نے اس مختصر وقفے میں اسکرین کے نیچے موجود فائلوں پر نظر ڈالی۔ وہاں ایک فولڈر کا نام نمایاں تھا۔

ایس آر آڈٹ۔

یاور اب کافی حد تک سمجھ چکا تھا کہ وہ شیل کمپنی صرف رسمی جانچ پڑتال نہیں کرتی تھی۔ اصل کام شاید ان کمزور راستوں کو تلاش کرنا تھا جہاں سے کسی نظام کی نگرانی یا منظر دونوں بدلے جا سکیں۔ اسے محسوس ہوا کہ شاہ ویز کے خلاف بننے والی تصویر شاید اتنی سیدھی نہیں جتنی دکھائی گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

فراز کسی فون کال کے سلسلے میں کیبن سے باہر نکلا تو یاور پہلے تو کرسی پر ہی بیٹھا رہا، مگر اس کی نظر مسلسل فراز کی میز پر تھی۔ چند لمحے گزرے تو اس نے غیر محسوس انداز میں میز کی درازوں پر نظر ڈالی۔ ایک دراز ذرا سی کھلی ہوئی تھی۔

یاور اٹھ کر وہاں گیا اور دراز کھول کر اندر جھانکا۔ وہاں ایک چھوٹا سا مخملی کیس رکھا تھا۔ اس نے پہلے تو ہاتھ لگائے بغیر قریب سے دیکھا، پھر احتیاط سے اٹھا کر ڈھکن تھوڑا سا کھولا۔

اندر ایک چھوٹا سا ایوایس بی ڈیوائس پڑی تھی۔

یاور کی نظر اس کے اوپر موجود سیریل نمبر پر ٹھہر گئی۔ یہ طرزِ نمبر اسے مانوس لگا۔ یہی وہ ساخت تھی جس کا ذکر شاہ ویز نے اپنے سسٹمز کے حوالے سے کیا تھا۔

اس کے ذہن میں فوراً شاہ ویز کی بات آئی کہ اسکینرز کے معاملے میں سسٹم نے کسی مشکوک یا غیر معمولی داخلے کا کوئی ریکارڈ ظاہر نہیں کیا تھا، جیسے سب کچھ پہلے سے ہی سسٹم کے اندر تسلیم شدہ ہو۔ اس خیال نے یاور کے شبے کو مضبوط کیا کہ یہ کوئی بیرونی حملہ نہیں بلکہ اندرونی سطح پر شامل کیا گیا شناختی حصہ ہو سکتا ہے۔

یاور نے آہستگی سے وہ یو ایس بی جیب میں ڈالی اور ڈھکن واپس اسی طرح بند کیا جیسے وہ پہلے تھا اور کیس کو اپنی جگہ چھوڑ دیا۔

اسی دوران اس کی نظر دراز کے کونے میں پڑے ایک چھوٹے سے الیکٹرانک ماڈیول پر گئی۔ اس کے ساتھ ایک پرنٹ آؤٹ لگا تھا جس پر مختلف ٹیسٹ ریکارڈ درج تھے۔

ایک لائن پر اس کی نظر رک گئی:

شارٹ رینج آڈیو فریکوئنسی ٹیسٹ — انسانی جسم پر وقتی اثرات: چکر، متلی، اور مختصر ''دورانیے کی جسمانی کمزوری''

''آئیر بڈز کے ذریعے سگنل ڈیلیور کر کے ٹیسٹ کیا گیا'' :نیچے ایک نوٹ تھا

یاور نے کاغذ کو غور سے دیکھا۔اس کے ذہن میں فوراً وہ رپورٹ آئی جس میں گارڈز نے بتایا تھا کہ رات کے وقت انہیں اچانک چکر اور متلی محسوس ہوئی تھی۔

اس نے ماڈیول کو غور سے دیکھا۔اب یہ محض ایک ڈیوائس نہیں تھا، بلکہ اس پورے واقعے کا ممکنہ سبب ہو سکتا تھا۔

اسی وقت باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔ یاور نے جلدی سے وہ ماڈیول اٹھا کر جیب میں رکھا اور واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ریکارڈ روم کی حبس زدہ فضا میں نایاب فائلوں کے ڈھیر کے سامنے بیٹھی تھی۔اس کا کام متفرق اخراجات کی پرانی رسیدیں ترتیب دینا تھا۔ گرد آلود فائلوں میں سے ایک نیلی فائل کھولتے ہی اس کی نظر ایک مخصوص پیٹرن پر ٹھہر گئی۔

یہ گاڑیوں اور 'فیلڈ اسٹاف' کی مختصر مدتی تعیناتیوں کے ریکارڈ تھے۔ایک ہی طرز کے اندراجات، مختلف تاریخوں کے ساتھ۔

نایاب نے ایک رسید نکالی۔

تاریخ وہی تھی جب جاوید صاحب اور شہ پارہ پر پہلا حملہ ہوا تھا۔

ریکارڈ کے مطابق اس دن دو موٹر سائیکلیں 'عارضی فیلڈ کور' کے نام پر جاری کی گئی تھیں۔ کاغذی ریکارڈ میں یہ عام ڈیوٹی دکھائی گئی تھی، مگر ساتھ موجود ٹول اور لوکیشن نوٹس میں ان کی موجودگی اسی علاقے کے میں ظاہر ہو رہی تھی جہاں حملہ ہوا تھا۔

اس نے ایک لمحہ ضائع کے بغیر اگلی فائل کھولی۔

اس بار ریکارڈ میں گاڑیاں تھیں۔

تاریخ وہی تھی جب شہ پارہ اور شاہ ویز پر دوسرا حملہ ہوا تھا۔ اندراج پھر وہی تھا، 'عارضی فیلڈ اسٹاف'، مگر اس بار دو گاڑیوں کے ساتھ۔

نایاب نے آہستہ سے فائل بند کی۔

یہ الگ واقعات تھے، لیکن نوعیت ایک سی تھی۔

ہر بار مختلف لوگ۔۔۔ کبھی موٹر سائیکل سوار، کبھی گاڑیاں، لیکن طریقہ ایک ہی تھا۔ مخصوص وقت پر مخصوص افراد کو 'فیلڈ ڈیوٹی' کے نام پر بھیجا جارہا تھا، اور ان کی موجودگی انہی مقامات پر ظاہر ہورہی تھی جہاں حملے ہوئے تھے۔

کاغذوں میں یہ سب معمول کی تعیناتی تھی، مگر وقت اور جگہ کا دونوں بار ایک ہی سمت میں جڑنا اب اتفاق نہیں لگ رہا تھا۔

نایاب نے فائل ایک طرف رکھ دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

امبر اور یاور لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ اچانک یاور نے پوچھا۔ "اب کیسا محسوس کررہی ہو؟"

اذان صوفے پر کچھ یوں لیٹا ہوا تھا کہ اس کا سر امبر کی گود میں تھا۔ امبر نے اس کی نیند سے بوجھل ہوتی آنکھوں کو دیکھا اور اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرتے ہوئے مسکرا دی۔ "بہت بہتر۔" پھر وہ گویا ہوئی۔ "تم میر کنسلٹنسی کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ تم ڈیڈ اور فراز کے طریقہ کار میں جو فرق ہے، اس کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو؟"

یاور ایک لمحے کو چونکا، پھر خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ "ہاں، میں فراز کی لاگو کی گئی تبدیلیوں کو سمجھنا چاہتا ہوں۔"

مجھے رات سوتے ہوئے یاد آیا، ارمغان نے ایک دفعہ مجھے ایک قدیم تجوری دکھائی تھی۔"

یاور تجسس سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "کیا تھا اس میں؟"

وہ الجھن زدہ انداز میں بولی۔ "ہم دونوں ہی اسے سمجھنے سے قاصر رہے۔ اس میں کسی کمپنی کے پرانے کاغذات تھے جو پھیلے ہوئے نقشِ پا جیسے لگ رہے تھے، بالکل کسی مکڑی کے جالے کی طرح۔۔۔ لیکن ان پر کوئی نام نہیں تھا۔"

یاور نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ "کیا تم وہ مجھے دکھا سکتی ہو؟"

امبر حیران ہوئی، پھر بولی۔ "وہ تو ارمغان کے پاس ہیں، انہی کے دادا کی تجوری تھی۔"

یاور زیرِ لب بڑبڑایا۔ "پھر تو یہ شہ پارہ کی پہنچ میں ہے۔"

اس نے موبائل نکال کر تیزی سے کچھ ٹائپ کرنا شروع کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے اس پہر یاور ٹیرس پر فلکیاتی دوربین سیٹ کیے آسمان کی وسعتوں میں کھویا ہوا تھا ،جب امبر دو مگ کافی لیے وہاں آئی۔

یاور نے دوربین سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔ "آج خاص رات ہے امبر، مشتری اور زحل ایک دوسرے کے اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ زمین سے وہ ایک ہی ستارہ دکھائی دے رہے ہیں۔ایسا ملاپ دہائیوں میں کبھی کبھار ہوتا ہے۔"

امبر نے دونوں مگ وہاں پڑی میز پر رکھے اور قریب آ کر دوربین سے اس نایاب منظر کو دیکھا، پھر پیچھے ہٹتے ہوئے پوچھا۔ "تم کیسے سب کچھ چھوڑ کر آ گئے ؟"

یاور نے اس سے نظریں چرا کر دوربین کی ایڈجسٹمنٹ درست کی اور سپاٹ لہجے میں بولا۔ "سب چھوڑ کر تو یہاں سے بھی گیا تھا، تب تم نے نہیں پوچھا تھا کہ کیسے رہو گے ؟"

امبر خاموشی سے کرسی پر جا بیٹھی اور مگ اٹھاتے ہوئے گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہم ناراض ہیں ؟"

یاور بے اختیار ہنس دیا۔

امبر نے اپنی بات جاری رکھی۔ "یا تو ہم دونوں ایک دوسرے سے راضی ہوتے ہیں یا۔۔۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

یاور نے میز کی طرف رخ کیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ "ہمارے بیچ کوئی شکوہ باقی نہیں رہا، اور شاید کبھی تھا بھی نہیں۔ ہر سیارہ اپنے محور پر بھی تو گھومتا ہے۔"

امبر نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر ان کے پیچھے چھپے معنی پڑھنے کی کوشش کی۔ "یاد ہے؟ میرا ڈول ہاؤس ٹوٹا ہوا تھا اور تم نے اس میں اپنا سبز رنگ کا ربڑ والا بال رکھ دیا تھا؟"

یاور کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آئی۔ "اس لیے کہ دیکھنے والے کا دھیان ٹوٹے ہوئے حصے کے بجائے بال پر جائے۔" اس نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر گویا ہوا۔ "میرے پاس اب بھی ایک بال ہے، دیکھنے میں یوں لگتا ہے جیسے اس میں کوئی دراڑ ہے، لیکن اسے ہلکا سا زور دو تو وہ کھل جاتا ہے۔ اس کے اندر کوئی بھی ایسی چیز رکھی جا سکتی ہے جسے عام نظر سے چھپا کر رکھنا مقصود ہو۔"

یاور کی بات ابھی مکمل ہی ہوئی تھی کہ امبر کے تاثرات یکایک بدل گئے۔اس کے ذہن میں بجلی کی سی تیزی سے ایک پرانا منظر لہرایا۔

اس نے تیزی سے تھاما ہوا مگ میز پر پٹخا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یاور۔۔۔!"اس کی آواز لرز رہی تھی۔

یاور بھی بے چینی سے کھڑا ہو گیا۔"کیا ہوا امبر؟"

"رانیہ کو جب وہ لوگ گھسیٹ کر لے جا رہے تھے، تو اس نے ایک بات کہی تھی۔۔۔""

امبر کا سانس پھول رہا تھا۔

یاور کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اس نے سرگوشی میں پوچھا۔"کیا کہا تھا اس نے؟"

امبر تیز قدم اٹھاتی دروازے کی طرف بڑھی۔" قلمدان توڑ دینا۔"

یاور بھی اس کے پیچھے لپکا۔

جب تک وہ دونوں امبر کے کمرے تک پہنچے، بری طرح ہانپ رہے تھے۔

امبر نے میز پر رکھا قلمدان اٹھایا، اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ "مجھے تب حیرت کیوں نہ ہوئی؟ آخر اسے میرے ہی کمرے میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس میں ضرور کچھ ایسا ہے جو اس کی موت کی وجہ بنا!"

یاور اس کی ذہنی حالت سمجھ سکتا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر نرمی سے اس کے لرزتے ہاتھوں سے قلمدان لے لیا۔ اب انہیں اسے توڑ کر دیکھنا تھا کہ رانیہ نے اپنے آخری لمحات تک کس شے کی حفاظت کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 33

سحر عالم

یاور لنچ بریک کی خاطر میر کنسلٹنسی سے نکلا ہی تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔

اسکرین پر ایک انجانا نمبر چمک رہا تھا۔

اس نے کال ریسیو کر کے جیسے ہی 'ہیلو' کہا، دوسری طرف سے سسکیوں کی آواز آنے لگی۔

"یاور! تم نے میرا حال تک نہیں پوچھا؟"

یہ ایک عجیب سا شکوہ تھا، بنا کسی تعارف کے، جیسے وہ یقین رکھتی ہو کہ یاور اسے پہچان لے گا۔ یاور کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، وہ خاموشی سے پارکنگ ایریا کی جانب بڑھتا گیا۔

"میرے پوچھنے سے کیا بدل جاتا؟"

دوسری طرف ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی، پھر وہ بولی۔ "لنچ کہاں کرنے والے ہو؟"

یاور کو اس بات پر بھی حیرت نہیں ہوئی کہ وہ اس کے اگلے قدم سے واقف تھی۔ وہ بھی جیسے اس صورتحال کا لطف لیتے ہوئے بولا۔ "آج لگتا ہے تمہارا سخاوت کا موڈ ہے۔"

وہ فوراً بولی۔ "جہاں تم کہو۔"

یاور نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا اور بیٹھتے ہوئے اسے یاد دلایا۔ "ابھی کچھ دیر پہلے تم رو رہی تھی، شاید یاد نہیں رہا؟"

اس یاد دہانی پر دوسری طرف کا لہجہ ایک بار پھر اداس ہو گیا۔ "تم سے ملنے کا سوچ کر موڈ اچھا ہو گیا تو تمہیں لگا میں خوش ہوں؟"

یاور مسکرا دیا۔ "ہاں بھئی! ہر بار غلطی میری ہی نکلنی ہے تو بہتر ہے ساتھ لنچ کر لیا جائے۔"

آدھے گھنٹے بعد وہ ایک معروف ہوٹل میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ آئی تو میز کے قریب پہنچتے ہی اسے دیکھ کر بولی۔ "تمہیں یوں اپنا منتظر دیکھ کر اچھا لگا۔"

یاور نے بھی اس کے تروتازہ چہرے پر نظر دوڑائی اور شرارت سے بولا۔ "تم تو کہیں سے بھی اداس نہیں لگ رہی!"

وہ کرسی سنبھالتے ہوئے بولی۔ "پرانے قصوں کو چھوڑو، کوئی نئی بات کرو۔"

یاور نے بیرے کو اشارہ کیا اور جواب دیا۔ "نئی بات یہ ہے کہ میں امبر کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔"

وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ "وہ مان جائے گی؟"

یاور انجان بن کر بولا۔ "کس بات کے لیے؟"

وہ جھنجھلا کر بولی۔ "اب یوں کھیلو مت، تم اس سے شادی کرنے آئے ہو نا؟"

یاور نے دانتوں تلے مسکراہٹ دبائی۔ "اور یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟ دل کی باتیں تو دل والوں سے شیئر کرنی چاہییں۔"

اس نے اچنبھے سے پوچھا۔ "یہ آج تم کس انداز میں بات کر رہے ہو مجھ سے؟"

بیرا قریب آیا تو یاور نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "چلو، اب پہلے لنچ کریں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اگلے کئی دن یاور اس کی کالز اور پیغامات نظر انداز کرتا رہا۔

پھر وہی ہوا جس کی توقع تھی۔

کوئی اور ہوتا تو اسے حیرت ہوتی۔

لیکن اس کی جانب سے ایسا کچھ نہ ہوتا تو یاور کو حیرت ہوتی۔

ایک خاکی لفافہ اس کے نام آیا، اس نے کھول کر دیکھا تو اس میں چار تصاویر تھیں۔

ان سب میں وہ کسی نئی لڑکی کے ساتھ تھا، پس منظر میں وہی امریکہ، جسے وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ کلب، بالکونی، لفٹ۔

مقامات مختلف تھے، مقصد ایک۔

وہ ان سب کے قریب دکھائی دے رہا تھا۔

اسی اثنا میں اس کا موبائل بول اٹھا۔

اس نے اپنے ہی نمبر سے دو ویڈیو کلپس بھیجی تھیں، اپنے فلیٹ سے نکلتا وہ اور انہی میں سے ایک لڑکی۔

دو ویڈیوز تھیں اور دو مختلف لڑکیاں۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

کال آئی۔

"شاید وہ پہلے سے سب جانتی ہو، لیکن سننے اور دیکھنے کا اثر قدرے مختلف ہوتا ہے۔" آواز میں اعتماد نمایاں تھا۔

"تمہارے لیے یہ سب ایک کھیل ہے نا؟"

پل بھر کو دوسری جانب خاموشی چھا گئی، جیسے کچھ کھٹک گیا ہو۔

"میں تمہیں وہی جواب دوں گا جو ہر بلیک میلر کو دینا چاہیے۔" وہ ٹھہر کر بولا۔ "تمہیں جو کرنا ہے وہ کرو، جو مجھے کرنا ہے وہ میں کروں گا۔" یہ کہتے ساتھ ہی اس نے کال کاٹ دی۔

ملازم نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا تو اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

"تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟" سحر تیز قدموں سے چلتی اس کی جانب آئی۔

وہ آہستگی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تم سے نہیں تمہارے ڈیڈ سے ملنے آیا ہوں۔"

"ہمارا معاملہ ہمارے بیچ رہنے دو۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"یہ ہمارا معاملہ کہاں رہا ہے، قانونی مسئلہ بن چکا ہے۔" وہ مسکرایا۔ "اسے آئی جی صاحب ہی حل کر سکتے ہیں۔"

"تم کچھ چھپا رہے ہو مجھ سے۔" وہ اب سر ترچھا کیے اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ "پہلے تو یوں بات نہیں کرتے تھے۔"

"تمہارے پاکستان لوٹنے کے بعد جانتی ہو میری ملاقات کس سے ہوئی؟"

وہ سناٹے میں آگئی۔

"تمہارے پرانے دوست سے۔" وہ صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ "دانیال جاسم۔۔۔ یاد تو ہو گا؟"

سحر کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

"امریکہ میں تم مجھے ایک عجیب گلٹ میں مبتلا کر آئی تھی۔" اب وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا جو بے تاثر چہرہ لیے کھڑی تھی۔ وہ جانتا تھا اس وقت بھی اس کا دماغ کئی سمتوں میں سفر کر رہا ہو گا۔ "مجھے لگا میری وجہ سے تمہارا دل ٹوٹا ہے، جبکہ تم نے ہر بار ایک ڈھونگ رچایا۔ تمہارے نزدیک ہم سب کٹھ پتلیاں ہیں اور تم پپٹ ماسٹر۔ کہہ دو میں غلط ہوں؟"

"تم واقعی فائز جیسے ہو۔" اس کے بولنے کا انداز یوں تھا جیسے وہ اس سے متاثر ہوئی ہو۔ "کچھ دانیال جیسے بھی۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ تم کرنا کیا چاہتی ہو؟"

"تمہاری کہانی کا انجام دیکھنا چاہتی ہوں، تمہارا ردعمل دلچسپ رہے گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆

چند سال قبل

"یہ آجکل فائز کن لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے لگا ہے؟" سحر نے عائزہ سے پوچھا تو وہ خاص انداز میں مسکرائی۔ سحر کو لگا وہ کچھ چھپا رہی ہے۔ "بہت عام سی ہے، خواہ وہ اس کی شکل ہو، لباس، یا گفتگو۔ خود اعتمادی تو نام کی نہیں!"

"اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو میں اسے حسد کا نام دیتی۔" عائزہ بولی۔ "تم واقعی سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو، کفیوزڈ ہو۔"

وہ دونوں کچھ دیر پہلے کلاس اٹینڈ کر کے باہر نکلی تھیں اور اب گراؤنڈ کی طرف جاتے ہوئے سحر نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

منیزہ نامی وہ لڑکی انہی کی کلاس فیلو تھی، مائیگریشن (تبادلہ) کروا کر آئی تھی۔ "کراچی سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔" عائزہ نے بتایا۔

"مجھے واقعی دلچسپی نہیں۔" سحر نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔ "فائز اس کے ساتھ اتنا وقت کیسے گزارتا ہے، بور نہیں ہوتا؟"

"تمہیں کیا معلوم وہ کیسی باتیں کرتی ہے؟"

"بولے گی تو کچھ باہر نکلے گا نا۔" سحر پہلی بار ہنسی۔ "یہ اسے ڈیٹ کر رہا ہے؟"

اس سوال پر عائزہ کے قدم وہیں رک گئے،اس نے تعجب سے سحر کو دیکھا۔

"نہیں بتانا چاہتی مت بتاؤ!"

لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی،اگلے دن عائزہ کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سحر نے اپنے طور پر سب پتہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

آخری لیکچر سن کر جب فائز اور منیزہ ساتھ میں کلاس سے باہر نکلے تو وہ بھی چپکے سے پیچھے ہولی۔وہ ہجوم سے الگ ہوتے مرکزی عمارت سے نکلے تو سحر کے لیے پیچھا کرنا مشکل ہو گیا۔وہ سٹوڈنٹس کے پیچھے چھپتی چھپاتی ان کے پیچھے پارکنگ ایریا تک جا پہنچی۔آج عائزہ نہیں آئی تھی،یقیناً فائز اس کے ساتھ کہیں باہر جاتا۔وہ کچھ فاصلے پر ایک کار کے پاس جا کھڑی ہوئی،فائز کی گاڑی اس کی نظروں میں تھی۔وہ اسی جانب بڑھ رہے تھے۔

اگلا لمحہ حیران کن تھا۔

فائز ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا،لیکن وہ لڑکی یونہی کھڑی رہی۔جیسے اسے محض رخصت کرنے آئی ہو۔

اس کی گاڑی نکل جانے کے بعد بھی وہ کتنی دیر یونہی کھڑی رہی، نظریں اس سمت اٹھی ہوئی تھیں جہاں اب صرف دھول تھی۔

"کیا ہوا؟" سحر کے یوں اچانک استفسار پر منیزہ بری طرح چونکی۔ پھر چند لمحے یونہی اسے دیکھے گئی۔ "وہ چلا گیا اور تم گرمی میں یوں کھڑی ہو جیسے کوئی خزانہ ملنے کی امید ہو!"

"آپ فائز کے دوستوں میں سے ہیں، اس لیے آپ کا احترام کرتی ہوں۔" وہ نرمی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

"میں تمہیں اندر کی باتیں بتا سکتی ہوں۔" وہ بھی اس کے پیچھے چل دی۔

اب منیزہ آگے اور سحر عالم اس سے ایک قدم پیچھے چل رہی تھی۔ "وہ سب جو فائز چھپاتا ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں جاننا۔" اس نے رفتار بڑھا دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"تم منیزہ سے دور رہو تو بہتر رہے گا۔" فائز کے اس جملے نے اسے حیران نہیں کیا۔ وہ ایسا نہ کہتا تو اسے عجیب لگتا۔

"میں صرف یہ جاننے میں دلچسپی رکھتی ہوں کہ آگے کیا ہو گا۔" وہ بولی تو فائز کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ آن ٹھہری۔

وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عائزہ اور سحر اس وقت یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھی لیکچر پر تبادلہ خیال کر رہی تھیں۔ سامنے چائے کے کپ رکھے ہوئے تھے۔

"ناول پڑھا کرو۔" فائز نے مشورہ دیا۔

"رومانوی ناولوں کا تو پتہ ہوتا ہے کہ آخر میں سب ٹھیک ہو جائے گا، ہیرو ہیروئن ایک ہو جائیں گے۔"

عائزہ نے باری باری دونوں کو دیکھا، وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ آگے کو جھکا۔ "تمہیں ہمارا ہی انجام جاننے میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟"

"کیونکہ تم ایک ذہین شخص ہو اور یہ سب۔۔۔" سحر نے منہ بگاڑتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے دل کا نشان بنایا۔ "بیوقوفی سے بڑھ کر کچھ نہیں۔"

فائزر یلیکس ہوتا پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔ "ہر چیز سمجھنے کے لیے نہیں ہوتی، سحر۔"

سحر کا اگلا جملہ ان دونوں کے لیے غیر متوقع ہر گز نہیں تھا۔

"Love just doesn't make sense to me."

(محبت میں مجھے کوئی منطق نظر نہیں آتی۔)

عائزہ ٹوکے بنا نہ رہ پائی۔ "یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے، سحر۔"

"تبھی تو۔" سحر کی آنکھوں میں وہی مخصوص چمک در آئی جو کسی نئے تجربے یا ایڈونچر کے موقع پر آتی تھی۔ "یہ کب تک ٹھہرے گا، بھلا۔" اس بار وہ میز پر آگے کو جھکی۔ "اور اگر اس نے تمہیں چھوڑ دیا۔۔۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو اچھا نہیں ہو گا!" اس بار فائز نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

"اگر اس کہانی کا اختتام آنسوؤں پر ہوا تو تم کیا کرو گے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "تمہارا رد عمل کیا ہو گا۔۔۔ مجھے یہ سب جاننا ہے۔"

فائز نے ایک شکوہ بھری نظر اپنی کزن پر ڈالی، عائزہ نے اسے ایک ہی مشورہ دیا۔ "اسے زیادہ سنجیدگی سے مت لو۔"

"ترس آتا ہے مجھے تم جیسے لوگوں پر۔" فائز کا لہجہ اس بار نرم تھا۔ "تمہیں محبت کی لطافت کا کیا علم؟ تمہارے لیے تو کسی کا ٹوٹنا بھی صرف ایک تماشہ ہے۔ تم جذبات سے عاری ہو، بالکل ایک خوبصورت مشین کی طرح۔"

عائزہ نے آنکھوں سے اشارہ کر اسے روکنے کی کوشش کی۔

"تمہیں زندگی میں کبھی یہ خوشی نصیب نہیں ہو گی، سحر! کیونکہ تمہاری ساخت میں وہ صلاحیت ہی موجود نہیں کہ تم کسی سے بے لوث محبت کر سکو۔ تم اس خوبصورت احساس کے معاملے میں پیدائشی معذور ہو۔"

سحر بہت غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے کہ محبت نہ ہونا یا نہ کر پانا۔۔۔یہ محرومی ہے؟"اس کے چہرے پر حیرت پھیلی ہوئی تھی۔

"بالکل، یہ خوشی کسی اور چیز سے مل بھی نہیں سکتی۔"

"لیکن فائز۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولی، جیسے لیکچر کا کوئی پوائنٹ ڈسکس کر رہی ہو۔"میں نے محبت کرنے والوں کو بیقرار پایا ہے، لوگوں کی نظروں میں ان کا کوئی باعزت مقام نہیں ہوتا۔ کسی بھی کام میں پرفارمنس یہی بلا خراب کرتی ہے۔"

"جب تک کوئی قانونی اور شرعی رشتہ قائم نہ ہو، یہی ہوتا ہے۔"عائزہ نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"آئندہ مجھ سے اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش مت کرنا!"وہاں سے اٹھتے ہوئے یہ فائز کے آخری الفاظ تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

"مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔" سحر کے الفاظ نے فائز سے زیادہ عائزہ کو حیران کیا ۔"میں آئندہ تمہارے اور منیزہ کے تعلق پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گی۔"

عائزہ نے اپنے کزن کو دیکھا جس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی، وہ بولا تو اتنا ہی۔ "یہ تو تمہارے آئندہ کے برتاؤ سے ہی معلوم پڑے گا۔"

"ہمیں بھی اس سے دوستی کرنی چاہیے۔" فائز کے چلے جانے کے بعد سحر نے کہا۔ "آخر کو وہ تمہارے کزن کی اولین پسند ہے تمہیں نہیں لگتا، تمہیں اسے جاننے کی کوشش کرنی چاہیے؟"

سحر نے مختلف طریقوں سے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

کبھی گھر سے کوئی ڈش بنوا کر لاتی اور عائزہ کے ساتھ فائز اور منیزہ کو بھی کھانے میں شامل کر لیتی، کبھی چھٹی والے دن ان تینوں کے ساتھ کہیں پکنک ارینج کر لیتی۔ رفتہ رفتہ ان چار افراد کا حلقہ مضبوط ہوتا گیا۔

"فائزاور میری کبھی کچھ خاص نہیں بن پائی تھی، تم بیچ میں نہ آتی تو آج وہ ہمیں ٹائم نہ دے رہا ہوتا۔" ابھی تک فائزاور عائزہ یونیورسٹی نہیں آئے تھے اور سحر، منیزہ کے ساتھ مرکزی گراؤنڈ میں کھڑی ان دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔

"واقعی؟" منیزہ کو حیرت ہوئی۔

"وہ کہتا ہے زیادہ خوبصورت لڑکیوں کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔" سحر نے یہ بات ایک نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہی تھی۔

"وہ کیوں؟"

"اس کے مطابق یہ زیادہ خود اعتماد ہوتی ہیں، جس سے بھی جڑ جائیں ان سے صرف اپنی منواتی ہیں۔"

"کچھ عجیب سا نظریہ ہے۔"

"پلیز تم اسے نہ بتانا کہ مین نے تم سے یہ سب شئیر کیا۔"

"وہ اپنے بارے میں کیا کہتا ہے، اسے کیسی لڑکیاں پسند ہیں؟"

"اسے ایسی لڑکیوں سے بہت ہمدردی ہوتی ہے جو کسی قسم کی احساس کمتری میں مبتلا ہوں، جنہیں لوگ نظرانداز کریں۔ بتارہا تھا کہ اپنی ایک کزن کو اس نے کیس سٹڈی کے طور پر دوست بنایا تھا۔"

"کیس سٹڈی؟" منیزہ کی پیشانی قدرے شکن زدہ ہوئی۔

"فائز نے اسے زیادہ سے زیادہ وقت دیا، پڑھائی، لباس، سجنا سنورنا۔ ہر چیز پر ایسے اکسایا کہ چند ماہ میں وہ بدل کر رہ گئی۔"

منیزہ اپنی جگہ منجمد ہو گئی۔ "اور پھر؟"

سحر نے کندھے اچکائے۔ "وہ ناسمجھ نکلی، اس توجہ کو محبت سمجھ بیٹھی۔ بھلا فائز جیسے لوگ کہاں ایسے چکروں میں پڑھتے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے بی ایس کرتے ہی باہر جانے کو پر تولے گا۔ وہ رکنے والوں میں سے نہیں!"

اس کے بعد گاہے بگاہے سحر اس کے کانوں میں ایسے کئی وسوسے ڈالتی رہی۔

"نوٹ کرنا میری طرف زیادہ دیکھنے سے اجتناب کرتا ہے۔" شوخ ہنسی۔ "اسے ڈر ہے، کہیں اسیر نہ ہو جائے۔"

"دیکھا، میں نے کہا مجھے وہ جگہ نہیں پسند تو وہاں جانے کا پروگرام ہی منسوخ کر دیا۔ تم لوگوں کا ہی سوچ لیتا!"

"تمہاری ہر چیز پر کتنی توجہ دیتا ہے نا، اسے تمہارا بہت خیال رہتا ہے۔ ہم سے بھی اکثر یہی کہتا ہے منیزہ کا دھیان رکھا کرو یونیورسٹی میں ہمارے علاوہ اس کا ہے ہی کون۔"

ان میں سے اکثر باتیں وہ عائزہ کے سامنے کہہ جاتی۔

دوسری طرف وہ ان سبھی چیزوں میں پورا حصہ لیتی جو منیزہ کو پسند ہوتیں۔ کبھی شام میں اس کے گھر پہنچ جاتی، کبھی یونیورسٹی سے واپسی پر اپنے ساتھ لے جاتی۔

"تم مجھ سے بھی زیادہ اسے وقت دینے لگی ہو۔" ایک دن عائزہ نے گلہ کیا۔

"میرے لیے تم دونوں اہم ہو۔"

"دونوں؟" عائزہ حیرت سے بولی۔ "میں تمہاری بچپن کی دوست ہوں۔"

سحر کی سرد نگاہوں نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا۔ "تم کیا چاہتی ہو، اسے نظرانداز کر دوں؟"

"تم اچھی طرح جانتی ہو میں کیا کہہ رہی ہو، خود نہ سمجھنا چاہو تو اور بات ہے۔"

سارا ماجرہ اس نے اگلی شام منیز کے گوش گزار کیا۔ اس وقت وہ سحر کے بیڈ روم میں نیم دراز تھیں، بیچ میں انرجی ڈرنکس اور ایک فیشن میگزین کھلا پڑا تھا۔

"وہ اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ آخر کو وہ پہلے سے آپ کی سہیلی تھی، میں تو بس بیچ میں آ گئی۔"

"تم مجھے کئی لحاظ سے عائزہ سے بہتر لگی ہو۔" سحر پر سوچ انداز میں بولی۔ "شاید اسے ڈر ہے کہ فائز کی باتیں تمہیں نہ بتا دوں۔"

"فائز کی باتیں؟" منیزہ فوراً سیدھی ہو بیٹھی۔ "کون سی باتیں؟"

"میں اس سے آگے ایک لفظ نہیں بولوں گی۔" سحر نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ "جس طرح تم میرے لیے خاص ہو اس سے بھلے کم سہی، لیکن وہ دونوں بھی مجھے عزیز ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ تم فائز کا اسی طرح احترام کرتی رہو، جیسا کہ شروع سے کرتی آئی ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی کی لائبریری کے ایک الگ تھلگ گوشے میں عائزہ، سحر اور منیزہ بیٹھی تھیں۔

اچانک فائز عجلت بھرے انداز میں ان کی جانب آیا۔

"عائزہ، ابھی گھر سے فون آیا ہے آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں، انہیں ہسپتال لے جایا جا رہا ہے۔ ہمیں فوراً پہنچنا ہو گا۔"

عائزہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کیا ہوا ہے امی کو؟"

"انکل نے کچھ نہیں بتایا، بس تم میرے ساتھ چلو۔"

وہ دونوں رخصت لیتے وہاں سے چل دیے۔

"دیکھو، ہمیں ایک بار بھی نہیں کہا کہ ساتھ چلو۔" سحر نے افسردگی سے سر ہلایا۔ "ظاہر ہے بھئی، کزنز ہیں۔ جو قربت ان کے بیچ ہے وہ ہمارے لیے تو نہیں۔"

"جانے آنٹی کو ہوا کیا ہے؟"

"ہم بھی شام میں پوچھنے چلے جائیں گے، اگر ان میں سے کسی نے ہماری کال اٹھالی۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

سحر نے آواز دھیمی کر لی۔ "تمہیں یاد ہے پچھلے ہفتے فائز نے کہا تھا کہ وہ اپنی خالہ کی عیادت کے لیے لاہور جا رہا ہے اور اسی وجہ سے ہمارے ساتھ پکنک کینسل کی تھی؟"

منیزہ نے سر ہلایا۔ "ہاں، اس نے بتایا تھا۔"

سحر نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "عائزہ بھی اسی ویک اینڈ پر لاہور میں تھی، اپنے کسی رشتے دار کے ہاں۔ وہ پہلے لاہور گیا تھا یہ بعد میں، لیکن آج صبح عائزہ کے بیگ میں مجھے ایک 'کی چین' دکھائی دیا۔ جس پر ایک مخصوص ریستوران کا لوگو تھا۔ یہ لاہور کے اسی ریستوران کا ہے جہاں فائز اکثر جاتا ہے۔ تمہارے سامنے بھی اس نے کئی بار کہا کہ وہاں کا کھانا اسے بہت پسند ہے۔"

منیزہ کا رنگ فق ہو گیا۔ "تو۔۔۔ تو کیا وہ دونوں ساتھ تھے؟"

سحر نے فوراً منیزہ کا ہاتھ تھام لیا۔ "میں یہ نہیں کہہ رہی کہ وہ ساتھ تھے، شاید محض اتفاق ہو۔ لیکن تم خود دیکھو، فائز نے تم سے لاہور جانے کا ذکر کیا، عائزہ نے لاہور کی تصویریں سٹیٹس پر لگائیں مگر فائز کا نام نہیں لیا۔ اور اب دونوں کیسے اچانک ساتھ چل دیے۔ کیا

واقعی جیسا یہ ہم دونوں پر ظاہر کرتے ہیں ویسا ہی ہے؟ کیا ان کے بیچ کچھ نہیں چل رہا؟ یقین کرنا تھوڑا مشکل ہے۔"

منیزہ نے سامنے پڑی کتاب پر سر جھکا لیا۔

"اصل میں فائز کے خاندان میں کزن میرج کا بہت رواج ہے۔ عائزہ کی امی اور فائز کی امی بچپن کی سہیلیاں بھی ہیں۔ کبھی اس نے تم سے کوئی کمٹ منٹ کی؟ کوئی وعدہ؟"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہوئی۔"

منیزہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسے وہ تمام چھوٹی چھوٹی باتیں یاد آنے لگیں جب فائز اور عائزہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے تھے یا کوئی ایسی اندرونی بات ہوتی جس کا منیزہ کو پتہ نہیں ہوتا تھا۔

"تم ایک بہت پیاری لڑکی ہو منیزہ، میں نہیں چاہتی کہ کل جب ان دونوں کی منگنی کا اعلان ہو، تو تم یہاں پوری یونیورسٹی کے سامنے تماشہ بنو۔ لوگ کہیں گے کہ دیکھو، ایک مڈل کلاس لڑکی نے خواب تو بہت بڑے دیکھے مگر حقیقت سے بے خبر رہی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی کا کیفے ٹیریا اس وقت خاصا پُر ہجوم تھا، مگر سحر اور منیزہ ایک کونے والی میز پر بیٹھی اپنی ہی دنیا میں مگن تھیں۔ سحر نے خاموشی سے اپنا موبائل نکالا اور گیلری کھول کر ایک تصویر منیزہ کے سامنے کر دی۔

تصویر کافی پرانی، مگر صاف تھی۔ اس میں نو دس سال کا فائز اور تقریباً اتنی ہی عمر کی عائزہ ایک دوسرے کے کندھوں پر بازو رکھے کسی پارک کے بینچ پر بیٹھے تھے۔ فائز کی گود میں ایک فٹ بال رکھا تھا اور دونوں کی مسکراہٹ میں ایسی بے تکلفی تھی جو بچپن کے دوستوں کے بیچ ہوتی ہے۔

"کل شام مجھے عائزہ نے گھر بلایا تھا۔" سحر نے موبائل واپس اپنی طرف کھینچتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔ "اب یہ مت سوچنے لگ جانا کہ تمہیں کیوں نہیں کہا یا صرف مجھے ہی کیوں بلایا۔ ہو سکتا ہے اسے فائز کے ساتھ تمہاری دوستی غیر محفوظ محسوس کراتی ہو۔"

منیزہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ سحر نے دوبارہ موبائل کی اسکرین کی طرف دیکھا۔ "میں نے اس کے ایک پرانے البم سے اس تصویر کو اپنے کیمرے میں محفوظ

کر لیا۔اس میں یہ دونوں صرف بچے ہی تو ہیں، لیکن اس تصویر کے پیچھے جو دلچسپ کہانی چھپی ہے، وہ میں تمہیں نہیں سناؤں گی۔۔۔بس اتنا جان لو کہ یہ لوگ ہمیشہ سے ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے، ہم تو بس ان کی زندگی کے مسافر ہیں۔"

منیزہ کے دل پر جیسے بوجھ بڑھ گیا۔وہ بچپن کی تصویر اور سحر کے مبہم جملے اسے اپنی حیثیت کا احساس دلا رہے تھے۔اسی لمحے فائز کیفے ٹیریا کے دروازے سے ان کی طرف آتا دکھائی دیا۔اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح ایک فکر مند سی مسکراہٹ تھی اور وہ یقیناً منیزہ سے ہی بات کرنا چاہتا تھا۔

جیسے ہی فائز قریب پہنچا، سحر بہت پھرتی سے اپنی کرسی سے اٹھی اور ایک حفاظتی انداز میں منیزہ کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کر دیا۔

"فائز! ابھی اس سے بات مت کرنا۔" سحر نے فائز کو وہیں روک دیا، اس کا لہجہ ہمدردی سے لبریز تھا۔"منیزہ کی طبیعت آج بالکل ٹھیک نہیں ہے، اسے تھوڑا اکیلا چھوڑ دو۔میں اسے گھر ڈراپ کرنے جا رہی ہوں۔"

فائز کے قدم وہیں رک گئے۔اس نے الجھن اور فکر سے منیزہ کے زرد ہوتے چہرے کو دیکھا، مگر سحر کے پُراعتماد رویے نے اسے یہ یقین دلادیا کہ اس وقت خاموش رہنا ہی منیزہ کی مدد کرنے کے مترادف ہے۔"اوہ، ٹھیک ہے۔اپنا خیال رکھنا منیزہ۔"اس نے دبی آواز میں کہا اور وہیں سے مڑ گیا۔

منیزہ نے گردن موڑ کر فائز کو جاتے دیکھا۔اس کے ذہن میں سحر کی باتیں ہتھوڑے کی طرح بج رہی تھیں۔اسے لگا فائز نے اس کی طبیعت کا سن کر ایک بار بھی اصرار نہیں کیا، جیسے اسے واقعی کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ سحر نے منیزہ کا ہاتھ ذرا اور مضبوطی سے تھام لیا اور اسے دروازے کی طرف لے جانے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

منیزہ دو دن سے یونیورسٹی نہیں آئی تھی، جس پر سحر نے فائز کو بتایا۔"منیزہ کے گھر کے حالات بہت خراب ہیں، اسے اس وقت پیسوں یا کسی بڑے سہارے کی ضرورت ہے۔وہ اگلے سمسٹر کی فیس شاید نہ دے پائے۔"پھر اس کے تاثرات جانچے۔"تمہیں اس کی مدد

کے لیے کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہیے۔" فائز اس کی باتوں میں آ کر کچھ کرنے کے لیے بے چین ہو گیا۔

آج سحر نے ایک پیپر سائن کروانے کے بہانے منیزہ کو یونیورسٹی بلایا تھا۔ جیسے ہی منیزہ راہداری میں پہنچی، سحر نے اسے روک کر دور کھڑے فائز اور عائزہ کی طرف اشارہ کیا جو کسی سنجیدہ موضوع پر بات کر رہے تھے۔ سحر نے جھک کر منیزہ سے کہا۔ "فائز بہت پریشان تھا، وہ عائزہ سے کہہ رہا تھا کہ منیزہ جیسی لڑکیوں کا مستقبل صرف کسی کی ہمدردی کے سہارے ہی بچ سکتا ہے۔ اسے لگا تمہاری غیر حاضری کی وجہ شاید پیسوں کی کمی ہے۔"

غیر حاضری کے دنوں میں فائز نے پیغامات اور کالز کے ذریعے رابطہ بھی کیا تھا اور ہلکی پھلکی بات چیت بھی ہوئی تھی لیکن منیزہ نے یہ کہہ کر زیادہ وقت نہیں دیا کہ اس کے گھر والے ان کے تعلق سے بے خبر ہیں۔ وہ یوں لمبے اور تفصیلی ٹیلی فونک رابطے نہیں رکھ سکتی۔

پیسوں کی تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔

منیزہ کے قدم وہیں منجمد ہو گئے۔اسی وقت فائزا نہیں دیکھ کر تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جو اس کی نظر میں مدد، مگر منیزہ کی نظر میں خیرات تھی۔

فائزنے بہت خلوص سے منیزہ کے سامنے رک کر کہا۔"منیزہ، تم کیوں اپنی پڑھائی ضائع کر رہی ہو؟ دیکھو، اگر پیسوں کا مسئلہ ہے یا گھر والوں کا دباؤ، تو میں اور عائزہ تمہاری ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہیں۔" منیزہ ساکت کھڑی اسے دیکھتی رہی۔فائزنے بات جاری رکھی۔"میں نے اپنے انکل سے بھی بات کی ہے، وہ تمہیں اپنے ادارے میں جاب دلوا دیں گے تاکہ تم اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکو۔پلیز، اسے ہمدردی سمجھ کر انکار مت کرنا۔"

منیزہ کے لیے یہ الفاظ زہر بن گئے۔

سحر نے اسے پہلے ہی یقین دلا دیا تھا کہ فائزا سے صرف ایک کیس اسٹڈی یا بیچاری مڈل کلاس لڑکی سمجھتا ہے۔فائز کا اسے نوکری کی پیشکش کرنا اور ذمہ داری اٹھانے کی بات کرنا منیزہ کو اپنی خودداری کی موت محسوس ہوا۔اسے لگا کہ فائزاور عائزہ مل کر اس پر ترس کھا

رہے ہیں اور اسے اپنی خیرات کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس نے وہیں فیصلہ کر لیا کہ وہ اب ان 'اعلیٰ ظرف' لوگوں کے درمیان ایک لمحہ بھی مزید نہیں رکے گی۔

اگلے دن منیزہ یونیورسٹی آئی، مگر اس بار وہ وہی 'بیچاری' منیزہ نہیں تھی۔ وہ سیدھی فائز اور عائزہ کے پاس گئی جہاں سحر بھی موجود تھی۔ فائز کے لب کچھ کہنے کے لیے کھلے ہی تھے کہ منیزہ نے سپاٹ اور برفانی لہجے میں اسے خاموش کر دیا۔

"فائز! تمہاری اس دن کی پیشکش کا شکریہ، مگر مجھے اب کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں رہی۔" وہ سانس لینے کو پل بھر رکی۔ "میرے اپنوں نے میرا بوجھ اٹھانے کے لیے ایک رشتہ ڈھونڈ لیا ہے۔ میری غیر حاضری کی وجہ یہی تھی، رشتے کی بات چل رہی تھی۔ کل شام میری دعائے خیر ہو گئی ہے، اور اب میرا یونیورسٹی سے رشتہ ختم ہوتا ہے۔"

اس نے فائز کو بولنے یا صفائی دینے کا کوئی موقع نہیں دیا اور اپنی انگوٹھی والی انگلی اسے دکھا کر بڑی بے نیازی سے وہاں سے مڑ گئی۔

فائز ہکا بکا وہیں کھڑا رہ گیا، اسے سمجھ ہی نہیں آئی کہ اس کی مدد کو منیزہ نے اپنی 'تذلیل' کیوں سمجھ لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کا پچھلا پہر تھا جب سحر کے فون کی وائبریٹ ہوتی تیز گھنٹی نے کمرے کی خاموشی کو چیر ڈالا۔ اس نے ادھ کھلی آنکھوں سے سکرین پر فائز کا نام دیکھا تو ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ فون کان سے لگاتے ہی دوسری طرف سے فائز کے باقاعدہ رونے کی آواز سنائی دی۔

"وہ مجھ سے شادی نہیں کرے گی سحر۔۔۔ منیزہ نے مجھے چھوڑ دیا!" فائز کی آواز دکھ اور کرب سے پھٹ رہی تھی۔

سحر نے ہیڈ بورڈ سے ٹیک لگائی اور سیدھی ہو بیٹھی، اس کا لہجہ غیر معمولی طور پر سرد اور بے لچک تھا۔ "فائز! یہ کیا بچپنا ہے؟ تم وہ انسان ہو جس نے مجھے ہر معاملے میں شکست دی، اور آج ایک لڑکی کے لیے یوں ٹوٹ رہے ہو؟"

"وہ میری زندگی تھی سحر! میں نے سب کچھ اس کے لیے کیا تھا۔" فائز نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

"بس کرو فائز، اب سو جاؤ۔" سحر کا لہجہ مزید سخت ہو گیا۔ "کچھ مہینے گزرنے دو، تم اسے بھول جاؤ گے۔ محبت زندگی نہیں ہوتی، صرف ایک مرحلہ ہوتی ہے۔ اب فون رکھو اور سونے کی کوشش کرو۔" اس نے بے رحمی سے فون کاٹ دیا، جیسے ایک ہارے ہوئے مہرے کو بساط سے ہٹا دیا ہو۔

ابھی سورج نے پوری طرح طلوع ہونے کی ہمت بھی نہیں کی تھی جب سحر کے فون نے دوبارہ شور مچایا۔

اس بار اسکرین پر عائزہ کا نام چمک رہا تھا۔ سحر نے کال اٹھائی تو دوسری طرف سے عائزہ کی ایسی سسکیاں سنائی دیں جنہوں نے سحر کی نیند کے آخری آثار بھی اڑا دیے۔ وہ اس بری طرح رو رہی تھی کہ اس کے الفاظ ہچکیوں میں گم ہو رہے تھے۔

"سحر۔۔۔ فائز چلا گیا! فائز مر گیا سحر!" عائزہ کی آواز میں قیامت کا شور تھا۔

سحر کے ہاتھ سے فون چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ "کیا؟ عائزہ، یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا کسی نے اس پر حملہ کیا؟ اسے کسی نے نقصان پہنچایا؟" سحر کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ شاید اس کے کسی دشمن نے فائز کو نشانہ بنایا ہے۔

"نہیں سحر۔۔۔" عائزہ نے روتے ہوئے بمشکل جواب دیا۔ "اس کے اپنے ہی دل نے اسے دھوکہ دے دیا۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ رات کسی وقت اس کا دل دھڑکنا بند ہو گیا۔۔۔ وہ پھر اٹھا ہی نہیں۔"

سحر ساکت رہ گئی۔ اس کے کانوں میں فائز کی آخری سسکیاں گونجنے لگیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

سحر قبرستان میں داخل ہوئی تو رات اپنے سیاہ پر پھیلا چکی تھی۔۔۔ اس کا پسندیدہ وقت۔ وہ دور سے ہی فائز کی قبر دیکھ سکتی تھی جو سرخ گلاب کی پتیوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔

اس کے ہاتھ میں گلابوں کا ایک ایسا گلدستہ تھا جس میں ہر رنگ کا گلاب موجود تھا۔ وہ قبر کے سرہانے تک پہنچی اور گلدستے سے ایک ایک کر کے پھول نکالنے لگی۔

"کیسی محبت، فائز؟ جسے چند وسوسے کھا گئے؟" اس نے تیسرا پھول رکھا عین وسط میں رکھا اور پھر باری باری ہر رنگ کا گلاب قبر پر سجانے لگی۔ جب گلدستہ خالی ہو گیا تو وہ وہیں مٹی پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی۔

"تم مجھے ہرا دیتے تھے، ہر بار مجھے اپنے فیصلوں سے حیران کرتے تھے لیکن اب کی بار میں تم سے کچھ ناراض ہوں۔" وہ ایک لمحے کو رکی، اپنی سرد نظریں ارد گرد کی خاموش قبروں پر دوڑائیں اور پھر سامنے پھیلی اس مٹی کی ڈھیری کو دیکھا جہاں اب مختلف رنگوں کے گلاب بکھرے پڑے تھے۔

"اس نے تم سے محبت کرنا چھوڑ دی اور تم نے خود سے؟" اس نے قبر سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور اسے اپنی ہتھیلی پر پھیلا کر سامنے کیا۔

"جانتے ہو فائز؟ ٹوٹے ہوئے دل سے موت واقع ہونا محض شاعری نہیں بلکہ ایک طبّی حقیقت ہے۔ اسے ٹاکوٹسوبو کارڈیومائیوپیتھی کہتے ہیں۔ جب کوئی انسان شدید جذباتی صدمے، جیسے محبت میں ناکامی یا کسی عزیز کی موت سے گزرتا ہے، تو جسم میں 'سٹریس ہارمونز' یعنی تناؤ کے ہارمونز کی اتنی زیادہ مقدار پیدا ہوتی ہے کہ وہ عارضی طور پر دل کے

پٹھوں کو مفلوج کر دیتی ہے۔اس سے دل کی دھڑکن اچانک بند ہو سکتی ہے، بالکل ویسے ہی جیسا تمہارے ساتھ ہوا۔"

اس نے مٹی پر جمی اپنی نظریں نہیں ہٹائیں۔"ہمارے ملک میں دل کے امراض کی شرح دنیا کے بلند ترین ممالک میں شامل ہے۔ یہاں سالانہ تقریباً دو سے تین لاکھ افراد دل کی بیماریوں کی وجہ سے موت کا شکار ہوتے ہیں، جن میں ایک بڑی تعداد ان نوجوانوں کی ہے جنہیں اچانک 'ہارٹ فیلئر' یا 'کارڈیک اریسٹ' ہوتا ہے۔" وہ بے تاثر، مشینی انداز میں بولے گئی۔

پھر اس نے مٹی سے بھری ہتھیلی اپنے لبوں کے قریب کی۔

جسے اس کا حریف بھی نہ ہرا پائے، محبوب اس کی جان لے لیتا ہے۔ کیا کرنا ایسی محبت کا" "، فائز؟

یہ کہہ کر اس نے ایک گہری پھونک ماری اور ہتھیلی پر رکھی مٹی فضا میں اڑا دی۔

ذرات ہوا میں بکھر گئے اور سحر خاموشی سے اٹھ کر اندھیروں کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

زوہیب ہوٹل کے پُر شکوہ ہال میں داخل ہوا تو سحر کو پہلے سے اپنا منتظر پایا۔

وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا کیونکہ سحر کے چہرے پر ایک مانوس سی مسکراہٹ اور غیر معمولی نرم تاثر تھا۔ وہ اس کے سامنے کرسی سنبھالتے ہوئے دبی آواز میں بولا۔ "میں نہیں چاہتا کہ تم مجھ سے جڑی کوئی بھی تلخ یاد اپنے ساتھ رکھو۔۔۔"

سحر نے نفاست سے اس کی بات کاٹ دی۔ "اوہ زوہیب! تم ابھی بھی وہیں اٹکے ہوئے ہو؟" اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیا۔ "میں چاہتی ہوں کہ ہم دوست رہیں، اور اگر ہماری فیملیوں کا ملنا ممکن نہیں بھی ہے تو تم مجھے اپنی دعوتوں پر ضرور بلاتے رہنا۔"

زوہیب نے تعجب سے اسے دیکھا، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ "لیکن اس سب سے تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ اور کیا۔۔۔" اس نے ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا تم نے مجھے یہاں صرف یہ کہنے کے لیے بلایا ہے؟"

سحر نے اطمینان سے سر ہلایا۔ "ہاں! اور آج کا کھانا بھی میری طرف سے ہوگا۔"

زوہیب اسے دیکھتا رہ گیا۔

سحر نے بات جاری رکھی۔ "دیکھو! میں شروع سے صرف دوستی ہی چاہتی تھی، مگر تم محبت کرنا چاہتے تھے۔"

زوہیب کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ "کرنا چاہتا تھا؟ کیا مطلب؟"

وہ ایک خاص ادا سے مسکرائی۔ "کیا محبت ایک خواہش سے بڑھ کر بھی کچھ ہے، زوہیب؟ لوگ کیا اس لیے محبت نہیں کرتے کہ جواب میں انہیں بھی سامنے والے سے یہی ملے؟ وہی جو وہ خود کو نہیں دے پاتے؟ محبت!"

زوہیب فوراً اصل نکتے پر آیا۔ "تم مجھ سے دوستی کرنا چاہتی تھی، چلو مان لیا۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔ "لیکن کب سے؟" سحر خاموش رہی تو زوہیب نے اپنی بات مکمل کی۔ "تمہاری اور میری پہلی ملاقات تو محض ایک اتفاق تھا۔"

سحر کا چہرہ سپاٹ رہا، مگر اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا کہ زوہیب کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

زوہیب کا لہجہ بدل گیا۔ "وہ سب تمہاری مرضی سے ہوا تھا!"

سحر نے اپنی دونوں ہتھیلیاں میز پر پھیلائیں اور چہرے پر مصنوعی حیرت سجا کر بولی۔ "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ سب میرا منصوبہ تھا؟"

زوہیب اب اسے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ "اب جو میں سوچتا ہوں۔۔۔ تو ایسا ہی لگتا ہے، کیونکہ تمہارا یہ اعتراف کہ تم مجھ سے دوستی کرنا چاہتی تھی اور اب بھی یہ تعلق قائم رکھنے کی خواہش۔۔۔"

سحر نے اس کی بات کاٹی۔ "شاید تم بھول رہے ہو زوہیب! اس دن تم خود میرے پاس آئے تھے، پہل میری طرف سے نہیں ہوئی تھی۔"

"مجھے صرف وجہ جاننے میں دلچسپی ہے۔ آخر تم کیوں اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی ہمارے خاندان کا حصہ بن کر رہنا چاہتی ہو۔" اس نے آنکھیں سکیڑ کر سحر کو دیکھا۔ "تم کچھ چھپا رہی ہو۔"

"ہر راز جاننے میں فائدہ نہیں ہوتا۔"

"یہ میرے خاندان سے جڑا ہے۔"

"میں نے کئی طریقوں سے اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن تم سمجھ ہی نہیں پائے۔" وہ کرسی سے ٹیک لگاتی ذرا پیچھے کو ہوئی۔ "ایک زہریلی منگیتر والی سبھی حرکتیں کیں لیکن تم پیچھے نہیں ہٹے۔"

زوہیب کے چہرے سے صاف ظاہر تھا اسے شاک لگا ہے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے زمرد کے ساتھ برا برتاؤ یا آدھی رات تک اپنے گھر کے باہر انتظار کروانے والا رویہ ایسے مرد کے ساتھ اپنایا جاتا ہے جس سے رشتہ قائم رکھنا ہو؟" اس نے آہستگی سے سر نفی میں ہلایا۔ "اور وہ جو سینڈل پر گرنے والے پرندے پر میرا ردعمل تھا۔۔۔ تمہیں وہ سب سچ لگا؟"

زوہیب بنا کچھ بولے اس وقت صرف سن رہا تھا۔

"جانتے ہو میں اس وقت کیا کرنا چاہتی تھی؟" وہ میز پر بازو ٹکاتے آگے کو جھکی، اس کا لہجہ پرجوش ہوتا گیا۔ "میں اس تڑپتے ہوئے پرندے کو ہاتھ میں لے کر محسوس کرنا چاہتی تھی۔ کیسے رفتہ رفتہ وہ بے جان ہوتا چلا جاتا۔۔۔ پھر اس کی گرمائش کو سرد ہونے میں کتنے

منٹ لگتے۔ "ایک بار پھر پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ "لیکن اس وقت میں یہ سب نہیں کر سکتی تھی، کردار کی ڈیمانڈ کچھ اور تھی۔ "وہ یہ کہہ کر ہنس دی۔

زوہیب کو احساس ہوا، سحر عالم سے وہ پہلی بار مل رہا ہے۔

"مجھے نہیں لگتا تم مجھے اپنے عزائم سے آگاہ کرو گی۔"

" صحیح لگتا ہے!"

☆☆☆☆☆☆☆

یہ اسلام آباد کے مضافات میں ایک پہاڑی ڈھلوان پر قائم یاور کا عارضی فلکیاتی کیمپ تھا، جہاں اس نے چند راتوں کے مشاہدے کے لیے اپنی جدید دوربین نصب کر رکھی تھی۔

رات کا وقت تھا اور مارگلہ کی پہاڑیوں کی اوٹ میں آسمان بالکل شفاف اور ستاروں سے لبریز دکھائی دے رہا تھا۔

رصد گاہ کی چھت کھلی ہوئی تھی، جہاں سے یاور کی لائی ہوئی جدید ترین دوربین براہِ راست کہکشاں کی وسعتوں کا نظارہ کروا رہی تھی۔ فضا میں مارگلہ کی ٹھنڈی ہواؤں کا لمس

تھااور دور کہیں سے آنے والی سرسراہٹ خاموشی کو مزید گہرا کر رہی تھی۔امبر نے اپنی گرم شال کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ رکھا تھااور وہ پوری توجہ سے اس بڑی سی دوربین کے لینز میں جھانک رہی تھی۔

وہ جو تم اس وقت دیکھ رہی ہو امبر، وہ 'اینڈرومیڈا' کہکشاں ہے۔یہ ہم سے تقریباً پچیس لاکھ نوری سال دور ہے، مگر اس کی روشنی آج ہماری آنکھوں تک پہنچ رہی ہے۔"

یاور اس کے بالکل پیچھے کھڑا اسے ستاروں کے مختلف جھرمٹ سمجھا رہا تھا۔

امبر نے دوربین سے آنکھ ہٹائی اور مڑ کر یاور کی طرف دیکھا۔"کتنی عجیب بات ہے یاور، ہم جو روشنی آج دیکھ رہے ہیں، ہو سکتا ہے وہ ستارہ اب وجود ہی نہ رکھتا ہو۔"

یاور کے لبوں پر ایک دھیمی مسکراہٹ آئی۔"کائنات میں کچھ بھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوتا امبر، بس شکل بدل لیتا ہے۔انسان بھی ان ستاروں کی طرح ہوتے ہیں، اپنے مداروں میں گھومتے ہوئے۔کائنات کی ہر کہکشاں اپنے مرکز کے گرد گھومتی ہے امبر اور عجیب بات یہ ہے کہ انسان بھی آخر کار کسی ایک وجود کے گرد آکر ٹھہر جاتا ہے۔میری تمام بھٹکتی ہوئی گردشوں کا مرکز تم تھیں۔"

یاور نے ٹیلی اسکوپ کے پاس پڑے ایک چھوٹے سے مخملی ڈبے کو اٹھایا۔ "فلکیات میں 'سنگولرٹی' اسے کہتے ہیں جہاں جا کر ہمارے معلوم اصول جواب دے جاتے ہیں۔ تم میرے لیے کچھ ویسی ہی ہو امبر، تمہارے سامنے میری ہر منطق بدل جاتی ہے۔"

اب وہ مخملی ڈبہ امبر کو پکڑا رہا تھا، امبر کی دھڑکن اچانک تیز ہو گئی۔

اس نے وہ ڈبہ کھولا جس میں ہیرے کی ایک سادہ مگر نہایت چمکدار انگوٹھی تھی، جو آسمان سے آنے والے تاروں کی قدرتی روشنی میں جگمگا رہی تھی۔

"امبر! میں نے تمہیں کبھی خود سے الگ محسوس ہی نہیں کیا۔ ہم نے ایک دوسرے کا دل بھی دکھایا ہے اور کئی بار ہنسایا بھی ہے۔ بس میں اتنا جانتا ہوں کہ اس دنیا میں مجھے کوئی تم جیسا نہیں لگتا۔ جب تم سامنے ہوتی ہو، تو باقی سب غیر اہم ہو جاتا ہے۔ ہم ہمیشہ سے ساتھ ہی تو تھے، لیکن اب میں یہ سفر بھی تمہارے ساتھ طے کرنا چاہتا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟"

امبر کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی،اس نے لب کھولے بغیر بس سر اثبات میں ہلا دیا۔ یاور نے نہایت نرمی سے اسے انگوٹھی پہنائی اور اوپر پھیلا بے کنار آسمان اور ستاروں سے بھری کہکشاں ان کے درمیان ہونے والے اس خاموش عہد کی گواہ بن گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

جب یاور اور امبر واپس گھر لوٹے تو دردانہ امبر کے کمرے میں آئیں۔

انہوں نے اسے بتایا کہ یاور کے والدین نے ویڈیو کال پر تفصیلی بات کی ہے اور شاہ میر بھی اس رشتے پر راضی ہیں۔امبر نے بے ساختہ پوچھا۔"اور فراز بھائی؟"

دردانہ مسکرائیں۔"بھلا اسے کیا اعتراض ہونا ہے۔"

"آپ نے ان سے پوچھا؟"امبر نے اپنی تسلی کے لیے دوبارہ سوال کیا۔

ہاں،کال کے آدھے میں وہ بھی آفس سے آگیا تھا،اور پھر یاور نے تمہیں لے جاتے ہوئے "بھی میرے اور فراز کے سامنے ہی تمہارے ڈیڈ سے اجازت مانگی تھی۔"

امبر چونکی۔"کیا؟"

دردانہ اس کی حیرت پر مسکرائیں۔ "ساتھ ہی کہا کہ امبر کی رائے لینا ضروری ہے۔"

امبر اس رات بہت خوش تھی، اسے صرف اذان کی کمی محسوس ہو رہی تھی جو ویک اینڈ ہونے کے باعث ارمغان کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔

اگلی صبح ابھی وہ سب ناشتے میں مشغول تھے کہ حیرت انگیز طور پر امبر کے فون پر سحر کی کال آگئی۔

"رشتہ ختم ہونے کے بعد بہت اکیلی پڑ گئی ہوں، سوچا کیوں نہ 'بیچ کی کسی پارٹی' سے تھوڑا وقت مانگا جائے۔" سحر کی آواز میں ایک عجیب سی بیزاری تھی۔

اس بات پر امبر نے ایک حیرت زدہ نظر میز کے گرد موجود افراد پر دوڑائی۔ فراز اور یاور بھی وہیں موجود ناشتہ کر رہے تھے۔ آخر کار امبر بولی۔ "کہو سحر، میں تو فارغ ہی ہوں۔"

سحر کا نام سنتے ہی یاور بری طرح چونکا، اور یاور کی یہ اچانک تبدیلی امبر نے بھی نوٹ کی۔

"مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے، کسی پرانی سہیلی کے ساتھ جاؤں گی تو ہمدردی سہنا مشکل لگے گی۔" وہ اداس لہجے میں بولی۔

امبر کا سامنا منگنی کے علاوہ محفلوں میں ہوا تھا۔ دوستی نہ سہی لیکن اچھی گپ شپ رہی تھی۔

"میں ناشتہ کرتے ہی تیار ہوتی ہوں، تم آجاؤ۔" امبر کال ختم ہی کرنے والی تھی کہ سحر بولی۔

"یاور سے کہنا میری طرف سے معذرت قبول کرلے، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔"

اس پر امبر کی نظریں بے ساختہ یاور کے چہرے پر گئیں۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ ناشتہ ختم کر کے جیسے ہی ڈائننگ روم سے نکلی یاور اس کے پیچھے آ گیا۔

"امبر تم اس لڑکی کے ساتھ کہیں نہیں جا رہیں۔"

وہ جو سیڑھیاں چڑھنے کو تھی تیزی سے پلٹی۔

"تمہیں ہو کیا گیا ہے یاور؟"

"میں نے تمہیں تفصیل سے بتایا تھا کہ وہ۔۔۔"

"ہاں جانتی ہوں۔" اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن وہ معذرت کر رہی تھی اور اگر اس نے تمہیں کوئی دھمکی دی بھی تھی تو اس پر عمل تو نہیں کیا نا؟"

"لگتا ہے تم دانیال والا قصہ بھول گئی ہو۔"

"تمہاری منطق بھی سمجھتی ہوں، لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ اس کی منگنی ٹوٹی ہے۔ میرا اس سے دوستی بڑھانے کا کوئی ارادہ نہیں، بس آج اس کے ساتھ شاپنگ پر جاؤں گی، آئندہ نہیں۔"

"یہ بھی کوئی چال نہ ہو۔" یاور نے فکر مندی سے کہا تو امبر نے انگوٹھی والی انگلی اس کے سامنے کی۔

"تمہاری انگوٹھی پہن لی ہے، ہمارا رشتہ طے ہو چکا ہے۔" وہ کھل کر مسکرائی۔ "مجھے تم سے کوئی بدگمان نہیں کر سکتا، تم جانتے ہو۔"

اس پر یاور بھی پہلی بار مسکرایا۔

وہ کچھ دیر وہیں کھڑے ایک دوسرے کو دیکھے گئے۔

ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، آنکھوں میں عہد۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں مال میں قدم سے قدم ملائے چل رہی تھیں جب یاور کی کال آئی۔

"سب ٹھیک ہے نا؟" وہ بولا تو امبر نے فوراً ساتھ چلتی سحر کو دیکھا۔ کہیں اس نے سن تو نہیں لیا۔

"یاور، تم مجھے شرمندہ کرواؤ گے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"آج میں اور نایاب ایاز ہاؤس جا رہے ہیں، شہ پارہ بھی وہیں آئے گی۔" پھر وہ ٹھہر کر بولا۔ "فراز کے سامنے ہم دونوں نے خوب اداکاری کی، اسے یقین ہو چلا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو شدید ناپسند کرتے ہیں۔"

"یعنی گرینڈ میٹنگ ہے۔" امبر کی اس بات پر سحر نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہم دونوں کو لگتا ہے کہ فراز کے گرد گھیرا تنگ کرنے کو ثبوت کافی ہیں۔" وہ اب کافی آہستہ بول رہا تھا۔

سحر نے کوشش بھی کی لیکن وہ دوسری طرف کی گفتگو سننے سے قاصر رہی۔

"نکلتے ہوئے تمہیں میسج کر کے بتادوں گی۔" امبر کی اس بات پر یاور مطمئن ہو گیا۔

جب وہ دونوں کافی دیر بعد مال سے نکل کر پارکنگ ایریا کی جانب بڑھیں تو امبر کو اچانک میسج بھیجنے کا خیال آیا۔ پھر یہ سوچ کر رک گئی کہ گاڑی میں بیٹھ کر آرام سے ٹائپ کرے گی۔

ابھی وہ سحر کی کار کے ہینڈل تک پہنچی ہی تھیں کہ برابر میں کھڑی ایک سفید رنگ کی عام سی سیڈان کے پچھلے دونوں دروازے ایک ساتھ کھلے۔

دو تنومند افراد، جنہوں نے چہروں پر عام سرجیکل ماسک پہن رکھے تھے، بجلی کی سی تیزی سے باہر نکلے۔ انہوں نے کوئی اسلحہ نہیں لہرایا، بلکہ ایک نے امبر کا بازو اتنی مضبوطی سے جکڑا کہ اس کی سسکسی نکل گئی۔ دوسرے نے سحر کو پیچھے سے دبوچ لیا۔ امبر کے منہ سے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ اس نے اپنی پسلیوں میں ایک سخت اور ٹھنڈی چیز کا لمس محسوس کیا۔ وہ پستول کی نال تھی جو اس کی چادر کے نیچے چھپا کر رکھی گئی تھی۔

"شور مت کرنا، ورنہ تمہاری سہیلی ماری جائے گی۔" سپاٹ آواز امبر کے کان کے قریب گونجی۔

تیسرا بندہ گاڑی سے اترا، اس نے نہایت پھرتی سے امبر اور سحر کے پرس چھین کر گاڑی کے اندر اچھال دیے اور ان دونوں کو پچھلی سیٹ پر دھکیل کر ایک طرف خود بیٹھ گیا۔ اس کی گرفت اسلحے پر مضبوط تھی۔

امبر سکتے کی حالت میں تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وقت کی رفتار تھم گئی ہو۔ اس کی آنکھوں کے سامنے چند سال پہلے کا وہ منظر گھوم گیا جب رانیہ کو یونہی اس کی نظروں کے سامنے لے جایا گیا تھا۔ وہی پارکنگ ایریا، وہی بے بسی۔

اس کا دل ڈوبنے لگا۔

"آواز ایک کی نکلے گی، گولی دوسری پر چلے گی۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص نے سامنے والے آئینے سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے نیا اصول وضع کیا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور نہایت اطمینان سے ایگزٹ کی طرف بڑھا دیا۔

جیسے ہی گاڑی پارکنگ کے بیریئر سے گزرنے لگی، امبر کی نظر کچھ فاصلے پر اوپر لگے سی سی ٹی وی کیمرے پر پڑی۔ اسے خیال آیا کہ ان کیمروں نے تو سب ریکارڈ کیا ہو گا، کسی نے تو دیکھا ہو گا؟

☆☆☆☆☆☆☆

شہر کی روشن شاہراہوں کو پیچھے چھوڑ کر وہ گاڑی اب ایک ایسے ویران علاقے میں داخل ہو چکی تھی جہاں حدِ نگاہ تک صرف جھاڑیاں اور ویرانی تھی۔ گاڑی کچے راستے پر مزید بیس منٹ تک چلتی رہی، یہاں تک کہ ایک اونچی فصیل والی قدیم عمارت کے سامنے رک گئی۔

گاڑی رکتے ہی پچھلا دروازہ کھلا۔

باہر دو عورتیں کھڑی تھیں جنہوں نے کالے ماسک چڑھا رکھے تھے۔ ان کے لباس ملازماؤں جیسے تھے مگر ان کے رویے میں ایک مشینی سختی تھی۔ انہوں نے کسی ہمدردی کے بغیر امبر اور سحر کو بازوؤں سے پکڑا اور عمارت کے بھاری لکڑی کے دروازے سے اندر لے گئیں۔

اندر کا منظر کسی پرانے قلعے جیسا پراسرار تھا۔ دیواروں سے پلستر جگہ جگہ سے جھڑ رہا تھا، مگر فرش کی صفائی اور جگہ جگہ نصب جدید سیکیورٹی کیمرے بتا رہے تھے کہ یہ جگہ باقاعدگی سے استعمال میں رہتی ہے۔ یہاں کسی گھریلو زندگی کا کوئی تاثر نہیں تھا، بلکہ یہ کوئی ایسی جگہ معلوم ہوتی تھی جہاں غیر قانونی کام چھپ کر کیے جاتے ہیں۔

امبر کی دھڑکنیں اس کی پسلیوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ سامنے ایک طویل اور تاریک راہداری تھی، جس کے دونوں اطراف قطار میں دروازے تھے اور وہ سب کے سب بند تھے۔ ایک ملازمہ سحر کو تیزی سے راہداری کے آخری سرے کی جانب لے گئی، جبکہ دوسری عورت نے، جس کی گرفت امبر کے بازو پر آہنی تھی، اسے تیسرے دائیں جانب والے دروازے کی طرف موڑ دیا۔

دروازہ کھلا تو امبر ایک دم حیران رہ گئی۔ راہداری کی بوسیدگی کے برعکس، یہ کمرہ انتہائی پر تعیش انداز میں سجا ہوا تھا۔ ریشمی پردے، قیمتی فرنیچر اور ضرورت کی ہر شے وہاں موجود تھی، مگر اس آسائش نے امبر کے خوف کو کم کرنے کے بجائے مزید بڑھا دیا۔

اسے کمرے کے اندر دھکیلتے ہی اس عورت نے پھرتی سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

باہر کنڈی گرنے کی بھاری آواز آئی۔ امبر کو اس عورت کے دور جاتے قدموں کی چاپ سنائی دی تو وہ بدحواسی میں دروازے کی طرف لپکی اور اسے پوری قوت سے کھٹکھٹانے لگی۔

"کھولو! کوئی ہے؟ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ سحر! سحر کہاں ہو تم؟" اس کی آواز اس بند کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آ رہی تھی، مگر باہر سے کوئی جواب نہ ملا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایاز ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں خاموشی طاری تھی، یاور صوفے پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا جبکہ نایاب اور شہ پارہ وہاں پہنچنے ہی والی تھیں۔ شاہ ویز کچھ دیر قبل ہی ڈرائنگ روم سے نکل کر کچن کی طرف گیا تھا، اسے ملازمہ کو چائے کی ہدایت دینا تھی۔

یاور نے بے چینی سے اپنا موبائل نکالا اور امبر کا نمبر ملایا، مگر دوسری طرف سے موبائل آف ہونے کی اطلاع ملی۔

اسے شدید حیرت ہوئی۔

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ واپسی سے پہلے اسے یاور کو مطلع کرنا ہے، پھر اتنی بڑی کوتاہی؟ اس کے دل میں ایک انجانا سا خوف ابھرا۔ اس نے فوراً سحر کا نمبر ملایا، مگر حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ نمبر بھی آف ملا۔

یاور کا ماتھا ٹھنکا۔

اس نے باری باری دونوں کے گھروں میں فون کر کے پوچھا، مگر پتہ چلا کہ وہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھیں۔ اس نے گھڑی پر وقت دیکھا، شاپنگ کے لیے عموماً اتنا وقت تو درکار نہیں ہوتا۔ اتنے میں شاہ ویز کچن سے واپس آیا اور یاور کے چہرے پر پھیلی پریشانی دیکھ کر ٹھٹکا۔

"کیا ہوا؟" شاہ ویز نے اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

یاور نے فکر مندی سے اسے پوری بات بتائی۔ شاہ ویز کا چہرہ بھی سنجیدہ ہو گیا، وہ بولا۔ "ایک کا نمبر آف ہونا تو سمجھ آتا ہے، لیکن دونوں کا ایک ساتھ آف ہونا، وہ بھی جب وہ اکیلی گھر سے باہر ہیں، یہ بات کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔"

یاور نے غصے اور پریشانی کے عالم میں اپنی مٹھیاں بھینچیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "انہیں ڈرائیور اور گارڈ کے ساتھ جانا چاہیے تھا، لیکن یہ سحر۔۔۔"

☆☆☆☆☆☆☆

شہ پارہ اور نایاب کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی یاور نے انہیں مختصر مگر جامع انداز میں صورتحال کی سنگینی سے آگاہ کیا۔ کسی بھی قسم کی تاخیر کیے بغیر، یاور اور شاہ ویز فوراً مال کی جانب روانہ ہو گئے، جبکہ شہ پارہ اور نایاب نے بیک اینڈ پر دیگر معاملات سنبھالنے کی ذمہ داری لی۔

شاہ ویز اور یاور جب مال کے سیکیورٹی آفس پہنچے تو ابتدائی طور پر عملے نے انہیں روکنے کی کوشش کی، مگر جیسے ہی آئی جی صاحب کی براہِ راست کال سیکیورٹی انچارج کے موبائل پر آئی، وہاں موجود افراد کے رویے میں فوراً تبدیلی آ گئی۔

ہمیں سفید رنگ کی کار چیک کرنی ہے جس کا نمبر اے بی ایل پانچ چھ سات ہے،" یاور" نے سحر کے والد سے حاصل کردہ تفصیلات فراہم کیں۔

سیکیورٹی انچارج نے اپنی میز پر رکھے کمپیوٹر پر تیزی سے انگلیاں چلائیں اور پارکنگ کے انتظام والے نظام کی جانچ کی۔" جناب! یہ گاڑی بارہ بج کر دس منٹ پر تہہ خانے کی پہلی منزل پر داخل ہوئی تھی اور ریکارڈ کے مطابق اس کا ٹوکن ابھی تک کھلا ہے۔ یعنی یہ گاڑی مال سے باہر نہیں نکلی، یہیں اندر موجود ہے۔"

اس تصدیق کے بعد یاور کے ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا۔ گاڑی کا اندر ہونا اور لڑکیوں کا لاپتہ ہونا کسی بڑی واردات کا پیش خیمہ تھا۔ سیکیورٹی انچارج انہیں فوراً ساتھ والے کمرے یعنی 'نگرانی کے مرکز' (کنٹرول روم) میں لے گیا جہاں دیوار پر درجنوں اسکرینیں روشن تھیں۔

"نگرانی کے کیمروں کی ریکارڈنگ دکھایئے، وہ کس وقت گاڑی کی طرف گئیں؟" یاور نے بے چینی سے کہا۔

عملے نے کیمرہ نمبر بیالیس کی ریکارڈنگ پیچھے کی طرف چلائی۔ اسکرین پر امبر اور سحر مال کے مرکزی حصے سے ہوتے ہوئے تہہ خانے کی سمت جاتی دکھائی دیں، مگر فوٹیج کی کوالٹی اور فاصلے کی وجہ سے تصویر زیادہ واضح نہیں تھی۔ وہ دونوں بالکل نارمل انداز میں چل رہی تھیں۔ لیکن جیسے ہی وہ پارکنگ کے اس مخصوص گوشے میں داخل ہوئیں جہاں گاڑی کھڑی تھی، فوٹیج میں تصویر کچھ لمحوں کے لیے غیر واضح ہو گئی۔ دوری اور زاویے کی وجہ سے صرف سائے اور حرکت کا سا تاثر رہ گیا۔

"یہ کیا ہے؟" یاور نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔

"جناب !اس حصے میں کیمرہ کافی دور ہے، روشنی بھی کم ہے۔اس لیے تفصیل واضح نہیں آ رہی۔" انچارج نے الجھن سے کہا۔

شاہ ویز نے اسکرین کے قریب ہو کر غور سے دیکھا اور سرد لہجے میں بولا۔" یہ حادثاتی دھندلاہٹ نہیں ہے، یاور۔اس زاویے پر ہمیشہ ریزولوشن کم رہتی ہے، اسی لیے اصل حرکت کو واضح طور پر پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔"

اسی لمحے باہر نکلنے والے راستے کے کیمرے کی فوٹیج سامنے آئی۔ایک سفید سیڈان نہایت اطمینان سے مال سے باہر نکل رہی تھی۔گارڈ نے اسے نہیں روکا، اسے کچھ بھی غیر معمولی نہیں لگا ہو گا۔کیمرے سے گاڑی کے بیچ میں بیٹھے افراد کو واضح دیکھنا مشکل تھا، خاص طور پر عقبی حصے میں۔

یاور نے سیکیورٹی انچارج کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اسکرین کے قریب ہونے کا اشارہ کیا۔" مجھے ٹھیک ان لڑکیوں کے غائب ہونے کے بعد کی فوٹیج دکھاؤ۔اس کے پانچ، دس منٹ بعد تک باہر نکلنے والی تمام بڑی گاڑیوں کی فہرست نکالو۔"

انچارج نے نظام میں مطلوبہ فلٹر لگائے۔ کچھ سیکنڈز کی پروسیسنگ کے بعد اس نے فہرست کی طرف اشارہ کیا۔ "جناب، اس مخصوص دس منٹ کے اندر صرف ایک سیاہ پراڈو اور سفید سیڈان ہی باہر نکلی ہیں، ایک کا نمبر نجی ہے اور دوسری سرکاری لگ رہی ہے۔"

یاور نے فوراً اپنا موبائل نکالا۔ اس نے ایکسائز ڈیپارٹمنٹ کی ویب سائٹ کھولی، جہاں گاڑیوں کے اندراج کا ریکارڈ موجود ہوتا ہے۔ اس نے نجی نمبر والی پراڈو کا نمبر درج کیا۔ چند لمحوں کی لوڈنگ کے بعد اسکرین پر جو تفصیلات ابھریں، انہیں دیکھ کر یاور کا چہرہ غصے سے تپ اٹھا۔

"یہ نمبر پلیٹ جعلی ہے!" یاور نے موبائل شاہ ویز کی طرف گھمایا۔ "سسٹم کے مطابق یہ نمبر کسی پرانی مہران گاڑی کے نام پر درج ہے، جبکہ کیمرے میں یہ ایک سفید سیڈان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔"

شاہ ویز نے اسکرین پر نظر ڈالی، اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ "اس کا مطلب ہے کہ یہ محض اتفاقی واردات نہیں ہے، بلکہ بہت سوچ سمجھ کر کی گئی منصوبہ بندی ہے۔"

یاور نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ "تو پھر وہی مہران کے نمبر والی پراڈو ہی ہمارا ہدف ہے۔ اس نے دو بج کر بیس منٹ پر مال سے ایگزٹ لیا ہے۔" اس نے شاہ ویز کی طرف دیکھ کر فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "شاہ ویز، ہمیں اسلام آباد کے سیف سٹی کنٹرول روم سے رابطہ کرنا ہو گا، وہ گاڑی اب تک کسی نہ کسی شاہراہ کے کیمرے میں آچکی ہو گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

امبر پہلے تو شدید بے چینی اور گھبراہٹ کے عالم میں کمرے کے اندر چکر لگاتی رہی، پھر اچانک اسے خیال آیا کہ بے مقصد پریشان ہونے کے بجائے اپنے اطراف سے فرار کی کوئی راہ ڈھونڈنی چاہیے۔ اس نے کمرے کے مختلف حصوں کو ٹٹولنا شروع کیا۔ وہاں کوئی کھڑکی نہیں تھی، صرف دو دروازے تھے۔ ایک وہ جس سے اسے اندر دھکیلا گیا تھا اور دوسرا کمرے کے آخری سرے پر موجود تھا۔ اس نے پوری قوت سے اس دوسرے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ بھی سختی سے لاک تھا۔

اس نے اٹیچڈ واش روم کا دروازہ دھکیلا تو وہ بآسانی کھل گیا۔ سفید ٹائلوں والا یہ واش روم بالکل کمرے کی طرح آراستہ تھا اور وہاں بھی ضرورت کی ہر چیز ترتیب سے پڑی تھی۔ وہ

تیزی سے اندر آئی اور اس کی نظر دیوار پر موجود روشندان کی طرف گئی۔ وہ روشندان قدرے اونچائی پر تھا اور رقبے میں بہت تنگ اور چھوٹا تھا۔ امبر کو اندازہ ہوا کہ یہاں سے باہر نکلنا تو ناممکن ہے، لیکن وہ وہاں سے باہر کا منظر دیکھ کر یہ اندازہ ضرور لگا سکتی تھی کہ اس کمرے کے عقب میں عمارت کا کون سا حصہ واقع ہے، شاید یہ معلومات کسی وقت اس کے کام آ جائیں۔

اس نے واش روم کے اندر اور پھر باہر کمرے میں نظر دوڑائی، مگر وہاں ایسا کچھ موجود نہیں تھا جس پر چڑھ کر وہ اس بلند روشندان تک پہنچ پاتی۔

☆☆☆☆☆☆☆

یاور اور شاہ ویز سیف سٹی کے مرکزی کنٹرول روم کے ایک بڑے ہال میں داخل ہوئے، جہاں دیوار جتنی بڑی اسکرینوں پر اسلام آباد کی شاہراہیں لائیو دیکھی جا سکتی تھیں۔ شاہ ویز کے ہمراہ ہونے کی وجہ سے وہاں موجود افسران نے فوراً تعاون کیا۔

یاور نے وہ جعلی نمبر پلیٹ آپریٹر کو فراہم کی اور کرسی کھینچ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

"اس نمبر کو اے این پی آر سسٹم میں ڈالو اور پچھلے دو گھنٹوں کی ہسٹری نکالو۔"

آپریٹر کی انگلیاں کی بورڈ پر دوڑیں۔ سیکنڈز کے اندر اسکرین پر اسلام آباد کا نقشہ ابھرا اور اسکرین پر مختلف لوکیشن پوائنٹس ایک ترتیب سے جڑتے ہوئے گاڑی کے ممکنہ راستے کی نشاندہی کرنے لگے۔

"جناب! یہ گاڑی مال سے نکل کر سری نگر ہائی وے پر دیکھی گئی، اس کے بعد یہ جی ایلیون کے موڑ سے ہوتی ہوئی شہر کی حدود سے باہر لنک روڈ کی طرف مڑ گئی ہے۔" آپریٹر نے آخری مقام کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا۔

یاور نے اسکرین پر جھک کر اس مخصوص مقام کا جائزہ لیا۔ "اس کا مطلب ہے کہ یہ کسی مضافاتی علاقے کی طرف گئے ہیں۔ کیا اس لنک روڈ پر ہمارے کیمرے موجود ہیں؟"

"وہاں صرف داخلی راستے پر کیمرہ ہے، اس کے بعد یہ علاقہ سیف سٹی کی محدود کوریج" میں آتا ہے۔

یاور نے شاہ ویز کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک خطرناک چمک تھی۔ "یہ وہی علاقہ ہے شاہ ویز جہاں پرانے گودام اور فارم ہاؤسز ہیں۔ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ

راستہ چنا ہے۔"اس نے میز پر رکھا اپنا موبائل اٹھایا۔"وقت ضائع کرنے کے لیے ایک سیکنڈ بھی نہیں ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اس کمرے میں گھڑی نہیں تھی۔

امبر کچھ دیر کو بیڈ پر نیم دراز ہو گئی۔ کتنا وقت گزر چکا تھا، اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔

کچھ ہی دیر بعد دروازے پر آہٹ ہوئی، باہر سے کھولا گیا اور وہی ملازمہ اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔ وہ دونوں دوپہر کا فوڈ کورٹ سے ہی کھا کر نکلی تھیں۔ اسے بھوک ہوتی بھی تو وہ اس کھانے کو ہاتھ نہ لگاتی۔ اسے احتیاط کرنا تھا۔

"رات ہونے والی ہے، کھانا کھالو۔"وہ عورت جو غالباً پینتیس چھتیس سال کی تھی کھردری آواز میں بولی۔"یہ کاغذ بھی پڑھ لیا۔"اس نے ہاتھ سے برتنوں کے نیچے پڑے تہہ شدہ کاغذ کی جانب اشارہ کیا۔

اس کے جاتے ہی امبر برتنوں کو ٹٹول کر دیکھنے لگی، چینی یا شیشے کی پلیٹ ہوتی یا گلاس، ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ وہ اگلی بار ملازمہ کے آنے پر اسے زیر کر لیتی اور باہر نکل جاتی۔ لیکن اگلے ہی لمحے اسے یاد آیا کہ راہداری میں کیمرے لگے ہوئے تھے اور عمارت کے اطراف بھی ہر چند قدم کے فاصلے پر مسلحہ افراد کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔

برتن کاغذی تھے اور چمچ پلاسٹک کے۔

اس نے کاغذ اٹھا کر کھولا۔

"کھانا کھا لے، آنے والے شاک کو سہنے کے لیے تمہیں توانائی درکار ہو گی۔"

اس کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

یہی سب رانیہ کے ساتھ بھی ہوا ہو گا۔

اس سب کے پیچھے کوئی برسوں پرانا دشمن تھا۔

پھر اگلے ہی لمحے اسے رانیہ کی چھپائی ہوئی یو ایس بی، یاور اور نایاب کے اکٹھے کیے ہوئے ثبوت یاد آئے اور ساتھ ہی وہ گرینڈ میٹنگ !

کہیں فراز بھائی؟

وہ اس سے آگے سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

اگر انہیں اپنی کمپنی کے تاریک راز کھلنے کا ڈر ہوتا تو وہ اسے اور سحر کو کیوں اغوا کرواتے؟

اس نے کھانا نہیں کھایا لیکن پیاس سے اس کا گلا سوکھ رہا تھا۔ کھانے میں ملاوٹ کا اندیشہ تھا لیکن پانی پیا جا سکتا تھا۔

اس نے گلاس بھر کر پانی پیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر34

سحر عالم

ماضی

تیرہ سالہ سحر باغیچے کی گیلی مٹی پر ننگے پاؤں کھڑی تھی۔ شام کے دھندلکے میں گھاس پر شبنم چمک رہی تھی۔ اچانک جھاڑیوں میں کھڑ کھڑاہٹ ہوئی۔ ایک دبلی سیاہ بلی بجلی کی سی پھرتی سے لپکی اور اس کے پنجوں تلے ایک موٹا بھورا چوہا دب گیا۔

چوہا تڑپ رہا تھا۔

اس کے ننھے پنجے مٹی اکھاڑ رہے تھے۔ وہ پوری قوت سے بلی کے پنجوں کو دھکیلتا، دانت گاڑنے کی کوشش کرتا، ایک لمحے کو نکل بھاگتا اور اگلے ہی لمحے دوبارہ دبوچ لیا جاتا۔ اس کی سانسیں پھڑ پھڑا رہی تھیں مگر وہ آخری دم تک لڑتا رہا۔

سحر دیر تک اسے دیکھتی رہی۔

مرنے سے پہلے بھی وہ جینا چاہتا تھا۔

چند دن بعد اس نے جوان ملازمہ کو اپنی ماں کے سامنے روتے دیکھا۔ آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں، دوپٹہ بار بار کندھے سے پھسل رہا تھا۔

اس نے دوسری عورت سے چکر چلا رکھا ہے۔" وہ ہچکیوں میں بولی۔ "سارے پیسے اس" "پر لٹا دیتا ہے۔

وہ عورت صحت مند تھی، گندمی رنگت والی۔ چلتی تو چوڑیاں بجتی تھیں۔ مگر پھر اس کی غیر حاضریاں شروع ہو گئیں۔

ایک دن سحر کی ماں نے ڈرائیور سے کہا گاڑی نکالو۔

"میں دیکھوں تو سہی، کیا حال ہے اس بچاری کا۔"

وہ ایک شکستہ گھر میں پہنچے۔ دیواروں کا پلستر جھڑ رہا تھا۔ اندر گھٹن اور دواؤں کی ملی جلی بو تھی۔

چارپائی پر لیٹی عورت کو دیکھ کر سحر رک گئی۔

وہ پہچانی نہیں گئی۔

چند ہفتوں میں وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکی تھی۔ گال اندر دھنسے ہوئے، آنکھیں بے نور، ہونٹ سوکھے ہوئے۔

"یہ کیا حال کر لیا تم نے؟" سحر کی ماں اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ ان کی آواز میں دکھ تھا، جھنجھلاہٹ نہیں۔ "ابھی تو تمہاری اولاد بھی نہیں ہوئی۔ کیوں خود کو ایسے شخص سے باندھ کر ضائع کر رہی ہو؟"

عورت نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ نقاہت سے اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

میں "وہ ہلکا سا مسکرائی۔ "میرے لیے کیا یہ کم ہے۔۔۔ کہ قبر پر اس کا نام ہو۔"

"نے۔۔۔ اسی کے نام کے ساتھ مرنا ہے۔

سحر کے اندر جیسے کچھ سکڑ گیا۔

کوفت، شدید کوفت۔

اس کی ماں نے سمجھانے کی کوشش کی۔ "یہ آغاز ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ ہرجائی تمہاری روح تک پنجے گاڑ لے، اسے چھوڑ دو۔ نئی زندگی شروع کرو۔"

عورت جواب میں ہنسی تھی۔

سحر نے اسے آخری بار تبھی ہنستے دیکھا تھا۔

چند دن بعد اس کے مرنے کی خبر آگئی۔

صرف چند ماہ۔

چند ماہ ایک جیتی جاگتی انسان کو کھا گئے۔

اس رات سحر دیر تک جاگتی رہی۔ اسے باغیچے کا وہ چوہا یاد آیا جو آخری سانس تک بلی کے پنجوں سے لڑتا رہا تھا۔

جانور اپنی جبلت پر چلتا ہے۔

وہ جینا چاہتا ہے۔

وہ بچنا چاہتا ہے۔

لیکن انسان؟

انسان محض ایک جذبے کے لیے اپنی ہی فطرت کے خلاف چلنے لگتا ہے۔ خود کو تباہ کرتا ہے۔

اپنی بقا قربان کر دیتا ہے، صرف اس لیے کہ اسے محبت کا نام دے دیا گیا ہے۔

سحر نے پہلی بار محسوس کیا کہ موت اسے ڈراتی نہیں۔

اسے متجسس کرتی ہے۔

اور انسانی حماقت۔۔۔اس سے بھی زیادہ۔

☆☆☆☆☆☆☆

لنچ بریک میں پورا گراؤنڈ شور سے بھرا ہوا تھا۔

کہیں لڑکیاں رسّی ٹاپ رہی تھیں، کہیں بینچوں پر بیٹھ کر سموسہ چاٹ کھائی جا رہی تھی۔ راہداریوں میں قہقہے گونج رہے تھے۔ فروری کی ہلکی دھوپ اسکول کی سفید دیواروں پر پھیلی ہوئی تھی۔

مگر میدان کے ایک کونے میں وہ لڑکی بیٹھی رو رہی تھی۔

اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ بار بار آستین سے ناک صاف کر رہی تھی۔

عائزہ آج غیر حاضر تھی۔

اور وہ غیر معمولی طور پر پُر جوش۔

اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے کسی پیچیدہ مسئلے کا سرا مل گیا ہو۔ دوسری بار وہ اس ناسمجھ میں آنے والے جذبے کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، جسے لوگ محبت کہتے تھے۔

چند ہفتے پہلے یہی لڑکی شرماتے ہوئے اسے بتا رہی تھی کہ وہ ایک لڑکے سے محبت کرنے لگی ہے۔ وہ جب اس کا نام لیتی تو اس کے چہرے پر عجیب سی چمک آجاتی تھی۔

پھر آج صبح اس نے روتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ غلط سمجھی تھی۔

وہ تو سب سے ہنس کر بات کرتا ہے۔" اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ "اور اب پتہ چلا ہے"

"اس کی کسی اور لڑکی سے دوستی ہے۔۔۔ مطلب۔۔۔ صرف دوستی نہیں۔

اب وہ خاموش بیٹھی تھی۔

نہ اسے رسّی ٹاپنے میں دلچسپی تھی، نہ سموسہ چاٹ میں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

کچھ لمحے سحر اسے غور سے دیکھتی رہی، جیسے کسی تجربے کا مشاہدہ کر رہی ہو۔

پھر اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا تمہیں خواہش پوری نہ ہونے کا دکھ ہے؟"

لڑکی نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"یا تم اس لیے رو رہی ہو کہ وہ تمہاری توقع پر پورا نہیں اترا؟"

وہ چند سیکنڈ اسے گھورتی رہی، جیسے سوال سمجھ سے باہر ہو۔

"میں۔۔۔ محبت کرتی ہوں اس سے۔"

اب جب تمہیں پتہ چل گیا کہ وہ کسی اور کے ساتھ "اس کا اشارہ آنسوؤں کی جانب تھا۔

"ہے، تو یہ سب کیا ہے؟

"اب کیا تم ہر خوشی خود پر حرام کر دو گی؟"

لڑکی کے ہونٹ کانپے۔ "تم نہیں سمجھو گی۔"

سحر نے بغیر جواب دیے آگے بڑھ کر اس کے گال سے ایک آنسو اپنی انگلی پر لے لیا۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

شفاف۔

بالکل عام پانی جیسا۔

اگر میں ان کا تجزیہ کروں۔۔۔"اس نے آہستہ سے کہا۔"تو کیا محبت کے آنسوؤں کا"

"نمک عام پانی سے مختلف ہو گا؟

لڑکی نے حیرت، خفگی اور بے بسی سے اسے دیکھا۔

"تم نہیں سمجھو گی، تم تو۔۔۔"وہ رک گئی۔

اس کی اپنی آنکھوں میں کوئی نرمی نہیں تھی، صرف تجسس تھا۔ ٹھنڈا، بے رحم تجسس۔

دیکھو۔"اس نے پر سکون انداز میں کہا۔"میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تم اپنے لیے"

"سب مشکل بنا رہی ہو۔

وہ لڑکی پھر سے رونا شروع ہو گئی اور اس کے ذہن میں ایک سوال دیر تک گونجتا رہا۔

محبت کا ذکر کرتے ہوئے لوگ ایسے برتاؤ کیوں کرنے لگتے ہیں۔۔۔ جیسے ان کی ذات کا"

"اختیار بھی اب ان کے پاس نہیں رہا؟

☆☆☆☆☆☆☆

سحر کے اپنے گھر میں موجود وسیع اور روشن اسٹوڈیو میں تیل کے رنگوں اور ٹرپینٹائن کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ دیواروں کے ساتھ ادھورے کینوس ٹکے تھے؛ کہیں انسانی چہرے، کہیں تجریدی رنگ، کہیں بے ترتیب لکیریں۔

کمرے کے بیچوں بیچ سحر اپنے بڑے کینوس کے سامنے کھڑی تھی۔

اس کے ہاتھ اور آستینیں سیاہ، سرخ اور نیلے رنگ سے آلودہ تھیں۔

کینوس پر کوئی واضح منظر نہیں تھا۔

دور سے دیکھنے پر بس ایک انسانی دھڑ دکھائی دیتا، جس کے سینے کی جگہ خالی تھی۔ وہاں دل نہیں تھا بلکہ باریک دھاگوں، کیلوں اور زنگ آلود تاروں کا الجھا ہوا جال بنا ہوا تھا۔ ان

تاروں سے ننھے کاغذی پرندے لٹک رہے تھے جن کے پر جلے ہوئے تھے۔ پورے کینوس پر جگہ جگہ نمک چپکا ہوا تھا، جیسے سوکھے آنسو۔

اس پینٹنگ میں کچھ ایسا تھا جو خوبصورت بھی لگتا اور بے حد بے چین بھی کرتا۔

عائزہ اور فائز وہاں آئے تو سحر کو حیرت نہیں ہوئی، کچھ ہی دیر پہلے ملازمہ ان کی آمد کا بتا کر گئی تھی۔

فائز نے دیکھتے ہی کہا۔ "یہ دکھ کو پورٹرے کرنے کی کوشش لگتی ہے۔"

عائزہ کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر وہ سحر کے قریب آئی جو برش سے ایک اور سیاہ لکیر کھینچ رہی تھی۔

"تم نے محبت بنائی ہے؟" وہ سحر کی دلچسپیوں سے واقف تھی۔

سحر نے پلٹ کر پینٹنگ کو دیکھا، جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ "کوشش کر رہی ہوں، سمجھ نہیں پا رہی۔"

"پھر یہ کیا ہے؟" فائز نے پوچھا۔

"کہانا۔ یہ ایک کوشش ہے۔"

لیکن یہ سب۔۔۔"اس نے جلے پرندوں اور تاروں کی طرف اشارہ کیا۔"ایسا لگ رہا"

عائزہ نے بھنویں سکڑیں۔"ہے جیسے کوئی اندر سے زخمی ہو۔

سحر ہلکا سا مسکرائی۔"شاید ہر انسان ہوتا ہے۔"

نہیں واقعی، یہ محبت جیسا لگ رہا ہے۔ جیسے کسی نے دل کے ساتھ "یہ فائز کا تبصرہ تھا۔

"جنگ کی ہو۔

سحر نے برش پانی میں ڈبویا۔"جس راستے کی میں خود مسافر نہیں، نہ اس پر چلنے کی اہل

ہوں۔۔۔اس کے بارے میں جانکاری کیسے لوں؟"

عائزہ اسے دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے بولی۔"اس مسافر سے، جو وہیں چلتا ہو۔"

سحر کی انگلی برش پر رک گئی۔"اور اگر ہر مسافر اس راستے کو الگ انداز میں بیان کرے

تو؟"

"تب بھی کچھ چیزیں مشترک ہوتی ہیں۔"عائزہ نے کہا۔

"جیسے؟"

عائزہ نے کینوس کی طرف دیکھا۔

"تکلیف۔ خواہش۔ کھو دینے کا خوف۔"

سحر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔"میں کوئی ایسا فن پارہ بنانا چاہتی ہوں جو محبت کی عکاسی کرے۔"

فائز ہنس دیا۔"ریسرچ کرنی پڑے گی۔"

"تمہیں کئی باتیں سمجھ نہیں آئیں گی۔"عائزہ نے لقمہ دیا۔

"تم عقل سے اس چیز کو سمجھنا چاہتی ہو جس کا تعلق دل سے ہے۔"یہ فائز کا کہنا تھا۔

"ایسا نہیں ہے۔"اس نے شدت سے نفی کی۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر35

امبر میر

چند سال قبل

آخری لیکچر ختم ہو چکا تھا۔امبر، شاہ ویز کے ساتھ پارکنگ ایریا کی جانب بڑھ رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر گراؤنڈ کی ہری گھاس پر بیٹھی دو لڑکیوں پر پڑی۔ان میں سے ایک لڑکی نہایت انہماک سے اپنے سامنے ایک بھاری سی کتاب کھولے بیٹھی تھی اور اس کے برابر میں رنگ برنگے جنگلی پھولوں کا ڈھیر تھا۔

اس لڑکی کا انداز اتنا دلچسپ تھا کہ امبر کے قدم وہیں رک گئے۔

وہ ایک ایک پھول کو بڑی نزاکت سے اٹھاتی،اس کی پنکھڑیوں کو سیدھا کرتی اور پھر کتاب کے صفحات کے درمیان کسی قیمتی نقش کی طرح رکھ دیتی۔وہ اس کام میں اس قدر مگن تھی جیسے کوئی بہت بڑا خزانہ ترتیب دے رہی ہو۔شاہ ویز نے اسے پکارا مگر امبر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور خود ان لڑکیوں کی طرف بڑھ گئی۔

امبر اس کے قریب بیٹھ گئی، اس کی نظریں ان کتابوں پر تھیں جن کے کناروں سے پھولوں کی ڈنڈیاں باہر جھانک رہی تھیں۔ "کتنا انوکھا شوق ہے! مگر ایسے نازک اور رنگین پھول آپ کو ملتے کہاں سے ہیں؟"

"کچھ باغیچوں سے، کچھ کسی گلدستے کی یادگار ہوتے ہیں اور کچھ یہ۔۔۔" اس نے گھاس پر بکھرے چھوٹے چھوٹے نیلے پھولوں کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ جنگلی پھول ہیں جو اکثر لوگوں کے پیروں تلے کچلے جاتے ہیں، مگر کتابوں میں جا کر یہ امر ہو جاتے ہیں۔"

امبر نے ایک خشک ہو چکی پتی کو چھو کر دیکھا۔ "یہ تو بہت پرانا فن لگتا ہے۔"

"ہاں، اس کی تاریخ بہت دلچسپ ہے۔" اس لڑکی نے بتایا۔ "کہتے ہیں کہ سولہویں صدی میں جاپانیوں نے اسے ایک باقاعدہ آرٹ کی شکل دی تھی، جسے وہ 'اوشیبانا' کہتے تھے۔ وہاں کے جنگجو بھی ذہنی سکون کے لیے یہ کام کیا کرتے تھے۔ وکٹورین دور میں تو یہ خواتین کا پسندیدہ مشغلہ تھا کہ وہ اپنی محبت کی یادگاروں اور خطوط کے ساتھ ان پھولوں کو محفوظ کرتی تھیں۔" امبر اس کی گفتگو میں اس قدر کھو گئی کہ اسے شاہ ویز کی موجودگی کا خیال بھی نہ رہا۔ وہ لڑکی اسے صرف بنیادی طریقے بتا رہی تھی کہ کیسے اخبار یا روئی کے

درمیان پھولوں کو رکھ کر مہینوں ان کا انتظار کیا جاتا ہے، مگر امبر کے لیے یہ کسی نئی دنیا کا دروازہ کھلنے جیسا تھا۔ اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ سوکھے ہوئے پھول بھی کتنی کہانیاں سنا سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

مری کی خنک ہواؤں میں صنوبر کے درختوں کی سوندھی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ شاہ میر کا یہ کاٹیج نما گھر، جو پرانی لکڑی اور پتھروں سے بنا تھا، مری کے پرسکون حصے میں واقع تھا۔ اس بار امبر نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ان چند دنوں میں فطرت سے اپنا ٹوٹا ہوا تعلق دوبارہ جوڑے گی۔

صبح ناشتے کے فوراً بعد وہ نرمل کے ساتھ چہل قدمی پر نکل جاتی۔ نرمل، جو چوکیدار کی بیوی تھی اور امبر ہی کی ہم عمر تھی، پہاڑی پگڈنڈیوں اور وہاں اگنے والے ایک ایک جنگلی پھول سے واقف تھی۔ وہ دونوں جب گھنے درختوں کے بیچ سے گزرتیں تو نرمل اسے بتاتی کہ کون سا پھول صرف صبح کی پہلی کرن میں کھلتا ہے اور کس پتے میں شفا چھپی ہے۔

امبر نے ایک چھوٹی سی بانس کی ٹوکری تھام رکھی تھی جو دھیرے دھیرے بنفشی، زرد اور گہرے سرخ رنگ کے جنگلی پھولوں سے بھرتی جا رہی تھی۔ اس کے لیے یہ صرف پھول نہیں تھے، بلکہ مری کی خاموشیوں کے وہ ٹکڑے تھے جنہیں وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ جب سورج درختوں کی اوٹ سے اوپر چمکنے لگا تو وہ واپس کاٹیج کی طرف مڑی۔

دروازے پر ہی فراز مل گیا، جو ہاتھ میں کافی کا مگ تھامے شاید باہر کے منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ امبر کی بھری ہوئی ٹوکری دیکھ کر اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"امبر! تم اب بھی ان بے کار چیزوں کے پیچھے بھاگ رہی ہو؟" فراز نے کافی کا سپ لیتے ہوئے شگفتگی سے کہا۔ "اتنی محنت ان رنگوں کو جمع کرنے میں کر رہی ہو جو چند گھنٹوں میں مرجھا جائیں گے اور پھر تم انہیں کتابوں کے بوجھ تلے دبا دو گی۔ کتنا بے مقصد کام ہے نا؟"

امبر نے قدم روکے اور اپنی ٹوکری میں موجود ان نازک پھولوں کو ایک بار محبت سے دیکھا، پھر نظریں اٹھا کر فراز کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کا لہجہ بہت پُراعتماد تھا۔

"مقصود رنگوں کا باقی رہنا نہیں ہے فراز بھائی، بلکہ ان جذبوں کو محفوظ کرنا ہے جو ان کے چنتے وقت میرے اندر جاگے تھے۔" اس نے ایک لمحے کے لیے رک کر بات مکمل کی۔ "کچھ چیزیں اس لیے قیمتی نہیں ہوتیں کہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں گی، بلکہ اس لیے انمول ہوتی ہیں کیونکہ وہ ہمیں اس وقت 'محسوس' کرنے کا موقع دیتی ہیں جب دنیا صرف 'سوچنے' میں مصروف ہوتی ہے۔"

فراز کچھ لمحوں کے لیے ساکت رہ گیا، جیسے امبر کے اس سادہ سے جواب نے اس کی دانشمندی کو ایک لمحے کے لیے لاجواب کر دیا ہو۔ امبر مسکراتی ہوئی اندر بڑھ گئی، جبکہ فراز وہیں کھڑا ادھوری کافی کے ساتھ اسے جاتا دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

حال

شام جب یاور گھر لوٹا تو امبر کو ڈھونڈتا ہوا اس کے کمرے کی جانب آیا۔

اس نے لکڑی کے بھاری دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور اجازت ملنے پر جب دروازہ دھکیلا تو سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے قدم تھم گئے۔ امبر نیچے کارپٹ پر ڈھیر ساری

کتابوں اور سوکھے ہوئے پھولوں کے درمیان بیٹھی تھی، جیسے وہ خود بھی کسی رنگین خواب کا حصہ ہو۔

اسے دیکھ کر امبر کے لبوں پر ایک دلآویز مسکراہٹ پھیل گئی۔ یاور بنا کسی تکلف کہ اس کے سامنے وہیں کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" یاور نے بکھرے ہوئے پھولوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹھہرو! میں تمہیں اپنا مکمل پراجیکٹ دکھاتی ہوں، یہ تو ابھی شروع کیا ہے۔" امبر جوش سے اٹھی اور الماری سے ایک ہاتھ سے بنی ہوئی خوبصورت جلد والی کتاب نکال لائی۔ یہ کوئی عام کتاب نہیں تھی، بلکہ امبر کی اپنی تخلیق تھی۔

یاور نے حیرت سے اسے ہاتھ میں لیا اور صفحات پلٹنے لگا۔ "یہ کیا؟ اس میں تو ہر صفحے پر سوکھے ہوئے پھول پروئے ہوئے ہیں اور تمہاری لکھائی میں کچھ لکھا بھی ہے؟"

امبر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "میں ان سوکھے ہوئے پھولوں کو پرو کر کہانیاں بناتی ہوں، یاور۔ ہر پنکھڑی ایک لفظ ہے، ہر پھول ایک جملہ۔"

یاور چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، جیسے وہ ان پھولوں سے زیادہ امبر کے اندر چھپی حساسیت کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے کتاب بند کی اور دھیرے سے بولا۔ "یہ میں آج رات اپنے کمرے میں سکون سے پڑھوں گا۔"

رات کا پچھلا پہر تھا۔

یاور اپنے بیڈ پر نیم دراز تھا جبکہ اس کے ہاتھ امبر کی اس انوکھی کتاب پر جمے تھے۔ جیسے ہی اس نے پہلا صفحہ پلٹا، وہ کسی اور ہی دیس میں پہنچ گیا۔

"روشن جزیرہ"

ایک جزیرہ تھا جہاں ہر بچے کو بلوغت پر ایک تحفہ ملتا تھا۔

پرندہ، شیشہ، چراغ، کچھ بھی۔

وہاں دو دوست رہتے تھے۔

بلوغت کو پہنچنے پر لڑکے کو ایک قطب نما ملا جو ہمیشہ شمال کے بجائے کسی نامعلوم سمت کی طرف اشارہ کرتا تھا۔

اور لڑکی کو چند بیج۔

ان کی دوستی جتنی پرانی تھی، اتنی ہی گہری بھی۔

لڑکا قطب نما کے پیچھے بھاگتا رہتا اور لڑکی ہر نئی جگہ وہ بیج بونے کی کوشش کرتی، مگر بیج کبھی نہیں اگتا۔

پھر ایک سال سمندر غیر معمولی طور پر بے چین ہو گیا۔

جہاز آنے بند ہو گئے۔

پرندے ہجرت بھول گئے۔

اور ایک صبح جب لڑکا جاگا، لڑکی جزیرے پر نہیں تھی۔

سال گزرتے گئے۔

لڑکا دور ملکوں میں گھومتا رہا۔ ہر شہر میں اس کا قطب نما کسی نئی سمت گھوم جاتا۔ کبھی وہ سنہری محلوں تک پہنچتا، کبھی شور سے بھرے بازاروں تک، کبھی ایسے گھروں میں جہاں لوگ رات بھر ناچتے رہتے تھے اور صبح ایک دوسرے کے نام بھی بھول جاتے۔

مگر قطب نما کبھی ساکن نہیں ہوا۔

لڑکی کے والد اسے جزیرے سے بہت دور لے گئے، ایک ایسی سرد وادی میں جہاں زمین زرخیز تھی۔

انہوں نے وہاں پہنچتے ہی اس کے ہاتھ میں رنگ برنگے بیجوں کی ایک نئی تھیلی رکھ دی۔

"جب دل اداس ہو، انہیں بو دیا کرنا۔"

پہلے پہل لڑکی ہر شام سمندر کی طرف منہ کر کے روتی رہی۔ وہ کسی بھی بیج کو ہاتھ نہ لگاتی۔

مگر سردیاں لمبی ہو گئیں، اکتاہٹ شدید۔

ایک دن اس نے ایک بیج بو دیا۔

پھر اگلے ہفتے دوسرا۔

پھر ایک ایک کر کے ساری وادی میں۔

مگر اُن میں سے صرف ایک بیج اگا۔

وہ درخت عجیب تھا۔

اس پر صرف سفید پھول کھلتے تھے جو رات کے وقت ہلکی روشنی دیتے، جیسے ان کے اندر چاند کا کوئی ننھا سا ٹکڑا بند ہو۔

سال گزرتے گئے، اور رفتہ رفتہ پوری وادی سفید پھولوں سے بھر گئی۔

دور سے دیکھو تو یوں لگتا جیسے زمین پر برف گری ہو، مگر قریب جاؤ تو ہوا میں نرم سی خوشبو تیرتی محسوس ہوتی۔

کئی برس بعد لڑکا سمندروں سے بھٹکتا ہوا ایک ایسی سرزمین پر پہنچا جہاں رات کے اندھیرے میں وادی مدھم سفید روشنی سے چمک رہی تھیں۔

جہاں تک نظر جاتی، سفید پھول تھے۔

ہزاروں۔ شاید لاکھوں۔

وہ دیر تک خاموش کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔

پھر اس نے جیب سے اپنا قطب نما نکالا۔

سوئی پہلی بار ساکن تھی۔

یاور نے کتاب سینے سے لگالی اور اپنی چھت کی طرف دیکھنے لگا، جہاں اندھیرے میں بھی اسے امبر کے پروئے ہوئے وہ پھول ستاروں کی طرح چمکتے محسوس ہو رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد کی مارگلہ روڈ پر واقع اس قدیم طرز کی عمارت کا ماحول بہت پر سکون تھا، جسے اب ایک ہیریٹیج آرکائیو اور میوزیم میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

یاور اندر داخل ہوا تو پرانی کتابوں اور بوسیدہ کاغذات کی مخصوص خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ اس نے ہال کے آخری سرے پر نظر دوڑائی تو وہاں امبر ایک میز پر جھکی نہایت انہماک سے کام میں مصروف دکھائی دی۔

یاور قدم بڑھاتا ہوا وہاں تک پہنچا، راستے میں اس نے ناہید بیگم کو احترام سے سلام کیا اور امبر کی میز کے سامنے رک گیا۔ امبر نے سر اٹھا کر دیکھا تو حیرت اور مسکراہٹ کے ملے جلے تاثرات اس کے چہرے پر ابھرے۔

"تم یہاں؟"

یاور نے اس کے سامنے رکھی فائلوں کو دیکھا۔ "کیا کر رہی ہو اس وقت؟"

امبر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "یاور، یہ تقسیم سے پہلے کے نایاب خطوط ہیں جن کی میں درجہ بندی کر رہی ہوں۔ میری تاریخ اور بین الاقوامی تعلقات کی ڈگری یہاں پہلی بار مجھے کارآمد لگ رہی ہے۔ میں ان دستاویزات کو آج کے سیاسی حالات کے تناظر میں ترتیب دے رہی ہوں تاکہ پتا چل سکے کہ ماضی کے فیصلے آج بھی ہمارے مستقبل پر کیسے اثرانداز ہو رہے ہیں۔"

یاور اسے تحسین بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ میں پکڑا بیگ میز پر رکھا۔ "بہت متاثر کن کام ہے، لیکن فی الحال تمہارا لنچ بریک شروع ہو چکا ہے۔ میں تمہارے لیے گھر کا بنا ہوا تمہاری پسند کا کھانا لایا ہوں۔"

امبر نے ایک نظر کھانے والے بیگ پر ڈالی اور پھر یاور کو دیکھا۔ "تمہیں کیسے معلوم کہ ابھی تک میری پسند وہی ہے؟ کیا پتا ان سالوں میں میری پسند بدل گئی ہو؟"

یاور کے لبوں پر ایک پریقین مسکراہٹ آ ٹھہری۔ "میں جانتا ہوں امبر، تمہاری پسند نہیں بدلی۔ کچھ چیزیں وقت کی گرد سے دھندلا تو سکتی ہیں، مگر بدلتی نہیں۔"

اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا مخملی ڈبہ نکالا اور امبر کی طرف بڑھایا۔ "جانتی ہو تمہارے لیے امریکہ سے کیا خاص تحفہ لایا ہوں؟"

امبر نے دھیرے سے ڈبہ کھولا تو اندر باریک سنہری زنجیر سے جڑا نجمِ قطبی کی صورت تراشا گیا ایک نفیس پینڈنٹ چمک رہا تھا، جس کے گرد باریک مداری حلقے بنے تھے، جیسے کسی کہکشاں کا نقش۔

"یہ پولارس ہے۔" یاور نے اس کی حیرت دیکھ کر وضاحت کی۔ "فلکیات میں یہ وہ ستارہ ہے کیونکہ مسافر صدیوں سے اسے سمت پہچاننے کے لیے استعمال کرتے آئے ہیں۔ تم میرے لیے وہی قطبی ستارہ ہو امبر، تم میرے لیے وہ روشنی ہو امبر، جسے دیکھ کر آدمی کو آخر کار یقین آ جائے کہ وہ راستہ نہیں بھولا۔"

امبر نے اس انوکھے ڈیزائن والی چین کو چھو کر دیکھا۔ اسے لگا جیسے یاور نے اپنی برسوں کی وابستگی کو ایک چھوٹے سے ستارے کی شکل دے دی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر36

یاور سنگرام

یاور جانتا تھا کہ اس کے والدین آجکل میں آنے والے ہیں لیکن اس حقیقت سے وہ انجان رہا کہ اسے سرپرائز ملے گا۔

وہ روز کے ساتھ فلیٹ کا دروازہ کھولتا اندر آیا۔

وہ دونوں ہنس رہے تھے، روز نے کچھ زیادہ پی رکھی تھی۔ اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی اور جملے کچھ ٹوٹے کچھ بکھرے ہوئے سے تھے۔

یاور نے اسے سہارا دیتے ہوئے لاؤنج کے صوفے پر بٹھایا، وہ توازن برقرار نہ رکھ پائی، وہیں لیٹ گئی۔ یاور کچن کی جانب گیا اور گلاس میں پانی ڈال کر لایا۔ وہ آنکھیں بند ہی کرنے والی تھی کہ یاور نے ہلکا سا پانی کا چھینٹا اس کے چہرے پر ڈالا۔

"اوہ یاور! تم واقعی ایک جینٹل مین ہو۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

پانی پینے کے بعد پہلے کی نسبت ذرا فریش دکھائی دی۔ "آج تم سے دوسری ملاقات تھی اس لیے یوں چلی آئی ورنہ۔۔" اس نے ایک ہاتھ سے اپنی جانب اشارہ کیا۔ "ایسی حالت میں کسی اجنبی کے ساتھ نہیں جاتی۔"

یاور کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ایک بار مل کر کوئی کسی کو کتنا جان لیتا ہے!"

ابھی روز نے جواب دینے کو منہ کھولا ہی تھا کہ دروازے پر بیل ہوئی۔

یاور نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

اسے حیرت ہوئی، یہاں کی سیکیورٹی سخت تھی بنا اجازت کوئی اس کے دروازے تک نہیں آسکتا تھا۔ سوائے ان لوگوں کے جن کا اس نے نام درج کروایا ہو یا جو پہلے یہاں آ چکے ہوں۔ وہ اٹھ کر مرکزی دروازے کی سمت بڑھا۔ شاید عمارت کا کوئی دوسرا رہائشی ہو۔

پیپ ہول سے جھانکا تو پل بھر میں اس کے چھکے چھوٹ گئے۔

"ڈیڈ، امی۔" دروازہ کھولتے ہی اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "آپ لوگوں نے بتایا ہی نہیں کہ آج آئیں گے؟"

"کوئی پہلی بار تو نہیں۔" زرقا اسے نرمی سے سائیڈ پر کرتی اندر داخل ہوئیں۔

اب وہ دونوں اس سے آگے چل رہے تھے جبکہ وہ مرے مرے قدموں سے دروازہ لاک کرتا ان کا سوٹ کیس گھسیٹتا پیچھے چل دیا۔

"ہم نے سوچا تمہیں اچانک۔۔۔" ڈیڈ کی بات ادھوری رہ گئی۔

یاور نے پل بھر کو آنکھیں بند کیں پھر خود کو متوقع لمحے کے لیے تیار کرتا لاؤنج میں داخل ہوا، جہاں اس کے والدین صوفے پر بیٹھی روز سے کچھ فاصلے پر بت بنے کھڑے تھے۔ روز نے ان دونوں کو دیکھا اور پھر یاور کو۔ اگلے ہی لمحے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں روز ہوں، یاور کی دوست۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا جو زرقا نے تھاما۔

"یہ میرے والدین ہیں، میں نے بتایا تھا پاکستان سے آنے والے ہیں۔" یاور کو سمجھ نہیں آرہی تھی وضاحت کس طرح دے۔

روز نے صرف اتنا کہا۔ "یہ لوگ تھکے ہوئے ہوں گے تم ان کے ساتھ وقت گزارو، میں چلتی ہوں۔"

"روز۔" یاور نے اپنے والدین کی جانب دیکھے بغیر وہی کھڑے کھڑے فیصلہ کیا ۔"آدھی رات کو یوں اکیلے کیب میں جانا محفوظ نہیں، میں تمہیں ڈراپ کر کے آتا ہوں۔"

روز کے مسلسل انکار پر بھی یاور نہ مانا، اس کے ڈیڈ نے بھی سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اس کے فیصلے کی تائید کی۔

وہ روز کو اس کے گھر ڈراپ کر کے لوٹا تو وہ دونوں سو چکے تھے۔

اگلے دن اس کی چھٹی تھی، شاید یہی سوچ کر وہ یوں بنا بتائے چلے آئے تھے۔ یاور کافی بنانے کچن کی جانب بڑھا تو ماں کو وہاں دیکھ کر اسے حیرت نہیں ہوئی۔ وہ دن کا آغاز جلدی کرنے کی عادی تھیں۔

"ہم دونوں تو ناشتہ کر چکے ہیں، لیکن تمہاری روٹین کافی بگڑی ہوئی لگ رہی ہے۔" وہ اس کے لیے آملیٹ بنا رہی تھیں شاید اس کے کمرے سے آتی ہلکی پھلکی آوازوں سے انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جاگ چکا ہے۔

"میں پراٹھا نہیں کھاتا۔" وہ بریڈ کے سلائس نکال کر ٹوسٹر میں لگانے لگا۔

انہوں نے مڑ کر قدرے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ "عادتیں بدل رہی ہیں تمہاری!"

اس نے ماں کی طرف دیکھنے سے اجتناب کیا۔ "اب میں اگر یہ کہوں کہ کچھ بھی ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔۔۔ تو بہت روایتی لگے گا۔"

"اور روایات سے ناطہ تم توڑنا چاہتے ہو، ہے نا؟" انہوں نے آملیٹ پلیٹ میں نکالا اور اس کی طرف رخ کر کے کھڑی ہو گئیں۔

"امی، میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا۔" اب وہ کافی بنا رہا تھا۔

"امبر کی شادی ہو چکی ہے اور اب تو اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔"

یاور کا ہاتھ بے دھیانی میں ٹوسٹر کے گرم حصے سے جا لگا۔

اچانک جلن محسوس ہونے پر ہاتھ جھٹکے سے پیچھے کیا۔

"یاد ہے، آپ نے تصویر بھیجی تھی۔"

"اور جو ہر دوسرے دن کوئی تصویر بھیجتی ہوں، اس کا کیا؟"

"مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔"

"یہ کہو تمہیں کرنی ہی نہیں۔"

"امی۔" وہ اب ٹرے میں ساری چیزیں رکھ رہا تھا۔ "جس کام کی خواہش ہی نہیں، اسے لے کر آپ زبردستی نہ کریں۔"

"یہ جو لڑکیوں سے تمہارا میل ملاپ ہے، اس کے پیچھے یہی خواہش تو ہے۔"

وہ ٹرے اٹھاتا لاؤنج کی جانب بڑھ گیا۔

"کسی کا ساتھ ہو، فیملی بنے۔ ہر مرد یہی چاہتا ہے۔"

"میں ان میں سے نہیں۔" وہ اب صوفے پر بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔

زرقااس کے برابر آ بیٹھیں۔

"امبر سے تو چوبیس سال کی عمر میں بھی شادی کرنے کو تیار بیٹھے تھے!" وہ بولیں تو یاور نے جھٹکے سے سر اٹھا کر دیکھا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے مجھے کچھ پتہ نہیں؟ اس نے رانیہ کو بتایا تھا اور رانیہ نے مجھے۔"

"اس سے کرنا چاہتا تھا، نہیں ہوئی۔" اس نے کافی کا مگ ہونٹوں سے لگایا، گھونٹ لے کر خشک ہوتا گلا تر کرنے کی کوشش کی۔ "کسی اور کی زندگی کیوں برباد کروں۔"

"اسے دیکھو کیسے مزے میں ہے۔" وہ تلخ ہوئیں۔ "تمہیں مسترد کر کے آج کسی اور کے ساتھ۔۔۔"

یاور نے مگ دوبارہ ٹرے پر پٹخا۔ "امی، امبر کا ذکر کریں تو اس کی خوشیوں کی دعا کے ساتھ۔" وہ پختہ لہجے میں بولا۔ "میں ہر خبر سننے کا حوصلہ رکھتا ہوں، لیکن یہ نہیں کہ وہ دکھی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

گریفتھ آبزرویٹری کی چوٹی پر ہوا معمول سے کچھ زیادہ ٹھنڈی تھی۔

نیچے لاس اینجلس روشنیوں کے ایک بے کنار سمندر کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ سڑکیں سنہری لکیروں کی مانند دور تک جاتی تھیں، عمارتوں کی کھڑکیاں جگنوؤں کی طرح چمک رہی تھیں، اور شہر کی وہ زندگی جو رات ڈھلنے کے بعد جاگتی ہے، خاموشی سے سانس لے رہی تھی۔

اوپر آسمان اس سب کے برعکس تھا۔

گہرا، وسیع، پُرسکون۔

یاور نے بچپن سے آسمان کو ہمیشہ دو چیزوں کے طور پر دیکھا تھا۔ سائنس۔۔۔ اور پناہ۔

زرقا اندر موجود نمائشیں دیکھنے چلی گئی تھیں۔ یاور اور اس کے والد بیرونی ٹیرس پر آ کھڑے ہوئے۔

یاور کی نظریں شہر پر تھیں جبکہ اس کے والد کی نگاہیں آسمان پر۔

"عجیب بات ہے نا،" انہوں نے دھیرے سے کہا۔ "انسان جتنا اوپر چلا جائے، دنیا اتنی چھوٹی لگنے لگتی ہے۔"

"یاور مسکرایا۔ "اسی لیے فلکیات پسند ہے مجھے۔انسان کو اپنی اوقات یاد رہتی ہے۔"

لقمان نے اس کی طرف دیکھا۔ان کی آنکھوں میں فخر تھا، مگر ساتھ ہی کچھ اور بھی۔

"تم نے بہت کچھ حاصل کیا ہے، یاور۔"

وہ خاموش رہا۔

امپیریل۔۔۔پھر کالٹیک۔"ان کے لہجے میں نرمی تھی۔"اور اب اورین اسپیس سسٹمز۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں، وہ لڑکا جو رات میں چھت پر ستارے دیکھا کرتا تھا، واقعی یہاں تک آ گیا۔"

یاور نے جیب میں ہاتھ ڈال لیے۔

"بس قسمت اچھی تھی۔"

اور یہ کس نے لکھی؟"اس کے والد نے آہستگی سے کہا۔"اللہ کی تم پر خاص مہربانی"

"رہی۔

ہوا کا ایک جھونکا آیا۔

نیچے شہر کی روشنیاں ذرا دھندلی محسوس ہوئیں۔

"تم کائنات کے سگنلز پڑھتے ہو نا؟" انہوں نے پوچھا۔

یاور نے سر ہلایا۔

"شور اور سگنل الگ کرتے ہو؟ "

"ہاں۔"

"زندگی بھی کچھ ایسی ہی ہے۔"

یاور نے پہلی بار پوری توجہ سے ان کی طرف دیکھا۔

"دنیا میں شور بہت ہے۔ کھیل تماشے، خواہشات کا شور۔ ایسے میں روح کی آواز کیسے سنی جائے۔"

نیچے شہر جگمگا رہا تھا۔

کسی اپارٹمنٹ میں موسیقی چل رہی ہو گی۔ کہیں شراب کے گلاس ٹکرا رہے ہوں گے۔ کہیں دو اجنبی ایک رات کے لیے ایک دوسرے کو اپنا سمجھ رہے ہوں گے۔

اور اوپر۔۔۔

ستارے خاموش تھے۔

اللہ نے کچھ چیزیں حلال اور کچھ حرام صرف حکم چلانے کے لیے نہیں کیں، یاور۔"ان"

"کی آواز پہلے سے بھی زیادہ نرم ہو گئی۔"وہ اپنے بندے سے محبت کرتا ہے۔

یاور کی پلکیں ہلکی سی جھپکیں۔

جس نے یہ آسمان بنایا وہ انسان کے اندر کا اندھیرا بھی جانتا ہے۔وہ جانتا ہے کون سی چیز"

"روح کو تھکا دیتی ہے، کون سی چیز دل کو بے سکون کرتی ہے۔

پھر انہوں نے نیچے شہر کی طرف دیکھا۔

"آزادی شروع میں بہت اچھی لگتی ہے۔انسان کو لگتا ہے وہ کسی قید میں نہیں، کسی اصول

کی پابندی اس پر فرض نہیں۔ مگر آہستہ آہستہ کچھ چیزیں انسان کے اندر خلا چھوڑ جاتی

ہیں۔"

یاور نے نظریں پھیر لیں۔

اسے روز کا ہنستا ہوا چہرہ یاد آیا۔ کچھ اور چہرے بھی۔

نام دھندلے تھے۔

پاکیزگی۔۔۔"اس کے والد دھیرے سے بولے۔"صرف جسم کی نہیں ہوتی۔عادتوں"

"کی بھی ہوتی ہے، نگاہ اور دل کی بھی۔

پھر انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اور تم جانتے ہو مجھے سب سے زیادہ خوشی کس بات کی ہے؟"

یاور نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ کہ اتنی دنیا دیکھ لینے کے بعد بھی تمہارے اندر نرمی باقی ہے۔"

یاور کی سانس ہلکی سی اٹکی۔

تم آج جو ہو، یہ اللہ کی محبت ہے۔اس نے تمہیں ذہانت بخشی، عزت دی، مقام دیا، کشادہ

"رزق سے نوازا۔ محنت کرنے کی توفیق بھی تو وہی دیتا ہے۔"

ان کی آواز میں باپ کی وہ شفقت تھی جو نصیحت سے زیادہ دعا لگتی ہے۔

"اب سوچو، اس محبت کے جواب میں تم اسے کیا لوٹا رہے ہو؟"

کافی دیر تک یاور کچھ نہیں بول پایا۔

"اپنی روح کے لیے کیا کر رہے ہو؟"

اوپر آسمان پھیلا تھا۔

وہی آسمان جس کے راز سمجھنے میں اس نے اپنی زندگی لگا دی تھی۔

اور پہلی بار اسے لگا، شاید انسان کائنات کو سمجھنے میں اتنا نہیں بھٹکتا جتنا خود کو سمجھنے میں۔

☆☆☆☆☆☆☆

والدین کے واپس جانے کے بعد فلیٹ ایک دم غیر معمولی طور پر خالی لگنے لگا تھا۔

دو دن تک یاور کو ہر صبح کچن میں برتنوں کی ہلکی آوازیں سنائی دینے کا وہم ہوتا رہا۔ کبھی لگتا امی ابھی دروازہ کھول کر اندر آئیں گی اور اس کے ہاتھ سے کافی کا مگ لے کر کہیں گی، اتنی "کڑوی کافی انسان کیسے پیتا ہے؟"

مگر اب فلیٹ دوبارہ وہی تھا۔

منظم۔

اور حد سے زیادہ خالی۔

اس دن وہ شام کے وقت سو کر اٹھا۔ پچھلی رات اورین اسپیس سسٹمز کے ایک منصوبے پر کام کرتے ہوئے فجر ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں اب بھی بوجھل تھیں جب دروازے پر گھنٹی بجی۔

وہ سستی سے پیر گھسیٹتا دروازے تک پہنچا۔

سامنے ایک نوجوان کھڑا تھا۔

گندمی رنگت، صاف ستھرا حلیہ، اور چہرے پر وہ بے ساختہ سی مسکراہٹ جو اجنبیت کو زیادہ دیر قائم نہیں رہنے دیتی۔

اس کے ہاتھ میں ایک ڈش تھی، کپڑے سے ڈھکی ہوئی۔

السلام علیکم۔"اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔"میں دانیال جاسم ہوں۔اسی فلور پر منتقل"
"ہوا ہوں۔

یاور نے جواب دیتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔"یاور سنگرام۔"

میں نے آپ کو دو تین بار عمارت میں دیکھا۔۔۔"دانیال نے ڈش ذرا آگے کی۔"خوشی"
"ہوئی کہ یہاں کوئی ہم وطن بھی ہے۔یہ کوکیز بنائی تھیں، سوچا آپ کو بھی دے دوں۔

یاور کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ وہ تھکا ہوا ہے، مصروف ہے، اور اسے زندگی میں
مزید تعلقات کی ضرورت نہیں۔

مگر سامنے والے کے لہجے میں ایسی سادہ سی خلوص بھری گرمائش تھی جسے دروازے پر ہی
واپس کرنا بدتمیزی لگتا۔

وہ ایک طرف ہٹ گیا۔

"آجاؤ۔"

دانیال کے چہرے پر ایک ہلکی سی خوشی ابھری۔

لاؤنج میں آکر وہ بیٹھے ہی تھے کہ یاور دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"چائے یا کافی؟ کیونکہ مجھے تو ابھی پینی ہے۔"

"اس صورت میں کافی ہی ٹھیک رہے گی۔"

یاور کچن کی طرف بڑھا، مگر اگلے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ دانیال بھی اس کے پیچھے یہاں چلا آیا ہے۔

یاور نے ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی۔

دانیال اب کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

"تو؟" یاور نے کافی مشین چلاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا کرتے ہو؟"

"کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کیا ہے۔" دانیال نے جواب دیا۔ "مشی گن یونیورسٹی سے۔"

"اچھا ادارہ ہے۔"

پاکستان میں بھی بس۔" وہ ہنسا۔ "وہی ہر امتحان میں اچھے نمبر لینے والا لڑکا تھا، ہر استاد کا" "پسندیدہ طالبعلم۔

"اور اب؟"

"اب مصنوعی ذہانت سے متعلق ایک کمپنی میں کام کر رہا ہوں۔"

یاور نے مگ میں کافی ڈالتے ہوئے کہا۔ "یعنی پکا یہی رہنے کا ارادہ ہے؟"

اس کے جواب میں دانیال کچھ نہیں بولا۔

چند سیکنڈ۔

پھر اس نے نظریں جھکا کر بہت ہلکے سے سر ہلایا۔

"پتہ نہیں۔"

یاور پہلی بار پوری طرح اس کی طرف مڑا۔

اس مختصر سے جواب میں کچھ تھا۔

جیسے سامنے والا اپنے پیچھے کوئی اداسی چھوڑ آیا ہو، مگر اب بھی ڈر ہو کہ کہیں وطن لوٹنے پر

وہی چیز دوبارہ قدموں سے نہ لپٹ جائے۔

کافی تیار ہو چکی تھی۔

یاور نے دونوں مگ اور کوکیز کی پلیٹ ٹرے میں رکھی اور لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

جب یاور نے اپنے بارے میں مختصراً بتایا، امپیریل، کالٹیک، سگنل انٹیگریٹی، اور اب اورین اسپیس سسٹمز۔ دانیال فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"یہ سب تو بہت دلچسپ ہے۔ آپ واقعی خلائی نظاموں کے سگنلز پر کام کرتے ہیں؟"

"زیادہ تر مداخلت اور ترسیل کے مسائل پر۔"

"آپ سے تو بہت کچھ سیکھنے کو مل سکتا ہے۔"

یاور جواب میں مسکرا دیا۔

اس نے ایک کوکی اٹھا کر چکھی۔

پھر دانیال کی طرف دیکھا۔

"واہ، بیکنگ بھی آتی ہے؟"

وہ ہنس دیا۔ "بس، کوشش کر لیتا ہوں۔"

کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ دانیال ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو محض خاموشی کو بھرنے کے لیے بولتے رہتے ہیں۔

جانے سے پہلے وہ دروازے پر رکا۔

میں صبح جاگنگ کے لیے نکلتا ہوں۔" اس نے بے تکلفی سے کہا۔ "آپ بھی چلیں"

" کبھی؟

یاور نے دروازے کے ساتھ ٹیک لگالی۔

"میں رات میں کرتا ہوں۔"

دانیال مسکرایا۔ " کبھی صبح بھی کوشش کر کے دیکھیں۔"

یاور نے چند لمحے اسے دیکھا۔

پھر بے اختیار مسکرا دیا۔

"جس رات جلدی سویا، اس کی صبح شاید نکل پاؤں۔"

دانیال ہنسا، ہاتھ ہلایا اور چلا گیا۔

دروازہ بند ہونے کے بعد فلیٹ پہلے جیسا خاموش تو تھا۔

مگر اب وہ خالی نہیں لگ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کلب میں چارلس اور یاور ایک میز پر بیٹھے تھے، جہاں موسیقی کا شور اور رنگین روشنیاں ذہن کو سن کرنے کے لیے کافی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دو لڑکیاں، اپنے مخصوص بے تکلفانہ انداز میں ان کی میز کی طرف بڑھیں۔ ان کی باتوں اور اداؤں میں ایک دعوت تھی، مگر یاور کی بے دلی اس رنگین ماحول میں بھی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

ان میں سے ایک لڑکی یاور کے قریب جھکی اور مدھم آواز میں بولی۔ "روز تمہارا پوچھ رہی تھی، وہ تمہیں یاد کرتی ہے۔"

یاور نے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھا اور بس اتنا کہا۔ "وہ اچھی لڑکی ہے۔"

دوسری لڑکی نے شوخی سے یاور کا بازو چھوا اور اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی تھوڑا بہت جان لو، میں بھی تمہیں اچھی لگنے لگوں گی۔"

یاور نے کوئی جواب نہ دیا، اسی لمحے اس کے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی۔ میسج دانیال کی طرف سے تھا۔ "آج گھر پر نہیں تھے؟ میں نے پاکستانی کھانا بنایا تھا، سوچا تمہارے ساتھ کھاؤں گا۔ اب کھانا ٹھنڈا ہونے لگا ہے تو سوچا پوچھ لوں، آؤ گے یا نہیں؟"

اچانک یاور کو اپنے ارد گرد پھیلا ہوا تمام شور ایک اذیت ناک آواز کی طرح محسوس ہونے لگا۔ سب کچھ بہت 'لاؤڈ' اور غیر ضروری لگ رہا تھا۔ اس نے اطراف میں نظر دوڑائی، یہ لوگ جو رقص کر رہے تھے اور بلند آواز میں ہنس رہے تھے، کیا یہ واقعی خوش تھے یا صرف خوش ہونے کی اداکاری کر رہے تھے؟ اس کی نظر دوبارہ موبائل کی اسکرین پر آ گئی۔ وہ اب دانیال کو کیا جواب دیتا؟

پچھلے کچھ دنوں سے وہ دونوں شام کی کافی ساتھ پینے لگے تھے۔ وہ دانیال کے فلیٹ پر بھی گیا تھا، جو یاور کے اپنے فلیٹ کی طرح ویران اور بے رنگ نہیں لگتا تھا۔ مگر آج وہ چارلس کے اصرار پر یہاں چلا آیا تھا۔

وہ لڑکیاں اب انہیں کسی دوسری پارٹی کا بتانے لگی تھیں۔ چارلس نے جوش سے کہا۔ "چلو! ہم بھی ان کے ساتھ وہیں چلتے ہیں، آج کچھ ہلہ گلہ ہو جائے۔"

وہاں سے نکل کر وہ لوگ شہر سے ذرا دور اس پارٹی میں پہنچے جہاں ہجوم بھی زیادہ تھا اور موسیقی بھی ضرورت سے زیادہ بلند۔ اس رات یاور نے جی بھر کر ڈانس بھی کیا۔ اس کے ذہن کے ایک کونے میں یہ خیال بار بار ابھر رہا تھا کہ وہ خود کو صرف دانیال تک محدود نہیں کر سکتا۔ دانیال تو کبھی بھی اس کی زندگی سے جا سکتا تھا، اور اگر ایسا ہوا تو وہ کیا کرے گا؟ اب وہ چارلس جیسے دوستوں سے بھی دور ہو جاتا؟

اس نے جھومتے ہوئے اپنا سر جھٹکا۔ "نہیں! یہ سب بہتر ہے۔ مجھے یہاں تک پہنچتے سالوں لگ گئے، اب ایسے کیسے چھوڑ دوں؟"

جب وہ واپس لوٹا تو رات ڈھل چکی تھی۔ لفٹ سے نکل کر وہ اپنے فلور پر آیا تو سامنے سے دانیال آتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھتے ہی دانیال کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ دونوں کے بیچ علیک سلیک ہوئی تو یاور نے بوجھل لہجے میں پوچھا۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

دانیال نے جواب دیا۔ "فجر کی نماز پڑھنے۔"

یاور کو حیرت ہوئی، اس نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔ "مسجد جاتے ہو؟" ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ اس عمارت کے قریب ہی ایک مسجد تھی، لیکن اسے لگا کہیں دور بھی ہوتی تو دانیال وہاں پہنچ جاتا۔

دانیال نے سر اثبات میں ہلایا اور پھر بڑی نرمی سے پوچھا۔ "رات کیسی رہی؟"

یاور نے دانیال کے چہرے پر پھیلے ہوئے اس گہرے اور انوکھے سکون کو پڑھنے کی کوشش کی، جو اس کی پوری رات کی 'رنگینی' پر بھاری تھا۔ اس نے ایک لمبی سانس لی اور دھیرے سے کہا۔

"پتہ نہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

مری نادان سی خواہش، ترے انکار کی قیدی

مگر اس رد کے صدقے، مجھے کیا کیا عطا اب ہے

وہ رستہ بند کر کے تُو نے، مجھ پر وہ گلی کھولی

کہ جس کی خاک ہونا بھی، مری حد سے ورا اب ہے

اگلی رات وہ باہر نہیں گیا۔

کھانا اس نے اپنی پسند کے پاکستانی ریسٹورنٹ سے منگوایا اور دانیال کو ایک مختصر پیغام بھیج دیا۔

وہ رات بہت اچھی رہی، وہ جلدی سو گیا۔ صبح جاگا تو وقت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ابھی سورج بھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ وہ ٹریک سوٹ پہن کر دانیال کا سوچتا باہر نکلا۔

"ارے، یہ تو بہت اچھا ہوا۔" دانیال نے دروازہ کھولتے ہی اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔

دونوں جاگنگ کرتے قریبی پارک چلے گئے۔

پھر وہیں ٹریک پر جاگنگ جاری رکھی۔

کچھ دیر بعد دونوں بینچ کی جانب چل دیے۔ دانیال نے جیب سے تسبیح کاؤنٹر نکالا اور پڑھنے لگا۔ ہونٹ بے آواز ہل رہے تھے اور انگلی مسلسل حرکت میں تھی۔

یاور بینچ سے ٹیک لگا کر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھا اور دانیال کو بغور دیکھا، جس کے چہرے پر ایک مخصوص ٹھہراؤ تھا جیسے یہ لمحات اپنے اندر ایک کاملیت رکھتے ہوں۔ یاور کچھ دیر بعد اٹھ کر دوبارہ ٹریک کی طرف چلا گیا۔

راؤنڈز پورے کر کے واپس بینچ کی طرف آیا اور اپنی بوتل سے پانی پینے لگا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دانیال ابھی تک تسبیح کر رہا ہے۔ اسے تجسس ہوا۔

آخر اس نے مخل ہونے کا ارادہ کیا۔ "اتنا ذکر؟"

دانیال نے ابھرتے سورج سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا اور مسکرا دیا۔ "اللہ کا ذکر روح کو سیراب کرتا ہے۔" پھر پر سوچ انداز میں بولا۔ "دنیا میں کتنے ایسے کام ہیں جو کرتے ہوئے یہ محسوس ہو کہ بس۔۔۔ کچھ اور نہیں کرنا، یہیں ٹھہرنا ہے۔"

یاور نے اسے رشک بھری نگاہ سے دیکھا۔ "ہمیشہ سے تو ایسے نہیں ہو گے؟"

"کوئی دعا ایسی بھی ہوا کرتی ہے، جس کے رد ہونے میں خالق کی محبت دکھائی دیتی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں نے کسی کو بہت شدت سے مانگا تھا۔" دانیال کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔ "بہت تڑپا تھا میں، نماز تو کبھی پڑھی نہیں تھی۔ بس آدھی رات کو آنکھ کھلتی اور آنسو بہنے لگتے۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

یاور سراپا کان بنا سن رہا تھا۔

"صرف ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا کرتا۔" وہ اب پوری طرح اس کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔ "مجھے لگتا تھا وہ نہ ملی تو مر جاؤں گا۔ اس کا چہرہ نہ دیکھا، آواز نہ سنی تو کیسے جی پاؤں گا۔"

سورج کی کرنیں اب تیزی سے چاروں طرف پھیل رہی تھیں۔

"ہر رات یہی ہوتا، کچھ دیر روتا، دعائیں مانگتا، پھر تھک کر سو جاتا۔ اس کے گھر کے چکر بھی لگاتا رہا۔" اس نے ایک بار پھر سورج کی طرف نگاہ اٹھائی، اب وہ اسقدر روشن ہو چکا تھا کہ زیادہ دیر دیکھنا مشکل تھا۔ "میری ایک ہی دعا تھی کہ وہ مجھے مل جائے لیکن پھر چند ہی دنوں میں میری دعا بدل گئی۔ یہ بھی اسی نے کروایا جو جانتا ہے بندے کے لیے کیا بہتر ہے۔"

اس نے پانی کی بوتل اٹھائی اور چند گھونٹ پیے۔

"اب میں کہتا مجھے وہ مل جائے یا میرے ذہن سے نکل جائے۔" اس نے یاور کو دیکھا تو اس کا چہرہ سنہری کرنوں میں نہایا ہوا تھا۔ "ایک رات یونہی دعا مانگتے ہوئے سکون دل کی گہرائیوں میں اترتا محسوس ہوا۔ مجھے پہلی بار لگا دعا قبول ہو گئی ہے۔ کون سی۔۔۔ یہ نہیں معلوم تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"اس کی سہیلی نے ایک دن میرا راستہ روکا، مجھے حقیقت سے آگاہ کیا۔ اس نے بتایا کہ سحر عالم کے لیے میں ایک چیلنج سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ بس ایک شرط تھی جو وہ جیت گئی۔" وہ پل بھر کو ٹھہرا۔ "اس کے بعد کے دن بڑے عجیب انداز میں گزرے، مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں ہارنا نہیں چاہتا۔ محبت ایسی بھی انمول شے نہیں کہ اس کی خاطر خود کو گنوا دیا جائے۔"

آج یاور پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔

سحر عالم!

وہی سحر جو اس عمارت میں چند ہفتے رہ کر گئی تھی۔

"میں راتوں کو سونے لگا۔ اپنے بارے میں سوچنے لگا۔" دانیال کی انگلیاں بوتل کے گرد مضبوطی سے جم گئیں، گرفت مضبوط ہو گئی۔ "میں کبھی اپنا تھا ہی نہیں، اس لیے خود کو یوں کسی دوسرے کو سونپ بیٹھا۔"

خاموشی کا ایک لمبا وقفہ آیا۔

"ہر محبت انسان کو اپنے مرکز کی طرف نہیں لے جاتی۔ کچھ انسان کو خود سے بھی دور کر دیتی ہیں۔"

"وہ لڑکی سحر۔۔۔" یاور کو سمجھ نہ آئی بات شروع کہاں سے کرے۔

"میرے دوست نے ایک نادانی کی۔" دانیال عجیب تلخ انداز میں ہنسا۔ "چند ہفتے پہلے تک وہ اور میں ایک ہی فلیٹ میں رہتے تھے۔ میرے امریکہ آنے کے کچھ عرصے بعد ہی وہ بھی یہاں آ گیا تھا۔ جب اس کا پاکستان لوٹنے کا ارادہ بنا تو مجھے اس عمارت میں شفٹ ہونے کا کہنے لگا۔"

"دوست کے کہنے پر یہاں شفٹ ہوئے تھے؟" یاور کو حیرت ہوئی۔

"ہاں وہ پچھلا فلیٹ میری ضرورت سے زیادہ کشادہ تھا لیکن اس سب کے پیچھے اصل مقصد کچھ اور تھا۔"

"مقصد؟"

"پاکستان جانے کے بعد ایک دن ویڈیو کال پر پوچھنے لگا، 'ساتویں فلور کے کسی رہائشی سے ملے؟'، مجھے بہروز کی اس بات پر بہت حیرت ہوئی۔ آخر پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس کے کزن نے سحر کے متعلق معلومات دی تھیں۔" وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گیا۔

"اس نے تمہیں اس لیے یہاں شفٹ ہونے کو کہا کہ سحر کی پھپھو کا فلیٹ ہے یہاں اور وہ کبھی کبھار آیا کرتی ہے۔"

دانیال نے شاک بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہارے آنے سے کچھ ہی دن پہلے وہ پاکستان واپس گئی ہے۔" یاور کی آنکھوں میں ایک نرم تاثر ابھرا۔ "کچھ لوگوں کو نہ دے کر اللہ ہم پر احسان کرتا ہے، ان سے دوری راس آتی ہے، زندگی بہتر ہونے لگتی ہے۔"

"میں بہروز سے بہت ناراض ہوا تھا۔" پھر وہ کچھ دیر بعد بولا۔ "میں اب ایسا کچھ نہیں چاہتا، وہ میرے دل میں کہیں بھی نہیں ہے۔"

"تمہاری دعا قبول ہو گئی۔"

☆☆☆☆☆☆☆

رات میں یاور اپنے فلیٹ میں کام میں مصروف تھا، مگر اس کی توجہ ٹوٹ رہی تھی۔

نظریں کمپیوٹر کی اسکرین پر جمی تھیں، لیکن ذہن میں دانیال کا وہ جملہ گونج رہا تھا۔ "اللہ کا ذکر روح کو سیراب کرتا ہے۔"

اس سادہ سے جملے میں جو یقین تھا، وہ یاور کو بے چین کر رہا تھا۔

ساتھ ہی باپ کا جملہ یاد آیا۔

"تم اپنی روح کے لیے کیا کر رہے ہو؟"

اس نے بے ارادہ موبائل اٹھایا۔

کلب والے گروپ میں پیغامات کی بھرمار تھی۔ چارلس نے کسی نئی پارٹی کی تصاویر شیئر کی تھیں جس میں وہی پرانی رنگینیاں اور شور تھا۔ یاور نے کچھ دیر ان تصویروں کو دیکھا، پھر ایک بیزاری کے ساتھ فون الٹا کر کے میز پر رکھ دیا۔

عشاء کا وقت ہو رہا تھا۔

امریکہ میں اذان کی آواز تو نہیں آتی تھی، مگر یاور کے اندر کے بچپن کی یادیں سر اٹھانے لگی تھیں۔

ڈیڈ کے ساتھ مسجد جانا۔

امی کا جائے نماز تہہ کرنا۔

امبر کا وہ معصومانہ انداز جب وہ چھوٹی عمر میں سر پر دوپٹہ لینے کی ناکام کوشش کیا کرتی تھی۔

کئی مناظر نظروں کے سامنے گھوم گئے۔

امبر نے پہلی بار جب اس سے پوچھا تھا۔ "تمہیں نماز پڑھنی آتی ہے؟" تب وہ صرف نو سال کی تھی اور یاور اس سے پانچ سال بڑا تھا۔

تب وہ ہنسا تھا اور فخر سے کہا تھا۔ "مسلمان ہوں، نماز پڑھنی نہ آئے تو شرم آئے گی۔"

لیکن اس لمحے ایک عجیب سی پشیمانی نے گھیر لیا۔

کیا وہ صرف اپنے والدین کو خوش کرنے کی خاطر نماز پڑھا کرتا تھا؟ یا اس لیے کہ اسے اپنے والد کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا تھا اور مسجد جانا اسی کا ایک ذریعہ تھا!

جیسے ہی اسے آزادی ملی، اس نے سب پیچھے چھوڑ دیا۔

اس کے والد نے تو انگلستان کی مصروفیات میں بھی کبھی کوئی نماز قضا نہ کی تھی، اور وہ۔۔۔

وہ آخر تھا کون؟

اسے امبر کا وہ لہجہ یاد آیا جب اس نے بارہ سال کی عمر میں پہلی بار یاور کو ٹوکا تھا۔ "یاور! جب میں نماز پڑھ رہی ہوں تو کمرے میں نہ آیا کرو۔"

یاور کو تب دکھ ہوا تھا اور امبر ہمیشہ کی طرح اس کا چہرہ پڑھ لیا کرتی تھی۔

اس نے نرمی سے سمجھایا تھا۔ "دیکھو، برا نہ منانا لیکن تم میرے لیے نامحرم ہو اور نماز کے وقت تمہارا مجھے دیکھنا ٹھیک نہیں۔"

یاور نے جھنجھلا کر کہا تھا۔ "میں تو دروازے پر دستک دے کر آتا ہوں۔"

امبر نے بس اتنا ہی کہا تھا۔ "بس نماز کے وقت نہ آیا کرو۔"

وہ اس سے کتنی بہتر تھی، تبھی تو ہر بار حد اسی نے قائم کی۔

یاور کو احساس ہوا کہ وہ تو اپنی محبوب شخصیت سے بھی کچھ نہیں سیکھ پایا۔

ایک غیر یقینی سی کیفیت میں وہ اٹھا اور وضو کے لیے بڑھ گیا۔

اسے اپنی حرکتوں میں وہ اعتماد محسوس نہیں ہو رہا تھا جو دنیاوی کام کرتے وقت ہوا کرتا۔

کیا وہ ایک کامیاب شخص تھا؟

وضو کرنے کے بعد وہ جائے نماز بچھا کر کھڑا تو ہو گیا، مگر اسے لگا جیسے وہ لفظوں کو تلاش کر رہا ہو۔

اس کی نماز مکمل یا بہترین تو نہیں تھی، حرکات میں بھی وہ توازن نہیں تھا جو ایک باقاعدہ نمازی کا ہونا چاہیے، مگر جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو کئی باتیں تھیں جو اس نے رب سے کیں۔

جو وہ کسی سے نہ کہہ پاتا، وہ اپنے مالک سے اس یقین کے ساتھ کہہ رہا تھا کہ وہی سمجھ سکتا ہے۔

سوالوں کی الجھن اور ادھورے جواب۔۔۔سب اسی کے سامنے رکھ سکتا تھا۔

اس رات یاور نے سب سے اہم دعا مانگی۔

گناہوں سے بچنے اور نیکیاں کرنے کی توفیق۔

ہدایت۔

سیدھا راستہ۔

صراطِ مستقیم۔

اسے لگا۔۔۔یہ ملا تو سب مل جائے گا۔

وہ بوجھ جو اس نے انجانے میں برسوں سے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا، نماز کے قریب آ کر ہلکا ہونے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ہفتے کی شام تھی، جب فلیٹ کے دروازے پر گھنٹی ہوئی تو یاور کو تعجب ہوا۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی دانیال اور وہ باہر سے لوٹے تھے۔ سیر و تفریح کی تھکاوٹ اور پیٹ بھر کر کھانے کے بعد کی سستی اس پر غالب تھی، اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ اس وقت کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔ تاہم، جب اس نے پیپ ہول سے دیکھا تو باہر چارلس کھڑا دکھائی دیا، جسے دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔

"حال چال پوچھتے وہ دونوں صوفے پر بیٹھے تو چارلس نے فوراً گلہ کیا۔ "اب تم نے میرے ساتھ وقت گزارنا ترک کر دیا ہے۔"

یاور مسکرایا۔ "ایسا بالکل نہیں ہے چارلس، بس کام کی مصروفیت کی وجہ سے فارغ وقت کم ہی نکلتا ہے۔"

چارلس نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔ "کہیں اس پڑوسی سے زیادہ دوستی تو نہیں ہو گئی؟" یاور نے اسے دانیال کے متعلق پہلے ہی بتا رکھا تھا۔

اس بات پر یاور ہنس دیا۔ "وہ قریب ہی رہتا ہے، اس کے ساتھ وقت گزارنا اور باہر نکلنا آسان رہتا ہے، اور پھر تمہارے پاس دوستوں کی کون سی کمی ہے۔" یاور نے یہ سب بہت ہلکے پھلکے انداز میں کہا، پھر وہ خاطر تواضع کی غرض سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں آج ہی بیکری سے چیز کیک لایا ہوں۔"

وہ کچن میں کھڑا فریج سے کیک نکال رہا تھا جب چارلس بھی وہیں چلا آیا۔

"میرا گلا خشک ہو رہا ہے، کچھ ٹھنڈا چاہیے۔" یہ کہہ کر اس نے خود ہی فریج کھول لیا۔ فریج میں جوس اور دیگر مشروبات تو تھے، لیکن وہ بوتلیں غائب تھیں جو یاور عموماً چارلس کے لیے لا کر رکھا کرتا تھا۔

چارلس نے فریج بند کیا اور یاور کی طرف دیکھا جو خاموشی سے کیک کے ٹکڑے کاٹ رہا تھا۔ "تم نے میرے لیے کچھ نہیں رکھا؟" اب کی بار وہ واقعی ناراض لگ رہا تھا۔

یاور اس کی طرف پلٹا اور نرمی سے بولا۔ "اب میں گھر میں ایسے مشروبات نہیں رکھتا۔" وہ خود تو کبھی نہیں پیتا تھا، لیکن چارلس کی خاطر فریج کا ایک حصہ ہمیشہ بھرا رہتا تھا۔ اب اس نے یہ بھی چھوڑ دیا تھا۔ کچھ دن قبل جب وہ خریداری کے لیے گیا اور اس ممنوعہ مشروب کے شیلف کی طرف ہاتھ بڑھایا، تو اسے اپنی ذات سے ایک عجیب سی گھن آئی تھی۔ اس نے ارادہ بدل لیا تھا۔

چارلس نے اسے حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات سے دیکھا۔ "اس کا مطلب میں یہ سمجھوں کہ تم آئندہ کلب بھی نہیں آؤ گے؟"

یاور نے کیک کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی اور صرف اتنا کہا۔ "میں اپنا طرزِ زندگی بدل رہا ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

امبر کی آنکھ کھلی تو اسے کمرے کی روشنی غیر معمولی طور پر تیز محسوس ہوئی۔

چند لمحے وہ نیم غنودگی میں پلکیں جھپکاتی رہی، پھر دھیرے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے دیوار کے قریب دو اونچے روشندان دکھائی دیے، جہاں سے صبح کی روشنی اندر اتر رہی تھی۔

اس کمرے میں قدرتی روشنی کا واحد ذریعہ یہی تھے۔

وہ چند لمحے انہیں گھورتی رہی۔

پھر اچانک اس کے ذہن میں سوال ابھرا۔

وہ سو کیسے گئی تھی؟

وہ بھی پوری رات کے لیے؟

اس نے تو کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔

اگلے ہی لمحے اسے یاد آیا۔۔۔اس نے کھانے کی ٹرے میں رکھا پانی پیا تھا۔

کیا اس میں نیند کی دوا ملائی گئی تھی؟

نہیں، اسے وہ بوجھل پن محسوس نہیں ہو رہا تھا جو ایسی کسی دوا کے اثر سے ہوتا ہے۔ وہ تھکاوٹ کے باعث سونے میں کامیاب رہی اور یہ اس کے حق میں بہتر تھا۔

اسی لمحے دروازے کے باہر وہی مخصوص آہٹ سنائی دی۔

لاک کھلنے آواز۔

امبر فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

دروازہ کھلا اور کل والی ملازمہ ناشتے کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئی۔اس کا چہرہ ویسا ہی بے تاثر تھا۔

وہہ کچھ کہے بغیر آگے بڑھی اور ٹرے بیڈ پر "بھاگنے کی کوئی بھی کوشش فضول ہو گی۔" رکھتے ہوئے بولی۔

اس نے ایک خبردار کرتی نگاہ امبر پر ڈالی، پھر مڑی اور باہر نکل گئی۔

اگلے ہی لمحے دروازہ بند ہونے اور باہر سے لاک لگنے کی آواز آئی۔

امبر نے ہونٹ بھینچ لیے۔

اسے شدت سے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔کل دوپہر کے بعد سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔جسم میں کمزوری سی اتر رہی تھی۔

وہ پہلے واش روم گئی۔

ٹھنڈے پانی کے چھینٹے چہرے پر مارنے کے باوجود طبیعت پوری طرح بحال نہ ہوئی۔

واپس آکر اس نے ناشتے کی ٹرے کی طرف دیکھا۔چند لمحے وہ تذبذب میں رہی، پھر برتن ٹٹولنے لگی۔

اسے توانائی کی ضرورت تھی۔

اگر اسے یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ڈھونڈنا تھا تو خود کو تندرست اور چوکس رکھنا ضروری تھا۔

اسی سوچ کے تحت وہ ناشتہ کرنے بیٹھ گئی۔

ابھی اس نے دو ہی نوالے لیے تھے کہ ٹھٹک کر رکی۔

یہ اس کا پسندیدہ ناشتہ تھا۔

ایک لمحے کو اس کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ گئے۔

یہ اس کے اغوا کرنے والے کو کیسے معلوم تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر37

امبر سحر

امبر کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی کہ اچانک باہر کی راہداری میں بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔

تھوڑی ہی دیر میں دروازے کی کنڈی کھلی اور سحر اندر داخل ہوئی۔

"سحر ؟"امبر بے ساختہ دو قدم آگے بڑھی۔

پھر اگلے ہی لمحے اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔

اس نے بغور آنے والی کا جائزہ لیا۔

اس کے چہرے کا مخصوص ٹھہراؤ غائب تھا، پیشانی پر پسینے کے ننھے قطرے اس کے اندرونی خلفشار کا پتہ دے رہے تھے۔

ان دونوں کو تو ساتھ ہی اغوا کیا گیا تھا۔

پھر سحر کیسے یہاں تک پہنچ گئی؟

"لمبی تمہید باندھنے کا وقت نہیں، امبر۔" سحر دروازہ بند کرتی اندر آ گئی۔ "فراز کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

امبر کو اس خبر سے جھٹکا تو لگا لیکن اس کی وجہ فراز کی گرفتاری سے زیادہ ٹائمنگ تھی۔

اغوا، سحر کی آمد، یہ خبر۔

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے بیڈ کی جانب بڑھی اور کونے پر جا بیٹھی۔

تمہارے بھائی کی ذہانت اسے سلاخوں کے پیچھے لے گئی ہے، امبر۔" سحر کے لہجے میں تھکن واضح تھی۔ "یاور نے وہ تمام ثبوت پولیس کو دے دیے ہیں جو اس نے پچھلے چند مہینوں میں جمع کیے تھے۔"

امبر نے ایک گہری سانس لی۔ "سالوں پھلنے پھولنے والے جرائم کو بھی ایک ہی بار جڑ سے اکھاڑ کر پھینکا جاتا ہے۔" اس نے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے پوچھا۔ "اس سب میں تمہارا کیا کردار تھا، معاون کا یا ماسٹر مائنڈ تمہی تھی؟"

سحر اس کے قریب آئی اور بہت سرد لہجے میں بولی۔ "اب تم مجھے یہاں سے نکلنے کا راستہ دو گی۔ تم یاور کو ابھی کال کرو گی اور اسے بتاؤ گی کہ تم یہاں اپنی مرضی سے سیر و تفریح کے لیے آئی تھی اور فراز پر لگے تمام الزامات غلط ہیں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو یاد رکھنا، فراز تو جیل جائے گا ہی، مگر تم کبھی اس عمارت سے باہر نہیں نکل پاؤ گی۔"

امبر نے بنا کوئی جواب دیے اسے مذاق اڑاتی نظروں سے دیکھا۔ "تھوڑی دیر مزید اداکاری کر لیتی تو یہاں سے فرار ہونے کا ڈرامہ بھی رچایا جا سکتا تھا۔ مجھ سمیت سبھی پر یہی ظاہر کرتیں کہ یہاں سے جان بچا کر بھاگی ہو۔"

"اتنی جلدی تمہیں یاور کے حوالے نہیں کرنا چاہتی۔" سحر مسکرائی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کا کھانا آنے سے پہلے ہی سحر آ گئی۔

"شاید تمہیں یاور نے میرے متعلق کچھ بتایا ہو۔" وہ بیڈ کے دوسرے سرے پر آ کر نیم دراز ہو گئی۔ "میں ایک پراجیکٹ پر کام کر رہی ہوں۔"

"اس نے مجھے کسی پراجیکٹ کا نہیں بتایا۔"

سحر ٹیک لگاتی سیدھی ہو بیٹھی۔

"وہ بھی نہیں جانتا۔" امبر کو دیکھتے ہوئے وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ "یاور کو امریکہ میں دیکھا، مشاہدہ کیا، اور میرے ذہن میں ایک تھیوری بنی۔"

"تھیوری؟" امبر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔

"مجھے لگا یاور خودکشی کر لے گا۔" وہ اب بہت دلچسپی سے امبر کے تاثرات جانچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

امبر کے لیے اندازہ لگانا قدرے مشکل تھا، وہ اسے اکسا رہی تھی یا واقعی سچ بول رہی تھی۔

دونوں صورتوں میں معاملہ حساس تھا۔

اس نے چہرہ بے تاثر رکھا۔

"مجھے وہ فائز جیسا لگا۔"

امبر کچھ نہ بولی۔

"تم مختلف ہو۔" سحر کے ان الفاظ پر امبر مسکرائی۔

"میرا ردعمل تمہاری توقعات کے مطابق نہیں ہوتا اس لیے؟"

"یہ بھی لیکن۔۔۔" وہ الجھن زدہ انداز میں بولی۔ "کچھ اور بھی ہے۔"

کچھ دیر کمرہ خاموش رہا۔

"تم نے یاور سے دور ہونے کا فیصلہ کیوں کیا؟" سحر کی آنکھوں میں حیرت تھی اور ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ اسے کچھ حیران کر دیتا۔ "کون محبت میں اتنا سوچتا ہے۔ تمہیں نہیں لگتا صحیح غلط کے چکر میں پڑ کر انسان خود پر زندگی کی لذتیں حرام کر دیتا ہے؟ اتنے سالوں کی دوری اور ایک ناکام شادی۔ کیا فائدہ ہوا تمہارے اس فیصلے کا؟"

"ارمغان میرے اس دور کی ضرورت تھا، مجھے بہتر انسان بننے میں اس نے اہم کردار ادا کیا۔ اس شادی شدہ زندگی میں کی گئی غلطیوں نے ایک سبق دیا۔ ضروری نہیں کہ ہر وہ رشتہ جو ختم ہو جائے وقت کا ضیاع رہا ہو۔" وہ رکی۔ "اس شادی سے مجھے اذان ملا۔"

"لیکن۔۔۔"

"گناہ کوئی بھی ہو پر کشش ہوتا ہے، اس میں لذت ہے۔ کچھ تو زندگی کو کئی گنا آسان بنا دیتے ہیں۔" امبر دھیرے سے مسکرائی۔ "درست سمت میں چلنا بہت کٹھن ہے، لیکن روح پر سکون رہتی ہے۔"

"زوہیب اور یاور کی کہانی مختلف ہے۔۔۔" سحر پر سوچ انداز میں بولی۔

"تم کہانیاں اکٹھی کر رہی ہو؟" امبر نے سحر عالم نامی پہیلی کو بوجھنے کی کوشش کی۔

"جانتی ہو زوہیب نے کیا کیا؟" سحر نے ابرو اچکائے۔ "میں اس سے دوستی کرنا چاہتی تھی، اس نے محبت کو چنا۔"

"تم زوہیب کے ساتھ کھیل رہی تھی؟"

سحر نے کندھے اچکائے۔ "وہ چاہتا تھا، میں کھیلوں۔"

"تم نے اس کا پیچھا کیا؟"

"کہانا مجھے یاور کا انجام دیکھنا تھا، اس کے آس پاس رہنے کا بہانہ چاہیے تھا۔" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "پھر زمرد آئی، زوہیب نے پھر محبت کو چنا۔"

"تم نے فراز کے ساتھ مل کر مجھے اغوا کرنے کا منصوبہ بنایا، کیوں؟"

"ہم دونوں نہیں چاہتے تھے کہ یہ شادی ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆

امبر کافی دیر سے کمرے میں بے مقصد گھوم رہی تھی۔

کبھی روشندانوں کے نیچے جا کر کھڑی ہو جاتی، کبھی دیواروں کو دیکھتی جیسے ان میں کوئی دراڑ ڈھونڈ رہی ہو۔ آخر تھک کر اس نے الماری کھولی۔

اندر زیادہ کچھ نہیں تھا۔

چند کمبل، دو خالی ہینگر اور درمیانے خانے میں دو دراز۔

امبر نے جھک کر دایاں دراز کھولا، خالی نکلا۔

دوسرا کھولا، اندر ایک جوڑا بالیوں کا پڑا تھا۔

وہ چند لمحے انہیں دیکھتی رہی، پھر جیسے اس کے ذہن میں کوئی یاد چمکی۔

یہ رانیہ کی بالیاں تھیں۔

وہی چھوٹے موتیوں والی بالیاں جو رانیہ ہمہ وقت پہنے رکھتی۔

امبر کی مٹھی بند ہوتی گئی۔

رانیہ۔

اس کے بھائی فراز کی بیوی۔

اس نے ایک بار پھر پورے کمرے پر نظر دوڑائی۔

اچانک اسے کمرے کی خاموشی پہلے سے زیادہ بوجھل محسوس ہوئی۔

کیا رانیہ بھی کبھی یہاں رہی تھی؟

اسے یہاں رکھا گیا تھا!

وہ سب فراز نے کیا تھا۔

وہی کر سکتا تھا۔

اسی لمحے باہر کنڈی کھلنے کی آواز آئی۔

امبر فوراً سیدھی ہو گئی۔

سحر اندر داخل ہوئی۔اس کی نظر پہلے امبر پر گئی، پھر اس کی بند مٹھی پر آکر رک گئی۔

امبر نے آہستہ سے پوچھا۔"تم لوگوں نے رانیہ کے ساتھ کیا کیا؟"

سحر کے چہرے پر ہلکا سا الجھاؤ ابھرا۔

"رانیہ؟"

امبر نے اس کے قریب جا کر مٹھی کھولی اور ہتھیلی اس کی آنکھوں کے سامنے کی۔

"مجھے یہ دراز سے ملی ہیں۔"

سحر نے بالیوں کو غور سے دیکھا، پھر بہت آہستہ سے ایک سانس خارج کی۔

"تو وہ مجھ سے اس کے نشان بھی چھپاتا رہا۔"ترچھی مسکراہٹ۔"ماضی کے گناہ۔"

امبر کی پیشانی سکڑی۔"کون؟"

سحر نے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارا بھائی،اور کون؟"

☆☆☆☆☆☆☆

شاہ ویز اپنے بیڈ روم میں نیم دراز تھا کہ موبائل کی سکرین شہ پارہ کے نام سے روشن ہوئی۔

کال اٹھاتے ہی شہ پارہ کی پر جوش آواز سنائی دی۔

"شاہ ویز، زوہیب نے مجھے سحر کے بارے میں ایسی باتیں بتائی ہیں کہ اب میرا شک یقین میں بدل رہا ہے۔ مجھے لگنے لگا ہے کہ امبر کے غائب ہونے میں کہیں نہ کہیں سحر کا ہاتھ ضرور ہے، وہ صرف متاثرہ فریق نہیں ہو سکتی۔"

شاہ ویز اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ "اگر تمہارا اندازہ درست ہے شہ پارہ، تو ہم ایک بہت بڑے جال کے سامنے کھڑے ہیں۔ اب تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"وقت ضائع کیے بغیر حرکت میں آنا ہو گا۔" شہ پارہ نے دو ٹوک جواب دیا۔

کچھ دیر بعد شاہ ویز کی سیاہ گاڑی اسلام آباد کی سڑکوں پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ شہ پارہ اس کے پہلو میں بیٹھی خاموشی سے باہر دیکھ رہی تھی، اس کے ذہن میں سحر کی شخصیت کے مختلف گوشے کسی پہیلی کی طرح جڑ رہے تھے۔ وہ سب سے پہلے سحر کے گھر سے عائزہ

کاایڈریس معلوم کر کے اس کی قریبی دوست عائزہ کے گھر پہنچے، مگر وہاں پتہ چلا کہ عائزہ گھر پر موجود نہیں ہے۔

کچھ ٹھیک نہیں ہے شاہ ویز۔" شہ پارہ نے گاڑی میں واپس بیٹھتے ہوئے کہا۔" عائزہ کا" "غائب ہونا بھی کسی بڑے منصوبے کا حصہ لگتا ہے۔

شاہ ویز نے گاڑی اسٹارٹ کی اور انجن کی گرج کے ساتھ گاڑی ریورس کی۔

شہ پارہ اور شاہ ویز جب عائزہ کے گھر سے نکل کر دوبارہ اس مال کی جانب روانہ ہوئے جہاں سے اس سب کی ابتدا ہوئی تھی، تو سڑکوں پر ٹریفک کی گہما گہمی کم ہو رہی تھی۔ شاہ ویز گاڑی کی رفتار معتدل رکھے ہوئے تھا کہ اچانک ایک سنسان موڑ پر دو موٹر سائیکلیں ان کے سامنے آ کر رک گئیں۔ موٹر سائیکل سواروں کے انداز جارحانہ تھے اور انہوں نے راستہ مکمل طور پر بلاک کر دیا تھا۔

"گاڑی نہیں روکنا شاہ ویز!" شہ پارہ کی آواز میں ایک ایسی سختی تھی جو اس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟ وہ کچلے جائیں گے، بہت برا حادثہ ہو گا۔" شاہ ویز نے رکنے کا سوچا۔

ہونے دو!" شہ پارہ نے سرد لہجے میں کہا اور شاہ ویز کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ جما دیا۔ "سپیڈ بڑھاؤ۔"

شاہ ویز نے دانت پیستے ہوئے اس ہدایت پر عمل کیا۔

گاڑی کی گرج سے ایسا لگا جیسے وہ سامنے کھڑے لوگوں کو روند ڈالے گی، لیکن آخری لمحے پر وہ دونوں موٹر سائیکلیں بدحواسی میں تیزی سے پیچھے ہٹا لی گئیں۔ جیسے ہی شاہ ویز کی گاڑی ان کے درمیان سے گزری، دونوں طرف سے فائرنگ کی آوازوں نے فضا کو چیر ڈالا۔

"نیچے جھک جاؤ!" شاہ ویز چلایا۔

دونوں نے اپنے سر نیچے کر لیے جبکہ شاہ ویز نے اسٹیرنگ کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور گاڑی کی رفتار جنون کی حد تک بڑھا دی۔ گولیوں کی بوچھاڑ گاڑی کے ڈھانچے سے ٹکرا کر خوفناک دھات کی آوازیں پیدا کر رہی تھی۔ جب وہ کچھ فاصلہ طے کر کے آبادی والی سائیڈ پر آ گئے اور خطرہ ٹلا، تو شاہ ویز نے سکون کی سانس لی، مگر ساتھ ہی اسے اپنے کندھے پر شدید جلن اور گرمائش محسوس ہوئی۔

اس نے چھو کر دیکھا تو ہتھیلی خون سے تر تھی۔

اس نے بے تاب ہو کر پہلو میں بیٹھی شہ پارہ کو دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ شہ پارہ کے بازو سے خون بہہ رہا تھا اور اس کے کپڑے سرخ ہو رہے تھے۔

"تمہیں گولی لگی ہے شہ پارہ!" شاہ ویز چلایا، اس کی آواز میں خوف اور غصہ ملا جلا تھا۔

شہ پارہ نے اپنے زخم کو ایک نظر دیکھا۔ "نہیں۔۔۔ بس چھو کر گزری ہے، تم گاڑی چلاتے رہو۔"

اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے پرس سے فون نکالا اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ارمغان کا نمبر ملانے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

شاہ ویز نے آنکھیں کھولیں تو پہلا احساس کمرے میں موجود بھینی بھینی مہک کا تھا۔ کوئی اس کے لیے پھول لایا تھا۔

اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو سامنے شہ پارہ کا چہرہ تھا جس پر پریشانی کی ایک ہلکی سی لہر ٹھہری ہوئی تھی۔ غالباً اسی نے اس کے بیڈ کے پاس رکھی میز پر وہ پھول سجائے تھے۔

"تم سے پھول لینے کے لیے کندھا زخمی کروانا تھا، بس اتنی سی بات تھی اور میں سمجھ نہیں پایا۔" وہ بہت آہستہ بول رہا تھا، شاید ابھی تک دوائیوں کا اثر پوری طرح ختم نہیں ہوا تھا۔

شہ پارہ کے لبوں پر مسکراہٹ آئی۔ "میں ہر کسی کے لیے پھول نہیں لاتی، شاہ ویز۔" پھر وہ لہجہ بدل کر بولی۔

"کیا اس بات کا وہی مطلب ہے جو میں سمجھ رہا ہوں؟"

"اب تمہیں ہر بات سمجھ آنے لگی ہے!"

"صرف پھول نہیں، سوپ بھی بنا کر لائی ہوں۔"

شاہ ویز کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے گردن ترچھی کر کے اپنے پٹی بندھے کندھے کو دیکھا اور دبی آواز میں کہا۔ "شکریہ!"

شہ پارہ ہنس دی۔ "فلمیں بہت دیکھتے ہو۔"

"بازو کیسا ہے؟" شاہ ویز نے اس کے پٹی زدہ بازو کی طرف اشارہ کیا۔

"بہت بہتر۔"

اس پر شاہ ویز نے خاموشی سے شہ پارہ کو دیکھا۔اس نظر میں کچھ ایسا تھا کہ شہ پارہ نے فوراً اٹھ کر اس کے لیے سوپ نکالنا شروع کر دیا۔

"سوپ بھی لائی ہوں۔"

شاہ ویز نے شرارت سے کہا۔"جیسا کہ تم جانتی ہو اور آج کے لیے میری 'ہمدرد' بھی ہو، میرا کندھا زخمی ہے اس لیے سوپ تمہیں ہی پلانا ہو گا۔"

شہ پارہ نے رک کر اسے دیکھا۔"ابھی کچھ دیر پہلے جب تم پہلی بار ہوش میں آئے تھے اور یہاں تمہاری فیملی بھی موجود تھی، تب تمہاری گفتگو کا طرز کچھ اور ہی تھا۔"

"مان لو، تمہارے معاملے میں سنجیدہ ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆

ملازمہ نے نایاب کی آمد کا بتایا تو ارمغان نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کو کہا۔

"کیسے ہیں آپ؟" ارمغان کے کمرے میں داخل ہونے پر وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سچ میں یوں لگتا ہے جیسے تمہارا پروفیسر ہوں۔" وہ اس کے یوں اٹھ کھڑے ہونے پر کہہ رہا تھا، وہ مسکرا دی۔

"اب اتنے بھی بڑے نہیں آپ۔" وہ اس کے چہرے کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے گویا تسلی دی۔

"اذان کو تو نہیں بتایا؟" اس کے لہجے کی فکر ارمغان کو اچھی لگی۔

"نہیں۔" ارمغان سامنے بیٹھ گیا۔

"میں اسے اکثر یاد کرتی ہوں۔"

"ملنے آسکتی ہو۔" وہ محتاط لہجے میں بولا۔

"یہی سوچ کر آگئی۔" وہ ٹھہر کر بولی۔ "آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟"

"فکر مند تو ہوں ہی۔۔۔بس سمجھ نہیں آ رہی، ماجرہ آخر ہے کیا!" پھر کچھ خیال آنے پر اچانک بولا۔ "تمہاری تو جاب بھی نہیں رہی، اب کیا کرو گی۔"

"فی الحال تو وہ رقم چل رہی ہے جو امبر نے دی تھی۔"

اس کے لوٹانے کی کوشش پر امبر نے انکار کر دیا تھا، 'تم نے مجھے حقیقت سے روشناس کرایا، اس کی قیمت تو ادا کی ہی نہیں جا سکتی۔'

"ایک ذاتی سوال پوچھوں؟" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

ارمغان نے سر اثبات میں ہلایا۔

"آپ امبر کے لیے کیا محسوس کرتے ہیں۔" اگلے ہی لمحے وہ گڑبڑا گئی۔ "شاید اس موقع پر ایسا سوال نہیں کرنا چاہیے لیکن۔۔۔"

وہ مسکرایا۔

"ہمارے بیچ کبھی محبت تھی، نفرت ہم اب بھی نہیں کرتے۔"

"کیا آپ کو لگتا ہے کہ آپ۔۔۔" وہ گود میں رکھی انگلیاں آپس میں پیوست کرنے لگی۔ "کوئی نئی شروعات کر پائیں گے؟"

"وہ آغاز ہو چکا ہے۔" ارمغان کے ان الفاظ پر نایاب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو اسی پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

پچھلے دو دنوں سے امبر نے کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔

کبھی دو نوالوں کے بعد پلیٹ ایک طرف سرکا دیتی، کبھی صرف چائے پی کر رہ جاتی۔

ملازمہ جب بھی آتی اسے امبر پہلے سے زیادہ کمزور دکھائی دیتی۔ اپنے خدشے کا اظہار اس نے سحر سے بھی کیا تھا۔

مگر امبر نے کوئی شکایت نہیں کی۔

دروازہ پیٹا، نہ چیخی۔

اس صبح بھی حسبِ معمول دروازہ کھلا۔ ملازمہ ناشتے کی ٹرے اٹھائے اندر آئی اور بیڈ پر ٹرے رکھ دی۔

امبر بیڈ پر ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

بکھرے بال، زرد چہرہ اور نیم وا آنکھیں۔

ملازمہ نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی اور مڑ گئی۔

دروازہ لاک ہونے ہی والا تھا کہ اچانک زور کی آواز آئی۔

ٹرے برتنوں سمیت فرش پر گر گئی تھی۔

ملازمہ فوراً دروازہ کھولتی واپس اندر آئی۔

"کیا ہوا؟"

امبر بیڈ پر اوندھے منہ گری پڑی تھی۔

ملازمہ تیزی سے اس کے قریب گئی۔

"بی بی؟"

وہ جھک کر اسے سیدھا کرنے ہی والی تھی کہ اگلے ہی لمحے سب اتنی تیزی سے ہوا کہ اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔

امبر نے بجلی کی سی پھرتی سے دونوں ہاتھوں میں جکڑی ہوئی چادر اس کے بازوؤں کے گرد لپیٹ دی۔

ملازمہ کے منہ سے گھٹی ہوئی چیخ نکلی۔

امبر نے فوراً اپنا رومال اس کے منہ پر کس کر باندھ دیا۔

وہ سنبھلنے کی کوشش کرتی رہی مگر امبر پوری قوت سے اس پر جھک گئی۔ کمزوری کے باوجود اس کے اندر کئی دنوں کا جمع ہوا خوف اور بقا کی ضد ایک ساتھ جاگ اٹھی تھی۔

چند ہی لمحوں میں ملازمہ پوری طرح بندھ چکی تھی۔

"آواز نکالی تو جان سے مار دوں گی۔" وہ ہانپتی ہوئی سرگوشی میں بولی۔

ملازمہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

امبر نے اسے گھسیٹ کر واش روم تک پہنچایا۔

دروازہ کھولا، اسے اندر دھکیلا اور فوراً باہر سے کنڈی چڑھادی۔

اندر سے مدھم دھپ دھپ کی آواز آنے لگی۔

امبر چند لمحے وہیں کھڑی تیز سانسیں لیتی رہی۔

پھر اس نے خود کو سنبھالا۔

دروازے کی طرف بڑھی۔

اور جب سے یہاں آئی تھی، پہلی بار کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

امبر راہداری میں نکلی تو پہلی بار اسے اندازہ ہوا کہ باہر نکلنا اتنا آسان نہیں تھا جتنا کمرے سے فرار ہونا۔

مرکزی حصے کی طرف جاتے ہوئے اسے دور دو مسلح گارڈز دکھائی دیے۔ مرکزی ہال سے بھی لوگوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ سامنے والے راستے سے نکلنے کا مطلب سیدھا پکڑے جانا تھا۔

وہ فوراً پلٹی اور دوسری طرف بڑھ گئی جہاں عمارت کا نسبتاً سنسان حصہ تھا۔ کچھ دور جا کر اسے سروس ایریا دکھائی دیا۔ وہ راستہ جہاں سے ملازمین اور سامان اندر لایا جاتا تھا۔

وہ دبے قدموں سے آگے بڑھی۔

کچن کے عقب میں ایک چھوٹا سا لوڈنگ ایریا تھا۔ خالی کریٹس، آٹے کے تھیلے اور گیس کے بڑے سلنڈر دیوار کے ساتھ رکھے تھے۔ ایک گارڈ کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا جبکہ دوسرا چند قدم دور کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔

امبر چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔

پھر بہت احتیاط سے آگے بڑھی اور ایک سلنڈر کی نوب معمولی سی گھما دی۔

ہلکی سی "سسسس" کی آواز ابھری۔

چند ہی لمحوں میں گیس کی بو پھیلنے لگی۔

امبر فوراً پیچھے ہٹ کر بڑے کارٹنوں کے ڈھیر کے پیچھے دبک گئی۔

پہلے اونگھتے ہوئے گارڈ نے ناک سکیڑی، پھر چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔

"گیس؟"

اگلے ہی لمحے وہ اٹھ کر زور سے چلایا۔

"ارشد! ادھر آؤ!"

دوسرا گارڈ بھی فوراً لپکا۔ چند سیکنڈ میں مزید قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ سب کا دھیان کچن کے حصے کی طرف ہو گیا۔

اسی افراتفری میں امبر کارٹنوں کے پیچھے سے نکلی اور دیوار کے ساتھ ساتھ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

وہ گیٹ کی طرف نہیں گئی۔

دوڑتے ہوئے اچانک اس کی نظر زمین کے قریب بنی لوہے کی جالی پر پڑی۔ شاید بجلی یا پائپ لائن کے لیے بنایا گیا تنگ سروس راستہ تھا۔ جالی کا ایک کونا مکمل بند نہیں تھا۔

امبر فوراً گھٹنوں کے بل بیٹھی اور پوری قوت سے اسے کھینچا۔

زنگ آلود جالی ایک طرف سرک گئی۔

اندر اندھیرا تھا اور شدید بدبو آ رہی تھی۔

پیچھے سے آوازیں قریب آ رہی تھیں۔

اس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا اور خود کو اس تنگ راستے میں دھکیل دیا۔

کھردری دیواریں اس کے بازوؤں سے رگڑ کھا رہی تھیں۔ کئی جگہوں پر اسے تقریباً رینگنا پڑا۔ سانس گھٹنے لگی تھی مگر وہ رکی نہیں۔

کچھ دیر بعد اسے آگے ہلکی روشنی دکھائی دی۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی اور آخر کار باہر نکل آئی۔

تازہ ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی۔

وہ عمارت کے باہر، اس کے پچھلے حصے میں تھی جہاں جھاڑیاں اور جنگلی گھاس پھیلی ہوئی تھی۔ دور سے اب بھی گارڈز کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں مگر کسی کی نظر یہاں تک نہیں پہنچی تھی۔

امبر چند لمحے جھکی ہوئی ہانپتی رہی۔

اس کے کپڑے مٹی سے اٹے ہوئے تھے، ہاتھ زخمی ہو گئے تھے۔

اس نے پہلی بار پیچھے مڑ کر عمارت کو دیکھا۔

پھر فوراً نظریں ہٹالیں۔

دور سڑک پر گاڑی کی روشنی ابھری مگر وہ اس طرف نہیں بڑھی۔

وہ سیدھی جھاڑیوں کے گھنے حصے کی طرف دوڑ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ کافی دیر سے انتظار کر رہا تھا، گاڑی بھیجے تو کافی دیر ہو گئی تھی لیکن۔۔۔

وہ اسے سامنے سے آتی دکھائی دی تو اسے لگا جیسے وہ آج اس سے پہلی بار ملنے آ رہی ہو۔

ہلکے فیروزی رنگ کے لباس میں، جس کی بناوٹ قدرے منفرد تھی، وہ آج بہت خوش لگ رہی تھی۔ کھلی کھلی سی۔

"میں نے تو فیملی کے ساتھ آنے کا کہا تھا۔" وہ آگے بڑھا تو نایاب اس شکوے پر مسکرا دی۔

"امی ابو کچھ دیر بعد آئیں گے۔"

"تو ڈرائیور انتظار کر لیتا، انہیں یوں زحمت ہو گی۔" ارمغان کو فکر ہوئی، اس نے گاڑی اسی لیے بھجوائی تھی کہ رات کی تقریب میں آنے سے وہ کہیں انکار نہ کر دے۔

"وہ چاہتے تھے میں پہلے آ جاؤں۔" آج ارمغان گہرے سبز رنگ کے ٹو پیس میں معمول سے بھی زیادہ وجیہہ لگ رہا تھا۔ "خوش ہیں نا؟"

"تم ہمیشہ میرا پوچھتی رہتی ہو۔" ارمغان بولا۔ "کبھی اپنے بھی دل کی سناؤ۔"

"میں ذرا زمرد سے۔۔"

"نایاب، مجھے اپنا آپ تمہارے معیار کا تو نہیں لگتا لیکن۔" وہ آج اسے یونہی نہیں جانے دے سکتا تھا۔ "دل کی سنانا بھی مجبوری ہے۔"

"مجبوری؟" وہ مسکرائی۔

"میں نے اپنے والدین سے تمہاری بات کی ہے۔" وہ گہری نظروں سے اس کے تاثرات جانچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "امید ہے تمہاری طرف سے انکار نہیں ہو گا۔"

"آپ مجھی سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ کچھ سننا چاہتی تھی۔

ارمغان مسکرا دیا۔

"کیونکہ میں نے اتنے روپ کسی اور کے نہیں دیکھے۔"

دونوں ہنس دیے۔

"میں قائل نہیں ہوئی۔"

"تمہارے کپڑوں کا ڈیزائن سب سے مختلف ہوا کرتا ہے۔"

"یہ تو میری صلاحیتوں کی سراہنا ہے۔"

وہ اب واقعی سوچ رہا تھا۔

"تم نے مجھ سے شادی نہ کی تو میں اکیلا رہ جاؤں گا۔"

"میں کسی پر یہ ظلم نہیں کر سکتی!"

☆☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد کے مضافات میں واقع اس پُر تعیش فارم ہاؤس کی فضا آج کسی طلسماتی نگری کا منظر پیش کر رہی تھی جسے زوہیب اور زمرد کی شادی کے لیے خاص طور پر منتخب کیا گیا تھا۔ رات کا جوبن تھا اور باغیچے میں کھڑے قدیم درختوں کی شاخوں سے لٹکتی چھوٹی چھوٹی روشنیاں ایسی لگ رہی تھیں جیسے ہزاروں جگنو ایک ساتھ اتر آئے ہوں۔ سفید پھولوں کی مہک اور صندل کی دھونی نے ماحول کو ایک مسحور کن خوشبو سے بھر دیا تھا۔

اسٹیج پر زوہیب نے کن اکھیوں سے اپنے پہلو میں بیٹھی زمرد کو دیکھا، جو اس کے چنے ہوئے سرخ عروسی جوڑے میں ہمیشہ سے زیادہ دلکش لگ رہی تھی۔ وہ ذرا سا اس کی طرف جھکا، یہ سوچے بغیر کہ ارد گرد اسٹیج پر ان کے کچھ اپنے بھی موجود ہیں۔

"رات کو میں نے اپنی ڈائری کھول کر دیکھی۔۔۔" زوہیب نے سرگوشی کی۔

اتنے پر ہی زمرد نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا، "تم ڈائری لکھتے ہو؟ کبھی بتایا نہیں۔"

زوہیب نے اپنی مسکراہٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے جواب دیا۔ "نہیں لکھتا، بس کبھی کبھار کچھ غیر معمولی ہو تو لکھ بھی لیتا ہوں۔"

زمرد کو اپنی اس بے اختیار حرکت کا احساس ہوا تو شرماتے ہوئے چہرے کا رخ دوبارہ سامنے کی طرف کر لیا۔ زوہیب ایک بار پھر اس کے کان کے پاس جھکا۔ "میں نے کچھ دن پہلے کچھ لکھا تھا۔"

زمرد نے بڑھتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ دوبارہ اسے دیکھا جو اس وقت بہت قریب تھا۔

زوہیب شرارت سے بولا۔ "لکھ کر بھول گیا تھا۔"

"اتنا تجسس ابھارنا رومینس میں اچھا نہیں لگتا۔" زمرد نے منہ بنا کر دوبارہ سامنے دیکھنا شروع کر دیا۔ زوہیب ہنس دیا۔ اسٹیج سے نیچے کھڑے تمام لوگ انہیں بہت دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ سیف کچھ بولنے ہی والا تھا کہ شہ پارہ نے اسے کہنی مار کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"بس ایک جملہ تھا جو تمہارے حوالے سے لکھا تھا۔" وہ بولا۔

" My soul is falling in love with hers."

(میری روح اس کی روح کی محبت میں مبتلا ہو رہی ہے۔)

زمرد نے حیرت سے زوہیب کو دیکھا، پھر خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔ "یہ کب لکھا تھا؟"

تمہارا میرہاؤس سے رشتہ آنے سے پہلے۔ "زوہیب نے اب سامنے دیکھتے ہوئے سپاٹ" "لہجے میں جواب دیا۔ "سحر سے منگنی ٹوٹنے سے بھی پہلے۔

زمرد کے لبوں پر ایک مسکراہٹ رقص کرنے لگی، وہ زیرِ لب بولی۔ "چیٹر!"

"پھر کچھ لمحوں بعد اس نے شکوہ کیا۔ "بھلا محبت کا اظہار بھی اتنی دیر سے کیا جاتا ہے؟"

زوہیب نے سب کے سامنے زمرد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور یونہی تھامے ہوئے اسے نرمی سے اپنی گود میں رکھ لیا۔ زمرد کو اپنے چہرے کا درجہ حرارت بڑھتا ہوا محسوس ہوا۔

"دیر کی ہوتی تو کیا آج تم میری دلہن بنی یہاں بیٹھی ہوتیں؟" زوہیب نے پوچھا اور زمرد کے پاس خاموش رہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"زوہیب کی سرگوشیاں میری سمجھ سے باہر ہیں۔" شاہ ویز کی اس بات پر شہ پارہ کو واقعی غصہ آیا۔

"کسی کے بے حد ذاتی لمحے پر تبصرے کرنا ایک مہذب انسان کو تو زیب نہیں دیتا۔" لہجہ تیکھا تھا۔

دونوں سٹیج کے ایک کونے میں کھڑے تھے۔

"شہ پارہ مجھے مہذب لوگوں میں گردانتی ہیں، انٹر سٹنگ۔" شاہ ویز کے ان الفاظ پر اس نے جتاتی ہوئی ایک نظر اس کی پٹی زدہ بازو پر ڈالی۔

زخمی تھا پر عادت سے مجبور!

"تم میرے اس تبصرے کا مقصد نہیں سمجھ پائی۔" شاہ ویز کی آنکھوں میں وہ مخصوص چمک اتر آئی تھی جسے بوجھنا شہ پارہ کو اکثر مشکل لگتا۔ "میں بھی اس مقام تک پہنچنا چاہتا ہوں۔" اس نے آنکھوں سے سٹیج پر بیٹھے زوہیب کی جانب اشارہ کیا۔

وہ ہنس دی۔ "اس نے بہت پاپڑ بیلے ہیں۔"

"مجھے بھی طریقہ بتاؤ۔" وہ اب مسکرا رہا تھا۔ "تمہاری مرضی کے بیلوں گا۔"

شہ پارہ نے نظریں چرائیں۔

"یہ بھی کوئی انداز ہوا پرپوز کرنے کا۔"

"وہی تو پوچھ رہا ہوں، بتاؤ۔"

"محبت کرنے والوں کو بہت طریقے آتے ہیں۔"

"محبت کی بات کون کر رہا ہے۔" وہ مصنوعی سنجیدگی طاری کرتے ہوئے بولا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ فار نزک سے رشتہ جوڑ لوں، فائدے میں رہوں گا۔"

وہ ناراض سی نگاہ اس پر ڈالتی وہاں سے جانے کو مڑی۔

"اوہ پلیز، تم جانتی ہو سچ یہ نہیں۔"

وہ دونوں اب آگے پیچھے چل رہے تھے۔

"تمہیں کوشش کرنی ہو گی، شاہ ویز۔" وہ آگے اور شاہ ویز اس کے پیچھے تھا۔ "اتنی آسانی سے بات نہیں بنے گی کہ میری بہن کی شادی پر یوں۔۔۔"

وہ اچانک پھرتی دکھاتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"میری پسند اگر کوئی ہے تو وہ تم ہو۔" وہ بولا تو کچھ یوں کہ شہ پارہ کو ارد گرد سب ساکت ہوتا محسوس ہوا۔ "تمہارے چہرے کے بدلتے رنگ، موڈ کا اتار چڑھاؤ، تمہارا پلٹ کر جواب دینا۔۔۔ یہ سب۔" اس نے دل پر ہاتھ رکھا۔ "میرا من پسند ہے۔"

"تمہاری ڈائری پڑھ کر تو لگا تھا کہ تمہارا معیار بہت بلند ہے۔"

"وہ سب ہمارے بیچ ہے۔"

"کیا؟"

"وہی جو وہ نظم کہہ رہی تھی۔"

"اس کے بعد بھی کچھ لکھا؟"

شاہ ویز نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"صرف وہی ایک نظم؟"

"باقی سب تمہاری سنگت میں۔" وہ کھل کر مسکرایا۔ "جانتی ہو جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی، تب سے میرے اندر کی تنہائی مٹ گئی ہے۔"

وہ اسے دیکھے گئی۔

"خواہ تم ناراض رہی یا دور، مجھے کبھی اپنا آپ اکیلا نہیں لگا۔"

اب وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

"اس دنیا میں ایک محبت ایسی بھی ہے، جو بڑھتی ہے اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔" اس لمحے شاہ ویز کی آنکھوں میں سچائی کا عکس نمایاں تھا۔ "وہی محبت مجھے تم سے ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆

"جب تک میں ٹھیک نہ کروں تمہاری ٹائی ٹیڑھی کیوں رہتی ہے۔" ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے وہ دونوں کھڑے تھے اور امبر اس کی ٹائی کی گرہ درست کر رہی تھی۔

"ٹائی ہو یا میں، تم ہمارے کان کھینچتی رہو تو سیدھے رہتے ہیں۔" وہ شرارت سے بولتا اس کی کمر پر دونوں ہاتھ ٹکاتے ہوئے آگے کو جھکا۔

امبر نے اس کے سینے پر ہتھیلیاں پھیلا دیں۔

"حدِ ادب!"

وہ ہنس دیا۔

"تم نے صحیح فیصلہ کیا تھا، امبر۔" وہ بولا تو لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔ "ہمارا الگ ہونا اس وقت کی ضرورت تھا، وہی بہتر راستہ تھا جو تم نے ہم دونوں کے لیے چنا۔"

امبر کی آنکھیں اتنی قریب تھیں کہ وہ چاہتا تو ان میں اپنا عکس دیکھ لیتا۔

"تم میری وہ خواہش ہو جو میں چاہتا ہوں کہ روز پوری ہو۔" وہ رکا۔ "تمہیں حاصل کر کے بھی یوں لگتا ہے جیسے ابھی تمہیں دوبارہ چاہنا باقی ہے۔"

"گھر میرے نام کرنے کی کیا ضرورت تھی، بھلا؟"

"کیونکہ میرے بچپن کے ہر خواب میں تم تھیں، اب خواب پورا ہوا ہے تو نام بھی تمہارا ہونا چاہیے۔" پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا۔ "تم نے جو ناول تحفتاً دیا تھا، اس میں لکھے لفظ سے کیا مراد تھی تمہاری؟"

"Serendipity?"

"تین چار معانی لکھ کر مزید کوئی وضاحت نہیں کی، میں یہ گتھی سلجھا نہیں پایا۔"

"میں چاہتی تھی کہ ہماری اگلی ملاقات یونہی ہو، اچانک، بنا پلان کیے۔" اس کی مسکراہٹ قدرے گہری ہوئی۔ "تقدیر کے اشارے پر۔"

کچھ دیر بعد وہ ڈائننگ ٹیبل پر پہنچے تو اذان پہلے سے وہاں موجود تھا۔

"ارے واہ، یہ کون ہم سے پہلے پہنچ گیا۔" یاور اس کی طرف بڑھا تو اذان فوراً بولا۔

"ماما نے کہا ہے یونیفارم کو گندے ہاتھ نہیں لگانے۔" وہ تنبیہی انداز میں گویا ہوا تو وہ دونوں ہنس دیے۔

"ماما نے آپ کے اپنے ہاتھوں پر دفعہ لگائی ہے۔" یاور نے اس کے ماتھے کو چوما اور سر براہی کرسی سنبھال لی۔

ناشتہ ختم کر کے یاور نے اپنی فائلز سمیٹیں اور اذان کا ہاتھ تھاما۔ اسے آج اسلام آباد کے اس معروف ادارے پہنچنا تھا جو ملک میں فلکیات اور خلائی سائنس کا مرکز تھا، جہاں وہ 'شعبہ فلکیات' کے سر براہ کے طور پر اپنی ذمہ داریاں سنبھال رہا تھا۔ یاور اب ستاروں کی چال نہیں، بلکہ ان نئے طالب علموں کے مستقبل سنوار رہا تھا جنہیں وہ کہکشاؤں کے راز سکھاتا تھا۔

فراز میر، جس کی 'ذہانت' پر پورے خاندان کو ناز تھا، اب اپنے ہی بنے ہوئے جال میں قید ہو کر سلاخوں کے پیچھے اپنی سزا کاٹ رہا تھا۔ یاور کے فراہم کردہ ثبوتوں نے میر کنسلٹنسی کو اب قصہ پارینہ بنا دیا تھا۔ شاہ میر اور دردانہ، جو کبھی اسلام آباد کی سوشل لائف کی روح سمجھے جاتے تھے، اس رسوائی کے بعد خاموشی سے ملک چھوڑ کر باہر جا چکے تھے۔

امبر نے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر یاور اور اذان کو جاتے دیکھا۔

اسے احساس ہوا کہ جب انصاف ہوتا ہے، تو ہر ادھوری کہانی کو مکمل انجام دے دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

سحر ایک غیر ملکی آرٹ گیلری کے پر شکوہ ہال میں کھڑی تھی جہاں اس کی برسوں کی ریسرچ اور محنت کی نمائش ہو رہی تھی۔ سبھی ادھوری پینٹنگز مکمل تھیں، ہر خاکہ واضح ہو چکا تھا۔

اس کے ذہن میں ماضی کے جملے کسی پرانی فلم کی طرح چل رہے تھے۔

فراز گرفتار ہو گیا۔

شہ پارہ اور شاہ ویز بچ نکلے۔

بس انہیں ڈرانا بھی کافی تھا، مجھے قاتلہ نہیں بننا۔

پھر علی کی سرسراتی آواز گونجی۔ "سحر! امبر تو فرار ہو گئی، اب وہ تمہیں پکڑوا دے گی۔"

سحر کا جواب۔ "میری آج کی فلائٹ ہے، میں تب تک نکل چکی ہوں گی۔"

"تمہیں کیسے پتہ تھا کہ وہ بھاگ جائے گی؟"

"وہ زیادہ دیر یہاں رکنے والی نہیں تھی علی، وہ کبھی کسی کی قیدی نہیں رہی، اپنے دل کی بھی نہیں۔"

"وہ آج نہ بھی فرار ہوتی تو۔۔"

"میں نے آج نکل جانا تھا۔ امبر مانے گی نہیں لیکن کچھ ہے جو ہم دونوں میں ایک سا ہے۔ ثبوت سامنے ہے۔ دونوں کے فرار کا دن بھی ایک ہی رہا!"

اب وہ نمائشی ہال میں لوگوں کے بیچ سے گزر رہی تھی اور ارد گرد بکھرے رنگا رنگ تعریفی جملے اس کے کانوں میں پڑ رہے تھے۔

"سنا ہے اس آرٹسٹ نے سالوں ریسرچ کر کے یہ آرٹ تخلیق کیا ہے۔"

"واہ! محبت کو کیا خوب پورٹرے کیا ہے۔"

سحر ان جملوں سے بے نیاز چلتی ہوئی مرکزی ہال کے آخری کونے میں چلی گئی جہاں پہلے سے ایک عورت کھڑی تھی۔

وہ سحر کے آنے پر چونکی۔

تینتیس سالہ خوبصورت مگر بے حد اداس عورت، جس کے نقش و نگار بتا رہے تھے کہ وہ پاکستانی ہے۔ شاید کسی کے ساتھ آئی تھی لیکن آرٹ کو وقت دینے کے بجائے یہاں اکیلی کھڑی تھی۔

"کیا ہوا؟ محبت کی ماری ہو؟" سحر کے اس اچانک سوال پر وہ عورت بوکھلا گئی۔

سحر اس کی کیفیت دیکھ کر ہلکا سا ہنس دی۔ "میں پہچان لیتی ہوں۔"

وہ عورت کچھ لمحے خاموش رہی، پھر جیسے خود پر قابو پاتے ہوئے دکھ بھرے لہجے میں بولی۔ "اسے میری قدر نہیں، راتوں کو دیر سے آتا ہے اور کبھی بات مار پیٹ تک بھی چلی جاتی ہے۔"

"جبکہ تم اس انتظار میں ہو کہ کب وہ اس غفلت کی نیند سے جاگے اور تم سے محبت کرنے لگے۔"

اس عورت نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"اسی جادوئی لمحے کی منتظر ہونا؟" پھر بے تکلفی سے اس کا بازو تھامتے ایک طرف چل دی۔ "آؤ تمہیں کچھ دکھاؤں۔"

جبکہ تم اس انتظار میں ہو کہ کب وہ اس غفلت کی نیند سے جاگے اور تم سے محبت کرنے" "لگے۔

اس عورت نے تعجب سے اسے دیکھا، جیسے سحر نے اس کے اندر کا کوئی چھپا ہوا زخم چھو لیا ہو۔

اسی جادوئی لمحے کی منتظر ہونا؟" سحر کے لہجے میں ایک عجیب سی سفاکی تھی۔ "آؤ تمہیں" "کچھ دکھاؤں۔

وہ اسے لے کر ہال کی اس بڑی دیوار کی جانب بڑھی جہاں دو قد آور فن پارے نصب تھے جن پر گیلری کی روشنیاں نہایت دلکش انداز میں پڑ رہی تھیں۔

پہلے فن پارے میں پرندوں کے ان گنت پروں کو اس مہارت سے جوڑا گیا تھا کہ وہ ایک مکمل دل کی شکل اختیار کر گئے تھے، مگر اس دل کے اندرونی کھوکھلے حصے میں کسی سیاہ شے سے ایک آدمی کا ہیولہ بنا ہوا تھا جو ایک تنگ پنجرے میں قید تھا۔

"یہ وہ انسان ہے جس نے محبت کے نام پر خود کو اس لو تھڑے کے حوالے کر دیا۔" سحر نے اس تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کی قید کسی جادو گرنے نہیں، اس کے اپنے جذبے نے تخلیق کی ہے۔"

اسی کے ساتھ دوسرا فن پارہ تھا، اس میں بھی پروں سے دل ہی بنایا گیا تھا، مگر یہاں اس کے اوپر ایک آدمی کا ہیولہ کسی چمکدار سنہری شے سے بنا ہوا تھا۔ اس ہیولے کے سر پر ایک تاج تھا اور وہ اپنے دونوں بازو پھیلائے اس وقار سے بیٹھا تھا جیسے وہ دل کا غلام نہیں بلکہ دل اس کی رعایا ہو۔

سحر اس عورت کی جانب مڑی، اس کی آنکھیں اب بھی کسی جذبے سے عاری تھیں۔

"میں آج تک محبت میں انسان کے یہی دو روپ دیکھ پائی ہوں۔ مفتوح یا فاتح۔"

اس کے بعد وہ اس عورت کو وہیں چھوڑ کر مڑی اور ہال کے مرکزی دروازے کی طرف چل دی۔

باہر کھلی فضا میں قدم رکھتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا۔

اگر میرے بس میں ہو تو ہر کسی سے ایک ہی سوال پوچھوں۔

خود سے محبت ہے یا کسی دوسرے سے توقع ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆

ختم شد